ہماری ویب ڈیجیٹل بک

عقیل خان

AQEEL KHAN

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Aqeel Khan"
at Hamariweb.com

انڈیا والو! اپنی اوقات میں آلو

پاکستان اور بھارت کبھی ایک ہی تھے مگر 1947 میں جب سے پاکستان بنا اس دن سے آج تک ہمارا دشمن ہے تو صرف بھارت ہے۔ بھارت پاکستان کا ہمسایہ ملک ہونے کے ساتھ ساتھ ازلی دشمن بھی ہے۔ بھارت نے آج تک پاکستان کے وجود کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ دشمنی نبھانے میں بھارت نے پاکستان کے خلاف کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کشمیریوں کو کس بات کی سزا دی جارہی ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔ تاریخ اٹھا کر پڑھ لیں کشمیر پاکستان کا حصہ تھا۔ ہندو بنئے اپنے ذہن سے یہ نکال دیں کہ کشمیر ان کا ہے۔ پاکستان اپنے کشمیری بھائیوں کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اور وہ دن دور نہیں جب انشاء اللہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہوگا۔ آج جب پوری دنیا میں جمہوریت کے دعوے دار جمہوریت کے بلند و بانگ دعوے کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ سے لیکر وہ ممالک جو اپنے آپ کو جمہوریت پسند کہتے ہیں وہ کشمیر کے نام پر خاموش تماشائی بنے کیوں بیٹھے ہیں؟ کشمیریوں پر ظلم امریکہ اور اسکے اتحادیوں کو کیوں نظر نہیں آتا؟ وہ انڈیا میں جا کر کشمیریوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے کہ اس پر بھارت مسلط ہے۔ امریکہ اور دیگر غیر مسلم طاقتوں کو انسانی ہمدردی نہیں ہے بلکہ انکی مسلم ممالک کی معدنیات پر قابض ہونے کی مسلم دشمن پالیسی ہے۔ اگر امریکہ جمہوریت پسند

ہے اور انسانی حقوق کا علمبردار ہے تو پھر کشمیریوں کی آزادی کے لیے بھارت پر حملہ کیوں نہیں کرتا؟ کشمیریوں کو بھارت کے تسلط سے آزاد کیوں نہیں کراتا؟

پچھلے دور حکومت میں تو ہمارے حکمران جن کو صرف اپنی کرسی اور دولت سے پیار تھا وہی لوگ بھارت کو امن کی آشا اور کبھی اسکو پسندیدہ ملک قرار دلوانے میں مصروف تھے۔ کیونکہ ان کو تو بس اپنی جیبیں اور بنک بیلنس بڑھانے سے غرض ہے۔ بھارت پاکستان میں ہمارے دشمنوں کو سپورٹ کر رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے اندر دہشت گردی کی فضا قائم ہو رہی ہے۔ مگر ان حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ایسی حرکتوں سے پاکستان کے اندرونی حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندو بنیے سے کبھی بھی پاکستان کی عوام کی دوستی نہیں ہوئی۔ جب بھی دوستی ہوئی ہے تو صرف حکمرانوں کی ہوئی ہے۔ مگر جو حکمران اپنے مفاد کے لیے یہ باتیں بڑے زور شور سے کر رہے تھے کہ پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کی عوام آپس میں بھائی چارے کا فروغ چاہتے ہیں اور بھارتی حکمران بھی پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات کے حامی ہیں آج وہ کدھر چھپ گئے؟

بھارت سے بھائی چارے کی جو باتیں کر رہے ہیں پہلے وہ اس کو بھی دیکھ لیں۔ بھارت کے اندر جب کوئی بم بلاسٹ ہو یا کوئی ٹارگٹ کلنگ ہو وہ فوراً الزام

پاکستان پر لگاتا ہے اور پھر اسکی بنا پر کشمیری عوام پر ظلم کیا جاتا ہے۔ پاکستان پر جاسوسی کا بھی الزام لگایا جاتا ہے۔ پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے حکمران اور چند بکاؤ اینکرز ٹی وی ٹاک شو پر بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دے رہے تھے۔ بیرونی ممالک کے دوروں پر بھارت کے گن گائے جا رہے تھے۔ ان سے تجارت کی باتیں کی جا رہی تھیں۔ سابقہ دور میں کوئی کنٹرول لائن کی خلاف ورزی نہیں کی گئی اور نہ ہی فضائی حدود کو کراس کیا گیا۔ کیوں؟

ن لیگ کی جب بھی حکومت آتی بھارت جارحیت پر اتر آتا ہے۔ جب پہلے نواز شریف کی حکومت آئی تھی جب بھی کارگل کا واقعہ ہوا تھا اور بھارت کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔ اب پھر ن لیگ کی حکومت ہے اس دن سے بھارت کی فوج ہر روز کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہمارے ملک کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی کہ فضائی حدود بھی کراس کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ بھارتی حکمران سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح کی حرکت کرکے پاکستان کو ڈرایا جاسکتا ہے مگر یہ ان کی بھول ہے۔ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ہم عالمی برادری کو یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی کو ناجائز تنگ نہیں کرتا اور اگر ہماری شرافت کو کمزوری سمجھا جا رہا ہے تو اس کی بہت بڑی بھول ہوگی۔

ہندو بنئے ہماری طاقت سے غافل نہیں ہیں۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں۔ ہماری فوج کو اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی اندازہ ہے کہ کس وقت کس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ بھارت کو معلوم ہے کہ یہ سابقہ حکومت نہیں ہے جو انڈیا پسندیدہ ملک قرار دے دے۔ ہمارے وزیر داخلہ نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ" ہمارا بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینے کا کوئی منصوبہ نہیں"وزیر داخلہ کے اس بیان کے بعد تو بھارت جو اپنا بالا دستی کے چکر میں تھا اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی ۔ اگر بھارت خطے میں امن کا خواہاں ہے اور اپنی خیر چاہتا ہے تو پھر اپنی اوقات سے باہر نہ نکلے۔ بھارت کی بھول ہے کہ وہ اسطرح کی حرکت کرکے پاکستان پر اپنی دھاک بٹھا لے گا۔ پاکستان کا بچہ بچہ اپنے دھرتی کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

اے ہندوں بنیوں ذرا ہوش میں آؤ۔ ہماری پاکستانی فوج کے سامنے تمھاری دگنی فوج کچھ بھی نہیں ہے ۔ ہم تمہیں ایسا سبق دیں گے کہ ساری زندگی تم اور تمھاری آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی ۔ ہماری دھرتی کے محافظ جن پر ہمیں ناز ہے اور ہماری عوام اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تمھاری اینٹ سے اینٹ بجادے گی۔ کیا وہ وقت تمہیں یاد نہیں جب تم اسلحہ چھوڑ کر دوڑ پڑے تھے۔ ہم اب بھی ان کو اتنا کہیں گے کہ انڈیا والو ! اپنی اوقات میں آ لو۔

گڈ بائے مسٹر زرداری

زرداری سے پہلے دس افراد صدر پاکستان کے عہدے پر رہ چکے ہیں۔ آصف علی زرداری پاکستان کے گیارہویں صدر ہیں۔ پاکستان میں سویلین لوگوں کی نسبت فوجی جرنیلوں نے زیادہ حکمرانی کی ہے۔ ایوب خان، یحییٰ خان، ضیاالحق اور پرویز مشرف فوجی حکمران تھے جو تقریباً بتیس سال سے زائد اقتدار پر قابض رہے۔ پاکستان کے گیارہویں اور موجودہ صدر آصف علی زرداری اپنی معیاد پوری کرکے الوداع ہو رہے ہیں۔

آصف علی زرداری کی سیاسی زندگی متنازعہ سیاست اور کرپشن میں مشہور رہی ہے۔

آصف علی زرداری ایک بلوچ سیاستدان اور بھٹو کے ابتدائی سیاسی ساتھی حاکم علی زرداری کے بیٹے ہیں۔ آصف زرداری 1954 میں پیدا ہوئے۔ انکے والد کا زمینداری کے علاوہ سینما گھر اور کراچی میں بھی کاروبار تھا۔ آصف علی زرداری کی ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے دادو میں قائم کیڈٹ کالج پٹارو سے 1974 میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ بعد میں انہوں نے لندن سکول آف اکنامکس اینڈ بزنس نامی کسی ادارے میں بھی داخلہ لیا تھا تاہم انہوں نے اپنے گریجوئیٹ ہونے کی کبھی تصدیق نہیں کی۔ آصف زرداری شروع سے ہی

یاروں کے یار کے طور پر اپنے حلقہ احباب میں جانے جاتے تھے۔ 1968 میں کمسن آصف زرداری نے فلمساز سجاد کی اردو فلم 'منزل دور نہیں' میں چائلڈ سٹار کے طور پر بھی اداکاری کی۔

سیاست سے آصف زرداری کا سن 80ء کے وسط تک دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔البتہ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں آصف زرداری نے نواب شاہ میں صوبائی اسمبلی کی ایک نشست سے کاغذاتِ نامزدگی جمع کرائے تھے۔مگر یہ کاغذات واپس لے لئے گئے۔اسی زمانے میں آصف زرداری نے کنسٹرکشن کے کاروبار میں بھی ہاتھ ڈالا لیکن اس شعبے میں آصف زرداری صرف دو ڈھائی برس ہی متحرک رہے۔

آصف زرداری کے لئے سب سے فیصلہ کن سال 1987 تھا جب انکی (سوتیلی) والدہ اور بیگم نصرت بھٹو نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ ان کا رشتہ طے کیا۔18 دسمبر 1987 کو ہونے والی یہ شادی کراچی کی یادگار تقاریب میں شمار ہوتی ہے جس میں امرا کے شانہ بشانہ ہزاروں عام لوگوں نے بھی شرکت کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد بے نظیر بھٹو اور انکے لاکھوں سیاسی پرستاروں کے لیے یہ پہلی بڑی خوشی تھی۔

1988 میں جب بے نظیر بھٹو برسرِ اقتدار آئیں تو آصف زرداری بھی وزیرِ اعظم ہاؤس میں منتقل ہو گئے۔اور انکی سیاسی زندگی باضابطہ طور پر شروع ہو گئی۔1990 میں بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد ہونے والے انتخابات میں وہ

رکنِ قومی اسمبلی بنے۔1993 میں وہ نگراں وزیرِ اعظم میر بلخ شیر مزاری کی کابینہ میں وزیر بنے پھر بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں رکنِ قومی اسمبلی اور وزیرِ ماحولیات و سرمایہ کاری رہے۔

5 نومبر 1996 کو دوسری بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد آصف زرداری کا نام مرتضی بھٹو قتل کیس میں آیا۔ نواز شریف حکومت کے دوسرے دور میں ان پر سٹیل مل کے سابق چیئرمین سجاد حسین اور سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس نظام احمد کے قتل اور منشیات کی سمگلنگ میں ملوث ہونے، سوئس کمپنی ایس جی ایس کوٹیکنا، دوبئی کی اے آر وائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، ہیلی کاپٹروں کی خریداری، پولش ٹریکٹروں کی خریداری اور فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے،برطانیہ میں راک وڈ سٹیٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ اور سپین میں آئیل فار فوڈ سکینڈل سمیت متعدد کیسز بنائے گئے۔آصف علی زرداری نے حیدرآباد، نواب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زرعی اور کمرشل اراضی خریدی، چھ شوگر ملوں میں حصص لیے۔برطانیہ میں، امریکہ میں ، بلجیئم اور فرانس میں دو دو اور دوبئ میں کئی پروجیکٹس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی۔ جبکہ اپنی پراسرار دولت کو چھپانے کے لئے سمندر پار کوئی چوبیس فرنٹ کمپنیاں تشکیل دیں۔ اس دوران انہوں نے تقریبا دس سال قید میں کاٹے اور 2004 میں سارے مقدمات میں بری ہونے کے بعد انکو رہا کردیا

گیا۔

غلام اسحاق خان سے لے کر نواز شریف اور پرویز مشرف تک کی حکومتوں نے اندرون و بیرونِ ملک ان الزامات ، ریفرینسز اور مقدمات کو آگے بڑھانے کے لیے ایک خطیر رقم خرچ کی۔ آصف زرداری تقریباً مل ملا کر گیارہ برس جیل میں رہے۔ جیل میں بھی آصف زرداری مرکزِ توجہ رہے کیونکہ انھوں نے قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی کام کئے، جن میں کھانے اور کپڑوں کی تقسیم اور نادار قیدیوں کی ضمانت کے لیے رقم کا بندوبست بھی شامل رہا۔ دورانِ قید ان پر جسمانی تشدد بھی ہوا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

جب پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کے مابین امریکہ ، برطانیہ اور بعض بااثر دوستوں کی کوششوں سے مصالحت کا آغاز ہوا۔ اسکے بعد سے انکے اور آصف زرداری کے خلاف عدالتی تعاقب سست پڑنے لگا۔ کوئی ایک مقدمہ بھی یا تو ثابت نہیں ہوسکا یا واپس لے لیا گیا یا حکومت مزید پیروی سے دستبردار ہوگئی۔ اس سلسلے میں اکتوبر 2007 میں متعارف کرائے گئے متنازعہ قومی مصالحتی آرڈیننس نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ستائیس دسمبر 2007 کو بے نظیر بھٹو کی ہلاکت کے بعد آصف علی زرداری کی قیادت میں پیپلز پارٹی انتخابات میں سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ شروع میں اندازہ یہ تھا کہ آصف زرداری صرف پارٹی قیادت پر توجہ

مرکوز رکھیں گے لیکن پھر انہوں نے ملک کا صدر بننے کا فیصلہ کر لیا۔ اگست 2008ء میں الطاف حسین نے زرداری کا نام صدر پاکستان کے عہدہ کے لیے تجویز کیا۔ عموماً صدر نامزد ہونے والے سیاسی جماعت سے مستعفی ہو جاتے ہیں مگر زرداری نے ایسا نہیں کیا بلکہ پیپلز پارٹی کے فعال سربراہ بھی رہے۔ بالآخر عدالت عالیہ لاہور نے زرداری کو مشورہ دیا کہ آئین کی روح کے مطابق صدر رہتے ہوئے سیاسی عہدہ رکھنا مناسب نہیں۔ زرداری پر جہاں مالی بدعنوانی کے بیشمار الزامات آئے۔ رشوت خوری کی شہرت کی وجہ سے مسٹر ٹن پرسینٹ کا خطاب پایا۔ 2008ء میں مختلف موقعوں پر پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف زرداری نے نواز شریف سے کھلے عام تحریری معاہدہ کرنے کے چند روز بعد مکر جانے کے طریقہ کو یہ کہہ کر صحیح طرز عمل گردانا کہ "معاہدے حدیث نہیں ہوتے"۔ آصف علی زرداری نے صدر بنتے ہی اپنے اثر رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا اور اپنے اوپر قائم تمام مقدمات رفتہ رفتہ ختم کرواتے چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مقدمات ختم کروانے میں ایک سابق چیف جسٹس کا بڑا کردار تھا شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کہ ان کی حکومت افتخار چوہدری کو بحال نہیں کر رہی تھی جس کے لیے نواز شریف کو لانگ مارچ کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے مجبور ہو کر حکومت کو افتخار چوہدری کو بحال کرنا پڑا۔

آصف علی زرداری کی زندگی جہاں اتنے الزامات اور خامیوں کی زد میں رہی وہاں پر ہی ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بڑی چالاکی سے اپنے دوستوں کو اپنے جال میں پھانس لیتے تھے۔ اپنے پچھلے پانچ سالہ دور میں کئی اتحادی ہونے کے باوجود ان کی سیاسی ذہانت کی وجہ سے ان کو کوئی بھی نہیں چھوڑ سکا۔ بلکہ خود ان کے مخالفین کو کہتے سنا کہ زرداری کی سیاست کو سمجھنے کے لیے پی ایچ ڈی (PHD) کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ جو کام انہوں نے کیا وہ کبھی کسی صدر نے نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے تمام اختیارات وزیراعظم کو منتقل کردیے۔ یہ پہلے صدر ہیں جنہوں نے اپنے اختیارات وزیراعظم کو دیے ورنہ یہاں تو ایسی مثال ملتی ہیں کہ جن کو پارٹی نے صدر پاکستان بنایا اسی نے اپنی پارٹی کو ڈسا ہے۔ جس کی مثال غلام اسحاق اور فاروق لغاری کی ہیں۔

بمقابلہ طالبان APC

اس صدی میں انسان کو جس چیز کا سب سے زیادہ سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ دہشت گردی ہے۔دہشت گردی خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہو مگر اس میں نقصان تو انسانیت کو پہنچ رہا ہے۔ اموات تو جاندار کی ہو رہی ہیں۔ اس وقت دہشت گردی کا شکار پوری دنیا میں سب سے زیادہ جو ملک ہو رہا ہے وہ پاکستان ہے۔پاکستان ایک پر امن ملک ہے۔ یہ اسلام کے نام پر بنایا گیا ہے۔تاکہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزار سکیں۔ اسلام میں ہمیشہ امن اور بھائی چارے کا درس دیا جاتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان کسی دوسرے انسان کا خون کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ ایک مسلمان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھوں دوسرے انسان کا بھلا ہو۔

ابتداء اسلام سے آج تک غیر مسلم قوتیں مسلمانوں کے خلاف ہی رہی ہیں۔ نبیوں کے دور سے لیکر آج تک کفار مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھاتے آ رہے ہیں۔ پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے اسی لیے شاید غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف اکٹھی ہوگئیں ہیں۔ اسکے بعد سونے پر سہاگہ پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا جو کفار کو بالکل پسند نہیں اور اب ان کی نظر ہماری ایٹمی

ٹیکنالوجی پر ہے۔ پاکستان جو امن کا گہوارہ ہے اس کو ایک سازش کے تحت دہشت گردی کا مرکز بنا دیا گیا ہے۔ پاکستان کا کوئی بھی شہر محفوظ نہیں رہا۔ ہر طرف قتل وغارت ہو رہی ہے۔ دنیاکے کسی بھی حصے میں کوئی دہشت گردی کا واقعہ رونما ہو تو اس کی ذمہ داری فوراً پاکستان پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی سے متاثر بھی یہی ملک ہو رہا ہے جو آج تک دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی میں جو بیرونی اور اندرونی عوامل شامل ہیں ان سے تمام ذی شعور انسان بخوبی واقف ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی کو جو عناصر ہوا دے رہے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں پاکستان میں ہزاروں معصوم شہری اس دہشت ناک دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ کئی گھر اجڑے، کئی سہاگ اجڑے اور کئی ماوؤں کی گود خالی ہو گئیں۔

نو منتخب حکومت پاکستان نے دہشت گردی سے نپٹنے اور ملک میں امن امان کے استحکام کے لیے تمام سیاسی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔ جس میں ملک کی محافظ اور ہماری آن پاکستان کی آرمی نے بھی نہ صرف شرکت کی بلکہ اے پی سی (APC) کو دہشت گردی کے خلاف بریفنگ بھی دی۔ نو منتخب حکومت پاکستان ملک میں امن وامان کی خواہاں ہے۔ اسی لیے انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے مشاورت کے بعد طالبان سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستانی کی عسکری اور

سیاسی قیادت کا یہ فیصلہ طالبان نے بھی دل سے قبول کیا مگر پاکستان اور اسلام مخالف قوت کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان امن کا گہوارہ بنے۔

ہندوستان اور امریکی ایجنٹ پاکستان میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ جس کی مثال ریمنڈ ڈیوس اور شکیل آفریدی کی صورت میں موجود ہے۔ شکیل آفریدی بظاہر مسلمان ہے لیکن ایسے لوگوں کا کوئی دین نہیں ہوتا ان کا سب کچھ پیسہ ہی ہوتا ہے اور یہ لوگ پیسے کر خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں ۔اسلام دشمن عناصر شکیل آفریدی جیسے لوگوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور پھر انہی لوگوں کے ذریعے اپنے مشن میں کامیاب ہوتے ہوئے پاکستان کا امن وامان تباہ کرتے ہیں۔ ماضی میں بھی پاک آرمی نے سوات میں مولانا نیک محمد سے امن معاہدہ کیا تھا مگر امریکہ کو پاکستان میں امن پسند نہیں اسی لیے اس نے نیک محمد کو مزائیل حملے سے نشانہ بنوا کر مروادیا جس کی وجہ سے سوات کا امن تباہ ہو کر رہ گیا تھا۔

پاک آرمی بھی طالبان سے مذاکرات کرنے کی حامی ہے۔ اے پی سی میں چیف آف آرمی سٹاف نے بھی شرکت اور تمام سیاسی قیادت سے متفق ہوتے ہوئے طالبان سے مذاکرات کو نیک شگون قرار دیا۔ مگر امریکہ اور اس کے حواریوں کو یہ مذاکرات بالکل پسند نہیں آئے۔ اسی وجہ سے پہلے کی طرح اب بھی امریکہ اور اس کے

اتحادی پاکستان اور طالبان کے درمیان خلیج بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کے درمیان مذاکرات کامیاب نہ ہوں اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بنے رہیں۔

حال ہی میں اپر دیر میں ہونے والا سانحہ پاکستان کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔جس میں جنرل، لیفٹیننٹ جنرل اور لانس نائیک شہید ہوئے اور اس حملے کی ذمہ داری طالبان نے قبول کرلی مگر سوال یہ ہے کہ یہ طالبان نے حملہ کیا یا پھر طالبان کو بدنام کرنے اورمذاکرات سبوتار کرنے کے لیے امریکی ایجنٹوں نے کیاہے؟امریکہ پاکستان میں مختلف تنظیموں کے ذریعے جاسوسی کررہاہے۔سی آئی اے اوراسکے حلیف پاکستان دشمن عناصر کو مختلف طریقوں کالالچ دیکراپنے ساتھ ملار کرپاک سرزمین کو نقصان پہنچا کراپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہورہاہے۔مسلم دنیامیں واحد ایٹمی طاقت پاکستان ہے ۔جو غیر مسلم طاقتوں کو برداشت نہیں اس لیے امریکہ ، اسرائیل اور بھارت کی نظر پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ہے۔یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان سپرپاور بن کر ابھرے وہ چاہتے ہیں کہ بس پاکستان اپنے اندرونی اور سیاسی مسائل میں الجھا رہے۔

اب جب حکومت پاکستان نے طالبان سے مذاکرات کا حتمی فیصلہ کرلیاہے توپھر اے پی سی والوں کواور فوجی قیادت کو چاہیے کہ اس سے پہلے کہ امریکہ اور اس کے حواری طالبان اور حکومت کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کراکے اپنے ناپاک

مقاصد میں کامیاب ہوں ان دونوں کو چاہیے کہ فوراً جامع مذاکرات شروع کریں اور جلد کسی نتائج پر پہنچ کر امریکہ اور اسکے ایجنٹوں کو بتا دیں کہ پاکستان کے حالات طالبان نے نہیں بلکہ غیر مسلم طاقتوں نے خراب کر رکھے تھے۔

طالبان اگر واقعی سچے مسلمان ہیں اور وہ پاکستان کی بہتری اور اسلام کی سربلندی کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ان کو حکومت پاکستان سے ہاتھ ملانا ہوگا اور حکومت کو بھی پاکستان کی بقا اور سپر پاور بننے کے لیے طالبان سے مثبت انداز میں بات کرنا ہوگی۔ اگر یہ مذاکرات لمبے ہو جائیں تو پھر اس دوران حکومت پاکستان اور خاص طور پر آرمی کو ان لوگوں پر نظر رکھنا ہوگی جو طالبان کے نام پر ملک میں دہشت گردی کرکے ان مذاکرات کو فیل کرانا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں طالبان کے نام پر بہت ڈرامہ ہوگیا اب دونوں قیادتوں (حکومت پاکستان اور طالبان) کو سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور اپنے وطن کی ترقی اور بقا کے لیے ملکر ساتھ چلنا ہوگا۔ غیر مسلم وطن دشمن قوتوں کو ملک سے نکالنا ہوگا۔ غیر ملکیوں کے ویزا پالیسی اجراء پر نظرثانی کرنا ہوگی کہ کہیں پھر سے کسی ریمنڈ ڈیوس جیسے بلیک واٹر کے دہشت گرد کو پاکستان میں آنے کی اجازت تو نہیں دے رہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس بار طالبان اور حکومت کے درمیان مذکرات میں کو

ئی مثبت پیش رفت ہوں تاکہ ملک اور عوام کے حالات اچھے ہو سکیں اور پاکستان پھر
سے امن کا گہوارا بن جائے۔

کون سنے گا عافیہ کی پکار

بیٹی اللہ کی طرف سے ماں باپ کے لیے ایک رحمت ہے۔ جس گھر میں بیٹی کا جنم ہوتا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ اس کے نصیب سے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ دنیا میں اگر سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی ہے تو بیٹی کی ہے۔اسلام سے قبل کفار بیٹی کو جنم دیتے ہیں زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ جیسے ہی اسلام پھیلا اس نے انسان کو بیٹی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ بیٹی کی عزت واحترام کا شعور اسلام نے سکھایا۔

الحمداللہ پاکستان کی بنیاد بھی اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے مگر بدقسمتی سے پاکستان کی ایک بیٹی جو اپنوں کی خاص مہربانی سے ان دنوں امریکہ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے اور وہ ایک ایسے جرم کی سزا پارہی ہے جو جرم اس سے سرزد بھی نہیں ہوا۔ جی ہاں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بات ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی اپنے خاندان کا آخری چشم و چراغ ہیں۔ وہ بہت خوش اخلاق اور ملنسار تھیں۔2003 کا ایک منحوس دن تھا جب ڈاکٹر عافیہ کو ان کے بچوں سمیت اغوا کرلیا گیا۔اور اس واقعے کی کسی کو خبر تک نہیں ہوئی۔ انہیں اغوا کرکے افغانستان پہنچا دیا گیا۔ اس معصوم کو چند ٹکوں کی خاطر اپنوں نے امریکہ کے

حوالے کردیا گیا جس کا اعتراف سابقہ حکومت نے کرلیا تھا کہ عافیہ صدیقی کو امریکہ کے حوالے کردیا گیا ہے۔اس کے بعد ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے پاکستان بھر سے ہر سطح پر آوازیں بلند ہوئیں مگر آواز بلند نہیں ہوئی تو بس حکومتی ایوانوں سے۔ان ایوانوں سے آواز کیسے بلند ہوتی کیونکہ ان کے منہ پر ڈالرز کی ٹیپ لگی ہوئی تھی۔

میں ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کی طرف سے کالمسٹ برادری کا شکریہ ضرور ادا کروں گا جنھوں نے ہر دور میں اپنے کالم کے ذریعے ڈاکٹر عافیہ کے حق میں صدا بلند کی اور دنیا کو یہ ثبوت دیا کہ حکمران بے شک بھول گئے ہوں ڈاکٹر عافیہ کو مگر عوام آج بھی اپنی بہن کو یاد کرتی ہے۔ پاکستان بھر سے کالم نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے اپنی بہن کو خراج تحسین پیش کیا اور حکام بالا کو یاد کراتے رہے ہیں کہ ہماری بہن درندوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے جس کی رہائی بہت ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا عافیہ صدیقی ہماری ، امت مسلمہ کی بیٹی نہیں ؟کیا کوئی ماں باپ، خاندان، عزیز واقارب، دوست احباب، ہمسائے، شہری، دیہاتی اور کوئی بھی ملک اپنی بیٹی فروخت کرتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ آج کے خود غرض دور میں صرف اپنا اپنا ہے باقی کوئی کسی کا نہیں۔مگر اس دنیا میں اب بھی ایسے لوگ موجود

ہیں جو دوسروں کے لیے اپنے سینے میں درد دل رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ نظام کائنات چل رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ رزق کی تقسیم انسان کے ہاتھ میں دے دیتا تو شاید وہ خود کے علاوہ سب کو بھوکا مار دیتا۔ اگر انسانیت کے ناطے سوچا جائے تو ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہماری بیٹی ہے۔ وہ امت مسلمہ اور پاکستان کی غیرت ہے مگر ہم کیا کریں غیرت تو سوئی ہوئی ہے تو بس ہم مسلمانوں کی، جو اپنی بہن بیٹی کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ جس وقت میاں نواز شریف اپوزیشن میں تھے اور پیپلز پارٹی حکومت میں، اس وقت میاں نواز شریف نے برملا کہا تھا کہ اگر مجھے اقتدار ملا تو میں پہلی فرصت میں پاکستان کی بیٹی کو واپس لاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ نیک کام میاں صاحب کے ہاتھوں کرانا منظور ہو اسی لیے ان کو اقتدار کی کرسی پر بیٹھایا ہے۔ قلمکار کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ نواز شریف کو وزیر اعظم کا حلف اٹھانے کے بعد ان کو یاد دھانی کے لیے سب سے پہلا کالم میں نے ہی لکھا تھا جس کے بعد وزیر داخلہ نے اس کا نوٹس لیا اور انہوں نے ڈاکٹر عافیہ کی بہن ڈاکٹر فوزیہ صدیقی سے اسلام آباد میں ملاقات کرکے ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی یقین دہانی کرائی۔ جس کے بعد ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے مجھے نہ صرف ایس ایم ایس کیا بلکہ فون کرکے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ کے زور قلم کا اثر ہے کہ اتنی جلد ایکشن لیا جا رہا ہے۔

نواز حکومت کے بعد حکومتی سطح پر بظاہر ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے کافی پیش رفت ہو رہی ہیں۔سب سے پہلے وزیر داخلہ نے کمیٹی بنائی ، قانونی دستاویزان تیار کی گئیں اور پھر اب امریکہ اور پاکستان کے درمیاں قیدیوں کے تبادلوں کے معاہدے بھی کیے جا رہے ہیں۔ نواز شریف جب پہلی بار اقتدار میں آنے کے بعد کراچی کے دورے پر آئے تو انہوں نے ڈاکٹر عافیہ کی والدہ سے ان کے گھر پر ملاقات کی اور انہیں یقین دہانی کرائی کہ بہت جلد ڈاکٹر عافیہ کو رہا کرا کر پاکستان لائیں گے۔

اب جب میاں صاحب امریکہ کے دورے پر جا رہے ہیں جو ان کا اقتدار میں آنے کے بعد پہلا دورہ ہے اور میں اپنا فرض عین سمجھتے ہوئے میاں صاحب کو یاد کرا رہا ہوں کہ اپنے پہلے ہی دورہ امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقہ کیس کو اپنے ایجنڈے میں صف اول پر رکھتے ہوئے انکی رہائی کرائیں اور اگر انہوں نے اپنے پہلے ہی دورے میں عافیہ کی رہائی کرادی تو عوام کی نظر میں ان کا وقار اور بلند ہو جائے گا اور وہ عوام کو بتا سکتے ہیں کہ میں نے جو الیکشن مہم میں وعدہ کیا تھا آج اس کو پورا کر دیا ہے۔میاں صاحب اوبامہ سے دوٹوک بات کر کے آپ ثابت کر دیں کہ جس طرح وہ ریمنڈ ڈیوس کو لیکر جا سکتے ہیں تو پھر میاں صاحب بھی اسی طرح اپنی بہن کو واپس لا سکتے ہیں۔

غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا

پاکستان کی تاریخ میں ن لیگ وہ خوش قسمت پارٹی ہے جس نے تیسری بار اقتدار کا مزا چکھا۔ عوام سابقہ حکومتوں کی لوٹ مار، دہشت گردی اور بیروزگاری سے تنگ آ چکے تھے ۔پاکستانی عوام اپنی اور اپنے ملک کی قسمت بدلنا چاہتی تھی۔الیکشن 2013 میں ویسے تو بہت سی جماعتوں نے حصہ لیا مگر اس بار عوام کو ن لیگ اور عمران خان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ پاکستانی عوام نے تیسری بار پھر اپنی اور اپنے ملک کی خدمت کرنے کا سنہری موقع میاں نواز شریف کو دیااور اقتدار کا تاج میاں نواز شریف کی پارٹی ن لیگ کے سر پر رکھ دیا۔ عوام نے میاں صاحب کو عمران خان پر فوقیت اس لیے دی کہ وہ سمجھتے تھے ن لیگ ہی پاکستان کو بحرانوں سے نکال سکتی ہے۔انہوں نے ن لیگ سے امید لگالی تھی کہ اس بار وہ پاکستان میں خوشحالی کا دور ضرور لائے گی۔ بیروزگاری ، مہنگائی،دہشت گردی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہوگا

افسوس کہ نواز شریف کے وزیراعظم کے حلف اٹھانے سے لیکر آج تک خوشحالی کے بجائے عوام پر مہنگائی کا طوفان ہی آ رہا ہے۔ بقول مخالفین کے کہ ن لیگ کا سولہ سال کا بھوکا شیر اب سب کچھ ہڑپ کرنے کے چکر میں ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے حکومتی قرضوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ملک میں دولت کی تقسیم کا

منصفانہ نظام نہ ہونے کے باعث ان قرضوں کا بوجھ غرباء پر ہی پڑتا ہے کیونکہ قرضوں کے باعث تقسیم دولت اور پیداوار پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حکومت قسطوں اور سود کی ادائیگی کے لیے ٹیکس عائد کرتی ہے۔نئے نوٹ چھاپتی چلی جاتی ہے اور جب اس بھی گزارانہ ہوتو پھر بجلی گیس، پیٹرول وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دولت غریبوں کے ہاتھوں سے نکلتی ہے اور غربت کی شرح بڑھتی ہے۔ حکومت کے شاہانہ اخراجات کا بوجھ عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ معاشرے میں خودکشی، چھینا جھپٹی، لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔

غریب غریب تر ہورہا اور امیر امیر تر ہوتا جارہا ہے۔ ملک کی مجموعی ملکی اور غیر ملکی قرضوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ سابقہ حکومتوں نے تمام اپنا وقت قرضہ لے کر گزارا۔ کسی بھی حکومت نے ملک کی قرضوں سے جان نہیں چھڑائی بلکہ اپنے عیاشی کے لیے قرض پر قرض لیتے رہے اور ان قرضوں کی قربانی عوام سے لیتے رہے۔

میاں صاحب عوام نے

ووٹ آپ کو اپنا مسیحا سمجھ کر دیے ۔ عوام کا خیال تھا کہ جو مہنگائی کی آگ سابقہ دور میں لگائی گئی تھی اس آگ کو آپ ہی بجھا سکتے ہیں مگر آپ نے تو اس پر مزید تیل چھڑک دیا ہے۔ مہنگائی کا وہ سونامی آیا ہے کہ عوام تو اس سے سنبھل ہی نہیں پا رہی ۔ جو مہنگائی کا طوفان مشرف حکومت نے دس سال اور زرداری نے پانچ سال میں نہیں دیا آپ نے تو وہ طوفان تین ماہ میں دے

دیا۔ میاں صاحب جو بیان آپ اور آپکے رفقاء اب دے رہے ہیں ایسے بیانات الیکشن مہم کے دروان کیوں نہیں دیے گئے۔ ان بیانات کے متعلق عوام آپ سے چند سوال پوچھنا چاہتی ہے۔

☆ کیا میاں صاحب الیکشن سے قبل آپ کو علم نہیں تھا کہ خزانہ خالی ہے یا بھرا؟

☆ کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ سابقہ حکومت نے کتنے بیرونی اور اندرونی قرضے لیے ہوئے ہیں؟

☆ بیروزگاری اور دہشت گردی کے متعلق آپ کو نہیں معلوم تھا کہ ملکی حالات کس سمت جارہے ہیں؟

☆ لوڈشیڈنگ کے بحران سے آپ واقف نہیں تھے کہ ملک میں بجلی کی پیداوار کتنی ہے؟

☆ امریکی ڈرون حملوں کی بہتات سے آپ بے خبر تھے کہ آئے دن شمالی علاقات جات کے امن کون تباہ کررہا ہے؟

اگران سب باتوں کا آپ کو علم نہیں تو پھر خادم اعلیٰ سے پوچھ لیں کہ وہ تو پہلے بھی ان بحرانوں کے خلاف پنجاب کے حکمران ہوتے ہوئے بھی احتجاج کرتے رہے ہیں۔ ان کو تو یہ سب کچھ یاد ہوگا کیونکہ لوڈشیڈنگ کے خلاف مینار پاکستان پر احتجاجی کیمپ کسی اور نے نہیں خادم اعلیٰ نے لگایا تھا۔ جہاں گرمی کے

توڑ کے لیے ہاتھ والے پنکھے ضرور تھے مگر پینے کے لیے منرل واٹر ہوتا تھا۔

الیکشن مہم کو گزرے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بھی کافی اچھی ہے پھر تو آپ کو عوام سے کیے گئے وعدے نہیں بھولنے چاہئیں۔ اگر آپ کو خزانہ بھرنے کے لیے عوام کے خون کی ضرورت ہے تو پھر تھوڑا تھوڑا کرکے نکالیں۔ عوام یک دم اتنا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ سابقہ حکومت نے وہ خون پہلے ہی نچوڑ لیا تھا۔ یہ ہر ماہ پٹرول میں اضافہ کس کی پالیسی ہے؟ آپ کو یاد ہوگا جب پیپلز پارٹی نے اپنے دورِ حکومت میں دوسری بار پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کیا تو ن لیگ اور ایم کیو ایم نے احتجاج کیا تھا اور اسمبلیوں سے واک آؤٹ تک کیا۔ اب جب سے آپ کو اقتدار ملا ہے ہر ماہ پٹرول کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار پٹرول کی ریکارڈ قیمتیں بڑھی ہیں۔ پٹرول کے ساتھ ساتھ بجلی کے بحران بھی بڑھتا جارہا ہے۔ اس بحران پر قابو پانے کی بجائے ہر ماہ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام کے خون کا قطرہ قطرہ نچوڑا جارہا ہے۔ آپ تو کشکول توڑنے کے حامی تھے مگر آج آپ نے خود کشکول پکڑ لیا ہے۔ آپ کے مشیر آپ کو عوام کی خدمت کی بجائے عوام پر مہنگائی کا بوجھ ڈالنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہیں؟

میاں صاحب آپ کو عوام نے اپنے ووٹوں سے منتخب کیا ہے تاکہ ان کا بھلا

ہوسکے۔آپ کوئی مارشل لاء کی طرح مسلط نہیں ہوئے۔ عوام آپ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہے۔آپ کو یاد ہوگا''قرض اتارو ملک سنوارو'' والی مہم میں عوام نے آپ کے ساتھ کتنا تعاون کیا تھا۔ میاں صاحب آپ کو الیکشن سے قبل کیے گئے عوام سے وعدے پورا کرنے ہونگے ورنہ آنے والے وقت میں لوگوں کا سیاستدانوں پر ''اعتبار ختم ہوجائے گا اور عوام کہے گی'' غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا

ن لیگ کے وعدے، مہنگائی کے ارادے

پاکستان کی تاریخ میں ن لیگ وہ خوش قسمت پارٹی ہے جس نے تیسری بار اقتدار کا مزا چکھا۔ عوام سابقہ حکومتوں کی لوٹ مار، دہشت گردی اور بیروزگاری سے تنگ آ چکے تھے ۔پاکستانی عوام اپنی اور اپنے ملک کی قسمت بدلنا چاہتی تھی۔الیکشن 2013 میں ویسے تو بہت سی جماعتوں نے حصہ لیا مگر اس بار عوام کو ن لیگ اور عمران خان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ پاکستانی عوام نے تیسری بار پھر اپنی اور اپنے ملک کی خدمت کرنے کا سنہری موقع میاں نواز شریف کو دیا اور اقتدار کا تاج میاں نواز شریف کی پارٹی ن لیگ کے سر پر رکھ دیا۔ عوام نے میاں صاحب کو عمران خان پر فوقیت اس لیے دی کہ وہ سمجھتے تھے ن لیگ ہی پاکستان کو بحرانوں سے نکال سکتی ہے۔انھوں نے ن لیگ سے امید لگالی تھی کہ اس بار وہ پاکستان میں خوشحالی کا دور ضرور لائے گی۔ بیروزگاری ، مہنگائی،دہشت گردی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہوگا

افسوس کہ نواز شریف کے وزیر اعظم کے حلف اٹھانے سے لیکر آج تک خوشحالی کے بجائے عوام پر مہنگائی کا طوفان ہی آ رہا ہے۔ بقول مخالفین کے کہ ن لیگ کا سولہ سال کا بھوکا شیر اب سب کچھ ہڑپ کرنے کے چکر میں ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے حکومتی قرضوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ملک میں دولت کی تقسیم کا

منصفانہ نظام نہ ہونے کے باعث ان قرضوں کا بوجھ غرباء پر ہی پڑتا ہے کیونکہ قرضوں کے باعث تقسیم دولت اور پیداوار پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حکومت قسطوں اور سود کی ادائیگی کے لیے ٹیکس عائد کرتی ہے۔نئے نوٹ چھاپتی چلی جاتی ہے اور جب اس بھی گزارانہ ہو تو پھر بجلی گیس، پیٹرول وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دولت غریبوں کے ہاتھوں سے نکلتی ہے اور غربت کی شرح بڑھتی ہے۔ حکومت کے شاہانہ اخراجات کا بوجھ عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ معاشرے میں خودکشی، چھینا جھپٹی، لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔ غریب غریب تر ہو رہا اور امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔ ملک کی مجموعی ملکی اور غیر ملکی قرضوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سابقہ حکومتوں نے تمام اپنا وقت قرضہ لے کر گزارا۔ کسی بھی حکومت نے ملک کی قرضوں سے جان نہیں چھڑائی بلکہ اپنے عیاشی کے لیے قرض پر قرض لیتے رہے اور ان قرضوں کی قربانی عوام سے لیتے رہے۔

میاں صاحب عوام نے ووٹ آپ کو اپنا مسیحا سمجھ کر دیے۔ عوام کا خیال تھا کہ جو مہنگائی کی آگ سابقہ دور میں لگائی گئی تھی اس آگ کو آپ ہی بجھا سکتے ہیں مگر آپ نے تو اس پر مزید تیل چھڑک دیا ہے۔ مہنگائی کا وہ سونامی آیا ہے کہ عوام تو اس سے سنبھل ہی نہیں پا رہی۔ جو مہنگائی کا طوفان مشرف حکومت نے دس سال اور زرداری نے پانچ سال میں نہیں دیا آپ نے تو وہ طوفان تین ماہ

میں دے دیا۔ میاں صاحب جو بیان آپ اور آپکے رفقاء اب دے رہے ہیں ایسے بیانات الیکشن مہم کے دروان کیوں نہیں دیے گئے۔ ان بیانات کے متعلق عوام آپ سے چند سوال پوچھنا چاہتی ہے۔

☆ کیا میاں صاحب الیکشن سے قبل آپ کو علم نہیں تھا کہ خزانہ خالی ہے یا بھرا؟

☆ کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ سابقہ حکومت نے کتنے بیرونی اور اندرونی قرضے لیے ہوئے ہیں؟

☆ بیروزگاری اور دہشت گردی کے متعلق آپ کو نہیں معلوم تھا کہ ملکی حالات کس سمت جارہے ہیں؟

☆ لوڈشیڈنگ کے بحران سے آپ واقف نہیں تھے کہ ملک میں بجلی کی پیداوار کتنی ہے ؟

☆ امریکی ڈرون حملوں کی بہتات سے آپ بے خبر تھے کہ آئے دن شمالی علاقات جات کے امن کون تباہ کررہا ہے؟

اگران سب باتوں کا آپ کو علم نہیں تو پھر خادم اعلیٰ سے پوچھ لیں کہ وہ تو پہلے بھی ان بحرانوں کے خلاف پنجاب کے حکمران ہوتے ہوئے بھی احتجاج کرتے رہے ہیں۔ان کو تو یہ سب کچھ یاد ہوگا کیونکہ لوڈشیڈنگ کے خلاف مینار پاکستان

پر احتجاجی کیمپ کسی اور نے نہیں خادم اعلیٰ نے لگایا تھا۔جہاں گرمی کے توڑ کے لیے ہاتھ والے پنکھے ضرور تھے مگر پینے کے لیے منرل واٹر ہوتا تھا۔

الیکشن مہم کو گزرے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بھی کافی اچھی ہے پھر تو آپ کو عوام سے کیے گئے وعدے نہیں بھولنے چاہئیں۔اگر آپ کو خزانہ بھرنے کے لیے عوام کے خون کی ضرورت ہے تو پھر تھوڑا تھوڑا کرکے نکالیں۔ عوام یک دم اتنا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ سابقہ حکومت نے وہ خون پہلے ہی نچوڑ لیا تھا۔یہ ہر ماہ پٹرول میں اضافہ کس کی پالیسی ہے ؟آپ کو یاد ہوگا جب پیپلز پارٹی نے اپنے دورحکومت میں دوسری بار پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کیا تو ن لیگ اور ایم کیو ایم نے احتجاج کیا تھااور اسمبلیوں سے واک آوٹ تک کیا۔اب جب سے آپ کو اقتدار ملا ہے ہر ماہ پٹرول کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار پٹرول کی ریکارڈ قیمتیں بڑھی ہیں ۔پٹرول کے ساتھ ساتھ بجلی کے بحران بھی بڑھتا جارہا ہے ۔اس بحران پر قابو پانے کی بجائے ہر ماہ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام کے خون کاقطرہ قطرہ نچوڑا جارہا ہے۔آپ توکشکول توڑنے کے حامی تھے مگر آج آپ نے خود کشکول پکڑ لیا ہے۔آپ کے مشیر آپ کو عوام کی خدمت کی بجائے عوام پر مہنگائی کا بوجھ ڈالنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہیں؟

میاں صاحب آپ کو عوام نے اپنے ووٹوں سے منتخب کیا ہے تاکہ ان کا بھلا ہوسکے۔آپ کوئی مارشل لاء کی طرح مسلط نہیں ہوئے۔ عوام آپ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہے۔آپ کو یاد ہوگا''قرض اتارو ملک سنوارو'' والی مہم میں عوام نے آپ کے ساتھ کتنا تعاون کیا تھا۔ میاں صاحب آپ کو الیکشن سے قبل کیے گئے عوام سے وعدے پورا کرنے ہونگے ورنہ آنے والے وقت میں لوگوں کا سیاستدانوں پر ''اعتبار ختم ہوجائے گا اور عوام کہے گی'' غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا

حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بچے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو بنجر اور ویران علاقے میں چھوڑ آئے جو اب مکہ معظّمہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا کہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل ذبح کرنے لیے لٹایا تو خدا کی طرف سے آواز آئی۔ اے ابراہیم ! تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم احساس کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں اور ہم نے اس کے لیے ذبح عظیم کا فدیہ دیا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک مینڈھا آگیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قربانی کی یاد میں ہر سال مسلمان عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مدد سے مکے میں خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی اور اس طرح دنیا میں اللہ کا پہلا گھر تیار ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''عید الاضحی کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ تعالی کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالی کی رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے پس اے (خدا کے بندوں! دل کی پوری خوشی کے ساتھ قربانی کرو (ابن ماجہ ۲۳۲

عید الاضحیٰ کے مسنون و مستحب اعمال

عید الضحی کے دن چند چیزیں مسنون و مستحب ہیں۔

۱۔ جس پر قربانی واجب ہے اس کے لیے ذوالحج کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک ناخن، سرے کے بال، مونچھیں، بغل اور زیر ناف بال نہ کاٹنا مستحب ہے۔ (صحیح مسلم ۲:۱۲۰)

۲۔ صبح سویرے اٹھنا ۳۔ مسواک کرنا ۴۔ غسل کرنا ۵۔ پاک صاف عمدہ کپڑے پہننا ۶۔ خوشبو لگانا ۷۔ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ۸۔ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات بلند آواز سے کہنا

۹۔ ایک راستے سے عید گاہ آنا اور دوسرے راستے سے واپس جانا

۱۰۔ عید گاہ پیدل جانا مستحب ہے تاہم عید گاہ دور ہو تو سواری پر جانے میں

مضائقہ نہیں البتہ واپسی پر پیدل آنا مستحب نہیں سوار ہونے کی بھی گنجائش ہے۔

تکبیرات تشریق

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

ذوالحج کی فجر سے 13 ذوالحج کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد متوسط بلند آواز سے یہ 9 تکبیر پڑھنا ضروری ہے۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور اکیلے نماز پڑھنے والے ہر شخص پر یہ واجب ہے۔ نماز پڑھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت البتہ عورت بلند آواز سے تکبیر نہ کہے بلکہ آہستہ کہے۔

قربانی کا حکم

سورۃ الکوثر میں فصل لربک وانحر اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ یعنی جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی قربانی بھی اسی کے نام کی ہونی چاہیے کسی غیر کے نام کی نہیں ہو سکتی۔ قربانی مکہ معظّمہ یا کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قربانی کے وجوب کی شرائط پائے جانے کے بعد ہر شخص پر ہر شہر میں واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد دس سال تک مسلسل مدینہ طیبہ میں قربانی فرماتے رہے۔

قربانی کس پر واجب ہے

قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ اور مقیم پر واجب ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد موجود ہو۔ معلوم ہوا کہ کسی کافر، پاگل، نابالغ، بچہ، مسافر اور فقیر پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی کے ایام

قربانی کی عبادت میں صرف تین دن 10,11,12 ذوالحج کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان تاریخوں میں جب چاہیے قربانی کر سکتا ہے خواہ دن ہو یا رات البتہ دن کو قربانی کرنا بہتر ہے۔ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ بارہویں تاریخ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا جائز نہیں۔

قربانی کا طریقہ

اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے اگر خود نہیں جانتا تو دوسرے سے بھی کرواسکتا ہے۔ مگر ذبح کے وقت حاضر رہنا افضل ہے۔ قربانی کی نیت دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی کہ لے تو ٹھیک ہے البتہ ذبح کے وقت بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکبَرُ زبان سے

کہنا ضروری ہے۔

قربانی کے جانور اور ان کی شرائط

بکرا، دنبہ، بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جاسکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، مال حلال کا ہو ان میں سے کسی کی نیت گوشت کھانے کی نہ ہو۔

بکرا اور بکری کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو بھی جائز ہے اگرچہ عمر میں سال سے کم ہو۔ گائے، بیل بھینس کی عمر دو سال اور اونٹ کی عمر پانچ سال ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم، عمر کا جانور قربانی کے لیے ناکافی ہے۔ اگر جانور فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور جانور کی ظاہری حالت اکی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

خصی جانور کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ جس جانور کی سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو یا ہو مگر درمیان سے ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ البتہ سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانوروں کی قربانی جائز نہیں

اندھا، کانا، لنگڑا اور ایسا بیمار اور کمزور جانور کو جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں پر چل کر نہ جاسکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اسی طرح جس جانور کے دانت بالکل نہ ہو یا اکثر نہ ہوں ان کی قربانی جائز نہیں۔ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں تو اگر خریدنے والا غنی صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر غنی صاحبِ نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے صحیح جانور کی قربانی کرے۔

"قربانی سنت حضرت ابراہیم

حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بچے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو بنجر اور ویران علاقے میں چھوڑ آئے جو اب مکہ معظّمہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا کہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل ذبح کرنے لیے لٹایا تو خدا کی طرف سے آواز آئی۔ اے ابراہیم ! تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں اور ہم نے اس کے لیے ذبح عظیم کا فدیہ دیا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک مینڈھا آگیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قربانی کی یاد میں ہر سال مسلمان عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مدد سے مکے میں خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی اور اس طرح دنیا میں اللہ کا پہلا گھر تیار ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے پس اے (خدا کے بندوں! دل کی پوری خوشی کے ساتھ قربانی کرو (ابن ماجہ ۲۳۲

عید الاضحیٰ کے مسنون و مستحب اعمال

عیدالضحیٰ کے دن چند چیزیں مسنون و مستحب ہیں۔

۱۔ جس پر قربانی واجب ہے اس کے لیے ذوالحج کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک ناخن، سر کے بال، مونچھیں، بغل اور زیر ناف بال نہ کاٹنا مستحب ہے۔ (صحیح مسلم ۲:۱۲۰)

۲۔ صبح سویرے اٹھنا ۳۔ مسواک کرنا ۴۔ غسل کرنا ۵۔ پاک صاف عمدہ کپڑے پہننا

۶۔ خوشبو لگانا ۷۔ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ۸۔ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات بلند آواز سے کہنا

۹۔ ایک راستے سے عیدگاہ آنا اور دوسرے راستے سے واپس جانا

۱۰۔ عید گاہ پیدل جانا مستحب ہے تاہم عید گاہ دور ہو تو سواری پر جانے میں

مضائقہ نہیں البتہ واپسی پر پیدل آنا مستحب نہیں سوار ہونے کی بھی گنجائش ہے۔

تکبیرات تشریق

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد

ذوالحج کی فجر سے 13 ذوالحج کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد متوسط بلند آواز سے یہ 9 تکبیر پڑھنا ضروری ہے۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور اکیلے نماز پڑھنے والے ہر شخص پر یہ واجب ہے۔ نماز پڑھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت البتہ عورت بلند آواز سے تکبیر نہ کہے بلکہ آہستہ کہے۔

قربانی کا حکم

سورۃ الکوثر میں فصل لربک وانحر اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ یعنی جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی قربانی بھی اسی کے نام کی ہونی چاہیے کسی غیر کے نام کی نہیں ہو سکتی۔ قربانی مکہ معظّمہ یا کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قربانی کے وجوب کی شرائط پائے جانے کے بعد ہر شخص پر ہر شہر میں واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد دس سال تک مسلسل مدینہ طیبہ میں قربانی فرماتے رہے۔

قربانی کس پر واجب ہے

قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ اور مقیم پر واجب ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد موجود ہو۔ معلوم ہوا کہ کسی کافر، پاگل، نابالغ، بچہ، مسافر اور فقیر پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی کے ایام

قربانی کی عبادت میں صرف تین دن 10,11,12 ذوالحج کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان تاریخوں میں جب چاہیے قربانی کر سکتا ہے خواہ دن ہو یا رات البتہ دن کو قربانی کرنا بہتر ہے۔ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ بارھویں تاریخ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا جائز نہیں۔

قربانی کا طریقہ

اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے اگر خود نہیں جانتا تو دوسرے سے بھی کرواسکتا ہے۔ مگر ذبح کے وقت حاضر رہنا افضل ہے۔ قربانی کی نیت دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی کہ لے تو ٹھیک ہے البتہ ذبح کے وقت بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرُ زبان سے

کہنا ضروری ہے۔

قربانی کے جانور اور ان کی شرائط

بکرا، دنبہ، بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جاسکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، مال حلال کا ہو ان میں سے کسی کی نیت گوشت کھانے کی نہ ہو۔

بکرا اور بکری کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو بھی جائز ہے اگرچہ عمر میں سال سے کم ہو۔ گائے، بیل بھینس کی عمر دو سال اور اونٹ کی عمر پانچ سال ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم، عمر کا جانور قربانی کے لیے ناکافی ہے۔ اگر جانور فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور جانور کی ظاہری حالت اسکی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

خصی جانور کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ جس جانور کی سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو یا ہو مگر درمیان سے ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ البتہ سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانوروں کی قربانی جائز نہیں

اندھا، کانا، لنگڑا اور ایسا بیمار اور کمزور جانور کو جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں پر چل کر نہ جاسکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اسی طرح جس جانور کے دانت بالکل نہ ہو یا اکثر نہ ہوں ان کی قربانی جائز نہیں۔ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں تو اگر خریدنے والا غنی صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر غنی صاحبِ نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے صحیح جانور کی قربانی کرے۔

شہید اسلام حضرت عثمان غنیؓ

خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ قریش کی ایک شاخ بنو امیہ میں پیدا ہوئے۔ والد عفان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔آپ کا سلسلہ نسب عبد المناف پر رسول اللہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین کی نانی نبی پاک ﷺ کی پھوپھی تھیں۔آپؓ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے لوگوں میں چوتھے نمبر پر ہیں۔آپ ایک خدا ترس اور غنی انسان تھے۔آپ اللہ کی راہ میں دولت دل کھول کر خرچ کرتے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو غنی کا خطاب دیا۔ آپکا نام عثمان اور لقب ’’ ذوالنورین ‘‘ ہے۔آپ نے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا۔ حضور پر ایمان لانے اور کلمہ حق پڑھنے کے جرم میں حضرت عثمان غنی کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا۔ کئی روز تک علیحدہ مکان میں بند رکھا گیا۔ چچا نے آپ سے کہا کہ جب تک تم اسلام کو نہیں چھوڑو گے آزاد نہیں کروں گا۔ یہ سن کر آپ نے جواب میں فرمایا کہ چچا ! اللہ کی قسم میں مذہب اسلام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور اس ایمان کی دولت سے کبھی دستبردار نہیں

ہوں گا۔

آپ کو اس لئے ذوالنورین کہا جاتا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگر آپ کے نکاح میں آئیں یہ وہ واحد اعزاز ہے جو کسی اور حاصل نہ ہو سکا۔آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں کیا جاتا ہے یعنی وہ دس صحابہ کرام جن کو ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ ہی جنت کی بشارت دی تھی۔آپ نے اسلام کی راہ میں دو ہجرتیں کیں۔ایک حبشہ اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف۔

حضرت عمرؓ کی وفات 18 ذی الحجہ کو ہوئی۔حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی وفات سے پہلے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں چھ صحابہ اکرام شامل تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضوان اللہ اس کمیٹی میں شامل تھے۔اس کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔اور اس کے تین دن بعد حضرت عثمان کو کثرت رائے سے خلیفہ سوم منتخب کر لیا گیا۔حضرت عثمان اس وقت 70 سال کے ہو چکے تھے۔آپ نے 35 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔23 سال آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اسلام کی خدمات کی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق کی خلافتوں کے دوران جن کا عرصہ بارہ سال سے کچھ زیادہ بنتا ہے خدمات سرانجام دیں

لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں خلیفہ بن کر بھی آپ نے مزید اتنے سال خدمت دین کی توفیق پائی تھی جتنے سال مجموعی طور پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافتوں کا زمانہ بنتا ہے۔ آپ کے دور خلافت میں ایران اور شمالی افریقہ کا کافی علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشگوئیاں بھی آپ کے خلیفہ بننے کے بارے میں موجود تھیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو ایک کُرتہ پہنائے گا۔ اگر لوگ تم سے یہ مطالبہ کریں کہ اس کُرتہ کو اتار دو تو تم ہرگز اس کو نہ اتارنا۔ اس پیشگوئی میں حضرت عثمان کی خلافت کی پوری تصویر کھینچ دی گئی تھی کہ آپ کی خلافت کے دوران کوئی فتنہ نمودار ہوگا اور فتنہ کرنے والے آپ کو خلافت چھوڑنے پر مجبور کریں گے تاکہ خلافت راشدہ کسی طرح ختم ہو جائے اور مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ ایسی صورت میں اپنے منصب پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں جہاں اسلام کو مزید ترقیات نصیب ہوئیں اور سلطنت کو وسعت ملی وہاں ہی فتنوں نے بھی سر اٹھایا۔ 35ھ میں ذیقعدہ کے پہلے عشرہ میں باغیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور آپؓ نے صبر اور استقامت کا دامن نہیں چھوڑا۔ محاصرہ کے دوران آپؓ کا کھانا پینا بند کر دیا گیا۔ تقریباً چالیس

روز بھوکے پیاسے 82 سالہ مظلوم مدینہ حضرت عثمان غنیؓ کو جمعۃ المبارک 18 ذوالحجہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ روزہ کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو تین دن تک شرپسندوں نے دفن کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ آخر تین دن کے بعد مدینہ کے کچھ بااثر لوگوں نے جن میں حضرت حکیم بن حزامؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ بھی تھے، حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے دفنانے کے بارے میں بات چیت کی اور یہ بھی درخواست کی کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی اس میں مدد کے لئے کہیں۔ جب شرپسندوں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے اور جنازہ گزرنے پر اس پر پتھراؤ کیا۔ مدینہ میں ایک احاطہ تھا جس کا نام حش کوکب تھا اور یہودی اس میں دفن ہوتے تھے۔ چونکہ جنت البقیع میں شرپسند حضرت عثمانؓ کے جسد مبارک کو دفن نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے آپؓ کی نعش کو حش کوکب میں دفنانے کا پروگرام بنایا گیا۔ اور رات کے وقت آپؓ کی تدفین کی گئی۔ یہ احاطہ جنت البقیع سے کچھ فاصلے پر تھا۔ جب امیر معاویہ خلیفہ بنے تو انہوں نے احاطہ کی دیوار گرانے کا حکم دیا اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے مردوں کو اس خالی جگہ میں دفن کریں تاکہ یہ جگہ مسلمانوں کے قبرستان یعنی جنت البقیع میں شامل ہو جائے۔

وزیراعظم کا دورہ امریکہ حوصلہ افزا یا مایوس کن

پاکستان کی تاریخ میں کوئی بھی شخص یا پارٹی اقتدار میں آئے تو ان کو مختلف ممالک کے دورے کرنا پڑتے ہیں لیکن جب بھی کوئی پاکستانی حکمران امریکہ کا دور کرتے ہیں تو وہ دورہ بڑی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ امریکی دورے سے قبل عوام کو سبز باغ دکھائے جاتے ہیں اور بہت سی امیدیں دلائی جاتی ہیں مگر تاریخ گواہ ہے امریکہ نے کبھی بھی پاکستان کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ امریکہ ہمیشہ پاکستان کے مخالف ممالک کا ساتھ دیتا رہا ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو دہشت گردی کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بھی امریکہ اور اسلام مخالف قوتوں کا کیا دھرا ہے۔

تیسری بار وزیراعظم بننے والے میاں نواز شریف بدھ کے روز امریکہ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ پاکستانی میڈیا نے حسب روایت وحسب عادت اس دورے کو بڑی اہمیت دی۔ الیکٹرانک میڈیا اس دورے کو اہمیت کیوں نہ دیتا ایک تو وزیراعظم پاکستان کا دورہ اور دورہ بھی اس ملک کا جو دنیا کا ڈان بنا ہوا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے اس دورے پر خصوصی ٹاک شو کرکے عوام کے ذہنوں میں اور زیادہ ہل چل مچادی۔ میڈیا نے عوام کے سامنے اس دورے کی منظر کشی کچھ اس

انداز میں کی جیسے میاں صاحب امریکہ کو کوئی حکم آخر سنانے جا رہے ہیں لیکن میاں صاحب نے اپنے سابقون الاولون کی سنت کو پورا کیا اور انہوں نے بھی وہی کچھ کیا جو ان سے پہلے ادوار میں ہمارے ملک کے حکمران کرتے آئے ہیں۔

وزیراعظم نواز شریف نے اپنی روانگی سے قبل اور پھر امریکہ میں بھی مختلف وفود اور میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں باور کرایا کہ وہ ڈرون حملوں کا معاملہ امریکی صدر اوبامہ کے آگے اٹھائیں گے۔ مسئلہ کشمیر پر بھی پاکستان کے اصولی موقف کا اعادہ کریں گے اور کہا کہ وہ صدر اوبامہ پر مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے زور ڈالیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے بھی دوٹوک موقف اپنانے کا وعدہ کیا۔ اسی تناظر میں قوم کو یہی توقع تھی کہ میاں نواز شریف اور اوبامہ کی ملاقات میں میاں صاحب ان ایشوز پر ملکی مفادات اور قومی توقعات وامنگوں کے مطابق بھرپور اور دوٹوک انداز میں بات چیت کریں گے ۔نواز شریف کی دورہ امریکہ میں پہلی ملاقات جان کیری سے ہوئی اور اس ملاقات کے حوالے سے پاکستانی سفارت خانہ کا انداز اس بات کی چغلی کھاتا ہے کہ اس ملاقات کے دوران ڈرون حملے روکنے کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بعض ذرائع کے مطابق وزیراعظم پاکستان نے امریکی وزیر خارجہ سے ڈرون حملے روکنے کیلئے کہا مگر جان کیری کی جانب سے اس کا کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں ملا اور انہوں نے صرف اتنا کہا

کہ اس کا دارومدار حالات کی بہتری پر ہے۔جان کیری نے کشمیر ایشو پر بھی یہ کہہ دیا کہ یہ مسئلہ دونوں ممالک کو باہمی مذاکرات کے ذریعے خود ہی حل کرنا چاہیے۔

امریکہ کے متعلق پاکستانی عوام کے خیالات پہلے ہی اچھے نہیں ہیں۔ عوام کو تو پہلے ہی توقع تھی کہ یہ دورہ پاکستانی عوام کے حق بہتر نہیں ہے۔آخرکار وہ بھی دن آگیا جب دونوں ممالک کے سربراہ آمنے سامنے تھے۔پاکستانی عوام سوچ رہی تھی کہ جیسے ایٹمی دھماکہ کرتے ہوئے میاں صاحب نے اٹل فیصلہ کیا اسی طرح آج بھی وہ ڈرون حملوں اور بالخصوص ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کو فائنل کرکے اٹھیں گے۔کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ میاں صاحب نے جس طرح اپنی الیکشن مہم کے دوران ہر جلسے میں عافیہ کی رہائی اور ڈرون حملوں کی بندش پر زور دیا تھا شاید آج وہ اوبامہ سے ڈرون حملے بند کرنے کا اعلان کرائیں گے اور اگر اوبامہ نہ مانا تو پھر اس پر واضح کریں گے کہ اگر اب ڈرون حملہ ہوا تو ہماری پاک فوج ڈرون گرائے گی۔ڈاکٹر عافیہ کے بارے میں عوام سوچ رہی تھی کہ جس طرح امریکہ ریمنڈ ڈیوس کو پاکستان سے لیکر گیا اسی طرح میاں صاحب ڈاکٹر عافیہ کو بھی اپنے ساتھ لیکر آئیں گے مگر افسوس امریکی صدر نے ہماری ایک نہ سنی اور الٹا پاکستان کے قومی مجرم ڈاکٹر شکیل کی رہائی پر زور دیا۔ ڈرون حملے روکنے سے انکار کردیااور لشکر طیبہ پر پابندی لگانے کا موقف

واضح کردیا۔ بات یہی نہیں ختم ہوئی بلکہ حکم صادر فرمادیا کہ بھارت کے ساتھ تعلقات کو بہتر کرو۔ جبکہ بھارت ہر روز سرحد کی خلاف ورزی کرکے ہمارے لوگوں ناحق خون کررہا ہے۔

یہ تواللہ بہتر جانتا ہے کہ ہمارا ہر حکمران امریکہ کو اتنی اہمیت کیوں دیتا ہے ؟امریکہ نے سے آج تک 68ارب ڈالر کی امداد مختلف مدات میں پاکستان کو دی ہیں جبکہ 1948 اس سے زیادہ تو چین نے ہر گھڑی میں ہمارا ساتھ دیا۔ مالی اور صنعتی میدان میں پاکستان کی خوب مدد کی۔ کیا امریکہ امداد نہیں دے گا تو پاکستان بھوکا مرجائے گا؟ ایران کی مثال ساری دنیا کے سامنے ہے وہ آج تک امریکہ کے سامنے نہ بکا اور نہ ہی جھکا ہے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ میڈیا کے مطابق ہمارے حکمرانوں نے امریکہ کو اپنا ناخدا سمجھا ہوا ہے ۔امریکہ کی امداد تودور کی بات مگر جوامریکہ نے پاکستان میں دہشت گردی کی آگ بھڑکا رکھی ہے جس کی وجہ سے پاکستان کو2000 سے آج تک 100ارب سے زائد کا جھٹکا لگ چکا ہے۔ امریکہ کی لگائی ہوئی آگ میں آج پورا پاکستان جل رہا ہے۔ معاشی طور پر پاکستان کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔

دوسری طرف امریکہ پاکستان کی نسبت بھارت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ جس وقت میاں نواز شریف کو امریکہ کے دورے کی دعوت دی گئی اسی دن سے ہمارے دشمن

بھارت نے امریکہ سے خفگی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ ہو سکتا ہے بھارتی لابی کے دبا
ؤمیں آکرامریکہ نے یہ پالیسی اختیار کی ہو۔ بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ نے امریکہ پر
دباؤبڑھانے کے لیے ماسکو کا دورہ کیا اور روس کے صدر پیوٹن سے ملاقات کرکے امریکی
صدر مسٹر اوبامہ پر پریشر ڈال دیا۔جس کی وجہ سے اوبامہ بھارتی پریشر میں آگئے
اورانھوں نے پاکستان کے کسی موقف کی کھل کر حمایت کی اور نہ ہی مخالفت کی۔اگر
اس صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے تو پاکستان کے مفادات کے حوالے
سے وزیراعظم نواز شریف کا دورہ امریکہ اتنا کامیاب نہیں رہااور قومی خزانے سے اٹھنے
والے بھاری اخراجات بھی ضائع ہوگئے۔

وزیراعظم نواز شریف کو خود ہی اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ اپنے اس دورہ امریکہ سے
ملک اور قوم کیلئے کیا لے کر آئے اور کیا گنوا کر آئے ہیں؟ اپوزیشن والے توپہلے ہی
واویلا کر رہے ہیں کہ وزیراعظم نے اپنے دورہ امریکہ کے حوالے سے اسے اعتماد میں
نہیں لیا۔ابھی وزیراعظم نواز شریف کی صدر اوباما سے ملاقات کوزیادہ وقت نہیں
گزراکہ ساتھ ہی امریکہ نے ڈرون حملے روکنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ امریکی محکمہ
خارجہ نے کہاہے کہ ڈرون حملوں پر امریکہ کی پالیسی تبدیل نہیں ہوئی اور وزیراعظم
نواز شریف سے تمام معاملات پر کھل کر بات ہوئی ہے۔

اب یہ تو میاں صاحب ہی اچھے انداز میں بتا سکتے ہیں کہ ان کا یہ دورہ کتنے فیصد کامیاب رہا؟اور وہ کونسے ایشوز پر پاکستانی عوام کی ترجمانی کرکے آئے ہیں؟اس دورے کے دور رس نتائج برآمد ہونگے یا نہیں ؟بحر حال امریکہ سے نہیں ہمیں تو میاں صاحب سے امید رکھنی چاہیے کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں وہ اپنے ملک کے مفاد میں کریں۔امریکی حکمرانوں کے نہیں بلکہ اپنی عوام کے خواہشات کے مطابق فیصلے کریں۔

آئی سی سی کا دوہرا معیار کیوں؟

انٹرنیشنل کرکٹ کونسل (ICC) کرکٹ کی انتظامیہ کا نام ہے۔ جو 1909ء میں برطانیہ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے نمائندگان کی طرف سے امپیریل کرکٹ کانفرنس کے نام سے شروع کی گئی۔ 1965ء میں اس کا نام تبدیل کرکے انٹرنیشنل کرکٹ کانفرنس رکھا گیا پھر 1989ء میں اس کا نام دوبارہ تبدیل کرکے انٹرنیشنل کرکٹ کونسل رکھ دیا گیا۔

انٹرنیشنل کرکٹ کونسل کے 101 ارکان ہیں۔انٹرنیشنل کرکٹ کونسل کے ارکان کو تین گروہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ فل رکن (ٹیسٹ کرکٹ کھیلنے والے ممالک)ایسو سی ایٹ رکن اور افیلی ایٹ رکن جن میں سے 10 ارکان وہ ہیں جو ٹیسٹ کرکٹ کھیلتے ہیں ان کو فل ارکان کا نام دیا گیا ہے۔ 33 ارکان ایسو سی ایٹ ارکان اور 58 افیلی ایٹ ارکان ہیں۔ انٹرنیشنل کرکٹ کونسل ہر قسم کے کرکٹ کے ٹورنامنٹ یا مقابلوں کو ترتیب دیتی ہے۔ کرکٹ قوانین بنانے کا فرض بھی آئی سی سی کا ہے۔ کرکٹ میں کرپشن ، بال ٹمپرنگ اور دوسرے ایسے واقعات جن سے کرکٹ کو نقصان پہنچتا ہوں ان پر سزا دینے کا حق بھی آئی سی سی کو حاصل ہے۔

کرکٹ میں کرپشن کا سب سے پہلے جو کیس سامنے آیا وہ بال ٹمپرنگ کا تھا۔ کرکٹ کی تاریخ میں بال ٹمپرنگ کا تنازعہ پہلی بار 1976 میں سامنے آیا جب جان لیور نامی کھلاڑی نے گیند پر ویزلین کریم لگائی۔ 1994 میں جنوبی افریقہ کے خلاف میچ کے دوران برطانوی کپتان مائیکل اتھرٹن کو جیب سے مٹی نکال کر گیند پر لگاتے ہوئے پکڑے جانے پر 2 ہزار پاؤنڈ جرمانہ کیا گیا۔ 1990 کی ہی دہائی میں انگلینڈ اور نیوزی لینڈ کی طرف سے وسیم اکرم اور وقار یونس کی ریورس سوئنگ کی سمجھ نہ آنے پر پاکستان کے خلاف بال ٹمپرنگ کے الزامات عائد کئے گئے۔ 2000 میں سری لنکا کے خلاف میچ کے دوران پاکستانی باؤلر وقار یونس کو بال ٹمپرنگ کے جرم میں ایک میچ کھیلنے سے معطل کر دیا گیا۔ اسی میچ میں بال ٹمپرنگ کے الزام میں ہی اظہر محمود کو بھی جرمانے کا سامنا کرنا پڑا۔

2003 میں پاکستانی باؤلر شعیب اختر کا بھی بال ٹمپرنگ کے الزام میں دو میچوں سے باہر کر دیا گیا۔ اس سے قبل بھی شعیب اختر پر یہ الزام عائد ہو چکا تھا۔ 2001 میں جنوبی افریقہ کے خلاف جوہانسبرگ میں دوسرے ٹیسٹ میچ کے دوران میچ فکسنگ کے الزام میں بھارتی کرکٹ سٹار سچن ٹنڈولکر پر امپائر نے ایک میچ کی پابندی عائد کر دی۔ 2006 میں انگلینڈ میں اوول ٹیسٹ کے دوران پاکستانی باؤلروں پر بال ٹمپرنگ کا الزام عائد ہوا۔ جس پر احتجاج کرتے ہوئے پاکستانی کپتان انضمام الحق نے ٹیم کو گراؤنڈ سے باہر بلوا لیا۔ یہ اپنی

نوعیت کا انوکھا میچ تھا جس میں کسی کپتان کی طرف سے میچ مکمل کرنے سے انکار کردیا گیا۔اس میچ کا پہلے تو انگلینڈ کو فاتح قرار دیدیا گیا۔ بعد ازاں میچ کو برابر قرار دیدیا گیا۔ 2010 میں انگلینڈ کے باؤلر سٹیورٹ براڈ اور جیمز اینڈرسن پر جنوبی افریقہ کے خلاف تیسرے ٹیسٹ میں بال ٹمپرنگ کا الزام عائد ہوا لیکن ثابت نہ کیا جاسکا۔2010 میں ہی آسٹریلیا کے خلاف T20 میچ کے دوران پاکستانی کپتان شاہد آفریدی پر میچ بال ٹمپرنگ کا الزام عائد ہوا اور ان پر دو میچوں کی پابندی عائد کی گئی۔2012 میں سری لنکا کے خلاف میچ کے دوران آسٹریلوی کھلاڑی پیٹر سڈل پر بال ٹمپرنگ کا الزام عائد ہوا جسے بعد ازاں آئی سی سی نے کلئیر کردیا۔اوراب 2013 میں پاکستان کے خلاف دوسرے ٹیسٹ کے تیسرے روز چائے کے وقفے کے بعد جنوبی افریقہ کے باؤلر ڈوپلیسی کو بال ٹمپر کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔جس کو کوئی سزا نہیں دی گئ بس پلنٹی کے پانچ رنز دیکر ٹرخا دیا گیا۔

آئی سی سی بنانے کا مطلب یہی تھا کہ کرکٹ کے میدان میں ہونے والے اختلافات کو باہمی مشاورت سے حل کیا جائے۔ کسی بھی ملک سے یا کھلاڑیوں سے ہونے والی ناانصافی کا ازالہ کیا جاسکے۔مگراب یہ آئی سی سی وہ آئی سی سی نہیں رہی جس کی ضرورت تمام ملکوں کو تھی۔ اب اس پر چند ملکوں کی حکومت ہے جو اپنی من

منشا کے مطابق حکومت کر رہے ہیں۔آئی سی سی پر اس وقت سب سے زیادہ بھارت نواز گوروں کا اثرورسوخ ہے۔ان لوگوں کی پلاننگ کی وجہ سے پاکستان میں انٹرنیشنل کرکٹ کے دروازے ابھی تک بند ہیں۔پاکستان کے حالات پہلے سے بہت بہتر ہو گئے ہیں مگر پاکستان مخالف لوگ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں دوبارہ سے کرکٹ کے دروازے کھلیں۔

آئی سی سی کا اصلی چہرہ حالیہ جنوبی افریقہ پاکستان سیریز میں کھل کر سامنے آگیا۔کیمرے کی آنکھ نے وہ کچھ دکھا دیا جس کی گورے توقع بھی نہیں کر رہے تھے۔ایمپائرز نے بھی سپورٹس مین شپ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوری ایکشن لیکر بال تبدیل کر دی مگر صدقے جاؤں ان گوروں کے جن کے دل اتنے کالے ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔جو کچھ کیمرے نے دیکھا ان سب کو جھٹلا کر اپنی مرضی سے ڈوپلیسی کا معاف کر دیا۔اگر یہ ہی کام کسی پاکستانی کھلاڑی نے کیا ہوتا تو گوروں نے ان کے خلاف پروپگنڈا کر کے ان کو سخت سے سخت سزا دلواتے۔

بال ٹمپرنگ میں آئی سی سی کا رویہ سب سے سخت پاکستان کے ساتھ رہا ہے۔جوئے میں ملوث ہونے کی سزا بھی زیادہ پاکستانی کھلاڑیوں کو ملی ہے۔کیا ان جرائم میں دوسرے ملکوں کے کھلاڑی ملوث ہونے کے باوجود پارسا ہوتے ہیں کہ آئی سی سی ان کے خلاف ایکشن نہیں لیتی یا یہ آئی سی سی کا دوہرا معیار ہے؟آئی سی

سی اور اقوام متحدہ دونوں اس وقت پاکستان مخالف قوتوں کا ساتھ دے رہی ہے جبکہ اس میں تمام ملکوں کی نمائندگی ہوتی ہے مگر یہ دونوں ادارے گوروں اور ہندوؤں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کو آئی سی سی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دوٹوک بات کرنی چاہیے۔ ''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی'' کے مترادف پی سی بی کو اپنے حق کی خاطر بولڈ سے بولڈ فیصلے کرنا ہونگے ورنہ پاکستان مخالف قوتیں نہ تو پاکستان میں انٹرنیشنل کرکٹ شروع کرنے دیں گے اور نہ ہی پاکستان پلیئرز کو کھل کر کھیلنے دیں گے۔ اگر آئی سی سی پاکستان کی بات نہیں سنتا اور ان کو انکا حق نہیں دیتا تو پھر ایسی کونسل کا ممبر ہونے کا کیا فائدہ؟ بے عزتی کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

امریکہ پاکستان میں امن نہیں چاہتا

حکومت پاکستان نے دہشت گردی سے نپٹنے اور ملک میں امن امان کے استحکام کے لیے تمام سیاسی جماعتوں کو 9 ستمبر کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔ جس میں پاکستان آرمی نے بھی نہ صرف شرکت کی بلکہ اے پی سی (APC) میں شامل رہنماؤں کو دہشت گردی کے خلاف بریفنگ بھی دی۔ یہ سب کچھ اس بات کی علامت ہے کہ وفاقی حکومت پاکستان میں امن وامان کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔ اسی لیے انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے مشاورت کے بعد طالبان سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت کا یہ فیصلہ طالبان نے بھی دل سے قبول کیا مگر پاکستان اور اسلام مخالف قوتوں کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان میں امن قائم ہو۔ عالمی ڈان امریکہ کی تو ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ پاکستان مسائل میں الجھا رہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ساری دنیا اور بالخصوص پاکستان میں تمام فساد کی جڑ امریکہ ہی ہے۔

ملک دشمن ضمیر فروش اور لالچی امریکی ایجنٹ پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں جو پیسے کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ جس کی مثال ریمنڈ ڈیوس ، شکیل

آفریدی کی صورت میں ہمارے سامنے آچکی ہے۔ بے ضمیر شکیل آفریدی بظاہر مسلمان ہے لیکن ایسے لوگوں کا کوئی دین نہیں ہوتا ان کا سب کچھ پیسہ ہی ہوتا ہے اور یہ لوگ پیسے کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف امریکہ ہمیشہ شکیل آفریدی جیسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایسے زرخرید لوگ ہی آستین کا سانپ بن کر پاکستان کا امن تباہ کرتے ہیں۔ ماضی میں ایسے بہت سے واقعات سے ہوئے ہیں کہ جس وقت حکومت اپنے ملکی حالات درست سمت پر لانے کے قریب ہوتی ہے تو امریکہ اپنی گھناؤنی چالوں سے ان حالات کو پھر خراب کر دیتا ہے۔

پاکستان ہی نہیں پوری دنیا میں کوئی بھی دہشت گردی ہو جائے تو فوراً طالبان کا نام لیا جاتا ہے مگر مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا یقین ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا ناحق خون نہیں بہا سکتا۔ طالبان تو صرف بدنام ہیں در حقیقت یہ سب کچھ پاکستان مخالف لوگ کروا رہے ہیں۔ ماضی میں پاک آرمی نے سوات میں مولانا نیک محمد سے امن معاہدہ کیا تھا مگر امریکہ کو پاکستان میں امن پسند نہیں اسی لیے اس نے نیک محمد کو میزائل حملے سے نشانہ بنوا کر مروا دیا جس کی وجہ سے سوات کے ساتھ ساتھ پورے ملک کا امن تباہ ہو کر رہ گیا تھا۔

اب جب ایک بار پھر تمام پاکستانی سیاسی قیادت نے مل کر اپنے ملک کی خیر خواہی کے لیے طالبان سے مذاکرات کا عہد کیا۔ اس اے پی سی میں پاک آرمی نے بھی شرکت اور تمام سیاسی قیادت نے متفق ہوتے ہوئے طالبان سے مذاکرات کو نیک شگون قرار دیا مگر ایک بار پھر امریکہ اور اس کے حواریوں کو یہ مذاکرات بالکل پسند نہیں آئے۔ اسی وجہ سے پہلے کی طرح اب بھی امریکہ اور اس کے اتحادی پاکستان اور طالبان کے درمیان خلیج بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان کے درمیان مذاکرات کامیاب نہ ہوں اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بنے رہیں۔

پچھلے دنوں اپر دیر میں ہونے والا سانحہ پاکستان کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ جس میں آرمی کے جنرل، لیفٹیننٹ جنرل اور لانس نائیک شہید ہوئے۔ میڈیا کے مطابق اس حملے کی ذمہ داری طالبان نے قبول کر لی مگر اس وقت سے آج تک یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ یہ طالبان نے حملہ کیا یا پھر طالبان کو بدنام کرنے اور حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات سبوتاژ کرنے کے لیے امریکی ایجنٹوں نے کیا ہے؟ امریکہ پاکستان میں مختلف تنظیموں کے ذریعے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس نے سی آئی اے اور اسکے حلیف پاکستان دشمن عناصر کو مختلف طریقوں کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا کر پاک سرزمین کو نقصان پہنچانے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔

حال ہی میں امریکہ کے دورے پر وزیر اعظم نواز شریف نے صدر اوبامہ سے ملاقات

کی۔بقول ن لیگ کے کہ میاں صاحب نے صدر اوبامہ کا صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اب دوبارہ پاکستان میں ڈرون حملہ نہ کیا جائے۔ابھی میاں صاحب کی امریکہ کے دورے کی تھکاوٹ دور ہونے نہ پائی تھی کہ امریکہ نے شمالی وزیرستان میں ڈرون حملہ کردیا۔ حملے کے بعد پاکستانی عوام کو معلوم ہوگیا کہ میاں صاحب اوبامہ سے کیا بول کر آئے ہیں۔امریکی دورے کے بعد جب پاکستانی وزیراعظم برطانیہ کے دورے پر گئے تو انہوں نے وہاں جاکر یہ اعلان کردیا کہ پاکستان حکومت کے طالبان سے مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اپوزیشن ابھی تک طالبان سے مذاکرات کا انتظار کررہی تھی کہ میاں صاحب نے دیار غیر میں بیٹھ کر مذاکرات کا اعلان بھی کرڈالا۔ بس پھر کیا تھا بظاہر پاکستان کے خیر خواہ اور درحقیقت پاکستان کے دشمن امریکہ کو بھلا یہ کب منظور تھا کہ پاکستان اور طالبان ایک میز پر بیٹھ سکیں۔ اس نے فوراً اپنے ڈرون حملے کے ذریعے طالبان کے کمانڈر حکیم اللہ محسود اور ان کے ساتھیوں کو مارڈالا۔

اس کے بعد اب ملکی حالات پھر کشیدگی کی طرف چلے گئے ہیں۔ پاکستان کی تمام سیاسی قیادت نے اس ڈرون حملے کی شدید مذمت کی۔انہوں نے یہاں تک کہا کہ امریکہ کے اس حملے سے پاکستان کے حالات بہتری کے بجائے مزید خراب ہونگے۔پاکستانی سیاسی قیادت کی اب تو آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اب تو ان کو یقین کرلینا چاہیے کہ ہمارا اصل دشمن کون ہے؟ اگر امریکہ طالبان سے مذاکرات

کا حامی تھا تو پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟

خدارا ! اے پاکستانی حکمرانواب تو ہوش کے ناخن لو کیا امریکہ اسی طرح ہمیں آپس میں لڑوا کر مرواتا رہے گا یا کبھی ہم لوگ بھی اپنے اچھے برے کی سوچیں گے۔

امریکہ کو پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں اگر دلچسپی ہے تو اس کو پاکستانی معدنیات اور ایٹمی اثاثہ جات سے۔ مسلم دنیا میں واحد ایٹمی طاقت پاکستان ہے۔جو غیر مسلم طاقتوں کو برداشت نہیں اس لیے امریکہ ، اسرائیل اور بھارت کی نظریں پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ہیں۔ یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان سپرپاور بن کر ابھرے وہ چاہتے ہیں کہ بس پاکستان اپنے اندرونی اور سیاسی مسائل میں الجھا رہے۔

شخصیت لازوال، نام ہے جسکا اقبال

ویسے تو ہمارے کالمسٹ لوگ ہر تاریخی دن کے حوالے سے کالم لکھتے رہتے ہیں کوئی اس دن کی اہمیت بیان کرتا ہے تو کوئی اس کی مخالفت پر لکھتا ہے۔ مگر آج میں جس شخصیت پر لکھا رہا ہوں وہ قیام پاکستان کی صف اول کی شخصیت ہے۔ جس انتھک محنت و کوشش سے یہ پاکستان معرض وجود میں آیا۔ میں آج اپنا قلم اس شخص کے نام کر رہا ہوں جو ہمارے دلوں پر راج کر رہا ہے۔ کبھی سیاست کے پختہ اصولوں سے تو کبھی شعر وشاعری کے ذریعے۔

علامہ محمد اقبال 9 نومبر کو پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالی نے دنیا کو ایک مخلص شخصیت کا تحفہ عطا فرمایا۔ آپ کے آباؤاجداد کا تعلق کشمیر سے تھا مگر آپ لوگ ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے حاصل کی۔ ایف اے مرے کالج اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ ایم اے فلسفہ کا امتحان بھی گورنمنٹ کالج سے پاس کیا اور اس کے بعد اسی کالج میں بطور پروفیسر پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری جرمنی سے حاصل کی۔ لندن میں علامہ اقبال نے عربی کا مضمون بھی پڑھایا۔

میں دیارِ غیر سے واپسی ہوئی اور اپنے ملک میں آکر وکالت کا پیشہ اختیار کرلیا۔ 1908
میں شعر و شاعری شروع کردی۔ علامہ اقبال اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس 1934
نے مسلمانوں کو جگایااور غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے عوام کو
اکسایا۔ اس وقت جب مسلمان غلامی کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے ۔ایک طرف انگریز
ان پر ظلم ڈھاتے تو دوسری جانب ہندوؤں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا تھا۔ ان
حالات میں علامہ اقبال روشنی کی کرن بن کر سامنے آئے اور مسلمانوں کی اصلاح کا
بیڑااٹھایا۔

آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑا۔ علامہ اقبال کی شاعری بہت
پُر اثر تھی۔ مسلمانوں کو ان کا فرض یاد رکھنے اور جوش ولوالہ پیدا کرنے میں اہم کردار
ادا کیا۔ جیسے آپ نے اپنے اس شعر میں سب کچھ واضح کردیا

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس طرح کے شعروں نے نہ صرف مسلمانوں کا حوصلہ بلند کیا بلکہ ارادوں میں اور پختگی
پیدا کردی۔آپ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ 1930 میں انہوں نے خطبہ الہ آباد
میں ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ

کیا۔ آپ کی اعلیٰ سوچ کی وجہ سے آپ کو مفکر پاکستان کا نام دیا گیا۔ آپ مسلمانوں کے لیے ایک چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں جو خود تو جل جاتا ہے مگر دوسروں کو اپنی روشنی دیتا ہے۔

یہ عظیم شخصیت ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔ اسی لیے 1910 میں حکومت برطانیہ نے آپ کو "سر" کا خطاب دیا اور قوم کی شاعری کے ذریعے خدمت کے سلسلے میں آپ کو شاعر مشرق کا نام بھی دیا گیا۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ آپ کی کتابوں میں پیام مشرق، بانگ درا، بال جبریل، جاوید نامہ اور اسرار خودی شامل ہیں۔

حکیم الامت، مصور پاکستان ، تصور پاکستان علامہ محمد اقبال کے یوم ولادت پر ان کے کارناموں، خدمات اور عظمتوں کا مکمل احاطہ کرنا شاید مجھ جیسے کم علم آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ آپ کے عظیم کارناموں سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ آپ کے ذکر کے بغیر نہ تو پاکستان مکمل ہوتا ہے اور نہ تاریخ۔ پاکستان ہی نہیں بلکہ
ایران، ترکی، ہندوستان، وسط ایشیا، الغرض عرب و عجم سارا علامہ کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے شاعری کو محض تذکرہ محبوب اور حسن و عشق سے نکال کر ایک مقصد بخشا۔ مسلمانان برصغیر کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ خودی کا درس دے کر اغیار کی غلامی سے نکلنے کا سبق سکھایا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و

دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے اور ان کے فلسفے کو سمجھتے ہیں۔ اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔ ان کے کئی کتابوں کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جس سے بیرون ملک کے لوگ بھی متعارف ہیں۔ بلا مبالغہ علامہ اقبال ایک عظیم مفکر مانے جاتے ہیں

علامہ اقبال وہ شاعر ہیں جنھوں نے بڑے، چھوٹے، جوان، بزرگ اور بچوں کے لیے شاعری کی۔ آپ نے ساری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہونے لگی پھر یہ چراغ ہوا کے دوش پر ٹمٹمانے لگا اور آخر کار 21 اپریل 1938 کو ہمیں جاگتا چھوڑ کر خود ابدی نیند سوگیا۔ آپ کا مزار بادشاہی مسجد کے پہلو میں واقع ہے۔

اس طرح مسلمان سورج کی طرح روشن شخصیت کی روشنی سے تو محروم ہو گئے لیکن وہ آج بھی ہماری زندگیوں میں اِک روشن کتاب کی طرح موجود ہیں۔ یہ وطن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ مفکر پاکستان کون تھے اور کس طرح جدوجہد کرکے انہوں نے ہمیں یہ ملک لیکر دیا تھا۔ علامہ اقبال بے شک اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں مگر

ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہیں۔ شاعری کے ذریعے ہمارے جذبات میں بستے ہیں۔ اپنی تصانیف کی وجہ سے ہمارے معاشرے کا فرد ہیں۔

علامہ اقبال نے جو پاکستان کا تصور پیش کیا اور جس کی بنیاد قائداعظم نے رکھی اگر ہم آج اس پاکستان کو دیکھیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کہاں گیا وہ مسلمانی جذبہ جس کے سامنے غیر مسلم جھکتے تھے اور آج غیر مسلموں کے سامنے ہم جھک رہے ہیں۔ کل تک غیر مسلموں پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور آج ہم مسلمان حکومتیں بنا کر بھی غیر مسلموں کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ جس پاکستان کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور جس مقصد کے لیے یہ وطن آزاد کرایا۔ اللہ تعالٰی ہمارے حکمرانوں کو ایسا پاکستان بنانے کی توفیق دے۔ آمین

سرٹیفکیٹِ شہادت نہیں، صرف اتفاق چاہیے

شہید کا مطلب گواہی دینے والا ہے لیکن عام اصطلاح میں شہید سے مراد عموماً وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں اسلام کی خاطر جان دے۔ اسلام میں شہید کا مرتبہ بہت بلند ہے اور قرآن کے مطابق اسلام کی راہ میں جان دینے والے شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ شریعت میں اِسکا مفہوم ہے اللہ تعالٰی کے دِین کی خدمت کرتے ہوئے اپنی جان قُربان کرنے والا، میدانِ جِہاد میں لڑتے ہوئے، جِہاد کی راہ میں گامزن اور دِین کی دعوت و تبلیغ میں جان دینا اور جِس موت کو شہادت کی موت قرار دِیا گیا ہے اُن میں سے کوئی موت پانے والا۔

شہادت کی اقسام میں ایک تو اللہ کے لیے نیک نیّت سے میدانِ جِہاد میں کافروں، مُشرکوں کے ساتھ لڑتے ہوئے قتل ہونے والا اور دوسرا وہ جو شہادت کی موت کا درجہ پانے والا یعنی میدان جِہاد کے عِلاوہ ایسی موت پانے والا جسے شہادت کی موت قرار دِیا گیا۔

آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی اُمت پر اللہ تعالٰی کی خصوصی رحمتوں میں سے ایک رحمت یہ بھی ہے کہ سابقہ اُمتوں کے شہیدوں کی طرح

اُمتِ محمدیہ میں درجہِ شہادت پر صِرف اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہونے والوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اِس درجہ پر فائزفرمایا ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! تم لوگ اپنے (مرنے والوں) میں سے کسے شہید سمجھتے ہو ؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کِیا اے اللہ کے رسول جو اللہ کی راہ میں قتل کِیا جاتا ہے ہم اُسے شہید سمجھتے ہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا اگر ایسا ہو تو پھر تو میری اُمت کے شہید بہت کم ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کِیا اے اللہ کے رسول تو پھر شہید اور کون ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا جو اللہ کی راہ میں قتل کِیا گیا وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں (نکلا اور معرکہِ جہاد میں شامل ہوئے بغیر مرگیا، یا جو اللہ کے دِین کی کسی بھی خِدمت کے نکلا اور) مرگیا وہ بھی شہید ہے ۔ جو طاعون (کی بیماری) سے مرگیا وہ بھی شہید ہے۔ جو پیٹ کی بیماری سے مرگیا وہ بھی شہید ہے۔ عبید اللہ ابن مقسم نے یہ سُن کر سہیل کو جو اپنے والد سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ کے ذریعے روایت کر رہے تھے ، کہا میں اِس حدیث کی روایت میں تمہارے والد کی (کی درستگی) پر گواہ ہوں اور اِس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا ڈوب کر مرنے والا بھی شہید ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ ہیں مطعون پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، ملبے میں دب کر مرنے والا اور، اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا۔

آج کل ہمارے ملک میں بھی شہید کے بارے میں بڑے چرچے ہو رہے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا سے لیکر پرنٹ میڈیا تک ہر جگہ پر شہادت کے بارے میں بحث چھڑی ہوئی ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی زبان سے شہادت کے سرٹیفکیٹ کی تشریح کر رہا ہے۔ کیا کسی بھی عالم یا لیڈر کے کہنے سے کسی کو شہادت کا سرٹیفیکیٹ ملے گا؟ مولوی حضرات اپنی اپنی سوچ کے مطابق شہید کا اعلان کر رہے ہیں ۔ کوئی انسان کو شہید کا درجہ دے رہا ہے تو کوئی جانور کو۔ شہید کے لیے کسی مولوی کے فتوے کی ضرورت نہیں اس کا فیصلہ تو اللہ کے ہاں ہوگا کہ کون شہید تھا اور کون دنیا دکھاوے کے لیے اپنی جان کی بازی ہارا۔

صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتا سکتے تھے کہ یہ مرنے والا جنتی ہے یا جہنمی۔

پچھلے دنوں طالبان کا لیڈر حکیم اللہ محسود امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا۔ اس دن پاکستان میں ایک نا ختم ہونے والی بحث چل رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکی فوج پاکستان یا اسلام کی جنگ لڑ رہی ہے۔ ہر گز نہیں۔ یہ

پاکستان کو کمزور کرنے اور اپنے ذاتی مفاد کے لیے لڑ رہی ہے۔ امریکہ کا اصل چہرہ دیکھنا ہے تو پھر مسلمانوں سے گوانتا نا موبے جیل کے اندر کیا جانے والا سلوک دیکھو۔ امریکی ایجنٹ مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہا ہے۔ ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جب لبنان میں حسن نصراللہ کے لوگ امریکی اور اسرائیلی دہشت گردی میں مارے جائیں تو انہیں یک دم شہید قرار دیا جاتا ہے۔ اسی امریکی اور اسرائیلی دہشت گردی میں اگر کوئی افغان مارا جائے تو وہ شہید نہیں بلکہ الٹا اسے دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

مولانا فضل الرحمان نے امریکی ڈرون سے ہلاک ہونے والے کتے کو بھی شہید قرار دینے کا فتویٰ دیا۔ کیا ان کے کہنے سے کتا شہید کہلائے گا؟ ہرگز نہیں یہ بات انہوں نے استعاراً کہی لیکن ہم نے بغیر سوچے سمجھے اس بات کا بتنگڑ بنا لیا۔ سید منور حسن کے بیان کو بھی بہت اچھالا جا رہا ہے۔ ان کا مقصد بھی ایسا نہیں تھا مگر کچھ شر پسند لوگ اور مخصوص میڈیا پاکستان میں مذہبی انتشار کو ہوا دینا چاہتا ہے۔

اس ملک میں جرائم پیشہ افراد مارے جائیں تو ان کے سرپرست فوری طور پر ان کو شہید قرار دیتے ہیں ۔ اس معاملے کو اچھالنے والوں کا کچا چٹھا سوشل میڈیا کھل کر بیان کرتا ہے ۔ حیرت اس بات پر ہے کہ سوشل میڈیا پر جو حقیقت ظاہر کی جاتی ہے جس سے عوام متفق ہے امریکی احکامات کے زیر اثر پرنٹ اور

الیکٹرانک میڈیا اس سے بالکل الٹ امریکی اور اسلام دشمنوں کی زبان بولتا ہے کیونکہ ایک مخصوص طبقہ بنگلہ دیش کی طرح مذہبی لوگوں کو پیچھے دھکیل کر سیکولر لابی کو آگے لانا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ سیکولر لابی کا نعرہ ہی اس ملک میں فتنہ و فساد پھیلا سکتا ہے اور ان کی اس بات میں وزن بھی ہے۔ کیونکہ اب نام نہاد لیڈروں کو میڈیا میں ان رہنے کا موقع مل گیا ہے اور اسلام کے لیے پرامن جدوجہد کرنے والوں کو زیرعتاب لانے کا بہانہ مل گیا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اس طرز عمل سے اسلام اور پاکستان کی کتنی رسوائی ہو رہی ہے۔ بس یہ لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ انہیں ملک میں انتشار کو ہوا دینے کا کوئی بہانہ، کوئی موقع مل جائے اور ملکی و غیر ملکی اسلام دشمن طاقتوں کی پاکستان کو کمزور کر کے تقسیم کرنے کی دیرینہ خواہش پوری ہو جائے۔ پاکستانی عوام کو ایسے لوگوں کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے ۔ شہید کی اقسام ہمیں قرآن و حدیث سے مل جاتی ہیں تو پھر ہمیں کسی سے سرٹیفیکیٹ لینے کیا ضرورت ہے۔ شہید ہونے والے کی شہادت کا فیصلہ اللہ اس کی نیت کے مطابق خود کرے گا کیونکہ دلوں کے بھید تو اللہ ہی جانتا ہے۔ ۔اگر آج پاکستانیوں نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو سازشی عناصر اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے ۔ اور نقصان صرف اور صرف اسلام اور امت مسلمہ کا ہوگا۔

فرقہ واریت یا کوئی اور امریکی چال

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ تمام مسلمانوں کا مذہب ایک ہے اور اس کا نام اسلام ہے مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیر خواہوں نے اسلام کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر دوسرا شخص کسی نہ کسی فرقے میں بٹ چکا ہے۔ فرقوں میں تقسیم ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ فرقوں میں تقسیم ہونے کی بات تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو اسلام کا داعی اور دوسرے کو کافر سمجھتا ہے۔ جب کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دنیا کا ہر لحاظ سے مکمل اور انسانیت کے لیے بہترین مذہب اسلام ہے۔ اسلام ہمیں بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ چھوٹے اور بڑے کا ادب و احترام سکھاتا ہے۔ مگر ہمارے کچھ پیشہ ور مولویوں نے مسلمان بھائیوں کو گمراہ کر کے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ ایسے مولوی اسلام دشمن طاقتوں کے جال میں پھنس کر یا اپنے پیٹ کی خاطر لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا کرا کے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اسلام میں کسی کو تفرقے میں ڈالنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اسلام میں قتل کرنے کے بارے میں کتنی سخت سزا ہے۔ لیکن افسوس

ہم مولویوں کو کیا کہیں ہمارا اپنا ایمان کمزور ہے جو ہم ایسی دقیانوسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ایسے مولویوں کے لیے تو بس یہی کہہ سکتا ہوں۔

دلیل تھی اور نہ کوئی حوالہ تھا پاس ان کے
عجیب لوگ تھے بس اختلاف رکھتے تھے

پہلے شعیہ اور سنی دو مختلف گروہ موجود تھے پھر سنی دیوبندی، بریلوی اور وہابی میں تقسیم ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود فرقہ واریت کو آج تک کسی بھی شخص کو اچھا کہتے نہیں سنا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس کا معنی کون متعین کرے؟ تفرقہ کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے۔ احادیث میں اسکی وضاحت بیان ہوئی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے ''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلے کھلے دلائل آ جانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے ایک بڑا عذاب ہے جس دن کچھ چہرے روشن وشاداب ہوں گے اور کچھ کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) کیا نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ روش اختیار کی؟ اب اس کفر کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔''رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ آپ کے سایہء رحمت میں ہوں گے اور (پھر) (ہمیشہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے''۔(آل عمران

فرقہ واریت کے متعلق حدیث نبوی ہے "ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امّت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہوگی، ان میں سے ایک کے علاوہ سب جہنمی ہونگے. صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ (نجات پانے والے) کون ہونگے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس طریقے) پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔)

حال ہی میں راولپنڈی میں رونما ہونے والا واقعہ ہم سب کے سامنے ہیں۔چند شرپسند عناصر کی وجہ سے کئی لوگوں کی جانیں چلی گئیں۔ لوگوں کا کروڑوں کا مالی نقصان کیا گیا۔اللہ کے گھر کی بے حُرمتی کی گئی جبکہ ان کے برعکس اللہ کے گھر کا تو غیر مسلم بھی بڑا احترام کرتے ہیں۔اس واقعے کے بعد پاکستان کے مختلف شہروں میں ہڑتال اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہر طبقہ فکر نے اس واقعے کی شدید مذمت کی ۔ علماء کرام نے پُرامن رہنے کی درخواست کی مگر شرپسند عناصر عوام کو گمراہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

حکومت پنجاب نے اس واقعے کی عدالتی تحقیقات کا حکم بھی صادر فرمادیا ہے پھر نہ جانے کیوں عوام کو بھڑکایا جارہا ہے۔ ہم سب مسلمان ہیں ۔ ہمارا خدا اور رسول ایک ، کلمہ ایک اور ہماری کتاب (قرآن مجید) ایک ہے تو پھر ہم ایک دوسرے کے دشمن کیوں؟ ہم سب پاکستانیوں کو مل کر اس شعلے کو بھڑکنے سے پہلے

شبنم بن کر دبانا ہوگا۔ غیر مسلم تو پہلے ہی پاکستان کو تباہ کرنے کے در پر ہیں ۔ ایک طرف ہم ڈرون حملوں سے مر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف یہ فرقہ واریت کی آگ لگادی جس سے ہم آپس میں لڑ لڑ کر مریں گے اور یہی چال ہے ان غیر مسلموں کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔اس آگ کو مزید بھڑکنے سے روکنے کے لیے ہم سب کو اپنا اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ حکومت کو سانحہ راولپنڈی میں ملوث لوگوں کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے تاکہ دوبارہ کوئی ایسی گھناونی سازش یا حرکت نہ کرے۔ اس کے علاوہ حکومت کو تاجر بھائیوں کے نقصان کا بھی ازالہ کرنا چاہیے۔
اے مسلمانو! اے میرے پاکستانی بھائیو خدارا سوچو، سمجھواور حالات کے مطابق دشمنوں کی چالوں سے بچو۔ غیر مسلموں کی آنکھ کا سب سے بڑا کانٹا پاکستان ہے جس کو وہ پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے مگر اس کی حفاظت ہم سب پاکستانیوں پر فرض ہے۔ دوسروں کی لگائی ہوئی اس آگ کو ہم نے ملکر بجھانا ہے۔ہمیں اپنے درمیان سے غیر مسلموں کے ایجنٹوں کو نکالنا ہوگا جو مسلمان کے بھیس میں غیر مسلموں کی حمایت کررہے ہیں۔ حکومت کو فرقہ واریت جیسے اسلام دشمن تشہیر پر بھی پابندی لگانا چاہیے۔

گڈ بائے مسٹر چیف

دنیا کا نظام ہے کہ جو شخص دنیا میں آیا اس نے ایک دن جانا بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی گورنمنٹ یا پرائیویٹ ادارے کے سربراہان سے لیکر درجہ چہارم تک کے ملازم اپنی مدت ملازمت پوری ہونے کے بعد ریٹائر ہوتے ہیں۔ سال 2013ء ایک ایسا سال ہے جس میں پاکستان کی سیاسی، جوڈیشنری اور عسکری قیادت ریٹائر ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے وزیراعظم پاکستان اپنی مدت پوری کرکے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد صدر پاکستان بھی اپنا وقت پورا کرکے صدارت کی کرسی سے اتر گئے۔ اب دو چیف صاحبان کی باری ہے۔ پہلے مرحلے میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی اسی ماہ میں ریٹائرڈ ہو رہے ہیں۔ ان کے بعد دسمبر میں چیف جسٹس افتخار چوہدری بھی ریٹائرڈ ہو جائیں گے۔

پاکستان فوج کے چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی اپنی مدت ملازمت میں ایک بار توسیع لینے کے بعد آخرکار 29 نومبر کو ریٹائر ہو رہے ہیں۔ پرویز کیانی ایک مخلص اور محب وطن انسان ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ پاک دھرتی کی حفاظت اور اسکے مفاد کے لیے کام کیا۔ جنرل کیانی کے ملازمت کے چھ سال میں بہت سے بھنور آئے۔

پرویز اشفاق کیانی نے اپنی مدت ملازمت میں سیاسی اور عسکری قیادت سے دوستانہ تعلقات نبھائے۔ جنرل کیانی کم گو اور کام کرنے والے انسان ہیں۔

جنرل اشفاق پرویز کیانی اپریل 1952 میں ضلع راولپنڈی کی تحصیل گوجر خاں میں پیدا ہوئے۔ ملٹری کالج جہلم سے پڑھنے کے بعد جنرل کیانی نے 1971 میں بلوچ رجمنٹ میں کمیشن حاصل کیا۔ وہ کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ اور امریکہ کے جنرل سٹاف کالج فورٹ لیونورتھ کے فارغ التحصیل ہیں۔ جنرل کیانی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ جنرل کیانی گالف کے ایک اچھے کھلاڑی بھی ہیں۔ وہ پاکستان کے وائس چیف آف آرمی سٹاف اکتوبر 2007 کو بنے۔ اس سے پہلے پاکستانی فوج کے خفیہ ادارے آئی ایس آئی کے 8 سربراہ رہے۔ آرمی چیف کو انفینٹری بٹالین سے کور کمانڈنگ تک کا وسیع تجربہ حاصل ہے۔ 2001 اور2002 میں جب پاکستان اور بھارت کے درمیاں سخت کشیدگی تھی اس وقت وہ ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز تعینات رہے۔

سابق نان کمیشنڈ فوجی افسر کے بیٹے اشفاق پرویز کیانی کو فوج میں ایک پیشہ ور جنرل کے طور پر جانا جاتا ہے لیکن آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے سیاسی جماعتوں کے کلیدی رہنماؤں سے ان کا قریبی رابطہ رہا۔ پاکستان کے آرمی چیف امریکہ میں بھی اپنے پیشہ ورانہ فرائض کے سلسلے میں تعینات رہے ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ امریکی فوج میں ان کی خاصی جان پہچان ہے۔

سابق صدر اور جنرل پرویز مشرف نے جنرل پرویز اشفاق کیانی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
نومبر 2008ء کو صدر مشرف کے وردی اتارنے کے ساتھ ہی راولپنڈی میں ایک 28
رنگا رنگ تقریب میں جنرل کیانی چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر فائز ہو گئے۔
جہاں مشرف نے چیف کی چھڑی کیانی کو تھما دی۔
مارچ 2009 میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے معاملے پر آصف علی
زرداری کی قلابازیوں کے باعث وکلا اور اپوزیشن جماعتوں نے لانگ مارچ کیا اس
دوران آپ کے پاس اپنے پیش رووں کی طرح " میرے عزیز ہم وطنو " کہنے کا بہترین
موقع تھا لیکن سیاسی حلقوں کے بقول آپ نے اس سے اجتناب کیا۔ اسکی وجہ آپ
جمہوریت پسند انسان ہیں اور جمہوریت کو پروان چڑھتا دیکھنا چاہتے تھے ۔ جہاں اس
طرح کی سیاسی نوعیت پیش آئی تو دوسری طرف ان کے دور میں عسکری نوعیت کے کچھ
ایسے واقعات بھی ہوئے جو پاکستانی عوام کے لیے تکلیف دہ بنے۔ امریکی ایجنٹ اور
پاکستانیوں کے قاتل ریمنڈ ڈیوس کی شرمناک رہائی کا کارنامہ بھی ان کے دور ملازمت
کا حسین یادگار بنا۔ مئی 2011 کے ایبٹ آباد آپریشن (جب اسامہ مارا گیا) جس میں
امریکی فوج اپنا کام کرکے چلی گئی اور ہماری فوج امریکی ہیلی کاپٹروں کا سراغ نہ
لگا سکی۔ جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں مختلف قسم کے وسوسوں نے جنم لیا۔ جی ایچ
کیو، مہران بیس اور کامرہ

ہیں پر دہشت گردی جیسے واقعے بھی انہیں کے دور کی یاد دلاتے رہیں گے۔

فوج کے جوانوں کیلئے جنرل کیانی کی خدمات کو بھی ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی کو ان کی پیشہ وارانہ خدمات کے اعتراف میں ہلال امتیاز اور نشان امتیاز کے ایوارڈ دیئے گئے۔ ایک خبر کے مطابق وفاقی حکومت انکی جمہوریت کے ساتھ گہری لگن کے اعتراف میں ان کو جمہوریت کا ایوارڈ دینے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔

وزیراعظم پاکستان نے اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک امریکہ میں سفیر تعینات نہیں کیا۔کچھ لوگوں کے مطابق ممکن ہے یہ منصب جنرل کیانی کیلئے خالی چھوڑ رکھا ہو کیونکہ جنرل جہانگیر کرامت کو بھی آرمی چیف کے منصب سے ریٹائر ہونے کے بعد امریکہ میں پاکستان کا سفیر بنایا گیا تھا۔ جنرل اشفاق کیانی کا عسکری اور جمہوری کردار مجموعی طور پر شاندار اور یادگار رہا۔

جنرل اشفاق پرویز کیانی کو اپنی فوج اور ملک سے بہت محبت تھی اس لیے انہوں نے اپنے خطاب میں پاکستان فوج کو دنیا کی سب سے بہترین فوج قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے دنیا کی سب سے بہترین فوج کی قیادت کی۔ دہشت گردی کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ دہشت گردی ایک بڑا چیلنج ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف پاک فوج نے کلیدی

کردار ادا کیا جس کا منہ بولتا ثبوت سوات کا امن ہے۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی کا چھ سالہ دور اپنے ہی ملک میں دہشت گردوں سے نبرد آزما ہونے کے علاوہ بھارت کے ساتھ کنٹرول لائن پر جھڑپوں میں گزرا۔ انہوں نے کسی موقع پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیے۔

تصدق جیلانی سے چیف جسٹس تک کا سفر

12 دسمبر پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہوگا۔اس دن پاکستان کی عدلیہ کا ایک باب اور ختم ہونے کو ہے۔اس دن پاکستان کی عدلیہ کی عزت و توقیر بڑھانے والے چیف جسٹس افتخار چوہدری اپنی مدت ملازمت پوری کرکے ریٹائرڈ ہورہے ہیں۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری نے اپنے ملازمت کے دوران بہت سے نشیب وفراز دیکھے مگر اپنی ہمت اور ساتھیوں کے تعاون سے سرخرو ہوئے۔اب ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد وزیراعظم پاکستان کی ایڈوائس پر صدر پاکستان نے جسٹس تصدق حسین جیلانی کو نامزد کردیا ہے۔ تصدیق جیلانی ،افتخار چوہدری کے دست راست سمجھے جاتے ہیں۔

جسٹس تصدق حسین جیلانی کا تعلق ملتان سے ہے۔ وہ جنوبی پنجاب سے تعلق رکھنے والے پہلے وکیل ہیں جنھیں یہ اعزاز مل رہا ہے۔ ان کا تعلق مظفرگڑھ کے نواحی علاقہ خان گڑھ کے متوسط گھرانے سے ہے۔ جسٹس تصدق حسین جیلانی 4 جولائی 1949ء کو سید رمضان جیلانی کے گھرپیدا ہوا۔سید رمضان جیلانی پولیس میں اعلیٰ آفیسر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر مظفرگڑھ سے حاصل کی۔اس کے بعد ملتان کے پائلٹ سیکنڈری سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا جہاں آج بھی آپ کا نام سکول کے ذہین ترین طلباء کی فہرست میں لکھا ہوا ہے۔

ایمرسن کالج ملتان سے بی اے کرنے کے بعد سیاسیات میں ماسٹرز کی ڈگری لاہور کے فار مین کرسچن کالج سے حاصل کی۔ قانون کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ جس کے بعد کانسٹیٹیوشنل لاء کا کورس لندن کی یونیورسٹی سے کیا۔

جسٹس تصدق جیلانی بابائے جمہوریت نوابزدہ نصراللہ خان مرحوم کے بھانجے ہیں جبکہ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی اہلیہ فوزیہ گیلانی انکی بھانجی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب یوسف رضا گیلانی پر توہین عدالت کی فرد جرم عائد کی گئی تو انہوں نے اس کے خلاف انٹرا کورٹ اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ جسٹس تصدق جیلانی شاعری اور مصوری کے دلدادہ ہیں اس لیے وہ ادبی جج کے طور پر مشہور ہیں۔ جسٹس جیلانی کا پسندیدہ رنگ سرخ ہے۔

چیف جسٹس جیلانی نے اپنی پریکٹس کا آغاز بطور وکیل 1974 میں ملتان ڈسٹرکٹ کورٹس سے کیا۔ 1976ء میں ہائیکورٹ کے ایڈووکیٹ بنے اور اسی سال ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل بھی منتخب ہوئے۔ 1978ء میں پنجاب بار کونسل کے ممبر بنے۔ 1979ء میں اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب منتخب ہوئے جس کے بعد 1983ء میں سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ بنے۔ مسٹر جسٹس تصدق جیلانی کو 1993ء میں ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ انہوں نے لاہور ہائیکورٹ

کے جج کے طور پر 7 اگست 1994ء میں حلف اٹھایا اور پھر 31 جولائی 2004ء کو سپریم کورٹ کے جج کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے 3 نومبر 2007ء کو مشرف حکومت کی جانب سے لگائی جانے والی ایمرجنسی تک خدمات دیں۔

پرویز مشرف کے پی سی او کے تحت نیا حلف لینے سے انکار کرنے پر سپریم کورٹ کے جج کے طور پر انہیں غیر فعال قرار دے دیا۔ 2008ء میں جمہوری حکومت کے قیام کے بعد جسٹس تصدق حسین جیلانی نے ستمبر 2009 میں سپریم کورٹ کے جج کے طور پر دوبارہ جوائن کیا۔ تصدق حسین جیلانی کو بین الاقوامی سطح پر بھی بے شمار اعزازات سے نوازا گیا۔ 12 اکتوبر 2007ء کو واشنگٹن میں سدرن ورجینیا یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ جسٹس تصدق کو امریکن بار نے ایک اعزازی نشست بھی دی۔ جولائی 2008ء میں امریکن بار ایسوسی ایشن کے جانب سے پاکستان میں رول آف لاء کو قائم رکھنے والے ججز میں سے مسٹر جسٹس تصدق حسین جیلانی کو 2008ء میں رول آف لاء کا ایوارڈ دیا گیا۔ آپ نے کچھ عرصہ قائم مقام چیئرمین الیکشن کمشنر آف پاکستان کے عہدے پر بھی کام کیا۔ جسٹس تصدق جیلانی نرم خو مگر قانون پر سختی سے عمل درآمد کرنے والی شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ سپریم کورٹ کا" نغمہ انصاف سب کیلئے" انھی کا تحریر کردہ ہے۔

جسٹس تصدق جیلانی سپریم کورٹ کے ان ججز میں شامل ہیں جنھوں نے 3 نومبر 2007 کو پی سی او کے تحت حلف لینے سے انکار کر دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں فاروق نائیک فارمولا کے تحت سپریم کورٹ کے جن چار ججز نے حلف لیا، ان میں جسٹس تصدق جیلانی بھی شامل تھے تاہم چیف جسٹس پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے بعد ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے کئی ججز کی مدت 2 نومبر سے ہی بحال کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا تھا۔
جسٹس تصدق جیلانی سپریم کورٹ کے اس پانچ رکنی بینچ کے بھی سربراہ تھے جس نے پرویز مشرف دور میں میاں نواز شریف کو ہائی جیکنگ کے الزامات سے بری کیا۔ جسٹس تصدق جیلانی کے خط پر سپریم کورٹ نے نیو مری منصوبے کے خلاف ازخود نوٹس بھی لیا تھا۔

موجودہ چیف جسٹس افتخار نے جس طرح عدلیہ کا وقار بلند کیا اور عدلیہ کا بحال کرایا اس کی مثال تاریخ میں لکھی جاچکی ہے۔ جسٹس تصدق جیلانی کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے عدلیہ کا وقار بحال کرانے میں چیف جسٹس افتخار کے دست راست بنے۔
چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ کے بعد ملک کے بہت اہم کیس جو اس وقت عدالت میں زیر سماعت ہیں ان کی تمام تر ذمہ داری جیلانی صاحب پر آ جائے

گی۔ دیکھنا ہے کہ وہ ان کیس کو کس طرح حل کراتے ہیں؟

چوہدری افتخار عدلیہ کیلئے باعث افتخار

افتخار محمد چودھری 2005 سے پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے منصف اعظم ہیں۔ وہ پاکستان کی تاریخ میں صوبہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے پاکستان کے پہلے چیف جسٹس ہیں۔ 9 مارچ 2007ء کو اس وقت کے صدر پاکستان اور فوج کے سربراہ جنرل پرویز مشرف نے بدعنوانی کے الزامات کے تحت انہیں ان کے عہدے سے معطل کر دیا۔ اس معطلی کے لیے "غیر فعال" کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ قانون کی رو سے وہ تب بھی منصف اعظم رہے۔ جس کا اعتراف حکومتی وکلاء نے بھی کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عدالت عظمیٰ کے منصف اعظم کو اختیارات کے ناجائز استعمال پر معطل کیا گیا تھا۔ افتخار چودھری حکومتی سطح پر ہونے والی بدعنوانیوں، اور دوسری بے قاعدگیوں پر ازخود اقدامات اٹھانے کے سلسلے میں مشہور ہیں۔ معطلی کے خلاف افتخار چودھری نے عدالت اعظمیٰ میں مقدمہ دائر کیا۔ 20 جولائی 2007ء کو عدالت نے تاریخ ساز فیصلے میں افتخار محمد چوہدری کو ان کے عہدے پر بحال کر دیا اور صدارتی ریفرنس کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے کالعدم قرار دے دیا۔ اس کے نتیجہ میں افتخار چودھری اپنے عہدے پر دوبارہ فائز ہو گئے۔

3 نومبر 2007ء کو فوجی آمر پرویز مشرف نے ایک بار پھر ملک میں ہنگامی حالت کا نفاذ کر دیااور چیف جسٹس افتخار چودھری سمیت متعدد ججز کو معطل کر دیا۔ اس آمریت کے خلاف وکلاء اور دیگر سیاسی جماعتوں نے مل کر جدوجہد کا آغاز کیا۔ تاہم 2008 انتخابات کے بعد بھی حکومت ان ججز کو بحال کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ جس وقت جب وکلا تحریک کا ہر جگہ والہانہ استقبال ہو رہا تھا پاکستان کے ہر شہر سے وکلاء کے ساتھ ساتھ عوام بھی بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ مجھے بھی اس تحریک میں شمولیت حاصل کرنے کا اعزاز چوکی بار کے ساتھ ہوا تھا۔

ایسے موقع پر مسلم لیگ ن کے قائد نواز شریف نے چیف جسٹس کی بحالی کے لیے لانگ مارچ کا اعلان کر دیا۔ لانگ مارچ کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے گئے۔ لانگ مارچ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ لانگ مارچ کے پریشر کو پیپلز پارٹی کی حکومت. برداشت نہ کر سکی اور نصف شب کو حکومت نے ججز بحالی کا اعلان کر دیا۔ بالآخر مارچ 2009ء میں عوام کے بھرپور دباؤ اور خصوصاً نواز شریف کے لانگ مارچ کرنے کی وجہ سے وزیراعظم گیلانی نے بحالی کا اعلان کیا جس کے نتیجہ میں 21 مارچ 2009ء نصف شب افتخار چودھری نے تیسری مرتبہ چیف جسٹس کا عہدہ سنبھالا۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری عدالت عظمی کے سربراہ کی حیثیت سے ایک

جارحانہ اور طویل اننگز کھیلنے کے بعد ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد بہت سے لوگ ان کی تعریف میں قصیدے لکھیں گے اور سوموٹو ایکشن سے ڈرنے والے بہت سے لوگ اب ان پر کیچڑ اچھالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اس ملک میں چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے تو بہت سے ہیں۔ دل میں حسد اور بغض رکھنے والے غروب آفتاب کا انتظار نہیں کرتے اور اہم عہدوں پر فائز شخصیات جوں جوں اپنے عہدے کے اختتام کی طرف جانے لگتی ہیں ایسے ہی لعن طعن کرنے والے لوگوں کی بہادری میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر یہ ضروری ہے کہ تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھ کر تجزیہ کیا جائے۔

بے شک آج کل وکلاء کی اس تاریخ ساز تحریک میں حصہ ڈالنے والے بہت سے دعویدار ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ اس وقت اس تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے حکومتی ایماء پر بہت سے وکیل اس تحریک کے خلاف اٹھے تھے مگر آج وہ وکلاء بھی چیف جسٹس کی تحریک کے دعویدار بنتے ہیں۔ اس تحریک کی ابتداء چیف جسٹس افتخار چوہدری اور چند وکلاء نے کی تھی اور یہ وکلاء بھی عام وکلاء تھے کوئی نامی گرامی یا سیاسی وکلاء نہیں تھے۔ بعد میں کچھ نامور اور سیاسی وکلاء نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی اور پھر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس تحریک میں جان ڈالنے والوں میں منیر اے ملک، جسٹس ریٹائرڈ طارق

محمود، علی احمد کرد، اطہر من اللہ اور پیپلز پارٹی کے چوہدری اعتزاز احسن سب سے نمایاں تھے۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری کو 2007 میں " لائر آف دی ایئر " منتخب کیا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ یہ ٹاپ اعزاز کسی غیر امریکی باشندے کو دیا گیا ہے
جہاں چیف جسٹس نے عدلیہ کی عزت بحال کرانے کے لیے اہم قدم اٹھائے اور بہت سے اہم کیس سنے ان میں ایک ایسا کیس آیا جس سے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کو مشکل صورتحال سے دوچار ہونا پڑا۔ چیف جسٹس کے بیٹے پر ملک کے پراپرٹی کنگ سمجھے جانے والی ایک کاروباری شخصیت سے چالیس کروڑ روپے لینے کا الزام لگایا۔ جس کے سارے ثبوت اس نے اسلام اباد کے صحافیوں کو گھر بلا بلا کر دکھائے ۔اس کا کہنا تھا کہ چیف جسٹس کا بیٹا ساؤتھ آف فرانس میں چھٹیاں گزارنے گیا تھا اور اس کی ادائیگی اس نے کی۔ لندن میں میریٹ ہوٹل میں رہائش کے اخراجات بھی اس نے ادا کیے ۔ بے شک چیف جسٹس نے اس کیس سے اپنے آپ کو الگ کرلیا تھا مگر ایسے ہیرو کے لیے یہ کیس باعث شرمندگی بنا۔
آج جب افتخار چوہدری عدلیہ کا وقار بڑھانے کے بعد ریٹائیر ہو رہے ہیں تو بہت سے لوگ خوش ہورہے ہونگے اور بہت سے لوگ ان کی ریٹائرمنٹ پر افسردہ ہونگے۔اس بات سے انکار نہیں کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری کا دور کرپٹ لوگوں کے لیے

عذاب بنا رہا۔ جو لوٹ مار کر رہے تھے انکو عوام کے سامنے بے نقاب کرنے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔ چیف جسٹس نے اپنے دور میں امیر اور غریب کا فرق نہیں رکھا اور انصاف کا بول بالا کیا۔

دعا ہے کہ اب نو منتخب چیف جسٹس تصدق جیلانی بھی چوہدری افتخار کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے پاکستان کے گھر گھر میں انصاف کا چراغ جلائیں گے۔ پاکستان کو کرپشن سے پاک کریں گے۔ حاکم وقت کے آگے جھکنے کی بجائے عدلیہ کا وقار بلند کریں گے۔

پاکستان سے محبت ہے جرم

کاش کوئی جا کر خبر دے پاکستان کو
تیری محبت میں کوئی جان دے چلا ہے

قیام پاکستان سے پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ جماعت اسلامی پاکستان مخالف ہے، لیکن 1971 میں پاکستان کے دفاع اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے خلاف ان کے کارکنوں نے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ ارض پاکستان کے دفاع کے لیے لہو دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ لیکن ان کی اس قربانی کو ان کا جرم بنایا گیااور کہا گیا کہ انہوں نے بنگلہ دیش میں قتل عام میں حصہ لیا۔ البدر اور الشمس نامی "دہشت گرد" تنظیمیں بنائیں لیکن آج وقت نے گواہی دی کہ یہی لوگ حق پر تھے باقی لوگ باطل ہیں۔

پاکستان کی محبت میں اپنی جان قربان کرنے والا شخص آج ہم پاکستانیوں کی نظر میں اجنبی ہے۔ نئی نسل سے تعلق رکھنے والا ہر نوجوان اس کی صورت سے ناآشنا ہے۔ وہ شخص جو اسلام اور پاکستان کی محبت کی خاطر پھانسی کے پھندے پر ہنستا مسکراتا جھول گیا اس کی پھانسی کی خبر ہمارے پاکستانی الیکٹرانک میڈیا نے جنگی جرائم میں مرتکب قرار دے کر پھانسی دیئے جانے کی نشر کی۔ لیکن

افسوس کہ پاکستانی حکمران اور میڈیا ہمارے اس محب وطن کے لیے کچھ نہ کر سکا۔
ملا عبدالقادر کا قصور کیا تھا؟ یہی نا کہ اس نے پاکستان سے محبت کی، وہ پاکستان کے دولخت ہونے کا مخالف تھا۔اس محب وطن پاکستانی کا خیال تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن بھارت سے ساز باز کرکے پاکستان کو توڑنے کی سازش کر رہا ہے اور وہ اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اس باہمت نوجوان نے پاکستانی عوام اور فوج کا ساتھ دیتے ہوئے پاکستان ، نظریہ پاکستان اور اسلام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا مگر شیخ مجیب الرحمان اپنے مشن میں کامیاب ہوگیا۔ نوے ہزار سے زائد پاکستانی فوجی شیخ مجیب کی غدارانہ حکمت عملی کی وجہ سے بھارت کی قید میں چلے گئے۔ ملا عبدالقادر جیسے ہزاروں لاکھوں نوجوانوں کو پاکستانی فوج کی مدد کرنے پر چن چن کر مارا گیا۔ سر عام چوکوں میں پھانسیاں دی گئیں ۔ ان کا جرم صرف اسلام ، پاکستان اور پاکستانی فوج سے محبت ٹھہرا۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا جب شیخ مجیب الرحمٰن کو بپھرے ہوئے بنگلہ دیشی عوام نے پاکستان توڑنے کی سزا دی اور اس کی حکومت کا تختہ الٹا دیا۔ شیخ مجیب کو اس کے اپنے ہی فوجیوں نے قتل کر دیا۔ اس وقت اس کی بیٹی بیرون ملک تھی۔ بنگلہ دیش واپس آکر اس نے سیاست میں حصہ لیا تو بنگلہ دیش کی وزیر اعظم بن کر اپنے باپ کا انتقام لینا شروع کر دیا۔ جن لوگوں پر آج جنگی جرائم میں مقدمات چلائے جا رہے ہیں وہ تو دو دو بار پارلیمنٹ کے ممبران بھی رہ چکے ہیں۔

شہید ملا عبدالقادر بنگلہ دیش کے آئین کے تحت 2 دفعہ بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ کے رکن ہونے کا اعزاز حاصل ہوچکا ہے تو کیا اس وقت کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ محبت وطن ہے یا غدار ہے؟

میرا سوال آپ جیسے محب وطن لوگوں سے ہے کہ کیا عبدالقادر ملا جان بچانے کے لیے ان ظالم اور جابر حکمرانوں سے معافی نہیں مانگ سکتا تھا۔ کیا یہ کام اس کے لیے مشکل تھا۔ اگر اس کو اپنی جان عزیز ہوتی تو وہ بنگلہ دیش میں تختہ دار پر کیوں چڑھتے؟ مگر اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایک نظریہ پر جان دی۔ اس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے یہ ثابت کردیا کہ ''میں نے ایک سب سے بڑی اسلامی ریاست کو بچانے کی جدوجہد کی۔ میں نے ان لوگوں اور فوجیوں کا ساتھ دیا جو رنگ میں، نسل میں، زبان میں مجھ سے مختلف تھے مگر میرے ہم مذہب تھے'' لیکن افسوس صد افسوس پاکستانی حکمرانوں پر جنھوں نے اپنے اس محسن کے لیے بالکل بھی آواز نہیں اٹھائی۔

پاکستان سے زیادہ تو اسلام محبت کا ثبوت ترکی والوں نے دیا جنھوں نے بنگلہ دیش سفارت خانے کا گھیراؤ کیا۔

پاکستان جو بنگلہ دیش کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتا ہے جو اس کو انٹرنیشنل

کرکٹ میں لانے کے لیے میچ ہار جاتا ہے کیا یہ اس کا صلہ مل رہا ہے ؟ حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائی جاسکتیں۔ بنگلہ دیش پاکستان سے وہی سلوک کر رہا ہے جو شیخ مجیب کے دور میں ہوا تھا۔ کل شیخ مجیب بھارت نواز تھے اور آج بھی اسکی بیٹی کی حکومت ہے اور یہ بھی انہی بھارتیوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے ہوئے بنگلہ دیش کو دلدل میں دھکیل رہی ہے۔ اگر ہم لوگ ملا عبدالقادر کی پھانسی کو مدنظر رکھ سوچیں تو حقیقت خود بخود آپ کے سامنے آجائے گی۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ جنگی جرائم میں ملوث ہونے کی صورت میں ملا عبدالقادر کو پھانسی دی گئی ہے تو بنگلہ دیش نے کونسی جنگ لڑی ہے اور کس ملک سے لڑی ہے ؟ اگر جنگ لڑی گئی تو پاکستان اور بھارت کے درمیان لڑی گئی تو پھر ملا عبدالقادر نے بھارت کا ساتھ تو دیا نہیں ساتھ دیا ہے تو پاکستان کا۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ ملا عبدالقادر نے جو شہادت کا راستہ اختیار کیا وہ کس کے لیے ؟ جی صحیح سمجھے یہ اسلام اور پاکستان کی محبت تھی جس کے لیے اس نے پھانسی کے پھندے کو پھولوں کی مالا سمجھ کر بخوشی اپنے گلے میں پہن لیا۔ پھر ایسے بندے کو شہید پاکستان کا نام نہ دیا جائے تو کیا دیا جائے گا؟

ملا عبدالقادر کی شہادت کے ساتھ ہی ان کا آخری خط بھی منظر عام پر آگیا ہے۔ میں صدقے جاؤں ایسے شہید اسلام کے جس کو معلوم ہے کہ آج اس کی زندگی کی

آخری رات ہے مگر وہ ڈرے نہیں، لرزے نہیں بلکہ کیا سنہری الفاظ لکھ بھیجے ''زندگی اور موت کے درمیان کتنی سانسیں ہیں یہ رب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا'' بات یہی نہیں ختم ہوئی بلکہ پاکستان سے محبت کے الفاظ اب بھی باقی تھے اور لکھ دیا ''اللہ تعالٰی پاکستان کے مسلمانوں اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر آسانی فرمائے'' کیا اب بھی شک ہے ملا عبدالقادر کی پاکستان سے محبت میں ؟

پاک فوج جو دنیا کی بہادر ترین فوج ہے اس کو ایک یحیٰی جیسے جرنیل کی وجہ سے سرنڈر کرنا پڑا، اس کی حفاظت عبدالقادر ملا جیسے جوانوں نے کی۔ اور پاک فوج سے محبت ہی ان کا جرم بنا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس کی شہادت پر تمام اداروں کو سانپ سونگھ گیا۔ عوام، سیاستدان، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور دیگر سب لوگ کہاں گم ہیں۔ کیا امریکہ کی آنکھوں میں دھول گر گئی ہے؟ ہاں صرف جماعت اسلامی جس نے ایسے سپوت اس امت کو دیے ان کو سلام کہ انہوں نے جگہ جگہ اپنی مقدور بھر اس امت کو احساس دلایا کہ ہمیں ایک امت بن کر زندہ رہنا ہوگا ورنہ اسلامی تشخص کو بگاڑنے کے لیے غیر مسلم طاقتیں ایسے ہی وار کرتی رہیں گی۔

ملا عبدالقادر نے اپنے لئے جس راستے کا انتخاب کیا وہ دنیا پرستوں کا راستہ

نہیں ہے بلکہ وہ تو یحییٰ ابن زکریا کا راستہ ہے جن کے سر کو دھڑ سے الگ کر دیا گا۔ وہ
خبیب ابن عدی کا راستہ ہے جنھیں مکہ میں سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ ملا عبدالقادر ہم
شرمندہ ہیں کہ ہم تیرے لیے کچھ نہ کرسکا پر اپنے رب العزت سے دعاگو ہیں کہ اللہ
تعالیٰ آپ کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

سقوط ڈھاکہ، ناخن سے گوشت جدا

''وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا'' یہ محاورہ اپنے اندر نہ صرف بہت گہرے معنی رکھتا ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے معنی خود ہی واضح بھی کر دیتا ہے۔ دسمبر 1971 سے پہلے پاکستان اور بنگلہ دیش ایک ہی تھے۔ بنگلہ دیش پاکستان کا ہی حصہ تھا مگر دسمبر کے وسط ہوتے ہی وقت نے کروٹ لی اور پاکستان یک جان سے دو لخت ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش معرض وجود میں آگیا۔

16 دسمبر کا دن جنوبی ایشیا کے دو ملکوں کے لیے انتہائی اہم بھی ہے اور اپنے اندر متضاد معنی اور جذبات بھی رکھتا ہے۔ یہ دن جہاں بنگلہ دیش کے لیے ان کی آزادی کا دن ہے ادھر ہی یہ پاکستانیوں کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب 1971ء کو ڈھاکہ کے میدان میں ایک بڑے ہجوم کی موجودگی میں پاکستانی فوج کے مشرقی بازو کے کمانڈر جنرل نیازی نے بھارتی فوج کے کمانڈر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی تقریب کے بعد ملک کے دو حصے ایک دوسرے سے عملی اور قانونی طور پر الگ ہوگئے تھے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کا الگ ہونے کا واقعہ اچانک رونما نہیں ہوا بلکہ اس

کے پیچھے برسوں کی محرومیوں اور ناانصافیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان فاصلوں کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب اردو کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا گیا کیونکہ بنگالی اپنی زبان کو قومی زبان کے درجے پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے چلائی جانے والی تحریک نے پاکستان کے دونوں حصوں کی علیحدگی کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھی۔ اس تحریک کے نتیجے میں اردو کے ساتھ ساتھ بنگالی کو بھی ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا۔

جب 1965ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ٹینکوں کی ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔ اس موقع پر مشرقی حصے کی حفاظت کے لیے کوئی قابل ذکر انتظام موجود نہیں تھا۔ جس سے محرومی کے ساتھ عدم تحفظ کے احساس بھی پیدا ہوا۔ انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں انہیں ان کا جائز حصہ نہیں مل رہا، خاص طور پر دفاعی اداروں میں تو ان کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔

اسی دوران عوامی لیگ کے سرکردہ راہنما شیخ مجیب الرحمٰن کو ایک کیس میں گرفتار کرکے ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے فروری 1966ء میں مندرجہ ذیل چھ نکات پیش کیے:

1: ملک میں وفاقی نظام قائم کیا جائے۔

2: وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ کے محکمے ہوں باقی امور

ریاستوں کے پاس ہوں۔

ریاستوں کے لیے جداگانہ مالی پالیسی اختیار کی جائے اور مشرقی پاکستان کا سکہ الگ :3
ہو۔

وفاقی حکومتوں کو ٹیکس لگانے کا اختیار نہیں ہوگا۔ :4

مشرقی اور مغربی پاکستان کی بیرونی تجارت کے بھی علیحدہ علیحدہ حسابات ہوں۔ :5

ریاستوں کو نیم فوجی اور علاقائی فوجی دستے رکھنے کا آئینی اختیار ہو۔ :6

یہ نکات مرکزی حکومت کے اختیارات پر شدید ضرب لگاتے تھے۔ مغربی حصے میں یہ تاثر عام تھا کہ ان نکات کے پیچھے پڑوسی ملک کا ہاتھ ہے۔ اس لیے وہاں پر چھ نکات کی شدید مخالفت کی گئی جبکہ بنگال میں انہیں بڑے پیمانے پر پذیرائی ملی۔ مجیب الرحمٰن نے مطالبہ کیا کہ آئین سازی ان چھ نکات کو بنیاد بنا کر کی جائے۔ معاملہ آئین سازی کے ذریعے اور اسمبلی میں تو حل نہ ہو سکا تاہم 'میدان' میں حل کرنے کی کوشش بھی ناکام ہو گئی اور پاکستان دو لخت ہو گیا۔

ایوب خان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد ملک کی باگ دوڑ جنرل یحیٰی کے ہاتھ میں آ گئی۔ انہوں نے ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر انتخابات کرائے۔ جس میں مشرقی حصے میں شیخ مجیب کی جماعت نے مکمل کامیابی حاصل کی جب کہ مغربی حصے میں

انہیں کوئی نمائندگی نہ ملی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے مشرقی اور مغربی حصے کی سیاسی قیادتیں دونوں حصوں کی نمائندہ نہ رہیں۔

مغربی حصے میں پارلیمنٹ میں اکثریت ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے نکات میں کچھ لچک پیدا کریں لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ اور ملک کے لیے نئے آئین کی تیاری کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ ادھر مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے جذبات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اور شدت پسندوں کی جانب سے مغربی پاکستان سے آئے ہوئے ملازموں، کارکنوں اور کاروباری افراد پر حملے شروع ہو گئے۔ 23 مارچ 1971ء کو یوم پاکستان کے موقع پر علیحدگی پسندوں نے ہر جگہ بنگلہ دیش کے پرچم لہرائے اور تقریبات منعقد کیں۔ اس عرصے میں غیر بنگالیوں پر تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں ہلاک کیا گیا اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کا نشانہ مغربی پاکستان سے آئے ہوئے کئی سیکیورٹی اہل کار اور ان کے خاندان بھی بنے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب جنرل یحیٰی خان نے فوجی کارروائی کے ذریعے امن وامان قائم کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے شیخ مجیب کو گرفتار کرلیا اور باغیوں کے خلاف سخت کارروائی شروع کردی۔ کئی مہینوں تک جاری رہنے والی اس کارروائی میں بڑی تعداد میں بنگالی ہلاک ہوئے ہوئے اور

لاکھوں افراد جان بچانے کے لیے سرحد پار کرکے بھارت چلے گئے۔ بھارت میں عوامی لیگ کی جلاوطن قیادت نے مکتی باہنی کے نام سے عسکری تنظیم قائم کرکے پاکستانی فوجیوں پر حملے شروع کردیے۔ جب فوج ان کا پیچھا کرتی تو وہ سرحد پار بھاگ جاتے، جب کہ سرحد پر بھارتی فوج پاکستانیوں کا راستہ روکتی۔ جس سے سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہونے لگا۔ اور پھر اسی سال دسمبر میں اپنی مشرقی سرحدوں پر بھارتی فوج کا دباؤ کم کرنے کے لیے جنرل یحییٰ خان نے مغربی پاکستان کا محاذ کھول دیا جس سے بھارت کو اپنے فوجی دستے مشرقی پاکستان میں داخل کرنے کا جواز مل گیا۔

پاکستان کی فوج زیادہ دنوں تک مقابلہ جاری نہ رکھ سکی کیونکہ اسے بھارتی فورسز اور بنگالیوں دونوں کی جانب سے حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اور پھر 16 دسمبر کا وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب جنرل نیازی نے پلٹن کے میدان میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس جنگ میں پاکستان کے نوے ہزار سے زیادہ فوجی اور سویلین عہدے دار جنگی قیدی بنا لیے گئے، جن کی واپسی ایک طویل عرصے کے بعد ممکن ہو سکی۔

پاکستان کو دولخت کرنے میں جہاں کچھ محرومیاں تھیں ادھر ہی شیخ مجیب کی مکارانہ پالیسیوں کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ شیخ مجیب کی غدارانہ ذہانت کا آج

بیالیس سال بعد پتہ چل رہا ہے جب اس کی بیٹی حسینہ واجد چن چن کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے رہی ہے۔جس کی مثال عبدالقادر ملا کی پھانسی کے علاوہ کئی دوسرے جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو جیل میں بند ہونے کی ہیں۔ان کا قصور کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ تصفیہ کے تمام راستے مغربی پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت نے بند کر دیے تھے اس صورت میں حب الوطنی کا واحد تقاضا یہی تھا کہ پاکستان کو قائم رکھنے کے لیے فوج کا ساتھ دیا جاتا اور یوں اسلام پسند عناصر نے یہی راستہ چنا۔اسلام پسند لوگوں نے اسلامی فوج کا ساتھ دیا تاکہ ہندو فوج کا مقابلہ کیا جا سکے۔اور آج ملا عبدالقادر کی شہادت کھلم کھلا یہ پیغام دے رہی ہے کہ خبردار آئندہ فوج کو بھی بے یارومددگار چھوڑ دو۔ وہ فوج جس کے لیے پاکستانی اپنے منہ کا نوالہ اور خون کا آخری قطرہ دینے کو تیار ہیں ان کو اس سے روکنے کا واضح پیغام ملا ہے۔ عبدالقادر ملا کا جرم اگر معلوم نہیں تو ان فوجیوں سے پوچھو جو مشرقی پاکستان میں برسرپیکار تھے۔

سقوط ڈھاکہ کے 42 سال بعد آج پھر یہ سوال ہمارے سامنے ہے کہ اس واقعہ سے ہم نے کیا سیکھا؟ ملک دشمن قوتوں کا ساتھ دینے والے انجام کو کب پہنچیں گے؟ کب ہم کفار کے چنگل سے آزاد ہونگے؟ کیا ہم کبھی ایک امت اور ایک قوم بن سکیں گے؟

قائد ہے تو بس قائد اعظم

لا الہ اللہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لئے دولت اور منصب کو پیروں تلے روند کر لندن سے انڈیا آنے والے اور ہمیں ایک آزاد قوم کی حیثیت دلانے والے شخص کا نام قائد اعظم ہے۔آپ کو" بابائے قوم" بھی کہا جاتا ہے۔آپ 25 دسمبر 1876 کو کراچی میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام پونجا جناح تھا۔آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔آپ نے باقاعدہ تعلیم کراچی مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے انگلستان چلے گئے۔وہاں جا کر آپ نے ملازمت کی اور پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لے لیا۔ 1896 میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔اس وقت آپ نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔انڈیا واپس آنے کے بعد آپ نے ممبئی میں وکالت شروع کی اور جلد ہی بہت نام کمایا۔برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے ہوئی جو آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئیں۔
قائد اعظم محمد علی جناح نے نہ صرف تاریخ کا دھارا بدلا بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے وہ قائد تھے جن کی قیادت میں پاکستان نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی۔آپ کو پاکستان کا پہلا گورنر

جنرل بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے ابتدا میں آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے ۔کانگرس سے اختلافات کی وجہ سے آپ نے اس پارٹی کو چھوڑ دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر چودہ نکات پیش کئے۔ مسلم لیڈروں سے اختلافات کی وجہ سے آپ برطانیہ چلے گئے۔ علامہ اقبال کی کوششوں کی وجہ سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔1946 کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی بیشتر نشستوں میں کامیابی حاصل کی۔

ہندوستان واپسی کے بعد قائد اعظم نے ممبئی میں قیام کیا۔آپ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان چاہتے تھے۔ان کی نظر میں آزادی کا صحیح راستہ قانونی اور آئینی ہتھیاروں کو استعمال کرنا تھا۔اس ہی دوران میں آل انڈیا مسلم لیگ ایک اہم جماعت بن کر سیاسی افق پر ابھرنے لگی۔ 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان پیش ہوئی جہاں سے پاکستان کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔1940کے بعد قائد اعظم تپ دق کا شکار ہوئے۔صرف ان کی بہن اور ان کے چند قریبی لوگ ان کی حالت سے واقف تھے۔آپ کی انتھک محنت اس وقت رنگ لائی جب 14اگست 1947 کو دنیا کے کے نقشے پر پاکستان بن کر ابھرا۔آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اسی لیے آپ کو مستحکم پاکستان بنانے کے لیے دن رات ایک کرنا پڑا۔ بدقسمتی سے آپ قیام پاکستان کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہ سکے اور 11 ستمبر 1948 کو دنیائے فانی سے کوچ کرکے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ایک حیرت انگیز اور قابل غور پہلو پر غور کیجئے۔ آپ ذرا غور کریں اور تھوڑی سی تحقیق کریں تو آپ خود حیرت زدہ ہو جائیں گے۔ قائدِ اعظم کا انتقال 11 ستمبر 1948 کو ہوا۔ سے لیکر آج تک پاکستان کا یوم آزادی، قائدِ اعظم کا یوم ولادت اور قائدِ اعظم 1948 کا یوم وفات ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اسکی وضاحت کے لئے آپ کو موجودہ سال کی مثال دیتا ہوں۔ پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست.بروز بدھ تھا۔ قائدِ اعظم کا یوم وفات 11 ستمبر.بروز بدھ تھا اور اب قائدِ اعظم کا یوم پیدائش 25 دسمبر بھی بدھ کے دن منایا جارہا ہے۔آپ غور کریں کہ قائدِ اعظم اور پاکستان ایک دوسرے کے لئے کس طرح لازم و ملزوم ہیں اور ہر سال قائدِ اعظم کا یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم پاکستان مختلف مہینے ہونے کے باوجود ایک ہی دن ہوتا ہے۔

قائدِاعظم کی وفات کے بعد سے آج تک ہماری عوام قائدِ اعظم جیسا رہنما تلاش کر رہی ہے کیونکہ قائدِاعظم ہمیں پاکستان تو دے گئے مگر اپنا جانشین نہ دیکر جاسکے۔پاکستان کو بنے کئی سال گزر گئے مگر ہم اس دن سے آج تک ہم اس پاکستان کو تلاش کر رہے جس کا خواب قائدِاعظم نے دیکھا تھا۔ ہم قائدکے فرمان تو ضرور پڑھتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے ۔ پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک کے جو حالات ہیں ان کو دیکھ کر تو ہمارے قائد کی روح بھی کانپ رہی ہوگی۔ کہنے

کو تو ہمارا ملک آزاد ہے مگر یہاں پر آج بھی انگریزوں بنائے ہوئے اصول چل رہے ہیں۔ ہماری معشیت آج بھی ان کی غلام ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں کے تابع ہیں۔ اس وقت عوام کو اپنے قائد کی یاد شدت سے آتی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پاکستان بحرانوں سے نکل سکتا ہے تو صرف قائداعظم کے افکار اور ان کے طریق سیاست پر عمل پیرا ہو کر۔ عوام محسوس کرتے ہیں کہ سیاسی قائدین میں اصولوں کی پاسداری میں قائداعظم جیسی استقامت ہونی چاہیے۔اپنے مفادات کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ حکمرانوں کے گفتار اور کردار میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔افسوس ہم جس طرف نگاہ اٹھاتے ہیں ایسا کردار بہت کم نظر آتا ہے۔۔ہمارے آج کے قائدین کے بیانات اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔اپنے مفادات کی خاطر مصلحتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

قائدین کے ان رویوں نے ہی پاکستان کو بحرانوں میں دھکیل دیا ہے۔ عوام سوچتی ہیں کہ آج جس پاکستان میں وہ سانس لے رہے ہیں وہ قائداعظم کا پاکستان ہر گز نہیں ہے کیونکہ جہاں جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ کرپشن کا زور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ میرٹ کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ مظلوم کو انصاف نہیں ملتا جہاں لوگ لسانیت، فرقہ پرستی کے حصہ میں تقسیم ہیں۔ جہاں غریب کو دو وقت کی

روٹی حاصل کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔۔ بے روزگاری کی وجہ سے لوگ ڈکیتی اور چوری جیسے گناہ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جہاں ہر کوئی ملکی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔

عوام اپنے موجودہ اور سابقہ حکمرانوں سے، اپنے ان سیاستدانوں سے جو اقتدار کے خواب دیکھ رہے ہیں، اپنے بیوروکریٹوں سے، اپنے علماء سے، اپنے تاجروں سے، اپنے قانون دانوں سے ،اپنے صنعتکاروں سے اور اپنے اساتذہ سے صرف '' قائدا عظم کا پاکستان'' مانگتے ہیں۔ جہاں ہمارے سیاستدان فیصلے ملک کے مفاد میں کرتے ہوں۔ جہاں میرٹ کو ترجیح حاصل ہو، جہاں قانون امیر غریب کے لئے یکساں ہو۔ قائدا عظم نے پاکستان کے نظام میں مغربی جمہوریت کی کئی بار نفی فرمائی۔ قائدا عظم کی تقاریر اٹھا کر دیکھ لیں ہمیں ہر بیان میں اسلام اور قرآنی نظام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آج قائد اعظم محمد علی جناح ہم میں نہیں لیکن ان کی تعلیمات ان کی فکر ان کی سوچ ان کے طرز زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ قائد نے ہمیں یہ آزاد ملک اس لئے دیا کہ ہم اس ملک میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

پنکی سے شہادت تک

27 دسمبر 2013 بینظیر بھٹو شہید کی برسی پر خصوصی ایڈیشن کے لئے
بچھڑا کس اس ادا سے کہ رُت بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا
27 دسمبر 2007 کا دن پاکستان کی تاریخ میں اپنا نام کر گیا کیونکہ اس دن پہلی مسلمان خاتون وزیر اعظم اور پیپلز پارٹی کی ہر دلعزیز لیڈر محترمہ بینظیر بھٹو کو شہید کردیا گیا تھا۔ ان کی شہادت کا دکھ عوام آج تک نہیں بھولی۔ مجھے یاد ہے جس روز یہ واقعہ ہوا میں پیپر دیکر آرہا تھا۔ میں پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کر رہا تھا جب مجھے فون پر اطلاع دی گئی کہ لیاقت باغ میں پی پی کے جلسے میں خود کش حملہ ہوگیا ہے۔ جس میں بے نظیر شہید ہوگئیں ہیں۔ مجھے اس کی یہ بات سن کر یقین نہیں آیا مگر جب میں اپنے بس سٹاپ پر اترا تو مجھے دیکھ کر ایسا لگا جیسے دھماکہ پنڈی میں نہیں میرے شہر میں ہوا ہے۔ ہر طرف خاموشی خاموشی اور سوگ کا ماحول تھا۔ ہر کوئی محترمہ ''پنکی'' کی بات کر رہا تھا خواہ وہ کیسی بھی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کوئی شک والی بات نہیں محترمہ بینظیر بھٹو ملک کے چاروں صوبوں کی زنجیر تھیں۔ محترمہ

بینظیر بھٹو کے قتل کے ساتھ ہی پاکستانی سیاست کا ایک باب جو بھٹو خاندان کے نام سے چل رہا تھا وہ ختم ہو گیا۔ جو اب کبھی بھی شروع نہیں ہو سکتا۔ محترمہ نے اپنی جان اپنے باپ شہید ذوالفقار علی بھٹو کے اصولوں پر چلتے ہوئے ملک میں جمہوریت کی بحالی اور عوام کے حقوق کی جنگ لڑتے ہوئے دی۔

محترمہ بینظیر بھٹو 21 جون 1952 کو پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔ اس کے بعد راولپنڈی منتقل ہو گئیں اور اپنی تعلیم جاری رکھی۔ پنکی کے نام سے پکاری جانے والی بچی نے 15 سال کی عمر میں اولیول کا امتحان پاس کیا اور پھر اے لیول مکمل کرنے کے بعد کراچی آ گئی۔ پاکستان میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لیے بیرون ممالک چلی گئی۔ 5 سال تک ریڈکلف کالج اور ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں زیر تعلیم رہی۔ اسی دوران بی اے کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے مزید تعلیم حاصل کرنے برطانیہ چلی گئی۔ یہاں آکسفورڈ میں فلسفہ، سیاست اور معاشیات کے مضامین میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے انہیں پڑھا اور اس کے علاوہ آکسفورڈ سے بین الاقوامی قانون اور ڈپلومیسی کے مضامین میں بھی خاصی دلچسپی لی۔ 1976 میں آکسفورڈ یونین کا صدر بھی بننے کا اعزاز حاصل کیا۔

بے نظیر کی شادی 18 دسمبر 1987 کو زرداری خاندان کے نوجوان آصف علی سے ہوئی ہے۔

نظیر کی اولاد میں تین بچے بلاول، بختاور اور آصفہ ہیں۔ اس حقیقت سے نہ صرف اہل پاکستان ہی اچھی طرح سے واقف ہیں بلکہ ساری دنیا بھی یہ خوب جانتی ہے کہ بھٹو خاندان کا چراغ کس طرح گل ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی۔ ان کے بڑے بیٹے شاہ نواز بھٹو کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد محترمہ کے دوسرے بھائی مرتضی بھٹو کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کا سفر سیاست کا آغاز جنرل ضیاالحق کی شہادت کے بعد شروع ہوا۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد ملک میں ہونے والے 1988 کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار نئے جذبے کے ساتھ شریک ہوئی اور ان انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی بھاری مینڈیٹ سے کامیاب ہوئی۔ اس طرح 1988 میں محترمہ بینظیر بھٹو نہ صرف ملک کی بلکہ امت مسلمہ کی پہلی خاتون وزیراعظم بن گئیں۔

1993 کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر کامیاب ہوئی تو محترمہ بینظیر بھٹو کو ملک کا دوسری بار وزیراعظم منتخب کرلیا گیا مگر اپنے ہی بنائے ہوئے صدر کے ہاتھوں اپنی حکومت کا خاتمہ کرایا۔ 1998 میں نواز شریف کے دور اقتدار میں کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ 12 اکتوبر 1999 کو جب جنرل پرویز مشرف نواز شریف کی حکومت پر شب خون مار کر ملک پر قابض ہو گیا اور نواز شریف

کو ان کے اہل خانہ سمیت راتوں رات جہاز میں بٹھا کر جلاوطن کر دیا۔ پہلے تو صرف محترمہ ہی ملک سے باہر تھیں اور اب تو نواز شریف بھی ملک سے باہر تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب پرویز مشرف پر عالمی دباؤ بڑھا تو اس آمر جنرل نے محترمہ بھٹو سے دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کر دی۔ جب بے نظیر بھٹو اپنی طویل جلاوطنی کے بعد 18 اکتوبر 2007 کو کراچی واپس آئیں تو ان کے تاریخی استقبالیہ جلوس میں بم دھماکہ ہوا۔ اس قاتلانہ حملے میں محترمہ بینظیر بھٹو خوش قسمتی سے محفوظ رہیں۔ آپ بلاخوف وخطر ملک کے کونے کونے میں اپنے انتخابی جلسے اور جلوسوں کی قیادت کرتی رہیں مگر 27 دسمبر 2007 کو جب ایک انتخابی جلسے کے دوران راولپنڈی کے لیاقت باغ میں محترمہ بینظیر بھٹو پر آخری قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا جب خطاب کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر واپس جا رہی تھیں۔ اس دوران لیاقت باغ نے خون سے اپنی زمین کو رنگین کر لیا۔ یاد رہے اس سے پہلے بھی اسی باغ میں ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھی شہید کیا گیا تھا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ آج پانچ سال گزر جانے کے باوجود محترمہ شہید بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث عناصر منظرِ عام پر نہیں آسکے ہیں۔ شہید بے نظیر کے جدا ہونے کے بعد آج ملک میں ہر جگہ انارکی پھیل رہی ہے۔ وہ سیاستدان جو پاکستان کی اکائی کے لیے جان نثار کر گئی آج اسی کی جماعت کی حکومت اپنی مدت پوری کر گئی مگر بے نظیر کے قاتل دندناتے پھر رہے ہیں۔ دکھ اس بات کا ہے

کہ بھٹو خاندان کے تمام لوگوں کو کسی نہ کسی طرح قتل کیا گیا مگر آج تک ان میں سے کسی ایک کے قاتلوں کا سراغ نہ لگ سکا۔ پی پی کی حکومت اپنے پانچ سال پورے کیے اور ان کے ساتھ ساتھ زرداری نے بھی اپنے صدارت کی مدت مکمل کی مگر وہ بھی اپنی بیگم کے قاتلوں کو بے نقاب نہ کرا سکے۔ اب اس بات سے آپ خود اندازہ لگالیں جو اپنے لیڈروں کے قاتلوں کو نہ پکڑ سکے تو وہ عام پبلک کے لیے کیا کریں گے؟

بے نظیر کے برسی کے موقع پر ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اللہ دخترِ پاکستان بے نظیر بھٹو کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ساتھ ساتھ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ اس ملک کو امن کا گہوارہ بنائیں۔

غیر مسلموں کا سال نو اور مسلمانوں کا جشن

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ قائد اعظم نے اپنی تقاریر میں قیام پاکستان کی وضاحت صاف صاف الفاظ میں کی ہے کہ ''ہمیں ایسا آزاد ملک چاہیے جہاں ہم اپنی اسلام قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں'' ۔اب آگے سوچنے کا مقام ہمارا ہے کہ ہم کیسے مسلمان ہیں جو غیر مسلموں کی نقل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ پاکستان کا قومی لباس شلوار قمیض ہے مگر ہم اور ہمارے حکمران پینٹ شرٹ پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لباس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ہمارا قومی کھیل ہاکی ہے اور ہم کرکٹ پر جان دیتے ہیں۔ حکومت چلانے کے لیے خود قائداعظم کہتے ہیں کہ قران نے قانون دیا ہوا ہے لیکن اسلامی قوانین کی موجودگی میں ہم غیر مسلموں کے قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں ایک ہی آواز بلند ہے ''ہیپی نیو ائیر'' ۔ غیر مسلم بڑے زور و شور سے اس کو منانے کی تیاری کررہے ہیں لیکن افسوس کہ ہمارا پاکستان بھی ان غیر مسلموں سے پیچھے نہیں ہے۔ پاکستان میں میں بھی ہیپی نیو ائیر کی تیاری کے لیے ہوٹلوں میں بکنگ کے ساتھ ساتھ شراب جیسی حرام چیز کا بھی سٹاک جمع کرلیا گیا ہے۔ اب سوچیں ذہن کو نوچ رہی ہیں کہ غیر مسلموں اور

پاکستانیوں میں کیا فرق ہے جو یہ نیا سال منانے کے لیے مسلمان ہونے کے تقاضے بھی بھول گئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے تہوار اس جوش و جذبہ سے مناتے دیکھا گیا ہے؟

نئے سال کی آمد آمد ہے اور ہر کوئی جشن کا ماحول بنا رہا ہے۔ ساری دنیا میں لوگ اس موقعے کو اپنے اپنے انداز سے منانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔۔ تھوڑی دیر کے لئے تمام رنج والم بھلا کر ساری دنیا میں نئے سال کو خوش آمدید کہا جاتا ہے اور جی بھر کے خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ دعوتیں اڑائی جاتی ہیں، رقص و سرود کی محفلیں سجتی ہیں جہاں شراب شباب کباب جمع کیے جاتے ہیں، مبارکباد کے پیغامات کا تبادلہ ہوتا ہے، کہیں دید کے متلاشی من کی مراد پاتے ہیں تو کہیں ایس ایم ایس سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ بہر حال ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے نئے سال کو خوش آمدید ضرور کہتا ہے۔ اس تیاری میں اربوں کی فضول خرچی ہوگی۔ اگر ان فضول اخراجات کو جوڑا جائے تو اس سے کسی ایک ملک کی غریبی دور کی جاسکتی ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔ اس نئے سال کے جشن کے ماحول میں کوئی بھی انسانی مجبوریوں کو نہیں سمجھتا ہے اور نہ کسی کو فکر ہے؟

سال 2013 رخصت ہونے والا ہے چونکہ دن رات کے بدلنے کی نشانیاں عقل مندوں کے

لئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آنے والے سال خواہ وہ عیسوی یا قمری ان کے بارے میں تھوڑا وقت نکال کر سوچ لیا جائے کیونکہ انسان ابھی حالات سے مایوس نہیں ہوا۔ ہر آنے والا سال امیدیں اور توقعات لے کر آتا ہے اور انسان کے عزم کو پھر سے جوان کرتا ہے کہ جو کام پچھلے سال ادھورے رہ گئے انہیں اس سال مکمل کر لینا ہے۔ سال شروع ہوتے ہی نجومی بھی ستاروں کی بساط بچھا کر آنے والے سال کے حالات بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ افراد کی طرح اقوام کی زندگی میں بھی نیا سال ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ قوموں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ گذشتہ غلطیوں سے سبق سیکھ کر آنے والے سال میں بہتر طریقے سے کام کیا جائے۔

جہاں تک نئے سال کے جشن کی بات ہے تو یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نئے سال کے جشن کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو محض ہم نے اپنے دنوں کو سمجھنے اور اس کے شمار کے لیے بنایا ہے۔ پھر ان دنوں میں ایسی کون سی خاص بات ہے جو ہم انہیں جشن میں تبدیل کر دیں؟ اگر جشن منانا ضروری ہے تو سب سے پہلے تو ہم مسلمان ہیں اور ہمارا اسلامی سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنا نیا سال جب منانا چاہیے تھا مگر اس وقت تو ہمیں سانپ سونگھ جاتا ہے جب تو ہم جلدی سے کسی کو ہیپی نیو ائیر کا ایس ایم ایس بھی نہیں کرتے۔ اب ہر منٹ بعد اپنی پچھلے سال کی غلطیوں کی معافی کے لیے ایس ایم ایس بھیج رہے ہیں تو کوئی نئے آنے والے سال کی مبارکباد دے رہا۔ ان کو یہ تو معلوم ہے

کہ 2014 شروع ہو رہا ہے اور 2013 ختم ہونے والا ہے مگر ایسے مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ کونسا ہجری سال ہے تو اکثر لوگوں کا جواب معذرت ہی ہوگا۔

اگر بات 2013 کی کریں اور بقول ایسے لوگوں کے جو ''ہیپی نیو ائیر'' منا رہے ہیں تو اس سال میں ہم نے ایسا کیا پا لیا جس کے لیے ہم جشن منائیں یا پھر ہم کو ایسی کیا خوشخبری مل گئی جو ہم آنے والے سال کا جشن منائیں؟ دہشت گردی، بجلی اور گیس سے محروم عوام، بیروزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے والے لوگ ظلم و جبر کے اس ماحول میں بھلا جشن کیسے منائیں گے؟ اس نئے سال میں کس لیے جشن منایا جائے؟ جشن اور خوشی کا ماحول تو اسی وقت بنتا ہے جب ہر طرف خوشحالی اور امن و مان ہو۔ لیکن یہاں تو بدحالی اور کرپشن نے لوگوں کو خودکشی پر مجبور کر رکھا ہے۔ سیاستدان اپنی کرسی بچانے یا اپنی کرسی بنانے کے لیے عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف ہیں۔ بھلا کیسے ہم نئے سال کا جشن منا سکتے ہیں جبکہ مسلمان اقتصادی، سماجی اور تعلیم اعتبار سے بہت کمزور ہیں۔ دہشت گردی کی چکی میں مسلمان پس رہے ہیں۔ دنیا کے کسی کونے میں دہشت گردی ہو تو سب سے پہلے میلی نظر سے مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے۔ ہم کشمیر کو آج تک آزاد نہ کرا سکے اور جو آزاد ملک ہیں ان

پر غیر مسلموں کو مسلط کر دیا ہے۔ مسلمانو اب بیدار ہو جاؤ۔ کب تک غیر مسلموں کی غلامی میں رہو گے؟ مسلمان ایک دلیر قوم ہے جس کو ہم نے اب بزدل بنا دیا ہے۔ تاریخ پڑھ لیں جتنے بھی ملک آزاد کرائے وہ مسلمانوں نے کرائے ہیں۔ لیکن آج ہم ان کے متضاد چل رہے ہیں بجائے اسکے کہ ہم اپنے اسلامی ملکوں کو آزادی دلائیں بلکہ جو آزاد ہیں ان پر بھی غیر مسلموں کو بیٹھا رہے ہیں۔ پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پوری دنیاکے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی سنت کو پورا کرتے ہوئے ہر مسلمان کو غیر مسلموں کے تہوار منانے کے بجائے اپنے اسلامی تہواروں کو منانا چاہیے
۔

اگر نیا سال منانا پھر بھی ضروری ہے تو پھر ہم سب کو آج کے دن یہ عہد کرنا ہوگا کہ قوم اور قوم کے رہنماؤں کو سمجھداری،.بردباری اور اتفاق رائے سے تمام معاملات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوگا۔ بحیثیت قوم ہمیں تعلیم، صحت، صنعت، کھیل اور سائنس کے میدانوں میں نمایاں کارکردگی دکھانے کا عزم کرنا ہوگا۔ ملک کی سلامتی کے ذمہ داروں کو اس سال ملک سے دہشت گردی کے خاتمے کا عزم کرنا ہوگا۔ اگر یہ سب کرنے کا عزم کرتے ہیں تو نئے سال سے امیدیں باندھ سکتے ہیں ورنہ تو بس۔۔۔ جیسے ایک وزیر اعظم گیا تو دوسرا آگیا ویسے ہی۔۔ ایک سال گیا دوسرا آگیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

ہیپی نیو ائیر؟

آج دنیا بھر میں ایک ہی آواز بلند ہے ''ہیپی نیو ائیر'' ۔ غیر مسلم بڑے زور و شور سے اس کو منانے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن افسوس کہ ہمارا پاکستان بھی ان غیر مسلموں سے پیچھے نہیں ہے۔ پاکستان میں میں بھی ہیپی نیو ائیر کی تیاری کے لیے ہوٹلوں میں بکنگ کے ساتھ ساتھ شراب جیسی حرام چیز کا بھی سٹاک جمع کرلیا گیا ہے۔ اب سوچیں ذہن کو نوچ رہی ہیں کہ غیر مسلموں اور پاکستانیوں میں کیا فرق ہے جو یہ نیا سال منانے کے لیے مسلمان ہونے کے تقاضے بھی بھول گئے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے تہوار اس جوش و جذبہ سے مناتے دیکھا گیا ہے؟

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ قائد اعظم نے اپنی تقاریر میں قیام پاکستان کی وضاحت صاف صاف الفاظ میں کی ہے کہ ''ہمیں ایسا آزاد ملک چاہیے جہاں ہم اپنی اسلام قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں'' ۔ اب آگے سوچنے کا مقام ہمارا ہے کہ ہم کیسے مسلمان ہیں جو غیر مسلموں کی نقل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ پاکستان کا قومی لباس شلوار قمیض ہے مگر ہم اور ہمارے حکمران پینٹ شرٹ پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس لباس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ہمارا قومی کھیل ہاکی ہے اور ہم کرکٹ پر جان دیتے ہیں۔ حکومت چلانے کے لیے خود قائداعظم کہتے ہیں کہ قران نے قانون دیا ہوا ہے لیکن اسلامی قوانین کی موجودگی میں ہم غیر مسلموں کے قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔

نئے سال کی آمد آمد ہے اور ہر کوئی جشن کا ماحول بنا رہا ہے۔ ساری دنیا میں لوگ اس موقعے کو اپنے اپنے انداز سے منانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔۔ تھوڑی دیر کے لئے تمام رنج والم بھلا کر ساری دنیا میں نئے سال کو خوش آمدید کہا جاتا ہے اور جی بھر کے خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ دعوتیں اڑائی جاتی ہیں، رقص و سرود کی محفلیں سجتی ہیں جہاں شراب شباب کباب جمع کیے جاتے ہیں ، مبارکباد کے پیغامات کا تبادلہ ہوتا ہے، کہیں دید کے متلاشی من کی مراد پاتے ہیں تو کہیں ایس ایم ایس سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ بہر حال ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے نئے سال کو خوش آمدید ضرور کہتا ہے۔ اس تیاری میں اربوں کی فضول خرچی ہوگی۔ اگر ان فضول اخراجات کو جوڑا جائے تو اس سے کسی ایک ملک کی غریبی دور کی جاسکتی ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔ اس نئے سال کے جشن کے ماحول میں کوئی بھی انسانی مجبوریوں کو نہیں سمجھتا ہے اور نہ کسی کو فکر ہے؟

جہاں تک نئے سال کے جشن کی بات ہے تو یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نئے سال کے

جشن کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو محض ہم نے اپنے دنوں کو سمجھنے اور اس کے شمار کے لیے بنایا ہے۔ پھر ان دنوں میں ایسی کون سی خاص بات ہے جو ہم انہیں جشن میں تبدیل کر دیں؟ اگر جشن منانا ضروری ہے تو سب سے پہلے تو ہم مسلمان ہیں اور ہمارا اسلامی سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنا نیا سال جب منانا چاہیے تھا مگر اس وقت تو ہمیں سانپ سونگھ جاتا ہے جب تو ہم جلدی سے کسی کو ہیپی نیو ائیر کا ایس ایم ایس بھی نہیں کرتے۔ اب ہر منٹ بعد اپنی پچھلے سال کی غلطیوں کی معافی کے لیے ایس ایم ایس بھیج رہے ہیں تو کوئی نئے آنے والے سال کی مبارکباد دے رہا۔ ان کو یہ تو معلوم ہے کہ 2014 شروع ہو رہا ہے اور 2013 ختم ہونے والا ہے مگر ایسے مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ کونسا ہجری سال ہے تو اکثر لوگوں کا جواب معذرت ہی ہوگا۔

اگر بات 2013 کی کریں اور بقول ایسے لوگوں کے جو ''ہیپی نیو ائیر'' منا رہے ہیں تو اس سال میں ہم نے ایسا کیا پا لیا جس کے لیے ہم جشن منائیں یا پھر ہم کو ایسی کیا خوشخبری مل گئی جو ہم آنے والے سال کا جشن منائیں؟ دہشت گردی، بجلی اور گیس سے محروم عوام، بیروزگاری سے تنگ آ کر خود کشی کرنے والے لوگ ظلم و جبر کے اس ماحول میں بھلا جشن کیسے منائیں گے؟ اس نئے سال میں کس لیے جشن منایا جائے؟ جشن اور خوشی کا ماحول تو اسی وقت بنتا ہے جب ہر طرف

خوشحالی اور امن و مان ہو۔ لیکن یہاں تو بد حالی اور کرپشن نے لوگوں کو خودکشی پر مجبور کر رکھا ہے۔ سیاستدان اپنی کرسی بچانے یا اپنی کرسی بنانے کے لیے عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف ہیں۔

بھلا کیسے ہم نئے سال کا جشن منا سکتے ہیں جبکہ مسلمان اقتصادی، سماجی اور تعلیم اعتبار سے بہت کمزور ہیں۔دہشت گردی کی چکی میں مسلمان پس رہے ہیں۔ دنیا کے کسی کونے میں دہشت گردی ہو تو سب سے پہلے میلی نظر سے مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے۔ ہم کشمیر کو آج تک آزاد نہ کرا سکے اور جو آزاد ملک ہیں ان پر غیر مسلموں کو مسلط کر دیا ہے ۔مسلمانو اب بیدار ہو جاؤ۔ کب تک غیر مسلموں کی غلامی میں رہو گے؟ مسلمان ایک دلیر قوم ہے جس کو ہم نے اب بزدل بنا دیا ہے۔تاریخ پڑھ لیں جتنے بھی ملک آزاد کرائے وہ مسلمانوں نے کرائے ہیں۔ لیکن آج ہم ان کے متضاد چل رہے ہیں بجائے اسکے کہ ہم اپنے اسلامی ملکوں کو آزادی دلائیں بلکہ جو آزاد ہیں ان پر بھی غیر مسلموں کو بیٹھا رہے ہیں۔پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پوری دنیا کے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی سنت کو پورا کرتے ہوئے ہر مسلمان کو غیر مسلموں کے تہوار منانے کے بجائے اپنے اسلامی تہواروں کو منانا چاہیے ۔

صحافت کے رنگ، رنگیلا کے سنگ

آج کل کے دور میں جہاں ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے وہاں خوشگوار لمحات کا ملنا کسی نعمت سے کم نہیں۔اس مصروف زندگی ہر کسی کے پاس اتنا وقت میسر نہیں ہوتا کہ وہ سیر و تفریح کرتا پھرے لیکن کبھی کبھار ایسا موقع ملتا ہے کہ بندہ اس پروگرام سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے۔ایسے ہی ایک پروگرام میں شرکت کی دعوت مجھے بھی ملی۔اتفاق سے جس دن یہ پروگرام منعقد ہونا تھا وہ اتوار کا دن تھا۔جب مجھے اس پروگرام میں شرکت کرنے والوں کا علم ہوا تو دل باغ باغ ہوگیا کیونکہ اس پروگرام میں پاکستان بھر سے صحافت سے منسلک لوگوں نے شرکت کرنا ہے۔پاکستان کے مختلف اخبارات میں لکھنے والے کالم نویس بھی اس پروگرام میں مدعو تھے اور ان سب سے بڑھ کر ایک ایسی بھی ہستی تھی جس کا نام سن کر اس پروگرام میں شرکت کرنے انتظار بڑی شدت سے ہونے لگا۔جی وہ نام کامیڈی کنگ اور فلم سٹار اظہر رنگیلا کا ہے۔
اتوار کے دن میں اور میرا دوست رانا شرافت پروگرام میں شرکت کے لیے لاہور روانہ ہوئے تو سردی نے بھی اپنا آپ دکھانا شروع کردیا۔ مون مارکیٹ کی ایک ہوٹل میں آن لائن نیوز نیٹ ورک کا ایک بڑا نام پاک نیوز لائیو کی دوسری

سالگرہ کا پروگرام منعقد ہو رہا تھا۔ پروگرام میں پشین سے لیکر اسلام آباد تک سے صحافی حضرات آئے ہوئے تھے۔ سب سے تعارف ہوا اور اس کے بعد گپ شپ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ محفل ابھی گرم ہونا شروع ہوئی تھی کہ اعلان ہوا کہ پروگرام کے پہلے چیف گیسٹ تشریف لے آئے ہیں۔ یہاں یہ بتاتا چلوں اس تقریب میں تین مہمان خصوصی مدعو تھے۔

تقریباً ایک بجے پروگرام کے پہلے چیف گیسٹ مجتبیٰ رفیق صاحب تشریف لائے۔ وہ کراچی سے سپیشل اس پروگرام میں شرکت کرنے کے لیے آئے تھے۔ مجتبیٰ رفیق وہ نام ہے جس نے 28 مئی کو جب میاں نواز شریف نے ایٹمی دھماکے کئے اور بعد میں انہوں نے اپنی عوام سے رائے لی کہ اس دن کو کس نام سے یاد کیا جائے؟ تب اس نوجوان نے جو اس وقت لندن میں مقیم تھا وہاں سے اس دن کا نام ''یوم تکبیر'' تجویز کیا تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے پاس میاں نواز شریف کا بھیجا ہوا وہ تعریفی سند آج بھی محفوظ ہے۔ مجتبیٰ رفیق کا جذبہ محبت پاکستان لندن میں اس قدر بڑھ گیا کہ وہ لندن چھوڑ کر پاکستان شفٹ ہوگیا۔ پھر پاکستان میں وائس آف یوتھ کے نام سے سماجی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اسکی محنت ابھی یہاں پر ہی ختم نہیں ہوئیں بلکہ ان کو اللہ تعالٰی نے ایک اور اعزاز سے نواز دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے نواسے اسلم جناح نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی خاندانی سرگرمیاں ان کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے مجتبیٰ

رفیق کو جناح کیپ دی اور ساتھ ساتھ قائد اعظم سے وابستہ تمام پروگرام ان کے سپرد کردئے مثلاً 25 دسمبر یا 11 ستمبر کو مزار قائد پر ان کے خاندان کی طرف سے چادر اب مجتبیٰ رفیق چڑھایا کریں گے۔

دوسرے مہمان ڈائریکٹر جنرل پبلک ریلیشنز پنجاب اسلم ڈوگر تھے جنہوں نے اس پروگرام میں شرکت کرکے محفل کو چار چاند لگادیے۔

تیسرے مہمان خصوصی وہ تھے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ دکھی لوگوں کو خوش کرنا جس کا کام "اظہر رنگیلا" جن کا نام ۔ اس کے بعد باقاعدہ پروگرام شروع ہوا۔تلاوت کے بعد ایڈیٹر صاحب نے استقبالیہ پیش کیا اور آنے والے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ پاک نیوز لائیو کی ٹیم نے حسب روایت اپنے نمائندگان میں ایوارڈ تقسیم کیے ۔ایک چیز جو اس پروگرام میں سب سے الگ نظر آئی وہ یہ کہ انہوں نے کالمسٹ لوگوں میں بھی ایوارڈ تقسیم کیے۔ اس کے بعد مہمانان گرامی نے اپنے اپنے انداز میں پاک نیوز اور پروگرام کی تعریف کی۔

اظہر رنگیلا جو شکل وصورت سے بلکل رنگیلے کی کاپی نظر آتے ہیں ان کو اکثر لوگ رنگیلا کا بیٹا سمجھتے ہیں مگر انہوں نے بتایا کہ میں بیٹا نہیں بلکہ بیٹوں کی طرح کاان کا شاگر دہوں۔انہوں نے اپنے مزاحیہ انداز سے لوگوں کو

ہنسنے پر مجبور کیے رکھا۔ ایک موقع پر جب وہ پاک نیوز کے نئے لوگو کی رونمائی کر رہے تھے تو اس وقت لائٹ چلے جانے سے یکدم مائیک بند ہو گیا تو انھوں نے رونمائی کرتے ہوئے اپنے منہ کے ذریعے مختلف آوازیں نکال کر تمام شرکاء کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیا۔ اظہر رنگیلا انتہائی ملنسار اور دل میں گھر کرنے والی شخصیت کا نام ہے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں اپنے ادکاری کے استاد بقول ان کے ''باباجی'' کو بہت خراج تحسین پیش کیا۔ انھوں نے کامیڈی کے بے تاج بادشاہ رنگیلا مرحوم کی اداکاری کے وہ کارنامے اور انکی مسکراہٹ کی وہ داستاں سنائی کہ محفل میں موجود ہر شخص عش عش کر اٹھا۔ انھوں نے اپنے خطاب کے بعد اپنے استاد محترم جناب رنگیلا صاحب کا من پسند اور سپرہٹ گانا ''گا میرے منوا گاتے جا رے'' سنایا۔ ایک لمحہ تو ایسا لگا جیسے مرحوم رنگیلا جی خود سنا رہے ہیں۔

اظہر رنگیلا کے متعلق میرے ذہن میں گمان تھا کہ شاید دوسرے اداکاروں کی طرح ان میں بھی مغروری ہو گی۔ان کا سب سے الگ تھلک مزاج ہو گا مگر جب ان سے ملاقات کی تو ان کی شخصیت کا راز کھلا کہ وہ کس طرح لوگوں کے دل میں گھر کرتے ہیں۔

اداکاری سے تو لوگ اپنے مداحوں کے دل میں گھر کرتے ہیں مگر اظہر رنگیلا تو اداکاری کے ساتھ ساتھ اپنی پرکشش شخصیت سے بھی لوگوں کے شیشہ دل میں اتر جاتے ہیں۔

انھوں نے تو پروگرام میں مہمان خصوصی ہوتے ہوئے بھی

میزبانی کے فرائض سرانجام دیے۔ انہوں نے سالگرہ کا کیک کاٹ کر خود اپنے ہاتھ سے چیف ایڈیٹر، ایڈیٹر اور دیگر مہمانوں کو کھلایا۔ پروگرام کے اختتام پر چیف ایڈیٹر وسیم نذر نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

پروگرام میں جہاں صحافی بھائیوں کے ساتھ شوبز کا اتنا بڑا نام موجود تھا وہاں کالمسٹ برادری بھی پیچھے نہیں رہی۔ وہاں پر مجھے نامور کالمسٹ جن میں سرفہرست ''کاش میں بیٹی نہ ہوتی'' کے مصنف اور کالمسٹ محمد علی رانا، کالمسٹ شیر اعوان، کالمسٹ ذیشان انصاری اور کالمسٹ اور میرے ہردلعزیز بھائی ملک ساجد اعوان سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جن کی موجودگی نے محفل میں چار چاند لگادیے۔

مجھے اس پروگرام میں شرکت کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اگر کسی بھی استاد کا شاگرد اہل ہو تو وہ اپنے استاد کا نام کبھی بھی نہیں ڈوبنے نہیں دیتا۔ اظہر رنگیلا نے جب اپنے استاد رنگیلا کو جب خراج تحسین پیش کیا تو ان کی آنکھ سے آنسو نکل آئے۔ انہوں نے اپنے استاد کو کسی لمحے نہیں بھلایا اگر تمام شاگرد اپنے اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے اپنے استاد کو بھی یاد رکھیں تو میرا نہیں خیال کہ کبھی کوئی استاد مر کر بھی اس دنیا میں زندہ نہ ہو۔

شہید پاکستان اسلم خان

پچھلے کئی سالوں سے دہشت گردی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں دہشت گردی کی خبر سننے کو ملتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے ملک میں ان دہشت گردوں کا راج ہے کیونکہ جب اور جہاں دل چاہا یہ دہشت گرد اپنا کام سرانجام دے دیتے ہیں۔ ملک میں آئے دن ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے باوجود ہم اور ہمارے حکمران صرف افسوس کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

پاکستان کے دوسرے شہروں کی نسبت کراچی میں ٹارگٹ کلینگ کے ساتھ دھماکوں کا کافی راج ہے۔ شاید ہی کوئی دن ہوتا ہوگا جب کراچی میں ایسے واقعات رونما نہ ہوتے ہوں۔ دو چار لاشوں کا گرنا کراچی جیسے شہر میں معمولی کام ہے۔ مرنے سے تو کوئی نہیں ڈرتا کیونکہ یہ تو اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ جو دنیا میں آیا ہے وہ دنیا سے واپس بھی جائے گا مگر جس طرح کراچی میں موت بانٹی جارہی ہے اس پر ہر پاکستانی کی آنکھ اشک بار ہے۔ " موت برحق ہے کفن پر شک ہے" کے مترادف کراچی میں لاشوں کا گرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

آج کراچی میں جو خودکش حملہ ہوا اس میں ملک دشمن لوگوں نے اس پولیس آفیسر

کو نشانہ بنایا جو اپنے وطن کی خاطر ہر وقت اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا۔ جس نے محکمہ پولیس میں شاید یہ سوچ کر ملازمت کی تھی کہ اپنے ملک سے کرپشن اور کرپٹ لوگوں کا قلع قمع کرتا رہوں گا۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ایس پی سی آئی ڈی چوہدری اسلم مانسہرہ کے علاقے ڈھوڈیال میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام اسلم خان تھا۔ چوہدری اسلم کے والد کا نام محمد اکرم خان ایڈووکیٹ تھا۔

انہوں نے ڈھوڈھیال کے گورنمنٹ پرائمری اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد کے پاس کراچی منتقل ہو گئے۔ ان کا تعلق چوہدری خاندان سے نہیں مگر ان کے لباس اور چال ڈھال کی وجہ سے یہ چوہدری کے نام سے مشہور تھے۔

چوہدری محمد اسلم شہید نے اپنی جرآت مندی اور بلند حوصلے کے باعث سب انسپکٹر سے ایس ایس پی کے عہدے تک ترقی کی کئی منازل طے کیں۔ چوہدری محمد اسلم نے پولیس میں اپنے کیریئر کا آغاز بحیثیت سب انسپکٹر 1984 میں کیا۔ 1991 میں وہ انسپکٹر کے عہدے پر پہنچے۔ پہلی بار کلاکوٹ کے تھانے میں ایس ایچ او کی ذمہ داری نبھائی۔
1999 میں ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی دے دی

گئی۔2005 میں انہیں ایس پی کے عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔ لیاری گینگ وار کو ختم کرنے کے لیے لیاری ٹاسک فورس کی سربراہی بھی کی۔2010ء میں وہ سی آئی ڈی کے انویسٹی گیشن ونگ کے سربراہ مقرر ہوئے۔

چوہدری اسلم خان نے کالعدم تنظیموں کے خلاف آپریشن کیے اور تحریک طالبان پاکستان کے امیر قاری سعید انور سمیت کئی جرائم پیشہ افراد کو گرفتار کیا۔ لشکر جھنگوی کے انتہائی مطلوب وسیم بارودی کو بھی ان کی ٹیم نے ہی گرفتار کیا۔اس وجہ سے تحریک طالبان اور لشکر جھنگوی کے خلاف کاروائیوں کی وجہ سے وہ ان کے بڑے دشمن تھے۔ اس حملے سے قبل بھی ان کو تین بار ٹارگٹ کیا گیا۔ ایک بار ڈیفنس میں واقع ان کے گھر پر بھی حملہ کیا گیا جس میں ان کے ایک بچے سمیت 8افراد جان بحق ہوئے جبکہ ان کا گھر مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا۔ چوہدری اسلم کی بہادری اور پیشہ ورانہ صلاحیت کا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں انتہائی احترام کیا جاتا تھا۔ان کی اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے انہیں پاکستان پولیس کا تمغہ قائداعظم پولیس میڈل اور تمغہ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔چوہدری اسلم نے جہاں اپنے سینے پر یہ تمغے سجائے وہاں آج شہادت کا تمغہ بھی اپنے سینے پر سجا لیا۔

چوہدری اسلم جیسے فرض شناس آفیسر کی موت کئی سوال چھوڑ گئی ہے۔ کیا ایسا

آفیسر جس کو دھمکیاں دی جارہی تھیں اس کی حفاظت کرنا کس کا فرض تھا؟ کیا یہ دہشت گرد اس طرح سے اپنے راہ میں حائل لوگوں کو مارتے رہینگے اور ہماری حکومت اس کے بدلے میں چند ٹکے، ملازمت اور پلاٹ دیکر ان کی موت کا معاوضہ دیتی رہے گی؟ آخر کب ہمارے ملک کے حالات سنوریں گے؟ کب ہماری زندگی میں سکون کا سانس آئے گا؟

آقائے دوجہاں کی آمد سے سج گئی دنیا

12 ربیع الاول کو پورے عالم اسلام میں حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت کا دن بڑے جوش و جذبے اور مذہبی عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس دن بڑا اہتمام کرتے ہیں ۔اپنے اپنے شہر اور گاؤں کے مساجد، گھر اور گلیاں تک سجائی جاتی ہیں ۔شام کو مساجد کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنے گھروں پر لائٹنگ کراتے ہیں۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالی نے اپنے پیارے محبوب کو اس دنیا میں بھیجا۔ مساجد اور گھروں میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہ کائنات جس ہستی کے لیے بنائی گئی وہ ہستی حضرت محمد ﷺ 12 ربیع الاول 632 ھ (20 اپریل 571ء) کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد محترم کا نام عبداللہ تھا جو آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے پھر آپ ﷺ کی پرورش آپ کے دادا عبد المطلب نے کی۔ آپ ﷺ کی والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔ جب آپ ﷺ چھ برس کے تھے تو آپ کی والدہ کا انتقال پُر ملال ہو گیا۔ جب آٹھ برس کے تھے تو آپ ﷺ کے دادا بھی وفات پا گئے۔ اسکے بعد آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے چچا ابو طالب کے کاندھوں پر آ گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ بصرہ اور شام کے کئی تجارتی سفر کیئے۔ بارہ سال کی عمر میں جب آپ ﷺ تجارت کے سلسلے میں ملک شام

گئے تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرہ نے آپؐ کو دیکھا تو آپ کے چچا ابو طالب کو بتایا کہ نبوت کی جو علامات تورات اور انجیل میں درج ہیں وہ آپ کے بھتیجے یعنی آپ ﷺ میں موجود ہیں۔ جب آپ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو آپ نے جنگِ فجار میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ جب پچیس برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا جو ایک بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ ﷺ بہت دیانتدار اور امین تھے جب آپ ﷺ چالیس برس کے ہوئے تو ایک دن حسبِ معمول غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے آپ ﷺ کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔

اسلام سے قبل عرب کا دور جاہلیت کا دور تھا۔ اہلِ عرب اگرچہ اکثر اَن پڑھ اور جاہل تھے مگر علم نجوم اور طب کے علم پر عبور رکھتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب نبوت ملی تو سب سے پہلی آیات یہ نازل ہوئیں۔ (ترجمہ) پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان آیات کو دہرایا۔ آپ ﷺ نے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ کا آغاز کیا۔

آپ ﷺ پیغمبر ہونے سے پہلے ہی انصاف اور دیانتداری کی وجہ سے ملک بھر میں صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور اکرم ﷺ انصاف کے معاملے میں کسی سے رعایت نہ کرتے تھے چاہے آپ کا عزیز کیوں نہ ہو۔ عرب کے لوگ آپ ﷺ کو نبی تونہیں مانتے تھے لیکن وہ فیصلے آپؐ سے کرواتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی تووہ لوگ فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس لئے آئے۔ چوری ثابت ہو گئی تو آپ ﷺ نے اسلامی قانون کی رو سے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ عرب کے بڑے بڑے سرداروں نے چاہا کہ یہ بڑے گھرانے کی عورت ہے۔ اس کی سفارش کرکے اسے بچائیں۔ ایک صحابیؓ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا: "تم اللہ کی مقرر کی ہوئی باتوں میں سفارش کو دخل دیتے ہو۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ہر نبی کی ایک دعا ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے تو ہر ایک نبی علیہ السلام نے جلدی کرکے وہ دعا مانگ لی (دنیا ہی میں) اور میں یعنی حضرت محمد ﷺ نے اپنی دعا کو چھپا کر رکھا ہے قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے اور اللہ چاہے تو میری شفاعت ہر ایک اُمتی کے لئے ہوگی بشرطیکہ وہ شرک پر نہ مرا ہو۔"

آج پورے عالم اسلام میں رسول اکرم ﷺ، پیغمبر انسانیت، رُوح ایماں، شانِ کائنات اور سراپا نور کے پیکر میں ڈھلے حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت

کی خوشی منائی جارہی ہے۔ ہر طرف آمد رسول کے نعرے لگ رہے ہیں مگر میرا سوال ان لوگوں سے ہے جو رسول اکرم ﷺ کی آمد پر تو جشن منا رہے ہیں مگر کبھی ان کی سنت پر عمل کیا؟ کیا کبھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی؟ جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیا ہم لوگ اس سے دور رہے؟ ہم جتنی خوشی اور جوش کے ساتھ یہ جشن مناتے ہیں کاش اسی جوش و جذبے کے ساتھ ہم اپنے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرکے پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کردیں۔ دنیا سے برائی کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں۔ تمام مسلمان ایک کتاب اور ایک نبی کے سائے میں اکٹھے ہوجائیں تاکہ ہم غیر مسلموں کو بتا سکیں کہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے ہیں۔ اس طرح کسی غیر مسلم کی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔

میری اس دن کے موقع پر اپنے رب العزت اور مالک کائنات سے یہی دعا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو نیکی کی ہدایت دے اور برائی سے ہمیشہ دور رکھے۔ تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور قیامت کے حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

(بشکریہ پی ایل آئی)

کیا معاشرتی علوم ضروری نہیں؟

’’علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑا‘‘ ، ’’ علم ایک لازوال دولت ہے‘‘ ، ’’ علم ایک بے مثال طاقت ہے‘‘ ، ’’ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب‘‘ یہ وہ فقرے ہیں جو ہم بچپن سے اپنے سکول کی دیواروں یا کمروں میں چارٹ پر لکھے ہوئے دیکھتے آرہے ہیں۔ اس وقت کی تعلیم اور آج کی تعلیم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔اس وقت استاد اور شاگرد اپنے اپنے فرائض بخوبی سرانجام دیتے تھے جبکہ آج کل کے دور میں استاداور شاگرد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔آج کے اس دور میں تعلیم کا واویلا تو حکمرانوں نے کیا مگر اس کے لیے عملی اقدامات کسی نے نہیں کیے۔ پچھلے کئی سالوں سے پنجاب میں جو بھی وزیراعلیٰ بنا اس نے تعلیم کا بیڑا اٹھا لیا۔اس نے سوچا میں تو خواندگی کی شرح سو فیصد کرکے ہی دم لونگا۔ ہر جگہ تعلیم کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ہر فورم پر ہمارے حکمران بڑے بلند و بالا دعویٰ کرتے نظر آئے مگر یہ سب زبانی کلامی ہوتا تھا یا پھر ٹیکسٹ بکس پر اس دور کے وزیراعلیٰ کی تصویر پبلش کرانے کے شوق تک محدود ہوتا تھا۔

’’ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے‘‘ یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ یہ ہمارے پیارے حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔اس لیے مسلمان ہونے کے ناطے

ہمارے حکمران تعلیم کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔ اگر ہم پچھلے چند سالوں کے تعلیمی معیار کا جائزہ لیں تو مجھے یقین ہیں کہ آپ سب قارئین میری اس بات سے سو فیصد متفق ہونگے کہ تعلیم کے میدان میں آئے دن تبدیلیوں نے تعلیم کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی چیز کی بنیاد ہمیشہ مضبوط رکھنی چاہیے۔ مگر ہمارے حکمران تو ان طالب علموں کے ساتھ سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ کتابیں وقت پر مہیا نہیں کرتی اور کتابوں میں تبدیلی تو ایسے ہو گئی جیسے ہر بارہ ماہ بعد سال بدلتا ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ گورنمنٹ جو بچوں کی تعلیمی بنیاد رکھ رہے ہیں وہ ایک پختہ بنیاد ہوگی؟ وہ بچے مستقبل میں کیا کریں گے؟ جو چیز ان کو پرائمری میں پڑھنا چاہیے تھیں وہ تو کتابیں نہ ملنے اور پورا ٹائم نہ ملنے کی وجہ ضائع ہو گیا۔ اب یہی حال مڈل کلاسز کے بچوں کا ہوگا۔ جب رزلٹ آتا ہے تو وہ پھر اتنا اچھا ہوتا ہے کہ جو دیکھے وہ عش عش کر اٹھے۔ یہ تو بھلا ہو پرائیویٹ سکولز کا جن کی وجہ سے رزلٹ 50 فیصد تک آ جاتا ہے ورنہ اگر گورنمنٹ سکولز پر رہیں تو رزلٹ بیس تیس فیصد سے زیادہ نہ ہو۔

چند سال پہلے حکومت پنجاب نے صوبے بھر میں بنیادی تعلیم یعنی پرائمری اور مڈل کلاسز کے امتحانات ایک ساتھ کرانے کا فیصلہ کیا۔ جس کے لیے ایک پنجاب ایگزامینشن کمیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے تحت صوبہ پنجا

PEC ب میں پرائمری اور مڈل کے امتحانات لیے جاتے ہیں۔ چند فیصد لوگ تو پہلے ہی کے ساٹھ فیصد ٹک (چیک) کرنے والے امتحانی نظام سے متفق نہیں کیونکہ اس میں تو نکمے سے نکما طالب علم بھی نقل کر کے ٹک کا نشان لگا لیتا ہے اور امتحان میں باآسانی پاس ہو جاتا ہے۔

PEC نے اپنے نظام میں ایک بار پھر تبدیلی کی اور تبدیلی بھی حد کی کر دی۔ اس سال سارا سال سکولوں میں بچوں معاشرتی علوم (مطالعہ پاکستان) پڑھایا گیا۔ دوسرے مضامین کی طرح اس کی بھی تیاری کرائی گئی مگر عین امتحان کے وقت پر جب ڈیٹ شیٹ مارکیٹ میں آئی اس میں سے معاشرتی علوم کو غائب کر دیا۔ اس ادارے نے معاشرتی علوم کا امتحان لینا بھی گوارا نہیں کیا بلکہ سکولز کو کہہ دیا کہ وہ خود اس مضمون کا امتحان لیں۔ اگر سکول نے ہی امتحان لینا ہے تو پھر تمام مضامین کے امتحان سکول کو لینے کی اجازت دے دیں یا پھر معاشرتی علوم کی جگہ اس مضمون کا امتحان نہ لیں جس سے طالبعلم جان چھڑاتے ہیں۔

وہ مضمون جو ہماری نسل کے لیے بہت ضروری ہے، جس کے پڑھنے سے بچوں کو پتہ چلتا ہے کہ کون کون اس ملک کا ہیرو ہے کس کس نے اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کے نظرانے پیش کیے؟ کس کس مسلمان نے تاریخ میں مسلمانوں کے لیے قربانیاں دیں۔ ان سب کو اجاگر کرنے کی بجائے انہیں فراموش کر دیا۔ شاید یہ

گورنمنٹ کی پالیسی ہے کہ آنے والی نسل کو علم ہی نہ ہو کہ ہمارے ملک کے لیے کس کس نے خدمات سرانجام دیں؟ معاشرتی علوم جیسے مضمون میں پاکستان کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے اور کوئی بھی طالبعلم نہیں چاہتا کہ پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ایک سروے کے مطابق ابتدائی تعلیم میں پاکستان کے پانچ فیصد کے قریب طالب علم انگلش کو پسند کرتے اور باقی اس سے جان چھڑاتے ہیں۔ بہت سے طالبعلم صرف انگلش کے خوف سے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ساٹھ فیصد کے قریب طالب علم سائنس سے جان چھڑاتے ہیں ۔ پھر اگر تعلیم کے فرعونوں کو مضمون کم کرنا تھا تو انگلش کو کر دیتے یا سائنس کو۔طالب علم ان دونوں مضامین سے زیادہ معاشرتی علوم کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ جانتا نے کیا سوچ کر اس مضمون کا امتحان نہ لینے کا فیصلہ کیا؟ یہی نہیں ہشتم سے PEC ہے کہ عربی جیسے مضمون کا بھی امتحان نہ لیا جا رہا ہے۔

معلوم نہیں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پر کون لوگ قابض ہیں جو پاکستان کی تاریخ کو اجاگر کرنے والوں کو مسخ کرنے اور ساتھ ہی قرآن کے مطالعہ کو بھی ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ ویسے تو بہت کم لوگ ہیں جو قرآن کا ترجمہ پڑھتے ہیں صرف ایک عربی ہے جس سے بچے ابتداء سے ہی قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتے ہیں۔جب اس طرح کی تعلیمی پالیسیاں مرتب ہونگی تو شرح خواندگی کاغذوں میں تو بڑھ سکتی ہے مگر ہمارے معاشرے کے لیے یہ ناسور ثابت ہوگی۔

دہشت گردی میں سلگتا پاکستان

دنیا میں ہر روز نئی سے نئی اشیاء جدید آ رہی ہیں۔ انسان نے چاند کو چھو لیا ہے اور چاند کے ساتھ ساتھ دوسرے سیاروں پر آباد ہونے جا رہے ہیں۔ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ جو کام کبھی دس افراد مل کر کرتے تھے اب اس کی بدولت ایک آدمی ہی یہ سارے کام مکمل کر لیتا ہے۔ وقت جس رفتار سے چل رہا ہے اسی رفتار سے انسان ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ ہر ملک اپنے دفاع کے لیے جدید سے جدید ٹیکنالوجی استعمال کر رہا ہے۔ ہر ملک اسلحے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

اس جدید اسلحے کی وجہ سے ہر طرف دہشت گردی ہو رہی ہے۔ دہشت گردی خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہو مگر اس میں نقصان تو انسانیت کو پہنچ رہا ہے۔ اموات تو جاندار کی ہو رہی ہیں۔ اس وقت دہشت گردی کا شکار پوری دنیا میں سب سے زیادہ جو ملک ہو رہا ہے وہ پاکستان ہے۔ پاکستان ایک پر امن ملک ہے۔ یہ اسلام کے نام پر بنایا گیا تاکہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزار سکیں مگر شروع سے آج تک غیر مسلم قوتیں مسلمانوں کے خلاف ہی رہی ہیں۔ نبیوں کے دور سے لیکر آج تک کفار مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے ہیں۔ کیونکہ پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے اسی لیے شاید غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف اکٹھی ہو گئیں ہیں۔ اسکے بعد سونے پر سہاگہ پاکستان ایٹمی طاقت بن

گیا جو کفار کو بالکل پسند نہیں اور اب ان کی نظر ہماری ایٹمی ٹیکنالوجی پر ہے۔

پاکستان جو امن کا گہوارہ تھا اس کو ایک سازش کے تحت دہشت گردی کا مرکز بنا دیا گیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کوئی دہشت گردی کا واقعہ رونما ہو تو اس کی ذمہ داری فوراً پاکستان پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی سے متاثر ہونے والا ملک پاکستان ہی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی میں جو بیرونی اور اندرونی عوامل شامل ہیں ان سے تمام ذی شعور انسان بخوبی واقف ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی کو جو عناصر ہوا دے رہے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں پاکستان میں ہزاروں معصوم شہری اس دہشت ناک دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ کئی گھر اجڑے، کئی سہاگ اجڑے اور کئی ماوؤں کی گود خالی ہو گئیں۔ حکومت پاکستان اس کے سد باب کے لیے جو اقدامات کر رہی ہے وہ بھی سبھی لوگوں کے علم میں ہے۔ لیکن بحیثیت قوم اور پاکستانی یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم سب مل جل کر اس دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

پاکستان کے مختلف شہروں میں دھماکے اور خودکش حملے روز کا معمول بن گئے ہیں۔ جو چند دن ان دھماکوں سے سکون ہوتا ہے تو امریکی ڈرون ہمارا سکون تباہ

کرنے آجاتے ہیں۔چند شہروں میں تو ٹارگیٹ کلینگ ایسے ہو رہی ہے جیسے بچے ویڈیو گیم کھیلتے ہوئے لوگوں کو مارتے ہیں۔ پہلے بلوچستان میں شیعہ مسلک کے پروگرام میں دھماکہ کرایا گیا پھر پشاور میں دیوبند کی مسجد میں خود کش حملہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان بھر میں ہڑتالوں اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ احتجاج شیعہ برادری یا دیوبند مسلک کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں تمام مکاتب فکر کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔اب حال ہی میں بنوں میں دھماکا کر کے دہشت گردوں نے پھر باور کرادیا کہ ہم پاکستان کے حکمرانوں کے بہت بڑا چیلنج ہیں۔اب تو دہشت گردی کی نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے ہماری سیکورٹی فورسز اور آرمی تک بھی محفوظ نہیں۔

پاکستانی ہونے کے ناطے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نہتے انفرادی طور پر کیونکر دہشت گردی سے نمٹ سکتے ہیں؟ اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو ہم بھی ان دہشت گردوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کچھ ایسے عوامل بھی ہیں جن کی بدولت ہم نا صرف انہیں روک سکتے ہیں بلکہ ختم بھی کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت تو واضح ہے کہ دہشت گردی میں ملک دشمن اور بیرونی طاقتیں کار فرما ہیں لیکن یہ بھی کسی حد تک درست ہے کہ ان عناصر کو کامیاب بنانے میں اندرونی عناصر بھی شامل ہیں۔ دہشت گرد کوئی خلائی شٹل یا غیبی علم کے ذریعے کامیاب نہیں ہو رہے بلکہ وہ ہمارے ارد گرد ہی موجود ہوتے ہیں لیکن ہم ان کو پہچانتے نہیں ۔ اگر تھوڑا

سا ان لوگوں پر نظر رکھی جائے تو کسی حد تک ہم ان کی غیر انسانی حرکات کو پہچان بھی سکتے ہیں۔

ہماری آنکھیں کب کھلیں گی؟ کب ہمارے ملک میں امن ہوگا؟ پچھلے کئی سالوں سے حکومت اپنی اپنی مدت پوری کرکے چلی گئیں مگر یہ دہشت گردی آج بھی جوں کی توں ہے۔ پاکستان میں لاء اینڈ آرڈر کی آواز کب بلند ہوگی؟ کون ہے جو ہمیں امن کے گہوارے میں داخل کرائے گا؟ کیا پاکستان کے حکمرانوں میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ ان مٹھی بھر دہشت گردوں کو ختم کر سکیں؟ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے تمام سیاستدانوں بیوروکریٹوں، علماء اکرام، طالب علموں، نوجوانوں اور پاک فوج کو مل کر قدم اٹھانا چاہیے ۔اپنے ملک، اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان کی حفاظت کی خاطر یکجا ہو کر دہشت گردوں کا مقابلہ کرنا ہوگا ورنہ آئے دن ایک ایک کرکے ہم اپنی جانیں دیتے رہیں گے اور دہشت گرد ہمارے ملک پر قابض ہوتے رہیں گے۔

تعلیم حاصل کریں مگر کہاں؟

انسان کو اچھی زندگی گزارنے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تعلیم عام کرنے کے دعوے کیے جارہے ہوں مگر تعلیم کے لیے سکول ہی میسر نہ ہوں تو پھر تعلیم عام کیسے ہوگی؟ تعلیم سب کے لیے برابر ہے توکیا تعلیم حاصل کرنا ہمارا حق نہیں؟ یہ سوال میں نہیں کر رہا بلکہ یہ سوال وزیراعظم پاکستان، وفاقی وزیر تعلیم، خادم اعلیٰ پنجاب، صوبائی وزیر تعلیم اور سیکرٹری ایجوکیشن سے اس گاؤں کی بچیاں کر رہی ہیں جو اس جدید تعلیمی دور میں بنیادی تعلیم جیسی اہم چیز سے روز اول سے محروم ہیں۔ویسے تو میرے کالم آپ لوگوں کی نظر سے اکثر گزرتے ہونگے مگر آج میں جس موضوع پر کالم لکھ رہا ہوں وہ میں اپنے علاقے کی عوام کے پرزور فرمائش پر لکھ رہا ہوں۔ ان کی فرمائش کے ساتھ ساتھ اس میں میری ذاتی آواز بھی شامل ہے۔ میرا لکھنے کا اصل مقصد پاکستان کے حکمرانوں اور بالخصوص خادم اعلی پنجاب میاں شہباز شریف کی نظر اس طرف مبذول کرانا ہے جو تعلیمی میدان میں انقلابی اقدام اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑرہے ہیں مگر شاید ان کی نظر ابھی تک ہمارے اس علاقے پر نہیں پڑی۔اگر میرے اس کالم کی وجہ سے ہماری عوام کا یہ بنیادی مسئلہ حل ہوجائے تو میرے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان کا بھی فرض پورا ہوجائے گا۔

جمبر ضلع قصور کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ ملتان روڈ پر ہونے کی وجہ سے اس کو پورے ضلع میں بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ واحد علاقہ ہے جس سے 24 گھنٹوں میں کسی بھی وقت پاکستان کے کسی بھی شہر میں جانے کے ٹریفک باآسانی مل جاتی ہے۔ پھولنگر اور چونیاں کے درمیان میں یہ قصبہ واقع ہے۔ چونیاں اور پھولنگر میں بائی پاس بن جانے کی وجہ سے جمبر سے ہر گاڑی کا گزر لازمی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جمبر سے پاکستان کے سب سے بڑے ذخیرے یعنی نیشنل پارک چھانگا مانگا کے لیے بھی راستہ ادھر سے نکلتا ہے۔ اتنا اہم قصبہ ہونے کے باوجود حکومت پاکستان ، صوبائی حکومت نے اس علاقے میں تعلیم کے لیے کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا۔

مشرف دور میں پنجاب کے وزیراعلیٰ پرویز الٰہی نے جب تعلیم کا بیڑہ اٹھایا تھا اس وقت سے آج تک یہ علاقہ بدقسمت رہا کیونکہ اس وقت کے حکمران سب کچھ جاننے کے باوجود اس کے لیے کچھ نہ کرسکے۔ شاید اس علاقے کا کوئی والی وارث نہیں یا پھر یہ حکومت پاکستان کے حصے میں نہیں ؟ اس تعلیمی دور میں جہاں ہم خواندگی بڑھانے کی کوشش میں ہر کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں مگر اس کے باوجود اس قصبے میں آج تک لڑکیوں کے لیے ہائی سکول نہیں جبکہ اس کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں میں لڑکیوں کے لیے ہائی سکول موجود ہے۔ یہاں صرف ایک مڈل سکول ہے

۔مڈل سکول کے لیے بھی عمارت ناکافی ہے۔ جس کے پرائمری حصے کو جمبر کی عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت جنج گھر دیا ہوا تھا مگر پچھلے سال ہونے والی بارشوں نے اس جنج گھر کی چھت کو بیٹھا دیا۔ جس کی وجہ سے وہ بھی کافی عرصہ بند پڑا رہا اور آج کل اس میں ٹینٹ لگا کر بچیوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔اس مڈل سکول کو پانچ کمروں میں چلایا جا رہا ہے۔ تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بچیاں یا تو پرائیویٹ اداروں کا رخ کرنے پر مجبور ہیں یا پھر اپنے گھر بیٹھنے پر۔

مشرف دور میں اس وقت کے ضلعی ناظم نے کئی بار لڑکیوں کے اس سکول کا سروے کرایا، محکمہ تعلیم کے آفیسر ز کو بلایا اور عوامی جلسوں میں اس کا اعلان کیا۔ مشرف حکومت کا اقتدار ختم ہوگیا مگر بچیوں کے سکول کا مسئلہ جوں کا توں ہی رہا۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی کا دور آیا وہ بھی اپنی مدت پوری کرکے چلی گئی مگر کسی نے ان بچیوں کے سکول کو اپ گریڈ کرنے اور بلڈنگ بنانے کی طرف توجہ نہ دی۔ یہ سکول اپنی تعمیر کے لیے آج بھی منتظر ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب ہر دور میں تعلیم عام کرنے اعلان کیا جاتا ہے تو پھر جمبر جیسے علاقے میں سکول بنانے کے لیے کیوں کام نہیں کیا جاتا؟ کیا جمبر میں گرلز سکول بنانے کے لیے کوئی سپیشل کوٹہ ہوگا؟ کیا جمبر کی بچیوں

کا حق نہیں کہ وہ بھی تعلیم حاصل کرکے کسی اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکیں؟ وہ بھی ڈاکٹر، انجینئر یا سائنسدان بن کر اپنے ملک کی خدمت کر سکیں۔

میں اور اس حلقے کی عوام وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف اور وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تاکہ جہاں آپ لوگ تقاریری مضمون نویسی کے مقابلوں میں، کبھی سپورٹس کے نام اور کبھی لیپ ٹاپ کے نام جو، کروڑں روپے خرچ کر رہے ہیں کیا ان میں سے کچھ رقم جمبر کے عوام کے نام نہیں ہو سکتی؟ جہاں طالب علموں میں انعامات کی مد میں اتنا خرچ کیا جا رہا ہے کیا اس میں رقم میں اس علاقے کی بچیوں کا حق نہیں ؟

میاں صاحبان ! یہ بچیاں بھی آپ کی بچی ہیں جس طرح آپ دکھی انسانیت کی مدد کرنے اس کے گھر پہنچ جاتے ہیں کیا جمبر کا علاقہ آپ کے لیے زیادہ دور ہے جو آپ ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ ابھی کچھ دن میں آپ چھانگا مانگا میں بسنت میلہ منعقد کروا رہے ہیں اور آپ کے بہت سے وزراء سے لیکر بیورو کریٹ اسی علاقے سے گزر کر جائیں گے۔ اتنے اہم علاقے کو اس قدر نظر انداز کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا اس علاقے کی بچیوں کا حق نہیں کہ وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے کسی اچھے منصب پر فائز ہو کر اپنے ملک کی خدمت کر سکیں؟ کیا وہ پڑھے لکھے پاکستان کا حصہ نہیں بن سکتیں؟ ان سوالوں کا جواب کس سے مانگے یہ بچیاں اور

کون ہے جو ان کے سروں پر تعلیم کی چادر اوڑھا سکے گا؟

مذاکرات" میں کالی رات نہ آئے"

خدا خدا کرکے پاکستان اور طالبان کے درمیان امن مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ پاکستان اور طالبان کے درمیان امن مذاکرات کی جو کوششیں کی جاری ہیں ان پر ہر پاکستانی کی دعا ہے کہ وہ کامیاب ہوں اور پاکستان ایک بار پھر امن کا گھوارا بنے۔

حکومتی اور طالبان کی سطح پر شاید پہلی بار اتنی منظم اور جامع کوشش کی گئی ہیں۔مذاکرات کو شروع ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی گزرے ہیں مگر اس کو سبوتاژ کرنے والے شاطر ذہنوں نے اپنی چال چلنا شروع کردی ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان ترقی کرے ۔امن مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے جہاں بیرونی طاقتیں سرگرم ہیں ادھر ہمارے اپنے ملک کے مٹھی بھر ملک دشمن لوگ بھی ان قوتوں کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ فلمی سینوں کی طرح اپنے ہی ملک کے لوگ پیسے کی خاطر اپنے ملک کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی مذاکراتی ٹیم نے پہلا قدم اٹھایا نہیں ہے اور مذاکرات ناکام ہونے کی بازگشت پہلے ہی شروع ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔

جہاں تک امن کمیٹیوں کا ذکر ہے ہماری نظر میں تو دونوں کمیٹیاں خودمختار نہیں ہیں کیونکہ وہ خود فیصلہ کرنے کے قابل نہیں۔ انہوں نے مذاکرات کرکے

اپنے اپنے ہیڈ کو بتانا ہے اور پھر ان سے ایڈوائس لیکر آگے بات چلائیں گے۔ بہتر ہوتا کہ حکومتی کی طرف سے ایک بااختیار وفاقی وزیر اور طالبان کی طرف سے طالبان کا بااختیار ممبر ہوتا تو اس امن مذاکرات کے جلد اور دور رس نتائج برآمد ہو سکتے ؟ جتنا وقت یہ کمیٹیاں اپنے ہیڈز سے مشاورت میں لگائیں گی اتنے میں امن مذاکرات کو سبوتاژ کرنے والے اپنے مشن میں کامیاب ہوتے جائیں گے کیونکہ نیکی کے راہ پر آتے آتے وقت لگتا ہے جبکہ بدی کا رستہ بآسانی سے نزدیک آجاتا ہے۔

یہ بات بعد کی ہے کہ ان مذاکرات کا رزلٹ منفی ہوتا ہے یا مثبت مگر ہمیں اپنی مثبت سوچ کے ساتھ اس امن مذاکرات میں دونوں فریقوں کا ساتھ دینا چاہیے مگر افسوس جب ہمارے ملک کے حکمران خود ہی مایوسی کا شکار ہوجائیں تو پھر عوام تو ان سے زیادہ ناامید ہوگی۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان سب سے زیادہ طالبان سے مذاکرات کے حامی تھے اور اب نہ جانے انہوں نے مذاکرات سے ناامیدی کی توقع کیوں لگالی ہے۔ سب سے پہلے تو خانصاحب خود طالبان کی کمیٹی میں شامل نہیں ہوئے اور اب بجائے اس کے کہ وہ ان مذاکرات کے لیے اچھے الفاظ منہ سے نکالیں وہ پہلے ہی عوام کو گمراہ کررہے ہیں۔ آپ تو بقول آپ کے مخالفوں کے کہ عمران خان ”بزدل خان“ بن گئے۔ اگر آپ طالبان کمیٹی میں نہیں ہیں تو چلو حکومتی پارٹی میں تو ہوتے پھر بھی خانصاحب اگر اللہ نہ کرے

مذاکرات ناکام ہوئے تو آپ بھی ان کی ناکامی کے برابر کے ذمہ دار ہونگے۔ اب ان مذاکرات کی ناکامی پر دھرنے یا جلسیاں نہیں ہونگی۔

مذاکراتی ٹیم کو اب ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا کیونکہ ان کے حرکات و سکنات پر پوری دنیا کی نظر ہے۔ ان کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ معنی خیز ہوگا۔ کسی بھی مقام پر ان کے منہ سے نکلا لفظ مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا حال ہی میں مولانا عبدالعزیز کا بیان تھا جس میں امہوں نے بلا سوچے سمجھے فرمادیا کہ وہ اس آئین کو نہیں مانتے۔ مولانا صاحب آئین پاکستان اسلام کے مطابق ہے اور اگر آپ اس کو آئین اسلام کے منافی سمجھتے ہیں تو پھر آپ نے اپنی زندگی کا اتنا عرصہ اس ملک میں خاموشی سے کیوں گزار دیا۔ آپ نے علم آئین بغاوت بلند کیوں نہیں کیا؟ کیا مولانا صاحب بتا سکتے ہیں کہ اسلام میں کہا لکھا ہے کہ مرد برقع پہن کر باہر نکلے اور اگر اسلام میں جان بچانے کے لیے کچھ بھی جائز ہے تو اگر مشرف اسوقت یہ اعلان کر دیتا کہ جو غیر مسلم ہے وہ مسجد حفصہ سے باہر آ جائیں تو کیا مولانا اپنی جان بچانے کے لیے دائرہ اسلام سے بھی نکل سکتے تھے۔ مولانا صاحب آپ نہ طالبان ہیں اور نہ حکومتی حصہ۔ آپ پہلے مسلمان اور پھر پاکستانی ہو۔ آپ ایسا قدم اٹھاؤ جس سے ہمارے ملک میں استحکام پیدا ہو، جذبہ ایمانی پیدا ہو، محبت و اخوت اور امن کا دور دورہ ہو۔

حکومت پاکستان اور طالبان کو چاہیے کہ وہ نیک نیتی سے اس مشن کو کامیاب بنائیں۔ ممکن ہو تو ان مذاکرات کو الیکٹرانک میڈیا سے دور رکھا جائے کیونکہ جو باتیں ہمارے ملک دشمنتوں سے چھپنی چاہیے وہ ان تک آسانی سے پہنچ جاتی ہیں۔ وہ باتیں نہ صرف ان تک پہنچتی ہیں بلکہ پھر ان پر ٹیبل ٹاک کرکے عوام کو بھی گمراہ کیا جاتا ہے۔ ملکی سلامتی اور امن کی خاطر اگر ایسی باتیں میڈیا سے دور رکھنا مقصود ہو تو اس میں کوئی مذائقہ نہیں۔ میڈیا کو خود بھی اپنے ملک کی سلامتی کے لیے ایسی خبروں سے گریز کرنا چاہیے۔

میرے سمیت تمام پاکستانیوں کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اپنے ملک اور اسلام کی خاطر ان مذاکرات کو کامیاب بنانے کی توفیق دے۔

ویلنٹائن" محبت یا بے حیائی کا دن"

ویلنٹائن ڈے (14فروری) کے سپیشل ایڈیشن کے لیے خصوصی تحریر

ہر سال 14فروری کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے پوری دنیا میں بڑی دھوم دھام سے یہ دن منایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کے لیے تو یہ تہوار برا نہیں ہوگا مگر مسلمانوں کے لیے یہ بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی کا تہوار ہے۔ کوئی بھی مسلمان نہیں چاہتا کہ اس کی بہن بیٹی کسی نامحرم کو پھول یا تحائف پیش کرے۔ ہمارے مسلمانوں کا کچھ مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو لبرل مسلمان بھی کہلانا پسند کرتے ہیں ان کا اس تہوار کے بارے میں فرمان ہے کہ " لازمی نہیں کہ کوئی گرل فرینڈ اپنے بوائے فرینڈ کو ہی یہ دن وِش کرے بلکہ ایک بیٹی اپنے باپ کو اور کوئی بہن اپنے بھائی کو بھی وِش کر سکتی ہے۔

ایسے لبرل مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے یہ تو جان لیں کہ یہ دن کیوں یا کس کی یاد میں منایا جاتا ہے یا اس دن کا بیک گراؤنڈ (back ground) کیا ہے؟ اس تہوار کی حقیقت کیا ہے؟ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کا

منانا جائز ہے یا ناجائز اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کبھی مسلمانوں نے بالخصوص نوجوانوں نے سوچا ہے کہ ہم کن کے نقش قدم پر چل نکلے ہیں؟

اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پادری تیسری صدی عیسوی کے آخر میں رومانی بادشاہ کے زیر حکومت رہتا تھا۔ کسی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ نے پادری کو جیل میں بند کردیا۔ جیل میں جیل کے چوکیدار کی لڑکی سے اس کی علیک سلیک ہوگئی اور وہ اس کا عاشق بن بیٹھا یہاں تک کہ اس لڑکی نے نصرانیت قبول کرلی۔ وہ لڑکی ایک سرخ گلاب کا پھول لے کر اس کے پاس آتی تھی۔ جب بادشاہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو اس نے پادری کو پھانسی کا حکم دے دیا۔ پادری کو جب یہ پتا چلا تو اس نے سوچا کہ آخری لمحات اپنی معشوقہ کے ساتھ گزارے۔ چنانچہ اس نے اس کے پاس ایک کارڈ بھیجا جس پر لکھا تھا ''مخلص ویلنٹائن کی طرف سے'' پھر اس پادری کو 14 فروری کے دن پھانسی دے دی گئی۔ بس اس دن کے بعد سے یورپ میں ہر سال اس تاریخ کو لڑکوں کی طرف سے لڑکیوں کو کارڈ بھیجنے کا رواج چل نکلا۔ آج پوری دنیا میں اس دن کو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑے زور و شور سے مناتے ہیں۔ اس موقع پر کارڈ اور خاص طور سرخ گلاب کے پھول پیش کیے جاتے ہیں اور مختلف رنگین محفلیں سجائی جاتی ہیں۔

افسوس کہ مسلمان معاشرہ بھی اس سے بے ہودہ حرکات سے محفوظ نہ رہ سکا حالانکہ یہ ایک خالص غیر مسلم عقیدہ ہے جس میں ایک کافر نصرانی شخصیت کی یادگار منائی جاتی ہے۔اسلام میں ویلنٹائن ڈے منانا، سرخ گلاب کا پھول یا کوئی اس نوعیت سے تحفہ تحائف دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن جب ہم مسلمان یہ دن مناتے ہیں تو کافر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مذہب میں مسلمان بھی شریک ہو رہے ہیں۔کیا آپ نے کبھی اسلامی تہواروں میں غیر مسلموں کو اس زور و شور سے شامل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ ہر گز نہیں۔

شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں موقف کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں یہود و نصاریٰ) کی قدم بقدم پیروی کروگے،اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل) ہونگے تو تم لوگ اس میں بھی داخل ہونے کی کوشش کروگے،آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ پہلی قوم سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کے کچھ لوگ ہر برے اور خلاف شرع کام میں یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے اور بغیر سوچے سمجھے ان کی تقلید میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ غلیظ سے غلیظ کام میں بھی وہ ان منحوس و ملعون قوموں کے نقش قدم کو اپنائیں گے۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا ہو گا کہ 14 فروری کو یہ دن منانا ہمارے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس دن سے ہمارے دین کا کوئی تعلق نہیں۔ جبکہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے پھر بھی ہم اس کو منائیں تو یہ ہماری بد بختی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک طرف ہم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کی باتیں کرتے ہیں اور عمل یہودیوں کے طور طریقوں پر کرتے ہیں۔ اسلام میں عورت کا نامحرم کو دیکھنا بھی منع ہے حتیٰ کہ کزنز سے پردے کا حکم ہے اور مرد کو حکم ہے کہ ایک نظر کے بعد دوبارہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھنا بھی گناہ ہے (حضرت علیؓ) جبکہ آج کل ہماری نئی نسل اس بے ہودہ رسم کی پیروی کرتے ہوئے ناواقفوں کو پھول اور کارڈ پیش کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پچھلے برسوں سے کتنے لوگ مارے جا چکے ہیں۔ آخر ہم مسلمان کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے ان فضول کاموں سے ہمارے مذہب کی کتنی بدنامی ہوتی ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے متعلق کیسی سوچ رکھتے ہونگے۔ ہمیں چاہیے کہ نا صرف خود بلکہ دوسروں لوگوں کو بھی اس غیر مسلم حرکت سے روکیں۔

بے غیرتی محبت نہیں ہوتی

ہر سال 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے پوری دنیا میں بڑی دھوم دھام سے یہ دن منایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کے لیے تو یہ تہوار برا نہیں ہوگا مگر مسلمانوں کے لیے یہ بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی کا تہوار ہے۔ کوئی بھی مسلمان نہیں چاہتا کہ اس کی بہن بیٹی کسی نامحرم کو پھول یا تحائف پیش کرے۔ ہمارے مسلمانوں کا کچھ مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو لبرل مسلمان بھی کہلانا پسند کرتے ہیں ان کا اس تہوار کے بارے میں فرمان ہے کہ " لازمی نہیں کہ کوئی گرل فرینڈ اپنے بوائے فرینڈ کو ہی یہ دن وِش کرے بلکہ ایک بیٹی اپنے باپ کو اور کوئی بہن اپنے بھائی کو بھی وِش کر سکتی ہے۔

ایسے لبرل مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے یہ تو جان لیں کہ یہ دن کیوں یا کس کی یاد میں منایا جاتا ہے یا اس دن کا بیک گراؤنڈ (back ground) کیا ہے؟ اس تہوار کی حقیقت کیا ہے؟ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کا منانا جائز ہے یا ناجائز اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کبھی مسلمانوں نے بالخصوص نوجوانوں نے سوچا ہے کہ ہم کن کے نقش قدم پر چل نکلے ہیں ؟

اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پادری تیسری صدی عیسوی کے آخر میں رومانی بادشاہ کے زیر حکومت رہتا تھا۔ کسی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ نے پادری کو جیل میں بند کر دیا۔ جیل میں جیل کے چوکیدار کی لڑکی سے اس کی علیک سلیک ہو گئی اور وہ اس کا عاشق بن بیٹھا یہاں تک کہ اس لڑکی نے نصرانیت قبول کر لی۔ وہ لڑکی ایک سرخ گلاب کا پھول لے کر اس کے پاس آتی تھی ۔جب بادشاہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو اس نے پادری کو پھانسی کا حکم دے دیا۔ پادری کو جب یہ پتا چلا تو اس نے سوچا کہ آخری لمحات اپنی معشوقہ کے ساتھ گزارے ۔ چنانچہ اس نے اس کے پاس ایک کارڈ بھیجا جس پر لکھا تھا "مخلص ویلنٹائن کی طرف سے" پھر اس پادری کو 14 فروری کے دن پھانسی دے دی گئی۔ بس اس دن کے بعد سے یورپ میں ہر سال اس تاریخ کو لڑکوں کی طرف سے لڑکیوں کو کارڈ بھیجنے کا رواج چل نکلا۔ آج پوری دنیا میں اس دن کو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑے زور و شور سے مناتے ہیں۔اس موقع پر کارڈ اور خاص طور سرخ گلاب کے پھول پیش کیے جاتے ہیں اور مختلف رنگین محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ افسوس کہ مسلمان معاشرہ بھی اس سے بے ہودہ حرکات سے محفوظ نہ رہ سکا حالانکہ یہ ایک خالص غیر مسلم عقیدہ ہے جس میں ایک کافر نصرانی شخصیت کی یادگار منائی جاتی ہے۔اسلام میں ویلنٹائن ڈے منانا، سرخ گلاب کا پھول یا کوئی اس

نوعیت سے تحفہ تحائف دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن جب ہم مسلمان یہ دن مناتے ہیں تو کافر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مذہب میں مسلمان بھی شریک ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اسلامی تہواروں میں غیر مسلموں کو اس زور و شور سے شامل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔

شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں موقف کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں یہود و نصاریٰ) کی قدم بقدم پیروی کروگے، اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل) ہونگے تو تم لوگ اس میں بھی داخل ہونے کی کوشش کروگے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ پہلی قوم سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا پھر اور کون؟'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کے کچھ لوگ ہر برے اور خلاف شرع کام میں یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے اور بغیر سوچ سمجھے ان کی تقلید میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ غلیظ سے غلیظ کام میں بھی وہ ان منحوس و ملعون قوموں کے نقش قدم کو اپنائیں گے۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ 14 فروری کو یہ دن منانا ہمارے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس دن سے ہمارے دین کا کوئی

تعلق نہیں۔ جبکہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے پھر بھی ہم اس کو منائیں تو یہ ہماری بد بختی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک طرف ہم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کی باتیں کرتے ہیں اور عمل یہودیوں کے طور طریقوں پر کرتے ہیں۔ اسلام میں عورت کا نامحرم کو دیکھنا بھی منع ہے حتیٰ کہ کزنز سے پردے کا حکم ہے اور مرد کو حکم ہے کہ ایک نظر کے بعد دوبارہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھنا بھی گناہ ہے حضرت علیؓ) جبکہ آج کل ہماری نئی نسل اس بے ہودہ رسم کی پیروی کرتے ہوئے) ناواقفوں کو پھول اور کارڈ پیش کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پچھلے برسوں سے کتنے لوگ مارے جا چکے ہیں۔ آخر ہم مسلمان کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے ان فضول کاموں سے ہمارے مذہب کی کتنی بدنامی ہوتی ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے متعلق کیسی سوچ رکھتے ہونگے۔ ہمیں چاہیے کہ ناصرف خود بلکہ دوسروں لوگوں کو بھی اس غیر مسلم حرکت سے روکیں۔

ڈاکٹر فوزیہ کی دہائی، ن لیگ کی بے وفائی

اتوار کا دن ہو اور اوپر سے سردی، چھٹی منانے کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ حسب عادت چھٹی والے دن میں دس بجے کے قریب نیند سے بیدار ہوا اور اپنے موبائل کو آن (on) کیا۔ گڈ مورننگ (good morning) کے میسجز (messages) نے ان بکس (in box) کو بھرنا شروع کر دیا۔ میں نے ایس ایم ایس (sms) کو پڑھنا شروع کیا اور پھر ساتھ ساتھ ڈیلیٹ (delete) بھی کرنے لگا۔ ان ایس ایم ایس (sms) میں ایک میسج (message) پر آ کر میری انگلی رک گئی۔ میں نے ایس ایم ایس (sms) پڑھا اور پڑھنے کے بعد مجھ میں ڈیلیٹ (delete) کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

وہ ایس ایم ایس (sms) ڈاکٹر فوزیہ صدیقی (ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن) کا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ مارچ کا مہینہ آنے والا ہے اور مارچ 2003 سے مارچ 2014 تک ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی قید میں گیارہ سال ہو جائیں گے۔ ہماری عزت، آبرو اور وطن کی بیٹی کو ابھی تک آزادی نصیب نہیں ہوئی۔ مجھے تمھاری مدد اور حمایت کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ ایس ایم ایس (sms) پڑھ کر دلی دکھ ہوا۔ میں سوچنے لگا کہ جب مجھے یہ ٹیکسٹ (text) پڑھ کر دکھ ہوا ہے تو ڈاکٹر فوزیہ اور ان کے اہل خانہ کے دل پر کیا بیت رہی ہو گی۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی

کسی طرف سے کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی عنقریب ہو رہی ہے۔

پاکستان کی بیٹی جو اپنوں کی مہربانی سے پچھلے گیارہ سالوں سے امریکہ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے اور ایک ایسے جرم کی سزا پا رہی ہے جو اس سے سرزد بھی نہیں ہوا ۔ہماری غیرت تو دیکھو کہ ہم گیارہ سال سے خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں بس ایک دو بار میڈیا پر اس کے حق میں آواز اٹھا کر پھر سو جاتے ہیں۔جس نے رہائی دلانی ہوتی ہے وہ طوفان کی طرح آتے ہیں اور سب کچھ ساتھ اڑا کر لے جاتے ہیں۔امریکہ کا ریمنڈ ڈیوس جو ایک قاتل تھا اس کو امریکہ نے کیسے آزاد کرایا؟ ریمنڈ ڈیوس کا پاکستان کی عدالتوں میں چلنے والا مقدمہ منٹوں میں حل ہوا اور امریکہ طوفان کی طرح ریمنڈ ڈیوس کو اڑا کر اپنے ملک میں لے گیا۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن ڈاکٹر فوزیہ اپنی بہن کی رہائی کے لیے اس دن سے آج تک چین سے نہیں بیٹھیں۔ ملک کے طول و عرض میں ایک چینل سے دوسرے چینل ، ایک اخبار سے دوسرے اخبار اور ایک سیاسی اکائی سے دوسری اکائی تک کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ایک کمزور و بے بس خاتون نے ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے آواز بلند نہ کی ہو۔آج پھر نہ جانے اس نے اس حق کے ساتھ دینے کے لیے کتنے

کے ذریعے بیدار کیا ہوگا۔شاید جس طرح میرے دل (sms) لوگوں کو ایس ایم ایس پڑھ تکلیف پہنچی اسی طرح کسی اور کو بھی دکھ ہوا ہوگااور اس (message) کو یہ میسج نے بھی ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کی آواز میں آواز ملانے کے لیے اور اپنی بہن ،بیٹی کی رہائی کے لیے حکام بالا تک آواز پہچانے میں ڈاکٹر فوزیہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہو۔

اپوزیشن دور میں میاں نواز شریف برملا کہا کرتے تھے کہ میری حکومت آئی تو میں پاکستان کی بیٹی کو واپس لاؤں گا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میاں نواز کے اس نعرے پر عوام نے اپنی بیٹی ، بہن کی خاطر زیادہ ووٹ دیے ہوں۔ ن لیگ کی حکومت آنے کے بعد چوہدری نثار وزیر داخلہ سے ڈاکٹر فوزیہ صدیقی کی ملاقاتیں بھی ہوئی اور ایسا لگ رہا تھا کہ شاید جلد کوئی پیش رفت ہونے والی ہے مگر جب وزیر داخلہ کا یہ بیان سامنے آیا کہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے کمیٹی بنادی گئی ہے تو پھر سب سمجھ گئے کہ ’’کمیٹی بناؤ اور مٹی پاؤ‘‘ ایک ہی ہے۔

میاں صاحب جب امریکہ کے دورے پر گئے تو ہر کوئی سمجھ رہا تھا کہ وزیراعظم ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا کیس ضرور اٹھائیں گے مگر ان کا دورہ تو کسی اور مقصد کے لیے تھا۔عوام کو تو ابھی تک ایسی کوئی خوشخبری نہیں سنائی جس سے یہ تاثر ملتا ہو کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی ہونے والی ہے۔میاں صاحب ان باتوں کو

آپ سے زیادہ بہتر کون جانتا اور سمجھتا ہے۔ بس ایک فیصلہ لینے کی دیر ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنی مریم نواز جیسی بیٹی کو باعزت پاکستان لا کر اپنے کئے ہوئے وعدے کا پاس کرتے ہیں یا پھر ''وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا'' کے مترادف سب ایک جھوٹا ڈرامہ تھا۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے حکومت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی کوشش کرنی چاہیے جو امریکہ میں اپنا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ جن کا ایک قدم پاکستان میں اور دوسرا امریکہ میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی جب ایک عورت ہو کر اتنی محنت کر سکتی ہے تو کیا ہمارے مسلمان بھائیو میں طاقت نہیں کہ وہ اپنی عزت کو ذلیل و رسوا ہونے سے بچائیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے ہمارا ضمیر مردہ ہو چکا ہے کیونکہ وہ اگر بہن ہے تو ڈاکٹر فوزیہ کی ہماری نہیں، اگر ہم حقیقی بہن سمجھتے تو ہمارے دن کا سکون اور رات کی نیند اڑ چکی ہوتی۔ بھوک نام کی کوئی چیز ہمارے آس پاس نہ ہوتی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر رہوتا۔

میں اپنے اس آرٹیکل کے ذریعے میاں نواز شریف، صدر ممنون حسین اور دیگران لوگوں کو جن پہنچ اوبامہ تک ہے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کے لیے جلد سے جلد کوئی قدم اٹھائیں اور ان کی رہائی کے لیے جو ممکن ہو سکے وہ کر کے انہیں آزادی دلائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر

نہیں۔

بمبار مذاکرات

شاید مذاکرات پاکستان کو وراثت میں ملے ہیں کیونکہ قیام پاکستان سے آج تک ہم کسی نہ کسی سے مذاکرات کرتے چلے آرہے ہیں۔ کبھی انڈیا تو کبھی امریکہ سے مذاکرات کی آواز آرہی ہے۔ کبھی آئی ایم ایف سے تو کبھی ورلڈ بنک سے قرضے کے لیے۔ مذاکرات کا نتیجہ کچھ بھی نکلے مگر ہمارے حکمران ان مذاکرات کو مثبت سمجھنا شروع کردیتے ہیں۔انڈیا سے کشمیر کے معاملات پر کتنے مذاکرات ہوئے ؟ کیا ان میں پاکستان کی ایک بھی سنی گئی؟ آخر کسی بھی نتیجہ کے بغیر بات چیت ختم کی جاتی اور آخر میں بات چیت جاری رکھنے کا اعلان کردیا جاتا ہے۔اسی طرح آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے مذاکرات کے بعد اُن ہی کی بات مان لی جاتی ہے۔تو پھر ایسے مذاکرات کی کیا ضرورت ہے ؟ بس ان کا حکم سرآنکھوں رکھتے رہیں۔اب طالبان سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا مگر ان مذاکرات کا بھی وہی حشر ہوا جس کی امید تھی جو قیام پاکستان سے آج تک ہونے والے مذاکرات میں ہوتا چلا آرہا ہے۔

”لوگ تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ کوئی اندرخانے گیم چل رہی ہے“ ۔ ”نہیں حکومت نے فیصلہ کرلیا ہے کہ طالبان سے مذاکرات کریں گے“۔ ”اوہ نہیں یہ حکومت طالبان کی حمایت یافتہ ہے۔ حکومت طالبان سے خوف زدہ ہے۔ طالبان اور

حکومت ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں"۔ "یہ مذاکرات ایک ٹوپی ڈرامہ ہے
۔یہ وہ الفاظ ہیں جو ہم اکثر میڈیا پر سنتے آ رہے ہیں۔ اس سے پہلے اپنے کالم"
مذاکرات میں کالی رات نہ آئے" میں واضح الفاظ میں لکھ چکا تھا کہ کیا ہونے والا"
ہے۔ کیونکہ جب سے حکومت نے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا اس دن سے آج تک
ہمیں ایسی کوئی مثبت خبر نہیں ملی جس سے ایسا محسوس ہو کہ یہ مذاکرات سنجیدہ نوعیت
میں ہو رہے ہیں۔

پہلے دن سے ہی طالبان کمیٹی اور حکومتی کمیٹی اٹھکیلیاں کھیلنا شروع ہو گئیں تھیں۔ کبھی
ملاقات ہو رہی ہے تو کبھی نہیں ہو رہی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذاکرات میں یہ
دونوں کمیٹیاں سنجیدہ تھیں تو پھر ان کو اپنے بیانات میڈیا کی زینت بنانے کی کیا ضرورت
تھی۔ مگر جو کچھ ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ایک طرف مذاکرات کا ڈرامہ ہو رہا تھا تو
دوسری طرف دہشت گردی کی انتہا ہے۔اب تو فوجی جوانوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔
خودکش حملے کرنے والے سارے ملک میں دندناتے پھر رہے ہیں۔

آخر وہ دن آ گیا جس کا انتظار ان لوگوں کو تھا جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں کہ یہ
مذاکرات ایک ٹوپی ڈرامہ ہیں۔ وزیر دفاع کے بیان نے ساری الجھی گتھیاں سلجھا دیں
جب انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کی اجازت سے آرمی نے شمالی وزیرستان

میں آپریشن شروع کیا ہے۔ یہ خبر ہمارے لیے بریکنگ نیوز تھی مگر ہو سکتا ہے حکومتی لوگوں کے لیے نہ ہو۔

بہر حال حکومت کی طرف سے بظاہر کوشش کی گئی کہ مذاکرات کامیاب ہوں۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے فیصد مخلص ہو کر اس ڈگر پر چلے تھے مگر کچھ سیاسی جماعتوں اور تجزیہ نگاروں نے اس عمل کو بالکل پسند نہیں کیا بلکہ وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھا۔ حکومتی اور طالبان کی سطح پر تو کافی بیان داغے گئے کہ وہ مذاکرات کے حامی ہیں مگر شاید کسی تیسری طاقت کو یہ مذاکرات منظور نہیں تھے۔

مذاکرات جو ہونا تھے وہ ہو گئے مگر ابھی بھی بہت سے لوگ ان مذاکرات سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگ کا راستہ اپنانے کی بجائے ڈائیلاگ سے دہشت گردی کے مسئلے کو حل کرنا چاہیے۔ لیکن کچھ پاکستان کے نام نہاد خیر خواہ مذاکرات کی بجائے جنگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ کوئی ٹوئٹر پر تو کوئی ٹیلیفونک بیان پر ان مذاکرات کو سبوتاژ کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔

ملک کے تمام خیر خواہ اپنے اپنے انداز سے سوچتے ہوئے میڈیا کے ذریعے اپنے

دل کی آواز سنا دیتے ہیں مگر کبھی کسی نے عوام کے دل کی آواز سنی ہے۔اس دہشت گردی میں جتنا نقصان عوام کا ہوا ہے اتنا کسی اور کا نہیں۔ اگر جانیں ضائع ہوئی تو وہ غریب عوام کی اور اگر مالی نقصان پہنچا تو وہ بھی عوام کو۔حکومت کو جو بھی فیصلہ کرنا ہے وہ عوام کو مد نظر رکھ کر کرنا ہوگا۔ اگر حکومت سمجھتی ہے کہ ڈائیلاگ سے دہشت گردی پر قابو پایا جاسکتا ہے تو پھر ڈائیلاگ کو جاری رہنا چاہیے اور اگر طاقت کا استعمال کرنا ضروری ہے تو پھر اس کا بھی بھرپور استعمال کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری ملک دشمن طاقتیں ہمیں طالبان کے چکر میں الجھا کر اپنا الو سیدھا کرلیں۔ ہماری فوج طالبان سے لڑتی رہے اور دوسری طرف اندرخانے ہمارے ملک میں امریکہ اور بھارتی بنئے اپنا کام کرتے رہیں۔

افغانستان، بنگلہ دیش تو پہلے ہی بھارت نواز ہیں اور ایران کے حالیہ بیان نے بھی ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستان کی دشمنی میں بھارت اور امریکہ ہمارے ہمسایہ اسلامی ممالک کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرلے۔ وزیراعظم پاکستان کو فوج کو طالبان کے خلاف استعمال کرنے سے پہلے چاروں طرف نظر دوڑانا ہوگی کہ کہیں جلد بازی میں غلط فیصلہ نہ ہوجائے۔ دہشت گردی ہمارے ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے مگر اس دیمک کو ختم کرنے کے لیے بھی وہ دوائی استعمال کی جائے جس سے یہ دیمک دوبارہ جنم نہ لیں۔

پارلیمنٹ لاجز یا مے خانے

نشہ ایک لعنت ہے۔ یہ انسان کو اس قدر بے حس اور ظالم بنا دیتا ہے کہ اس کی لت میں مبتلا۔ انسان اچھے اور برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے نہ صرف یہ بلکہ نشے کی لت سے مجبور آدمی اپنی زندگی تک کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ نشہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ نشہ صرف شراب کا نہیں ہوتا بلکہ نشہ چرس پینے سے، افیون کھانے سے، پوڈر کے استعمال سے، بھنگ پینے اور کئی چیزوں یا دواؤں وغیرہ کے استعمال سے بھی ہوتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اسلام ہمارا مذہب ہے۔ اسلام نے ہر نشہ آوور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔

پاکستان کی قومی اسمبلی کا اجلاس جمعرات کو اپنے معمول کے مطابق چل رہا تھا کہ اچانک جمشید دستی نکتہ اعتراض پر کھڑے ہوئے اور کہا ''جناب سپیکر میں ایک اہم معاملے پر آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہوں''۔ آزاد رکن قومی اسمبلی جمشید دستی نے ارکان پارلیمنٹ پر غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزامات عائد کرکے ہلچل مچا دی۔ انھوں نے کہا کہ '' پارلیمنٹ لاجز میں داخل ہوں تو وہاں سے چرس کی بدبو آتی ہے اس کے علاوہ ارکانِ پارلیمان کے کمروں میں شراب بھی لائی جاتی ہے''۔ جمشید دستی کا یہ کہنا ہی تھا کہ ہال سے

باہر جانے والے ارکانِ پارلیمان واپس اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے اور ان کی باتیں انہماک سے سننے لگے۔

جمشید دستی نے یہ بھی بتا دیا کہ پارلیمنٹ لاجز میں چار سے پانچ کروڑ روپے کی سالانہ شراب لائی جاتی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ارکانِ پارلیمان کے کمروں میں مجرے بھی ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سو سے زائد ارکان غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔اس دوران چیئرپرسن نعیمہ کشور نے ان کا مائیک بند کرتے ہوئے کہا کہ جمشید دستی معاملہ سپیکر کے چیمبر میں آ کر بتائیں اور ثبوت دیں۔ سپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق نے جمشید دستی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی ثبوت ہیں تو وہ پیش کریں اور اگر اس میں کوئی ملوث پایا گیا تو اُس کے خلاف کارروائی کی جائے گی، چاہے اُس کا تعلق حکومتی بینچوں سے ہی کیوں نہ ہو۔لیکن اگر وہ اس الزام کو ثابت نہ کر سکے تو پھر ان کے خلاف کارروائی کا فیصلہ ایوان ہی کرے گا۔تاہم جمشید دستی اپنے اس دعوے پر قائم تھے کہ اُن کے پاس پارلیمنٹ لاجز میں ہونے والے مجرے کی ویڈیو بھی موجود ہے۔

یہ وہ بیان تھا جس نے پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ عوام میں بھی ہلچل مچا دی۔اس بیان کے بعد میڈیا سے لیکر عوام تک سب نا صرف حیران و پریشان ہوئے بلکہ انہیں

اپنے قانون بنانے والوں کے کردار پر شرمندگی بھی ہو رہی ہے۔ یہ تو اب پارلیمانی لاجز میں رہنے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ جمشید دستی کی بات حقیقت پر مبنی ہے یا پھر ایک جھوٹا الزام ۔جہاں تک دیگر ارکان اسمبلی کا تعلق ہے تو اس میں چند لوگوں نے اس بیان کی حمایت کی اور چند ایک لاعلم رہے جبکہ بہت سے ارکان اسمبلی نے اس کو جھوٹا الزام کہا ۔سینیٹر طلحہ محمود، نبیل گبول، رشید گوڈیل اور شاہی سید سمیت دیگر ارکان پارلیمنٹ نے جمشید دستی کے ان الزامات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ پارلیمنٹ لاجز رہنے کے قابل نہیں رہا کیونکہ یہاں پر ایسی سرگرمیاں ہو رہی ہیں جو انتہائی غیر اخلاقی ہیں۔۔ نبیل گبول کے تو یہاں کہہ دیا کہ انہوں نے اسی وجہ سے وہاں سے اپنی رہائش تبدیل کرنے کی بھی درخواست کی تھی انہوں نے کہا کہ متعدد بار پارلیمنٹ لاجز میں غیر متعلقہ افراد کو دیکھا گیا جن میں نوجوان خواتین بھی شامل تھیں ان کے اراکین پارلیمنٹ سے مراسم ہیں۔

اس الزام کے بعد سوال یہ اٹھتے ہیں کہ جمشید دستی جو اتنے عرصے سے ممبر قومی اسمبلی چلے آرہے ہیں انہوں نے یہ آواز پی پی کے دور میں کیوں نہیں اٹھائی؟ کیا اس دور میں ایسی حرکات نہیں ہو رہی تھیں؟ کیا یہ کام اب ن لیگ کے دور میں شروع ہوا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سستی شہرت پانے کے لیے یہ الزام عائد کیا گیا ہے؟ کہیں طالبان کو تواشارہ نہیں دیا کہ ہمارے آئین کے رکھوالے خود

آئین کے منافی کام میں ملوث ہیں؟اگر یہ الزام سچ ثابت ہوتے ہیں تو پھر سپیکر ایاز صادق کو فوراً ایسے ارکان اسمبلی کو تمام عمر کے لیے نااہل قرار دینا چاہیے جو آرٹیکل 62,63 پر پورا نہیں اترتے۔

افسوس والی بات یہ بھی ہے کہ کیا پاکستان کی عزت خاک میں اڑانے والے کام یہ پارلیمنٹ میں آنے والے لوگ ہی کرتے ہیں۔ پہلے ان لوگوں نے جعلی ڈگری کے چیکر میں پاکستان کو پوری دنیا میں رسوا کیااور اب شراب ، کباب میں ہمارے وطن کی رسوائی کروارہے ہیں۔ ایک طرف عوام ورلڈ ریکارڈ قائم کرکے دنیا میں اپنے ملک پاکستان کا نام روشن کررہے ہیں تو دوسری طرف کچھ ارکان اسمبلی پاکستان کا نام بدنام کرنے میں ریکارڈ قائم کررہے ہیں۔

اب یہ وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر داخلہ چوہدری نثار کا بھی کڑاامتحان ہے کہ وہ اس بارے میں کیاایکشن لیتے ہیں یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ ہمارے ارکان اسمبلی شراب،کباب اور شباب کے رسیاہیں اورانہیں مال فراہم کرنے میں اسلام آباد کے ٹاپ کلاس دلال پیش پیش ہیں ۔اس میں وفاقی پولیس کا بھی کردار گھناؤنا ہے۔انہیں قانون کے رکھوالوں کو قانون اس وقت یاد آتا ہے جب وہ کسی عام شہری کو یہ بے غیرتی کرتے دیکھتے ہیں مگرارکان اسمبلی کو تحفظ قانون کی چھتری فراہم کرتے ہیں۔صرف پاکستانی غیرت مند قوم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی

ان انکشافات پر پاکستانی ارکان پارلیمنٹ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔طالبان کے لئے بھی یہ ایشو بہت اہم ثابت ہوگا۔

عوام وزیراعظم نواز شریف سے امید کرتی ہے کہ وہ اس معاملے کو سنجیدگی کے ساتھ حل کریں اور ایسے لوگوں کے خلاف بھرپور اقدامات اٹھائیں اور پاکستان کو مزید رسوا ہونے سے بچائیں۔ اگر ان الزامات میں صداقت ہے تو اس کی صحت کے لئے تمام ارکان اسمبلی اور سینیٹرز کا مفصل میڈیکل چیک اپ کرایا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکے اور اگر یہ الزام جھوٹا ثابت ہو تو پھر جمشید دستی اور انکا ساتھ دینے والوں کو بھی عبرت ناک سزا دینا ہوگی تاکہ دوبارہ کوئی ایسی گھناؤنا الزام نہ لگائے۔ اللہ پاکستان کو اپنی امان میں رکھے اور دشمنوں کی بدنظر سے بچائے۔آمین

خان لالا نے لالا کردی

کرکٹ دنیا کا مشہور ترین کھیل ہے۔ براعظم ایشیا کو اعزاز حاصل ہے کہ ساتوں براعظم میں سب سے زیادہ کرکٹ کھیلنے والے ممالک ایشیا میں ہیں۔ سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان وہ ممالک ہیں جو ایشیا کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ 2014 میں افغانستان کو بھی ایشیا کپ میں نمائندگی کرنے کا حق دے دیا گیا ہے۔

ایشیا کپ سے پہلے بگ تھری نے کرکٹ کی دنیا میں ہلچل مچا دی اور اس ہلچل میں پاکستان کرکٹ کی دنیا میں تنہا ہو گیا تھا۔ اب جب 2014 کا ایشیا کپ شروع ہوا تو پاکستان کی ٹیم کا مقابلہ بگ تھری کے باس اور اسکے پٹھوؤں سے تھا۔ پاکستان کا ابتدائی میچ سری لنکا سے تھا جو پاکستان ہار گیا۔ اس کے بعد پاکستان کا اگلا میچ بگ تھری کے باس سے تھا جو اپنے نشے میں مست ہاتھی کی طرح تھا۔ یہ میچ انڈیا سے ہی نہیں بلکہ ایمپائروں سے بھی تھا جو اپنی ناقص ایمپائرنگ سے انڈیا کا فائدہ دے رہے تھے۔ اس اعصاب شکن میچ میں عوام کے دلوں کی دھڑکن کبھی کم اور کبھی تیز ہوتی رہی ہے۔

بظاہر یہ میچ پاکستان جیت رہا تھا پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ میچ پاکستان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ انڈیا ویسے تو اپنے ملک سے باہر کھیل رہا تھا مگر محسوس ایسا ہو رہا تھا جیسے اپنی ہی سرزمین پر کھیل رہا ہے۔ میچ کا آخری آوور اور آخری وکٹ پر دس رنز بنانا

ناممکن تونہیں مگر مشکل ضرور تھا۔ اس وقت ایک ایسا پلئیر وکٹ پر موجود تھا جو کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اس نے صرف دو گیندوں پر دس رنز بنا کر بھارت کی جیت کو پاکستان کے قدموں میں ڈال دیا۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ اس کھلاڑی نے یہ کام کرکے کے دکھایا ہے۔ یہ تو اکثر ایسی اننگز کھیلنے کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نام تیز ترین اننگز کھیلنے کے کئی ریکارڈ ہیں۔ قوم جس کی پٹھان ہو وہ کیسے اپنے دشمن کو معاف کرسکتا ہے۔ میرا خیال ہے اب تو ہر بندہ یہ سمجھ گیا ہوگا کہ میں کس کا ذکر کر رہا ہوں۔ جی شاہد آفریدی کا نام دنیاکے بہترین آل راؤنڈرز میں شمار ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام صاحبزادہ محمد شاہد خان آفریدی ہے۔آفریدی یکم مارچ 1980 میں کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ 1996 میں کرکٹ کی دنیا میں قدم رکھنے والے آفریدی بوم بوم آفریدی کے نام سے دنیا بھر میں پہچانے جاتے ہیں۔ ان کو اس نام کا اعزاز بھارت کے معروف کرکٹر اور کمنٹیٹر راوی شاستری نے بخشا۔

آفریدی اپنی جارحانہ بلے بازی کی بدولت پوری دنیا میں پہچانے جاتے ہیں اور اسی بدولت سب سے زیادہ چھکوں کا اور سب سے بہترین اسٹرائیک ریٹ کا ریکارڈ اپنے نام کر چکے ہیں۔ شاہد آفریدی نے کرکٹ میں قدم اکتوبر 1996 میں صرف سولہ سال کی عمر میں رکھا جب ان کو مشتاق احمد کی جگہ لیگ اسپنر کے طور پر کھلایا گیا اور جلد ہی اپنی تیز بلے بازی کی وجہ سے دنیا میں جانے لگے۔

انہوں نے اپنی پہلی ہی اننگز میں ایک روزہ کرکٹ کی تیز ترین سنچری بنا ڈالی جب انہوں نے 4 اکتوبر، 1996 میں سری لنکا کے خلاف صرف 37 گیندوں کی مدد سے 102 رنز بنائے۔ یہ ریکارڈ اب قائم نہیں ہے۔

شاہد خان آفریدی بزرگ، جوان، بچوں اور خاص طور پر لڑکیوں کے دل کی دھڑکن ہیں۔آفریدی نے جو اننگز انڈیا کے خلاف کھیلی وہ مدتوں یاد رکھی جائے گی کیونکہ وہ انڈیا جو کرکٹ کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتا ہے اس کو منہ کے بل گرانے میں اہم کردار آفریدی کا ہے۔ابھی پاکستانیوں کے منہ سے پاک بھارت کے میچ کا تذکرہ ختم نہیں ہوا تھا کہ آفریدی نے پاک بھارت میچ کے ایک دن بعد ایک اور ایسا کارنامہ انجام دے دیا کہ لوگ پاک بھارت کے میچ کو بھول گئے۔ پاکستان کا ایشیا کپ کے راؤنڈ میچ میں آخری میچ بنگلہ دیش سے تھا۔ ہوم گراؤنڈ اور ہوم کراؤڈ کا فائدہ لیکر بنگلہ دیش کی ٹیم میدان میں اتری۔ بنگال کے جادوگروں نے پاکستان کے باؤلرز پر ایسا جادو کیا کہ جو باؤلرز دنیا کے بڑے بڑے بیٹسمینوں کو رنز نہیں بنانے دیتے تھے وہ بنگلہ دیشی بیٹسمینوں کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ میرپور کے سٹیڈیم میں بنگالی ٹائیگروں نے 326 رنز کا پہاڑ کھڑا کردیا۔ جس پر تمام تبصرہ نگاروں کا کہنا تھا کہ پاکستان یہ میچ نہیں جیت سکتا۔ شروع میں تو ایسا محسوس ہوا کہ پاکستان واقعی یہ میچ نہیں جیتے گا کیونکہ پاکستانی بیٹسمینوں کا حسب عادت آنا جانا

لگا رہا مگر احمد شہزاد اور فواد عالم نے وکٹ روک کر پاکستان کی بری شکست کو قدرے بہتر انداز کی شکست کے قابل بنا دیا تھا۔

پھر وہ وقت آیا جس کا ہر پاکستانی کو شدت سے انتظار تھا جب شاہد خان آفریدی کو بیٹنگ کے لیے بھیجا گیا اس وقت کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ پاکستان یہ میچ جیت جائے گا۔ تقریباً ہر گیند پر دو رنز درکار تھے یعنی 49 گیندوں پر 90 سے زائد رنز درکار تھے۔ بنگالی عوام اپنی جیت کا جشن منانے کے لیے تیار ہو رہی تھی مگر انہیں کیا معلوم سر پھرا پٹھان کون سی نسوار منہ میں رکھ کر آیا ہے۔ پہلی گیند کھیلتے ہی آفریدی نے اپنے عزائم دکھا دیے اور پھر اس نے ثابت کر دیا کہ پٹھان دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی کیسے نبھاتا ہے۔ آفریدی نے گراؤنڈ کے چاروں طرف وہ شاندار اسٹروکس کھیلے کہ ناقدین کے منہ بند کر ہو گئے۔ آفریدی کو ذرا ترس نہ آیا کہ بنگالی بچیاں کیسے رو رہی ہیں اور وہ انکی عزت خاک میں ملا کر چلتا بنا۔

دونوں کی میچوں کی مشترک بات کہ دونوں پاکستان کے دوست نما دشمن ممالک ہیں ۔ جنھوں نے ہمیشہ پاکستان کو نیچا دکھانا کے کوشش کی۔ پھر ان دونوں ممالک کا ساتھ ایمپائروں کا بہت زیادہ دیا۔ بنگلہ دیش کے میچ میں ایمپائروں نے جب آفریدی ان فٹ ہو گیا تو رنز نہ دیکر ثابت کر دیا کہ وہ جانبداری دکھا رہے ہیں مگر آفریدی نے بنگال کے جادو، ایمپائر کے سہارے اور تبصرے نگاروں کے تبصرو

کو روندتے ہوئے شکست کو پاکستان کی فتح میں بدل دیا اور پاکستان کی عوام کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ خان لالا نے دشمنوں کی لالا کرا دی۔

خواتین کا عالمی دن اور بچاری عافیہ

انسان کی ابتدا ایک مرد اور عورت سے ہوئی ''یعنی حضرت آدمؑ اور اماں ہوا'' یوں عورت روز اول سے ہے اور اس کو صنف نازک کا نام ملا۔ صنف نازک ہونے کے باوجود عورت کا ظرف سمندر سے بھی زیادہ ہے۔ عورت بڑی سے بڑی مشکل کا سامنا صبر و تحمل سے کرتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورت کا دائرہ کار صرف گھر تک محدود تھا۔ بیوی کا مقام ایک غلام سے زیادہ نہ تھا۔ عورت کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی ۔ الغرض عورت انسانیت کے درجے سے بھی بہت دور تھی۔ پھر اسی تاریک دور میں اسلام روشنی کی کرن بن کر آیا اور عورت کو معاشرے میں ہر لحاظ سے باعزت مقام دیا۔

سب سے پہلے عورت کو ماں کے روپ میں بلند ترین درجہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کی قدر بہت زیادہ دی ہے کیونکہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ اس کے بعد بہن اور بیٹی کا مقدس رشتہ بنا کر ایک اعلیٰ مرتبہ دیا۔ بیٹی کو باعث رحمت قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور لڑکیوں کا گھر میں ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ اسلام میں ایک واقعہ یوں ہے کہ ''ایک آدمی حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا اور رونے لگا تو رسول

اکرم ﷺ کے پوچھنے پر اس آدمی نے بتایا یارسول اللہ ﷺ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ایسا بھی کیا ہوا؟ تو اس آدمی نے کہا میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جو معافی کے قابل نہیں۔ پھر بتایا کہ میرے گھر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور اب وہ پانچ سال کی ہوگئی۔ ایک دن باہر کھیل رہی تھی تو لوگوں نے مجھ سے کہا تو کیسا بے غیرت ہے کہ بیٹی کو رکھا ہوا ہے۔ جس سے مجھے بہت غصہ آیا اور میں اپنی بیٹی کو لیکر جنگل میں چلا گیا۔ راستے میں ننھی سے بچی نے مجھ سے پوچھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ جب میں جنگل میں پہنچ گیا تو میں نے ایک گڑھا کھودا۔ جب میں گڑھے سے مٹی نکال رہا تھا تو مٹی میرے کپڑوں پر گر گئی تو وہ میرے کپڑے اپنے ننھے ہاتھوں سے صاف کرنے لگی اور میرا پسینہ بھی صاف کرتی رہی مگر مجھے اس پر رحم نہیں آیا اور میں نے بچی کو گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی ڈالنا شروع کردی۔ بچی چلاتی رہی، روتی رہی مگر پھر بھی میرے دل میں رحم نہیں آیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بدنصیب شخص تو یہاں سے چلا جا کیونکہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس جدید دور میں بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب بھی بہت سے لوگ لڑکیوں کو باعث شرم سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کا ہونا احساس کمتری اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیا

یہ ہے ہمارے اسلام کی تعلیم جو ہمیں اور ہماری سوچ کو بھی نہیں بدل سکتی؟ بہت سے لوگ بیٹیوں کو رحمت کی بجائے زحمت سمجھتے ہیں۔

عورت کی مثال موم بتی کی سی ہے جو خود تو جلتی ہے مگر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ بیوی کے روپ میں چراغ خانہ ہے جو کہ پورے گھر کو روشن رکھتی ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہمارے ضمیر اتنے بے حس ہوگئے ہیں کہ ہماری تہذیب عورت کو صرف نام کے حقوق دیے جا رہے ہیں۔ ''عورت کے حقوق ''ایک عام سے جملہ ہے۔اگر کسی بھی شخص یا حکمران کو عورت کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اسی جملے پر گھنٹوں تقریر کر دیتے ہیں مگر عملی طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

آج عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق عورت کے دماغ کا وزن 44اونس ہے جبکہ مرد کا 46اونس ہے۔ جس کی وجہ سے مرد قدرتی طور پر ذہین زیادہ ہیں اس کے باوجود عورت ہر شعبہ زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرتی ہے۔ استاد بن کر قوم کی رہنمائی کرتی ہے اور کبھی سائنسی تجربے میں رہنمائی کرتی ہے۔یوں تعلیمی میدان میں بھی آگے ہے مگر اس جدید دور میں بھی کچھ گاؤں اور دیہات کے لوگوں میں عورت کی پڑھائی کو معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ ہمارے دین میں

تعلیم کے بارے میں یہ ہے "علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے" جب اسلام نے عورت کو حق تعلیم دیا ہے تو ہمارا معاشرہ کیوں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں تعلیم سے محروم ہیں۔

آج جب پوری دنیا میں خواتین کے عالمی دن پر خواتین کے حقوق کے لیے آوازیں اٹھائی جارہی ہیں۔ کہیں پر ریلیاں نکالی جارہی ہیں تو کہیں پر سیمینار منعقد ہورہے ہیں مگر ہم لوگ اپنی ایک بہن ، بیٹی کوامریکہ کی قید میں ڈال کر کیوں بھولے گئے ہیں۔ کیا آج کے دن پاکستان کے حکمران اپنی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا مقدمہ بھی اٹھائے گی؟ کیا آج کے تمام سیمینار اور ریلیاں منعقد کرانے والے عہد کریں کے ہم اپنی بہن کو امریکی چنگل سے آزاد کرائیں گے۔

پاکستان کی بیٹی جو اپنوں کی مہربانی سے پچھلے گیارہ سالوں سے امریکہ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے اور ایک ایسے جرم کی سزا پارہی ہے جو اس سے سرزد بھی نہیں ہوا ۔ہماری غیرت تو دیکھو کہ ہم گیارہ سال سے خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہے ہیں بس ایک دو بار میڈیا پر اس کے حق میں آواز اٹھا کر پھر سوجاتے ہیں۔ جس نے رہائی دلانی ہوتی ہے وہ طوفان کی طرح آتے ہیں اور سب کچھ ساتھ اڑا کر لے جاتے ہیں۔ امریکہ کا ریمنڈ ڈیوس جو ایک قاتل تھا اس کو امریکہ

نے کیسے آزاد کرایا؟ ریمنڈ ڈیوس کا پاکستان کی عدالتوں میں چلنے والا مقدمہ منٹوں میں حل ہوا اور امریکہ طوفان کی طرح ریمنڈ ڈیوس کو اڑا کر اپنے ملک میں لے گیا۔

آج جب پوری دنیا میں خواتین کے حقوق کی باتیں ہو رہی ہیں تو پھر امت مسلمہ بالخصوص مسلم ممالک اور ان سب سے بڑھ کر ہمارے حکمران، اپوزیشن ارکان، این جی اوز اور دنیا کے چوتھے ستون صحافی برادری سے التماس ہے کہ آپ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی تک خاموش نہ بیٹھیں۔ ڈاکٹر عافیہ پاکستان کی نہیں بلکہ امت مسلمہ کی بیٹی ہے اور اسکی آزادی اسکا حق ہے جو ہم سب کو ملکر دلانا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری بہن کو جلد از جلد رہائی دلائے۔ آمین

تھر میں موت کا رقص

غربت وافلاس انتہائی تکلیف دہ اور مصیبت ترین سماجی مشکل ہے جو ہمیشہ انسانی معاشرے کے دامن گیر رہی ہے۔ مسلسل کی جانے والی جد جہد اور مختلف کوششوں کے باوجود یہ سماجی اور اقتصادی مشکل حل نہیں ہو سکی اور اس کا خاتمہ نہیں کیا جاسکا۔ عالمی ادارہ صحت کی نظر میں غربت مہلک ترین بیماری ہے، کیونکہ انسان کو ہر بیماری سے زیادہ غذائی کمی سے دوچار کردیتی ہے،.برائی پیدا کرتی ہے اور لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ ہر روز صبح کو ایک ارب سے زیادہ افراد سو کر اٹھتے ہیں تو انھیں اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے اور رات کو سوتے ہیں تو زندگی کے کم سے کم امکانات سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ ایک ارب افراد اس المیے کو اس کی تمام تر نگرانی کے ساتھ لمس کرتے ہیں۔ معمولی کھانا کھا کر سوجاتے ہیں اور اس دردناک مصیبت کو محسوس کرتے ہیں ۔مناسب غذا ہر انسان کی جسمانی توانائی، سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں کے لئے ایک اہم ضرورت ہے اور زندگی کی ابتدائی ضروریات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

حالیہ.برسوں میں عالمی سطح پر غذائی اشیاء کی قیمتوں میں اچھاسا خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔ رواں سال میں گذشتہ.برس کے مقابلے میں قیمتیں کافی.بڑھ گئی ہیں جس کے متعدد اسباب بتائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے غیر مناسب آب وہوا، غلط

پالیسیوں اور برآمدات کی راہ میں پیدا کی جانے والی رکاوٹوں کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ افراد جو غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی یا کم آمدنی والے ممالک میں متوسط زندگی بسر کرتے ہیں انھیں سب سے زیادہ نقصان پہنچے گا۔دنیا بھر میں بھوک اور افلاس کے باعث روزانہ 8 میں سے ایک شخص ہلاک ہو رہا ہے اور خوراک کی کمی اور بھوک جیسے مسائل میں جنوبی ایشیا اور افریقہ اس وقت سر فہرست ہے۔

صحرائے تھر میں غذائی قلت نے درجنوں بچوں کی جان لے لی۔ سب کچھ پہلے سے پتہ ہونے کے باوجود کسی نے کچھ نہ کیا۔ ووٹ لینے والے تو نہ جاگے لیکن ووٹ دینے والے ابدی نیند سو گئے۔ بھوک اور افلاس کے مارے لوگ اب کس کی جانب دیکھیں؟ان جگر گوشوں کی جدائی کی وجوہات دنوں یا ہفتوں میں پیدا نہیں ہوئی۔بلکہ برسوں سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے والوں کے لئے مسائل وہی پرانے رہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں لیکن ان کے دل نہ بدلے۔نہ ماضی میں کچھ ہوا اور نہ ہی حال میں کچھ حال بدلا ہے۔ چند ماہ میں سیکڑوں بچے موت کے منہ میں جا پہنچے۔ اسکی وجہ بھوک، پیاس، خوراک کی قلت وقحط سالی، بیمار اور کمزور حاملہ خواتین کے ہاں لاغر بچوں کی پیدائش۔ ،بیماری میں مبتلا بچوں کی اسپتال منتقلی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لمبا سفر

راستے کی مشکلات، طبّی سہولتوں کا فقدان اور اوپر سے غربت نے وہاں کے لوگوں کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ حکومت اور متعلقہ اداروں کی غفلت اور لاپرواہی بھی ان ہلاکتوں کی سب سے بڑی وجہ بنی ہے۔ پنجاب فیسٹیول اور سندھ فیسٹیول کے نام پر ثقافت کا جشن منانے اور کروڑوں روپے اڑانے والی صوبائی حکومتوں کو بھوک سے بلکتے بچوں کی صدائیں نہ سنائی دیں اور نہ ہی ماؤوں کے آنسو ان تک پہنچے۔ ہمارے حکمرانوں کو اپنی چمچماتی گاڑیوں، محلوں اور دفتروں میں رہتے ہوئے غربت میں پسی عوام کی بھوک اور پیاس کا احساس تک نہ ہوا۔

حکومت نے ورلڈ ریکارڈ بنانے کے چکر میں کروڑوں روپے ضائع کر دیے مگر تھر کے علاقے میں بھوک اور پیاس سے مرنے والوں کے لیے دو آنے بھی خرچ نہیں کیے۔ کیا ورلڈ ریکارڈ بنانے سے پاکستان کی غربت کم ہو سکتی ہے؟ کیا تھر میں مرنے والے زندہ ہو سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں کیونکہ کوئی بھی انسان اس بات سے اتفاق نہیں کرے گا کہ پاکستان میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ جس وطن کے حکمران سندھ پنجاب فیسٹیول کے نام پر اربوں کھربوں روپے ناجائز کام میں خرچ کر سکتے ہیں اس وطن کے باسی بھوک سے کیسے مر سکتے ہیں؟

کوئی ہمارے حکمرانوں سے پوچھے کہ کہیں بھوک سے مرنے والوں میں بھی ورلڈ

ریکارڈ قائم کرنے کا منصوبہ تو نہیں ان کا؟ تھر میں یہ سلسلہ کب سے جاری ہے مگر افسوس صد افسوس کہ آج تک ہمارے حکمرانوں نے اس مسئلے پر کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا۔ یا تو چولستان کا علاقہ پاکستان میں نہیں یا پھر پاکستان کے حکمرانوں کو چولستان سے کوئی غرض نہیں۔

اے وقت کے حاکمو! کچھ تو سوچیۓ کہ پاکستان کی عوام کن مصائب سے دوچار ہے۔ بجلی، گیس اور بے روزگاری کا مسئلہ تو حل ہوا نہیں اوپر سے مہنگائی کا عذاب مسلط کر دیا۔ ورلڈ ریکارڈوں کو چھوڑیے پہلے عوام کا سوچیۓ۔ جب ہمارے ملک کی عوام خوشحال ہو گی تو ہر ریکارڈ پاکستان کی جھولی میں ہوگا۔ لوگوں نے زرداری حکومت سے جان اس لیے چھوڑائی تھی کہ نئے آنے والے حکمران ہمارے ہمدرد بنے گے لیکن انہیں کیا معلوم کہ آنے والا وقت ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اب بھی حکمرانوں کے پاس وقت ہے کہ وہ چولستان کے متعلق سوچیں۔ کیا ہر بار اسی طرح بھوک و افلاس سے موت کا رقص ہوتا رہے گا اور ہم تماشا دیکھتے رہیں گے؟

ڈرامہ کب ختم ہوگا؟

ایک محفل میں کسی دوست نے کہا کہ یہ ڈرامہ کب ختم ہوگا؟میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔تب وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ آپ اور آپ جیسے تجزیہ نگار کیا بتا سکتے ہیں کہ یہ ڈرامہ کب ختم ہوگا ؟ میں نے اس سے پوچھا کہ کون سا ڈرامہ بھائی ؟ اس نے جواب دیا یہ جو آج کل پاکستان میں چل رہے ہیں ۔ میں نے کہا کہ آپ اس لوکل ''پاک ٹی ہاؤس'' میں کھل کر وضاحت کریں کہ جناب کا اشارہ کس طرف ہے ؟ جواباًاس نے خاص طور پر دو باتوں کاذکر کیا۔ایک طالبان مذاکرات کا اور دوسرے شیخ رشید کا۔

بقول اس شخص کے ''سنا ہے حکومت طالبان سے مذاکرات کر رہی ہے اور ہمارے حکمران عوام کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملک میں جو دہشت گردی ہو رہی ہے وہ طالبان کر رہے ہیں اگر ان سے مذاکرات کامیاب ہو جائیں گے تو دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ کیا کہ طالبان سے ابھی مذاکرات ہو رہے ہیں اور دھماکے پھر بھی ختم نہیں ہو رہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو دھماکے اب ہو رہے ہیں ان دھماکوں سے طالبان لاتعلقی کا اعلان کر چکے ہیں۔ طالبان سے مذاکرات کامیاب

ہونے کا کسی کو کوئی علم نہیں ۔ کوئی دوسرا گروپ دہشت گردی کرنے میدان میں اتر آیا ہے ۔ پھر کل کو ہم طالبان کو چھوڑ کر اس دوسرے گروپ سے مذاکرات کریں گے ۔ اس کے بعد پھر کوئی تیسرا گروپ سامنے آ جائے گا ۔ حکومت مذاکرات کے چکر میں رہے گی اور مظلوم عوام اسی طرح اپنی جانوں سے ہاتھ دھوتی رہے گی ۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے آواز بلند کرنے والے کسی بھی مسلک کے مسلمان مساجد، امام بارگاہ، اجتماعات اور ایسی دوسری جگہوں پر تو دھماکے کرتے ہیں لیکن وہ جگہ جن کے غلط اور غیر اسلامی ہونے پر تمام مسالک متفق ہیں مثلاً رقص و سرود کی محافل، شراب خانے اور اس قسم کی بے ہودہ غل غپاڑے والی جگہوں پر کوئی حرکت نہیں ہوتی ۔"

پھر اس نے دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں الیکٹرانک میڈیا کی بھر مار ہے اور یہ ٹاک شو کرنے والے اپنے پروگرامز میں سب سے زیادہ شیخ رشید صاحب کو مدعو کرتے ہیں کیونکہ وہ کافی دلچسپ باتیں کرتے ہیں ۔ پچھلے دنوں انہوں نے ایک نجی چینل کے لائیو پروگرام میں بڑے بلند و بانگ دعوے سے کہا تھا کہ اگر ڈالر 100 سے کم ہو گیا تو وہ قومی اسمبلی سے استعفیٰ دے دیں گے ۔ عوام کا اب یہ جائز سوال ہے کہ ڈالر کی قیمت سو سے کم ہو گئی ہے تو شیخ صاحب وعدے کے مطابق اپنی سیٹ چھوڑ دیں ۔ مگر ایسا ابھی تک نہیں ہوا ۔ کیا پاکستان کے اکثر سیاستدانوں نے جھوٹ بولنے میں پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے؟

اس کے پہلے سوال کا جواب تو یہ تھا کہ طالبان سے مذاکرات بہت اہم ہیں کیونکہ غیر اسلامی و غیر ملکی طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنا فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔ ساری قوم نے دیکھ لیا کہ جب طالبان نے پر امن رہنے کا اعلان کر دیا تو پھر اب وہ کون سے عناصر ہیں جو ملک میں دہشت گردی کر رہے ہیں؟ کوئی بھی محب وطن شہری نہیں چاہتا کہ اس کے ملک کا امن وامان تباہ ہو جب کہ مسلمان کبھی بھی اپنے کسی بھائی کا ناجائز خون نہیں بہائے گا کیوں کہ اس کو پتہ ہے کہ اسلام کسی ایک شخص کے ناجائز قتل کو پوری انسانیت کا قتل کہتا ہے۔ حکومت کا یہ بہت اچھا فیصلہ ہے کہ طالبان سے مذاکرات کر رہی ہے۔اس طرح ساری عوام کو پتا چل جائے گا کہ دہشت گردی طالبان کر رہے تھے یا پھر کوئی اور؟ یہ سب غیر ملکی قوتوں کی ایک سازش ہے کہ اسلام کو بدنام کیا جائے۔ ویسے بھی عوام کو امن چاہیے خواہ وہ ڈائیلاگ سے ہو یا پھر آپریشن سے۔

رہا دوسرا سوال تو شیخ رشید صاحب نے جذبات میں آ کر ایسا فلمی ڈائیلاگ بول دیا یا پھر انہیں بھی خادم اعلیٰ پنجاب کی طرح بڑھکیں مارنے کا شوق چڑھا ہو گا۔ خادم اعلیٰ بھی تو جلسوں میں کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری حکومت آئی تو دیکھنا ہم آصف زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹیں گے۔کیا آپ سب نے نہیں دیکھا کہ میاں صاحبان نے آصف زرداری کو کس طرح سڑکوں پر گھسیٹا ہے۔حال ہی میں دونوں

بھائیوں (میاں نواز اور زرداری) نے ملکر بجلی گھر کا افتتاح کیا تو کیا وہاں تک کا سفر زرداری نے سڑکوں پر چل کر نہیں کیا؟ قوم نے دیکھا نہیں کہ کس عزت و احترام سے زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا؟ میاں صاحب تو اتنے بے رحم ہیں کہ انہوں نے تو بچارے بچے بلاول زرداری پر بھی ترس نہیں کھایا اس کو بھی اتنا گھسیٹا کہ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ تھر کے ریگستان میں لے گئے۔

جب میاں صاحبان نے عوام سے کیا وعدہ پورا کر دیا ہے تو اب شیخ صاحب بھی ضرور اپنے وعدے کا پاس کریں گے۔ شیخ صاحب نے بھی وعدہ کیا تھا کہ ڈالر سو سے کم ہوا تو وہ اسمبلی سے استعفیٰ دے دیں گے تو کوئی بات نہیں اسمبلی کی معیاد ختم ہونے سے ایک دن پہلے وہ بھی مستعفی ہو کر اپنے وعدے کا پاس کر دیں گے۔ عوام کو اتنی جلدی کیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ''میرے عزیز ہم وطنو! '' کہہ کر استعفے کی بھی نوبت نہ آنے دے۔

پاکستانی بزرگوں کے بقول سیاست نام ہی جھوٹ کا ہے مگر اس میں قصور ان سیاستدانوں کا نہیں بلکہ عوام کا ہے۔جب کوئی سیاستدان اپنی عوام سے جھوٹ بولے تو اس کے حلقے کی عوام کو چاہیے کہ وہ اس کا محاسبہ کرے۔اس سے پوچھے کہ اس نے عوام کو گمراہ کیوں کیا؟ جب ہم خود اپنے اپنے حلقے کے لیڈروں کا احتساب کریں گے تو پھر کوئی بھی سیاستدان جھوٹ نہیں بولے گا ورنہ وہ اسی طرح

عوام کو بیوقوف بناتے رہیں گے۔ بد قسمتی سے ہم آج تک منتشر افراد ہیں کاش اللہ ہم کو ایک قوم بننے کی توفیق دے۔

23 مارچ ،بنیاد پاکستان

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی۔ ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں ہندواور مسلم ۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں اسلام کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان حالات نے مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس سے پہلے مسلمان کانگرس پارٹی کے ساتھ چل رہے تھے مگر پھر انہوں نے ایک الگ پارٹی بنائی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے تن من کی بازی لگا دی۔ الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کسی بھی چیز کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ماوؤں نے اپنے بیٹوں کی جانوں کا نظرانہ پیش کیا۔ بہنوں نے بھائی کی قربانی دی اور بیویوں نے اپنے سہاگ تک لٹا دیے۔ سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا ''بن کے رہے گا پاکستان ، لیکر رہیں گے پاکستان''

23 مارچ قومی دن ہے ۔ 1940 مسلمانانِ برصغیر نے اپنی نمائندہ قومی جماعت ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم محسن اور محبوب ترین رہنما حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک تاریخی قرارداد

منظور کی ۔اس قرار داد میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کرکے مسلمان اکثریت پر مشتمل علاقوں میں آزاد خود مختار ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا اگرچہ قرار داد لاہور میں لفظ پاکستان کا استعمال نہیں کیا گیا تھا مگر پھر بھی اس قرار داد کو قرار داد پاکستان کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چوہدری رحمت علی نے 1933 میں میں اس کیلیئے پاکستان کا مقدس نام تجویز کیا''Now and Never'' اپنے پمفلٹ تھا۔یہی وجہ ہے کہ دوستوں اور دشمنوں دونوں نے ہی قرار داد لاہور کو قرار داد پاکستان کا نام دے کر اپنے اپنے نظریہ کے مطابق اس کی حمایت اور مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی اس قرار داد کی منظوری کے صرف سات سال ،دو ماہ اور گیارہ دن بعد 3 جون 1947ء کے تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان کرکے قیام پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرلیا گیا اور 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی نظریاتی ریاست معرض وجود میں آ گئی۔

آج تجدید عہد کا دن ہے اور سوچنے کا بھی دن ہے کہ جس ملک کی 23 مارچ 1940 کو بنیاد رکھی کیا یہ وہی پاکستان ہے؟ جو جذبہ اس وقت کے لیڈروں میں تھا کیا وہ جذبہ آج کے لیڈروں میں ہے؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصیغر جنوبی ایشیاء میں پاکستان کا قیام مسلمانوں کی قومی فتح ہے۔انگریز سامراج کے دواقتدار میں مسلمانوں پر قیامت خیز مظالم ڈھائے گئے اور ان کو سیاسی ،معاشی

معاشریت ، تعلیمی ، قانونی اور مذہبی حقوق سے محروم کرنے اور پسماندہ تر بنانے کیلئے، ہر مذموم کوشش اور کاروائی کی گئی ۔ قرارداد لاہور کی منظوری کے ساتھ ہی مسلمانوں برصیغر حتمی طور پر اپنی منزل مقصود اور اپنے نصب العین کا تعین کر کے آزاد مسلم ریاست کے قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انگریزوں کیلئے برصغیر کی تقسیم اس کے عالمی مفادات کے منافی تھی جبکہ ہندوؤں نے اس مطالبہ کی شدید ترین مخالفت کی۔ گاندھی کی سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جنہوں نے محض ہندومت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا ایک قوم قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ گاندھی نے کہا کہ اس کے وجود کے تو دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں لیکن وہ ہندوستان کے دو ٹکڑے نہیں ہونے دے گا۔ مختصر یہ کہ ہندوؤں ،انگریزوں اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

قائداعظم نے مطالبہ پاکستان کے مخالفین کے اعتراضات کا بڑے مدبرانہ ،بے باکانہ اور جرات مندانہ انداز میں جواب دیا۔ قائداعظم نے فرمایا: ”قدرت نے ہندوستان کو پہلے ہی تقسیم ررکھا ہے ہندوستان کے طبعی نقشہ پر مسلم انڈیا اور ہندوانڈیا پہلے سے موجود ہیں۔ وہ ملک کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ وہ قوم کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ قوم کی ہر تعریف کے اعتبار سے ایک قوم ہیں۔ مرکزی قومی حکومت کہاں ہے جس کے

اختیار کی خلاف ورزی کی جارہی ہے؟اگر ہندوستان نے سارا ہندوستان حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس سارے سے محروم ہو جائینگے لیکن وہ مسلمانوں کیلئے اگر ایک تہائی پر رضامند ہو جائیں تو انہیں وہ تہائی مل جائے گا مسلمان پاکستان کا مطالبہ ہندوستان سے نہیں کررہے ہیں کیونکہ پورا ہندوستان کبھی بھی ہندوؤں کے قبضہ میں نہیں رہا ہے یہ مسلمان تھے جنھوں نے ہندوستان فتح کی اور اس پر سات سو سال حکمرانی کی یہ انگریز تھے جنھوں نے ہندوستان مسلمانوں سے چھین لیا تھا مسلمانوں کا مطالبہ انگریزوں سے تھا جن کے قبضہ میں ہندوستان ہے یہ کہنا سراسر حماقت ہوگی کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے''۔

مختصر یہ کہ ہندوؤں نے مطالبہ پاکستان کی شدید مخالفت کی اور انگریزوں نے اپنے عالمی مفادات پیش نظر ہندوستان کی سیاسی وحدت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔مسلمانوں نے حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت وراہنمائی میں بے مثال قربانیاں دیں اور قائد اعظم نے مطالبہ پاکستان کو عملی جامہ پہنانے اور دو قومی نظریہ کو روشناس کروانے کے لیے برصیغر کے چپے چپے کا دورہ کیا سیاسی کارکنوں صحافیوں وکلاء ،طلباء وخواتین سمیت ہر ایک نے تحریک پاکستان میں قربانیاں دے کر اپنا تاریخی کردار ادا کیا۔آخر کار وہ مبارک گھڑی آپہنچی جب 14 اگست 1947 کا مطالبہ پاکستان کا خواب حقیقت میں بدل گیا اور دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی نظریاتی اسلامی ریاست معرض وجود میں

آ گئی اگرچہ انگریزوں نے ایک سازش کے تحت پاکستان کو غیر محفوظ اور کمزور بنانے کی ہر مجرمانہ کاروائی کی تھی مگر ناگزیر حالات میں مسلمانوں نے ٹوٹے پھوٹے پاکستان کو قبول کرکے انگریز اور ہندسامراج سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔

قیام پاکستان سے آج تک غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف ہیں اور وہ پاکستان کو ختم کرنے کے درپر ہیں۔ جس میں وہ کچھ کامیاب بھی ہوئے کیونکہ پاکستان کے ایک حصے کشمیر پر انڈیا قابض ہے اور دوسرے انہوں نے اپنی مکارانہ چال چل کر پاکستان کے ایک حصے کو بنگلہ دیش کی صورت میں الگ وطن بنوادیا۔آج پھر کچھ دشمن طاقتیں اور غدار وطن پاکستان کو دولخت کرنے کے درپر ہیں ۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان مستحکم ہو۔

آیئے 23 مارچ کے دن تمام مسلمان یہ عہد کریں کہ پاکستان کی ہر حال میں حفاظت کریں گے۔ اس کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کریں گے۔ دشمن وطن کو منہ توڑ جواب دیں گے۔ غدار وطن کو ختم کرکے یک جان ہونے کا ثبوت دیں گے۔ اپنے قائد محمد علی جناح کے دیئے ہوئے اس وطن عزیز کو خوشحال بنائیں گے۔اپنے ملک کے دشمنوں کو نیست و نابود کریں گے۔ انشاء اللہ

کرکٹ میں بھی حسینہ واجد کی پاک دشمنی برقرار

شیخ مجیب کی دختر شیخ حسینہ واجد نے جب سے بنگلہ دیش کا اقتدار سنبھالا ہے وہ اس دن سے پاکستان کے خلاف زہر اگل رہی ہے۔ بھارت نواز شیخ حسینہ 420 پاکستان کے خلاف کوئی نہ کوئی سازشی جال بنتی رہتی ہے۔ شیخ حسینہ اپنی تمام حدیں کراس کرکے پاکستان کے خلاف منفی پروپیگنڈا کر رہی ہے۔ وہ اس انجام سے ناواقف ہے کہ اقتدار کی کرسی کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔ باپ کے انجام سے ناواقف شیخ حسینہ پاکستان کی دشمنی میں بہت آگے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ بھول رہی ہے کہ اس کے باپ کو اس کے اپنے ساتھیوں نے کس طرح موت کے گھاٹ اتارا تھا؟

بنگلہ دیشی عوام کو اپنے دیس سے محبت ہے اور پکا سچا مسلمان کبھی بھی اپنے ملک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ اقتدار کے نشے میں چور بھارتی پٹھو اور غدارِ پاکستان شیخ حسینہ اپنے ملک میں ہی آگ کے شعلے بھڑکا رہی ہے۔ شاید اس کو اندازہ نہیں کہ بنگلہ دیشی عوام بھارت کو نہیں پاکستان کو اپنا سمجھتے ہیں۔ جس کا ثبوت بنگلہ دیش کے موجودہ حالات ہیں کیوں کہ پاکستان نے ہر میدان میں ہمیشہ اپنے بنگالی بھائیوں کا ساتھ دیا ہے۔

بنگلا دیش میں جاری ورلڈ ٹی 20 مقابلوں کے دوران بنگلا دیش کرکٹ بورڈ نے تعصب اور تنگ نظری کی انتہا کرتے ہوئے مقامی شائقین پر غیر ملکی ٹیموں کی حوصلہ افزائی کرنے پر پابندی لگادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کھیل کو سیاست سے پاک ہونا چاہیے کیونکہ کھیلوں کے ذریعے امن قائم کیا جاسکتا ہے، جبکہ کھلاڑیوں کو بھی ملک کا سفیر کہا جاتا ہے لیکن شیخ حسینہ واجد کی بھارت نواز حکومت نے ان تمام باتوں کو غلط ثابت کرتے ہوئے کھیلوں کو بھی سیاست کی نظر کردیا ہے۔

بنگلا دیش کرکٹ بورڈ نے اپنی حکومتی ایماء پر یہ سیاہ کارنامہ انجام دے کر کرکٹ کے ماتھے پر نہیں بلکہ اپنے ملک کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا ہے۔ کرکٹ جو پہلے ہی سٹے بازی اور جوئے کے باعث بدنام ہوچکا تھا اب اس میں سیاست کا گند بھی شامل ہوگیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر یہ پابندی بھارتی ایماء پر لگائی گئی ہے۔ ایشیا کپ اور T20 ٹورنامنٹ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان میچز میں جس جوش و خروش کے ساتھ بنگلا دیشی عوام نے پاکستانی ٹیم کو سپورٹ کیا وہ بنگلا دیشی عوام کے دلوں میں پاکستان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تاہم بھارت اور بنگلا دیش کی حکومت کو پاکستانی ٹیم کی حمایت بری طرح کھل گئی جس کے نتیجے میں بنگلا دیش کرکٹ بورڈ نے یہ مقامی

تماشائیوں پر غیر ملکی ٹیموں کی حوصلہ افزائی کرنے اور غیر ملکی جھنڈا لہرانے پر پابندی عائد کردی۔بظاہر یہ پابندی سب ملکوں کے خلاف ہوگی مگر یہ سب جانتے ہیں کہ بنگالی حکومت کا یہ کارنامہ بنگالی عوام کی صرف اور صرف پاکستان کی حمایت کی وجہ سے لگائی ہے۔

20 ورلڈکپ مقابلوں میں سارے میچز بنگلا دیش کے T اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تو ہے نہیں پھر بنگلا دیشی عوام اسٹیڈیم جاکر میچ کیوں دیکھیں؟ یہ فیصلہ تو خود بنگلا دیش حکومت کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگااور اگر اس کو مثال بناتے ہوئے دیگر ممالک نے بھی ایسے ہی فیصلے کرنے شروع کردیے تو پھر کرکٹ کے کھیل کا بیڑا غرق ہوجائے گا۔

بنگالی حکومت اور کرکٹ بورڈ بھارت کی چمچہ گیری کرنے میں حد سے تجاوز کررہا ہے۔ بنگالی حکومت نے اس قسم کے فیصلے کرنے سے پہلے یہ سوچنا بھی گوارا نہ کیا کہ جب بنگلہ دیش کا میچ نہ ہوگا تواس دن بنگالی عوام سٹیڈیم میں کیا لینے جائے گی؟ بنگلہ دیش اتنا بڑا ملک بھی نہیں ہے کہ جس میں بیرون ممالک کے عوام کی بھرمار ہے۔بنگلہ دیش اس ورلڈکپ سے جو رقم کمانا چاہتا ہے تو وہ اس فیصلے کے بعد اُس رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔اس طرح کے فیصلے سے نفع نہیں نقصان ہی ہوگا۔

دوسری جانب انٹرنیشنل کرکٹ کونسل کے اعلیٰ حکام نے بنگلا دیش کرکٹ بورڈ کے اس اقدام کا نوٹس لیتے ہوئے کہا ہے کہ ہم معاملات کا جائزہ لے رہے ہیں اور اس سلسلے میں جلد بی سی بی حکام سے وضاحت طلب کی جائے گی۔ اگرچہ آئی سی سی کو بی سی بی کے اس اقدام کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی کرنی چاہیے لیکن ماضی کی طرح اس بار بھی آئی سی سی کوئی بھی ایسا فیصلہ نہ کرسکے گا جس سے بھارت کے مفادات کو کوئی نقصان پہنچے یا جس میں بھارت کی مرضی شامل نہ ہو۔ بگ تھری بنانے کے بعد آئی سی سی کے لیے یہ بنگالی فیصلہ ایک چیلنج ثابت ہوگا۔ اگر آئی سی سی اس فیصلے کے خلاف کچھ نہ کرسکی تو پھر جس ملک میں کوئی بھی ٹورنامنٹ ہوگا ادھر بھی ایسی پابندی عائد ہوسکتی ہیں جس کی وجہ کرکٹ میدان ویران ہونا شروع ہوجائیں گے۔

یکم اپریل عوام کو بیوقوف بنانے کا دن

اپریل فول منانا غیر مسلموں کی اندھی تقلید ہے جو ہم مسلمانوں نے بھی اپنا لی ہے اور ہر سال اس کو نہایت ہی جوش وخروش سے مناتے ہیں اور پھر اپنی کامیابیوں پر.ڑے فخر کرتے ہوئے اپنے شکار کی بے بسی کو یاد کرکے اپنی محفلوں میں سناتے ہیں۔آج اپریل فول کا یہ فتنہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو تباہ کرنے کا سبب بن رہا ہے جسے وہ غیر مسلموں کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ بول کر اپنے عزیز واقارب ء کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اپریل فول کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ اسکا اندازہ درج ذیل چند حکایتوں سے ہوسکتا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان کہاں کھڑے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی حکایت مبنی.بر حقیقت ہے یا حقیقت سے کسی قدر قریب بھی ہے تب بھی اپریل فول منانا گویا خود کو طمانچہ رسید کرنے کے مترادف ہے۔ قدیم تہذیبوں کے زمانے میں نئے سال کا آغاز یکم اپریل یا اسکے قرب وجوار کی تاریخوں میں منایا جاتا تھا۔ 1582ء میں پوپ جورج ہشتم نے پرانے جولین کیلنڈر کی جگہ ایک نئے جورجین کیلنڈر کے بنانے کا حکم دیا جس کی رو سے نئے سال کا آغاز یکم اپریل کی بجائے یکم جنوری سے شروع ہونا قرار پایا۔ اس سال فرانس نے

نیاجورجین کیلنڈر اختیار کرتے ہوئے نئے سال کا آغاز یکم جنوری سے کیا۔ متضاد روایا ت کے مطابق یا تو ایک کثیر تعداد میں عوام الناس نے اس نئے کیلنڈر کو مسترد کردیا یا اس نئے کیلنڈر کی تبدیلی کی اطلاع بروقت دور دراز کے علاقے کے لوگوں تک نہ پہنچ سکی جس کی بناء پر وہ نیا سال پرانے کیلنڈر کے مطابق ہی یعنی یکم اپریل کو مناتے رہے۔
اس موقع پر جدت پسندوں نے قدامت پسندوں کا مذاق اڑانے کے لیے یکم اپریل کو انہیں بے وقوف بنانے اور جھوٹی باتوں پر انکا یقین پختہ کرنے کے لیے انہیں جھوٹے پیغامات اور نئے سال کی ایسی تقریبات کے دعوت نامے بھیجنا شروع کر دئے جنہیں سرے سے منعقد ہونا ہی نہیں تھا۔ اسطرح یہ رسم سارے یورپ میں یکم اپریل کو جھوٹ بول کر لوگوں کو بیوقوف بنانے کے حوالے سے پھیل گئی۔
اس سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ مسلمانوں کے دورِ اسپین سے متعلق ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اسپین میں تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی، اس دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دینے اور اسلام کی جڑوں کو اسپین سے اکھاڑ پھینکنے کی بہت ر کوششیں کیں مگران کو اپنی کسی بھی کوشش میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔انہوں نے اپنی مسلسل ناکامیوں اور مسلمانوں کی طاقت اور قوت کے اسباب جاننے کے لیے اسپین میں اپنے جاسوسوں کو بھیجانا شروع کردیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ناقابل شکست ہونے کا راز پا سکیں۔انہوں نے

اپنے آقاوں کو یہ رپورٹ دی کہ مسلمانوں میں تقوی موجود ہے اور وہ قرآن اور سنت کی مکمل اتباع کرتے ہیں اور حرام اور منکرات سے بچتے ہیں اس لیے وہ نا قابل شکست ہیں۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کا راز پا لیا تو اپنی ساری ذہنی قوت اس بات پر خرچ کردی کہ کسی طریقے سے مسلمانوں کو انکی اس روحانی طاقت سے محروم کردیا جائے، اس کے لیے انہوں نے یہ حکمتِ عملی بنائی کی کہ شراب اور سگریٹ کی مفت ترسیل اسپین کو شروع کردی۔

انکی یہ ترکیب کامیاب رہی اور ان کے استعمال کی وجہ سے مسلمانوں میں اخلاقی کمزوریا ں نمایاں ہونے لگیں خصوصاً مسلمانوں کی نوجوان نسل اس سازش کا سب سے زیادہ شکار ہوئی۔ مسلمان اخلاقی تنزلی کا شکار ہو کر کمزور پڑ گئے اور عیسائیوں کو انکے دیرینہ خواب کی تعبیر مسلمانوں کی اسپین سے بے دخلی کی صورت میں مل گئی، اسپین میں مسلمانوں کی طاقت کے آخری سرچشمے یعنی غرناطہ کا عیسائی افواج کے ہاتھوں زوال یکم اپریل کو ہوا اس لیے وہ اس دن کو اسپین کو مسلمانوں سے آزادی کا دن قرار دیتے ہیں اور چونکہ انکے خیال میں مسلمانوں کو شکست انکی چالاکی اور دھوکہ دہی کے نتیجے میں ہوئی تھی اس لیے وہ یکم اپریل کو فول ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔

اپریل فول میں ہونے والے حادثات بہت ہیں۔ لوگوں میں سے کتنے ہیں جن کو ان کے

لڑکے یا بیوی یا دوست کی وفات کے بارے میں خبر دی گئی تو تکلیف وصدمہ کی تاب نہ لا کر انتقال کر گئے، اور کتنے ہیں جن کو نوکری کے چھوٹنے یا آگ لگنے یا انکے اہل وعیال کا ایکسیڈنٹ ہونے کی خبر دی گئی تو وہ مختلف امراض سے دوچار ہو گئے .اور بعض لوگوں سے جھوٹے یہ کہا گیا کہ انکی بیوی فلاں آدمی کے ساتھ دیکھی گئی تو یہ چیز اس کے قتل یا طلاق کا سبب بن گئی . اسی طرح بہت سارے واقعات وحادثات ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں . اورسب کے سب جھوٹ کا پلندہ ہیں جنہیں عقل ونقل حرام ٹھراتی ہے اور مذاق کرنے والے ان سارے ناقابل تلافی نقصانات کا کسی طور پر بھی کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کے لیے ان غیر شرعی اور غیر اسلامی رسوم ورواج کو منانے کے حوالے سے یہ بات یقینا سخت تشویشناک ہونی چاہیے کہ یہ غیر اسلامی ہیں اور اسلام کی عظیم تعلیمات اور اخلاقی اقدار کے منافی ہیں۔ جھوٹ نفاق کی نشانی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ سچ بولے یا خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے اس شخص پر خصوصی طور پر لعنت فرمائی ہے جو جھوٹ بول کر لوگوں ہنساتا ہے۔ آج کل لوگ مزاح کے نام پر انتہائی جھوٹ گھڑتے ہیں اور لوگوں کو جھوٹے لطائف سنا کر ہنساتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے ان اقوال مبارکہ کی روشنی میں اپریل فول جیسی جھوٹی رسوم وروایات کو اپنانے اور ان کا حصہ بن کر

لمحاتی مسرت حاصل کرنے والے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ ایسا کرکے وہ غیر مسلم معاشرے کے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں جس کی رو سے لوگوں کو ہنسانے، گدگدانے اور انکی تفریح طبع کا سامان فراہم کرنے کے لیے جھوٹ بولنا انکے نزدیک جائز ہے۔

اسلام کے مطابق مسلمانوں کے لیے اپریل فول یا اس سے مشابہت رکھنے والے کسی بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی تہوار کا منانا ناجائز اور حرام ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی تعلیمات پر چلنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہود و نصاری کی اندھی تقلید سے محفوظ رکھے۔ آمین

ذوالفقار بھٹو آئینہ تاریخ میں

قیام پاکستان سے لیکر آج تک سیاست کے سٹیج پر بہت سے سیاسی اداکار آئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرکے جاتے رہے۔ قائد اعظم کے بعد ذوالفقار بھٹو تھے جن کو عوام میں پذیرائی ملی اور ان کے بعد اب میاں نواز شریف ہیں جن کو عوام پسند کرتی ہے۔ جس طرح میاں صاحب عوام کا درد دل میں رکھتے ہیں اسی طرح اپنے دور اقتدار میں بھٹو عوام کا خیال رکھتے تھے۔

ذوالفقار بھٹو 5 جنوری 1928ء کو صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شاہ نواز بھٹو تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپکی مادری زبان سندھی تھی۔ آپ کے والد سر شاہنواز خان بھٹو اپنے دور میں حکومتی سطح پر ایک مقام رکھتے تھے اسی لیے اُس دور کی انگریز حکومت نے ان کی خدمات پر انہیں سر کے اعزاز سے نوازا تھا۔ یاد رہے انگریز حکومت سر کا خطاب انہیں دیتی تھی جنکی خدمات اُن سے مشروط ہوں۔ آپ کی والدہ کا نام خورشید بیگم تھا، آپ کے والد سندھ کے جاگیرداروں میں شامل ہوتے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرل سکول سے حاصل کی۔ ذوالفقار بھٹو کی پہلی شادی ابتدائی عمر ہی میں شیرین امیر بیگم نامی خاتون سے کردی تھی۔ جن سے انہوں نے جلد ہی علیحدگی اختیار کرلی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے 1947ء میں امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے سیاسیات کے مضمون میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ 1950 میں آکسفورڈ لا کالج برطانیہ میں داخلہ لیا اور 1953 ء میں وہاں سے لاء کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کچھ وقت تک سندھ مسلم لاء کالج میں لیکچرار رہے اور بعد ازاں کراچی میں کچھ عرصے کیلئے وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ اکتوبر 1958 میں ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ان کو پہلی دفعہ سیاست میں براہ راست حصہ لینے کا موقع ملا۔ اور اپنے سیاسی کیریر کا آغاز ایوب خان کابینہ میں توانائی کے وزیر کی حیثیت سے کیا۔ اسوقت ان کی عمر محض 30 سال تھی۔ بعد میں ان کو کامرس، اطلاعات ونشریات اور صنعتوں کی وزارتیں بھی دی گئیں۔ 1962 ء میں وزیر خارجہ کے منصب پر فائز ہوئے۔

جب ان کے جنرل ایوب خان کیساتھ معاہدہ تاشقند پر اختلافات پیدا ہوئے تو معاہدہ تاشقند پر دستخط کا انتظار کئے بغیر وطن واپس لوٹ آئے۔ تاشقند سے واپسی پر انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دیکر تاشقند معاہدے کے متعلق قوم کو مختلف فورمز اور پروگرامات کے ذریعے اسکے مضمرات سے آگاہ کیا۔ حکومت سے

استعفیٰ کے بعد انہوں نے پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا۔ عوام کی زبردست پذیرائی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسطرح انہوں نے 30 نومبر 1967ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے کے علاوہ انہوں نے پاکستانی عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیکر پورے ملک میں انقلابی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ ایوب خان آمریت سے بغاوت کے جرم میں انکو 12 نومبر 1968 کو گرفتار کر لیا گیا لیکن جنرل ایوب خان اپنے آمرانہ ہتھکنڈوں کے ذریعے ان کا سحر توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکے اور بالآخر 1969ء کی وہ گھڑی آن پہنچی جب جنرل ایوب خان کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ ایوب خان نے ایک بار پھر اپنے آمرانہ مزاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقتدار اپنے ہی وضع کردہ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے سپیکر کو سونپنے کی بجائے چیف آف آرمی سٹاف جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ جنرل یحییٰ خان نے ملک میں دوسرا مارشل لاء لگا کر عام انتخابات کا اعلان کیا۔ پیپلز پارٹی نے 1970ء کے الیکشن میں ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں روٹی، کپڑا اور مکان کے منشور پر الیکشن میں حصہ لیا اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ اسطرح محض تین سال کے قلیل عرصے میں پیپلز پارٹی نے ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ایک

بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ جنرل یحییٰ خان کو فارغ کرکے انہوں نے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور بحیثیت صدر پاکستان حکومت خود سنبھالی۔اور 20 دسمبر ء سے 13 اگست 1973ء تک صدر پاکستان کے عہدے پر فائز رہے۔ 19711973 ء کا متفقہ آئین منظر عام پر آنے کے بعد انہوں نے عہدہ صدارت چھوڑ کر 14 اگست ء کو بحیثیت وزیر اعظم حکومتی اختیارات سنبھالے۔ 1976ء میں آپ نے 1973 جنرل ضیاء الحق کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا تو ہر سطح پر اس فیصلے پر تنقید کی گئی لیکن آپ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بعدازاں 5 جولائی 1977ء کو ملک میں تیسرا مارشل لاء نافذ کرکے ذوالفقار علی بھٹو کو جیل میں ڈال کر ان پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جسکے نتیجے میں آپ کو 4 اپریل 1979 کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔
بھٹو نے اپنے اقتدار میں عوام کی فلاح کے بہت کام کیے۔ طالب علموں کے سٹوڈنٹ کارڈ ان کے دور میں بنائے گئے۔ذوالفقار علی بھٹو ایک نئی جدید سوچ کے مالک تھے وہ پاکستان کو بڑھتے ہوئے حالات اور وقت کے ساتھ لیکر چلنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ایک ایسی سیاسی جماعت بنائی جس کا منشور فلاح بہود اور عوامی خدمات پر مشتمل تھا۔ بھٹو نے بہت کم وقت میں پورے پاکستان کی عوام کا دل جیت لیا تھا۔ انہی کے دور حکومت میں پاکستان نے ایٹم بم کی تیاریاں شروع کر دی تھیں ۔پاکستان اسٹیل مل اور دیگر ادارے بھی وجود میں آئے۔

بھٹو نے زراعت کو فروغ دینے کیلئے جدید زرعی آلات کسانوں، زمینداروں کو مفت اور آسان اقسام میں زرعی قرضے فراہم کیے تاکہ کسان اور جاگیردار ان جدید ٹیکنالوجی اور لون کی سہولت کو اختیار کرتے ہوئے زرعی اجناس کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں، اسی طرح صنعت و تجارت کی فروغ کیلئے بھی نئے پلان تیار کیئے اور برآمدات کو بڑھانے کیلئے پیداوار میں اضافہ کیا۔

بھٹو کے دور حکومت میں مزدور یونین کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ بھٹو غریب پرور ہونے کے ناطے وہ مزدور یونین کے حامی تھے۔ 1972ء میں بھٹو نے اولڈ ایج بینیوینٹ اور پینشن کا سسٹم رائج کیا۔ 28 نومبر 1972ء کو پاکستان کا پہلا نیوکلیر پاور پلانٹ کراچی کا افتتاح کیا۔ 12 اپریل 1973ء کو پاکستان آئین میں ترامیم کیں۔ یکم جنوری 1974ء کو تمام بینکوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔

بھٹو کے اس دور میں اور آج کے دور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ دور پیپلز پارٹی اور بھٹو کا تھا اور کہنے کو آج بھی دور پیپلز پارٹی اور بھٹو کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کا نام اس کی وارثوں سے چلتا ہے بھٹو نام رکھ لینے سے بھٹو خاندان کے جراثیم نہیں آجاتے ہیں اور نہ ہی اس جیسی سوچ بن جاتی ہے۔ ذوالفقار بھٹو کے دور میں عوام کے لیے جان دی جارہی تھی اور آج عوام کی جان لی جارہی

ہے۔ اس وقت عوام کو اسکے حقوق دیے جارہے تھے اور آج ان کے حقوق پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ کیا آج کے حالات دیکھ ذوالفقار بھٹو کی روح تڑپتی نہیں ہوگی کہ یہ وہی پاکستان ہے ؟

بگ تھری کو دھول چٹادی

آئی سی سی کے اجلاس میں بگ تھری کے منصوبے کی منظوری نے کرکٹ کے تابوت میں وہ آخری کیل ٹھوکی جس کا آغاز بھارت کی جانب سے ہوا تھا۔ پاکستانی عوام اس لیے بھی اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کر رہے ہیں کیونکہ اس کھیل کا ڈان اب بھارت بن گیا ہے۔ بھارت کے ڈان بننے کی وجہ یہ ہے کہ بھارتی کرکٹ بورڈ کے چیئرمین جلد ہی آئی سی سی کے بھی چیئرمین بن جائیں گے ۔اس طرح آسٹریلیا اور انگلینڈ کا بھی کرکٹ پر قبضے کا دیرینہ خواب پایا تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ بھارت نے جس انداز سے آئی پی ایل میں کرپشن کا کھیل کھیلا ہے تو اسے احساس ہوا کہ کس طرح اس مقبول کھیل کو اپنی گرفت میں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ایک بار پھر ہندو پنڈت ، آسٹریلین اور برطانوی نمائندے سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور بیک ڈور چینل ڈپلومیسی سے اس گھناؤنی سازش کے تانے بانے بنے گئے جسے اب بگ تھری کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ پاکستان اور سری لنکا کو جان بوجھ کر اس سازش کا حصہ بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی بلکہ انہیں دھمکی دی گئی کہ اگر وہ ہمارا ساتھ دیں گے تو انہی کا فائدہ ہے وگرنہ دس میں سے آٹھ ووٹ تو ہمارے جیب میں ہیں اور پھر ایسا ہی ہوا۔

دراصل کرکٹ کو اب کھیل نہیں بلکہ جواریوں کا کاروبار بنایا جارہا ہے۔ اب میچ نہیں بلکہ فکسنگ ہوا کرے گی۔ میچ کس نے جیتا ہے اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ڈریسنگ روم میں ہی طے ہوجایا کرے گا اور اس کی اطلاع پوری دنیا میں پھیلے جواریوں کو ہوا کرے گی۔ اکثر شائقین کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ بگ تھری سازش کے بعد بین الاقوامی کرکٹ میں کونسی خوفناک تبدیلیاں لانا چاہتا ہے۔ ان میں سے چند تبدیلیوں پر نگاہ ڈالیں

☆آئی سی سی کے سارے بڑے عہدوں پر ان تین ممالک کا قبضہ ہوگا

☆آئی سی سی کی کمائی کا سب سے بڑا حصہ ان تین ممالک کو ملے گا۔

☆تینوں ممالک آئی سی سی رینکنگ میں، تنزلی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

☆آئی سی سی ایگزیکٹو کمیٹی میں کسی اور رکن ملک کو جگہ ملے گی تو ان تینوں کی مرضی سے۔

☆ فیوچر ٹور پروگرام کا خاتمہ، کون کس سے کھیلنا چاہتا ہے اس کا فیصلہ آئی سی سی کے بجائے یہ تین ممالک کریں گے۔

بگ تھری بننے کے بعد دنیا کرکٹ میں ورلڈ ٹی ٹوئنٹی کا سب سے بڑا میلہ سجایا گیا۔ اس ورلڈکپ میں شروع سے ہی ایسا محسوس ہورہا تھا کہ پاکستان اور سری لنکا دو ایسے ملک ہیں جو کسی اجنبی ملک میں یہ ٹورنامنٹ کھیلنے آئے ہیں

باقی سب چٹے بٹے ایک ہیں۔ ویسے بھی یہ ورلڈکپ بگ تھری کے پٹھوؤں کے ملک، بنگلہ دیش میں ہو رہا تھا۔ جس طرح کی ایمپائرنگ اور انتظامیہ نے فیصلے دیے وہ بھی پوری دنیاکے شائقین نے دیکھ لیے۔ بگ تھری کے ساتھ جو اس ورلڈکپ میں ہوا وہ بھی شائقین کرکٹ مدتوں یاد رکھیں گے۔ آسٹریلیا جو بگ تھری کا مین حصہ ہے، جس نے دنیا کرکٹ میں حکمرانی کی اس کو ایسی شکست ہوئی کہ شاید کرکٹ کی زندگی میں کبھی بھی اتنی بے عزتی نہ ہوئی ہو۔ وہ اپنے پول میں صرف ایک میچ جیت سکا وہ بھی اس سے جس کا عالمی رینکنگ میں آخری نمبر اور بگ تھری کا بچہ ہے یعنی بنگلہ دیش۔ اس کے بعد انگلینڈ جو بگ تھری کا دوسرا اہم حصہ ہے اس کے ساتھ بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ بھی اتنے بڑے ایونٹ میں سیمی فائنل میں بھی جگہ نہ بنا سکا۔ اس کے بعد اب کرکٹ کے میدانوں میں اور جنگی میدانوں میں حکمرانی کا خواب دیکھنے والے بھارت کی باری آتی ہے جو اپنے آپ کو بگ تھری کا باس سمجھتا ہے۔ جو پورے ورلڈکپ میں ناقابل شکست رہا مگر فائنل میں سری لنکا کے ہاتھوں ایسی شکست ہوئی کہ بھارت کے طوطے اڑ گئے۔

جواریوں نے اس میچ میں بھارت کو ہارٹ فیورٹ بنا کر جوئے کے میدانوں میں اپنے گھوڑے کس لیے تھے مگر اوپر والا جانتا ہے کہ کس کو کب اور کہاں سزا دینی ہے۔ کرکٹ کے یہ دیوتا اپنے آپ کو بھگوان سمجھ رہے تھے مگر وہ نہیں جانتے کہ سب سے بڑی طاقت تو اوپر بیٹھی ہے جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ

بھی سب کو سزا اس کے گناہوں کے مطابق دیتے ہیں۔ آسٹریلیا اور انگلینڈ کے جتنے گناہ تھے اسی حساب سے اسکو سزا دیکر ٹورنامنٹ کے سیمی فائنل سے پہلے ہی گھر بھیج دیا اور بھارت جو بہت بڑا گناہگار اس کو تو ایسی سزا دی جو نہ مردوں میں رہا اور نہ ہی زندوں میں۔ آج بھارت میں صف ماتم بچھ گیا ہے۔ ان کے سابق کرکٹرا اپنے موجودہ کرکٹروں پر دل کھول کر تنقید کر رہے ہیں۔ بھارتی شائقین اپنے کرکٹرز کے خلاف نعرے بازی کر رہے ہیں اور کہیں کہیں تو پتلے بھی جلائے جا رہے ہیں۔

سری لنکا اور پاکستان جو بگ تھری کے ڈسے ہوئے ہیں دونوں ملکوں نے اس ٹورنامنٹ میں جو گیم کھیلی وہ سب کے سامنے ہے۔ یہ بدقسمتی کہہ لیں یا بگ تھری کی مہربانی کہ پاکستان فائنل تک رسائی نہ کرسکا ورنہ دنیائے کرکٹ کے شائقین تو فائنل میں پاکستان اور سری لنکا کو دیکھنا چاہتے تھے مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ پاکستان کے بعد سری لنکن ٹیم تنہا بگ تھری کا مقابلہ کرتی رہی اور آخر کار بگ تھری کے باس کو اپنے قدموں میں ڈھیر کرکے دم لیا۔

ہوس کے پجاری لوگ

حسب معمول صبح اخبار اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔جب مختلف خبریں نظر سے گزریں تو احساس ہوا کہ آج کا انسان ہوس کا کتنا پجاری بنتا جا رہا ہے۔ ہر کوئی اپنے ہوس کی وجہ سے اپنی خواہشات کے تابع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج کے دور میں کسی کو دولت کی ہوس ہے تو کسی کو جائیداد بنانے کی ۔ کسی کو اقتدار میں رہنے کی ہوس ہے تو کسی کو اقتدار سے ہٹانے کی۔ کوئی اپنے اندر کے شیطان کی ہوس کی خاطر نساء کو زیادتی کا نشانہ بنا رہا ہے تو کوئی اپنے مردہ ضمیر کے ہوس کی خاطر قبروں سے مردوں کو نکال کر کھا رہا ہے۔

ہوس ہے کیا ؟ ہوس وہ ہے جس میں انسان کی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے بلکہ وہ عقل کو لوری دے دے کر سلا دیتا ہے اور بس اپنے خواہشات اور دل کی بات ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہوس کے لفظی معنی جنون اور دیوانگی کے ہیں۔ جب انسان کی آخری منزل اس کی خواہش بن جاتی ہے اس کے دماغ سے رب ، رسول آخرت اور موت کا خوف نکل جاتا ہے اور اس کو عاقبت سے زیادہ دنیاداری عزیز ہو جاتی ہے تو پھر وہ اللہ اور اس کے احکامات کو بھول کر شیطانی اصولوں کے تابع ہو جاتا ہے۔

کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں اور ہمارا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ساتھ آخرت پر

مکمل یقین ہے مگر ہمارے اندر اللہ کی نسبت شیطان کی پرستش زیادہ ہے۔ ہم اپنے نفس کی خواہش میں اللہ اور اس کے احکامات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہاں جب کہیں ذاتی مفاد اسلام کی تعلیمات کے اندر نظر آئے تو ہم فوراً اسلام کو سامنے لے آتے ہیں۔ پاکستان کی بربادی کا اصل سبب ہی ہوس ہے کیونکہ ہر شخص اپنی دنیاوی زندگی آسائش اور تعیش سے مزین کرنا چاہتا ہے اسی لیے ہوس کے تابع ہو رہا ہے۔ آج کل ہر شخص اپنی آخرت کو بھول کر دنیا داری میں گم ہو چکا ہے۔ دنیا کو حاصل کرنے کے لیے وہ اچھائی برائی کے فرق کو بھول چکا ہے۔ نام نہاد علماء کو دیکھ لیں ذاتی مفاد کی خاطر ایسی ایسی تاویلیں نکالتے ہیں کہ عام آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے بھی کہ نہیں ؟ اسی طرح ملک وملت کے خیر خواہ سیاستدانوں کو دیکھ لیں۔ یہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اقتدار میں آنے سے پہلے کچھ اور وعدے کرتے ہیں اور اقتدار میں آنے کے بعد وعدے وعیدوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ذاتی کرسی کو قائم رکھنے کے لیے آیت الکرسی کو بھول جاتے ہیں۔ اسلامی احکامات کے منافی کام کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور ان کے مد مقابل اپوزیشن والے اہل اقتدار کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے رشوت سے لیکر بلیک میلنگ تک کا کام کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

وہ بھی ہوس ہی تھی جس نے عظیم پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سچ یہی ہے کہ ہمارے صاحبانِ اقتدار کی ہوسِ اقتدار نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بننے پر مجبور کر دیا تھااور اب اس زیادتی کی معافی مانگنے پر بھی تیار نہیں۔ ہوسِ اقتدار نے کبھی کسی حکمران کو درست فیصلہ کرنے ہی نہیں دیا۔ اگر سیاستدانوں کی ہوس پر کالم لکھنا شروع کیا جائے تو قلم کی سیاہی ختم ہو سکتی ہے مگر ان کے کارنامے نہیں۔

سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ عوام بھی اپنے ہوس کی خاطر سب کچھ بھول کر اپنے نفس کے ماتحت ہو گئی ہے۔ آئے روز ہم اخبار میں پڑھتے ہیں کہ درندے صفت انسان اپنے ہوس کی خاطر چھوٹی چھوٹی بچیوں کو درندگی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو یکسر بھول کر اپنے اندر کے شیطان کی بات کو مان رہے ہیں۔ وہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ آخر ان کو بھی ایک دن مرنا ہے اور اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ کیا انھوں نے کسی عورت کے بطن سے جنم نہیں لیا؟ کیا ان کی اپنی کوئی بہن بیٹی نہیں؟ اگر ایسا فعل ان کی کسی خاتون کے ساتھ ہو تو کیا وہ برداشت کر پائیں گے؟

آج کل میڈیا پر ایک نیوز کا بہت زور و شور ہے کہ بھکر میں دو سگے بھائی مردوں

کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی ایک خاندان کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ وہ قبرستان سے تازہ مردوں کو نکال کر ان کا گوشت پکا کر کھاتے ہیں۔ جب حکومت نے پہلی مرتبہ ایسی حرکت کرنے والوں کے خلاف ایکشن نہ لیا تو دوسرے لوگوں میں بھی ایسی درندگی کا کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اب تک اطلاعات کے مطابق ان دو بھائیوں نے 150 کے قریب مردے کھانے کا اعتراف کیا ہے۔ کیا یہ کسی انسان کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے انسان بھائی کا گوشت کھائے یا ہمارے مذہب میں ایسا کرنا حرام نہیں؟ کیا اسلامی یا ملکی قانون میں ان کے لیے کوئی سزا نہیں؟ کیا ہم صرف آخرت میں ہی ان کے لیے کسی سزا کے منتظر رہیں گے؟

بات ہے انسان کے ضمیر کی جس کو پہلے ہوس کے نشے کی گولیاں دے دے کر سلایا گیا اور اب وہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے مر چکا ہے۔ ہم اپنے بزرگوں سے سنا کرتے تھے کہ جب کسی شہر میں ناحق قتل ہو جائے تو اس شہر میں سرخ آندھی آیا کرتی تھی مگر اب تو اللہ معاف کرے قتل جیسے واقعات تو آئے روز ہو رہے ہیں مگر اب تو زناء سے لیکر انسانی گوشت تک کھایا جا رہا ہے مگر ان واقعات کے باوجود نہ آندھی آتی ہے اور نہ کسی ذمہ دار کو موت۔

اسلام کے نام پر کچھ لوگ جعلی پیر بن کر لوگوں کو خوب بیوقوف بنا رہے ہیں۔

طرح طرح کے ڈرامے رچا کر خوب دولت اکٹھی کر رہے ہیں۔ جن بھوت نکالنے کے نام پر لوگوں کے ہاتھ پیر بھی توڑے جا رہے ہیں۔ یہ جعلی پیر اتنے کام پر اکتفا نہیں کر رہے بلکہ اپنے اندر چھپے شیطانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جنسی فعل سے بھی باز نہیں آتے۔ ایسے جعلی پیروں نے لوگوں کا اصلی پیروں سے بھی اعتماد ختم کروا دیا ہے۔ ایسے لوگوں نے اسلام کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کا مذاق بنا رہے ہیں۔ یہ جعلی پیر دولت کے ہوس کے لیے کچھ بھی کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

جب تک ہم اپنے اندر کے ہوس کو ختم نہیں کریں گے اس وقت تک یہ سیاستدان، مردہ گوشت کھانے والے اور یہ جعلی پیر اسی طرح ہم لوگوں کو بیوقوف بنا کر لوٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم اپنے ہوس کی خاطر ایسے جعلی پیروں پر اور سیاستدانوں پر اعتبار کرتے ہیں جو ہمارے اعتبار کو ٹھیس پہنچا کر اپنا مفاد پورا کرتے رہیں گے۔

صحافت پر یا آئی ایس آئی پر حملہ

صحافت دنیا کا معتبر اور مقدس پیشہ ہے۔ صحافت کو دنیا میں بہت اعلیٰ مقام دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی شعبہ مکمل نہیں ۔ سیاستدان سے لیکر ایک عام آدمی بھی صحافت کا محتاج ہے۔ سیاسی لوگوں کے پروگرام میں اگر صحافی لوگ نہ ہوں تو وہ پروگرام بیکار ہوتا ہے کیونکہ صحافت کے ذریعے ہی وہ خبر لوگوں تک پہنچتی ہے۔اس بات سے انکار نہیں کہ کچھ غلط لوگوں نے اس مقدس پیشے کو بدنام کر دیا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ صحافت کو زرد صحافت بنا دیا ہے تو بھی یہ غلط نہیں ہوگا۔

صحافی کا کام دنیا میں ہونے والے اچھے اور برے کاموں کو مختلف ذرائع (اخبار، ٹی وی، ریڈیو، آن لائن اخبار) سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔ اگر صحافی برادری اپنی دیانتداری سے کام سرانجام دیں تو معاشرے میں کوئی غلط کام کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ہماری بدقسمتی ہے کہ کچھ دولت مند لوگوں نے اس صحافت کا غلط استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔وہ لوگوں کو بلیک میل کرکے نوٹ چھاپنے کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔ بہت سے ایسے نام نہاد صحافی بھی ہیں جو کرپٹ عناصر سے ماہانہ خرچہ لیتے ہیں ۔ صحافت ایسا پیشہ ہے جس میں انتہائی ایمانداری کے

ساتھ کام کرنا چاہیے کیونکہ صحافی کے قلم سے لکھی ہوئی تحریر عوام کو کہاں کہاں پہنچا دیتی ہے۔

اب تو الیکٹرانک میڈیا نے عوام کو اتنا ایڈوانس کر دیا ہے کہ پلک جھپکتے ہی خبر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے اور اسی میڈیا کے ذریعے صحافی عوام کے ذہن میں اچھی بری چیز کی نشاندہی کراتے ہیں۔ اگر ہم لوگ درست کام کرنے پر ان کا ساتھ دیں اور غلط کام کرنے پر اس کی نشاندہی کرکے انہیں ایسا کرنے سے روکیں تو پھر ہمارا پاکستان ترقی کیوں نہیں کریگا۔

ہر روز ملک میں کسی نہ کسی شہر میں صحافی پر تشدد، اغوا یا اس کی موت کی خبر میڈیا کی نظر ہوتی ہے۔ آج میں یہ کالم اس وجہ سے لکھ رہا ہوں کہ کچھ لوگوں نے اپنی دولت کے بل بوتے پر صحافیوں کو زر خرید سمجھ لیا ہے۔ وہ جو کریں خواہ اچھا ہے یا برا صحافی لوگ بس ان کے حق میں لکھتے رہیں اور اگر کوئی صحافی ان کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو وہ غنڈہ گردی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر وہ اپنے آپ کو کسی سیاستدان یا بیوروکریس کے ساتھ منسلک کرکے اس کی آڑ میں دو نمبر کام کرتے ہیں۔

ابھی چند روز پہلے کراچی میں جیو کے اینکر حامد میر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس

میں بقول جیو نیوز کے چھ گولیاں لگی مگر سوشل میڈیا کے مطابق کے ان کو تین گولی لگی دو کاندھے پر اور ایک سینے میں ۔ حامد میر پر یہ حملہ بالکل ''ملالہ'' جیسا واقعہ لگ ہورہا ہے۔ اس دن سے آج تک ہر روز کوئی نہ کوئی قلمکار'' صحافت پر حملہ'' کے بارے میں اخبارات میں لکھتے چلے آرہے ہیں مگر یہ کوئی نہیں سوچ رہا کہ حامد میر کے بھائی عامر میر نے کس پر اور کیوں حملہ کیا ہے؟ حامد میر والا واقعہ تو محض ایک شخص پر حملہ ہوا ہے جو صحافت کے پیشہ سے وابستہ ہے مگر عامر میر نے تو ایک ادارے پر حملہ کیا ہے۔ وہ ادارہ جو پاکستان کے لیے سب سے معتبر ادارہ ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لیے اسلام سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں اسی طرح پاکستان کے لیے پاک فوج سے بڑھ کر کوئی اہم نہیں۔

جہاں ایک طرف آرمی کو بدنام کیا جارہا ہے وہاں دوسری طرف کچھ لوگ حامد میر کو محب وطن ہونے کی سند دے رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حامد میر کو غدار کس نے کہا ہے اور اس کے محب وطن ہونے ثبوت کیوں پیش کیے جارہے ہیں؟ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ آج جیو کا ایک پٹھو جو اپنے آپ کو اسلامی سکالر بھی کہلواتا ہے وہ گواہی دے رہا ہے کہ حامد میر نے گولیاں لگنے کے بعد کلمے کا ورد کیا اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ کوئی اس سکالر سے پوچھے کہ کیا وہ اس وقت موجود تھا؟ جیو نے جو رپورٹ دکھائی اس میں تو خون کا ایک دھبہ تک

نہیں دکھایا اور ان موصوف کو حامد میر کی آواز تک سنائی دے گئی۔خدارا وہ بات کرو جس کا کوئی ثبوت بھی موجود ہو۔چینل پر بیٹھ کر بات کرنے سے گواہی نہیں ہو جاتی۔ سمجھ سے بالاتر ہے کہ کچھ لوگ آئی ایس آئی کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ کوئی اسمبلی میں ان کے خلاف بات کر رہا ہے تو کوئی چینل پر بیٹھ کر دل کی بڑھاس نکال رہا ہے۔ کوئی برطانیہ میں بیٹھ کر اپنے اس ادارے کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر رہا ہے ۔سابقہ حکومت نے اس ادارے کو اپنے تابع کرنے کی ٹھانی مگر اس کو بھی منہ کی کھانا پڑی۔آئی ایس آئی ایک عرصہ سے دشمنانِ وطن اور غدار پاکستان کا ہدف ہے۔ ہمارے ہزاروں عسکری نوجوان دہشت گردی کی نام نہاد جنگ میں پھنسے ہوئے ہیں ایسے میں محض آئی ایس آئی ہی وطن عزیز کے خلاف ہونے والی سازشوں کو قبل از وقت بے نقاب کرکے وطن عزیز کا بالواسطہ طور پر تحفظ کرنے میں مصروف عمل ہے۔محب وطن عوام کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ استحکام پاکستان اور آئی ایس آئی لازم و ملزوم ہیں اگر کوئی پاک فوج یا اس کے ادارے (آئی ایس آئی) کی طرف انگلی اٹھائے گا پاکستانی عوام وہ انگلی توڑ کر ہاتھ میں دے دیگی۔

محنت کشوں کا عالمی دن

یکم مئی عالمی سطح پر مزدروں کے عالمی دن کے نام سے منایا جاتا ہے۔اس دن دنیا بھر میں مزدوروں کے حقوق کے لیے ریلیاں، مظاہرے، سیمینار اور حکومتی سطح پر پروگرام مرتب کیے جاتے ہیں۔ مزدور یونین، این جی اوز اور سیاسی و سماجی تنظیمیں بھی اپنا کردار ادا کرنے یا پھر صرف نمبر گیم کرنے کے لیے میدان میں آتی ہیں۔اس دن ہر طرف مزدور کی بات ہو رہی ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے مزدور غربت کی چکی میں پس رہا ہے تو کوئی بولتا ہے کہ مزدور کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟

پاکستان میں بھی یہ دن بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان کے تمام شہروں میں مزدوروں کے حقوق کے لیے ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔ سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں جس میں بڑے بڑے لیڈر تقاریر جھاڑتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ دن مزدوروں کا اور فائدہ امیر اٹھاتے ہیں۔ کبھی کسی این جی او یا سماجی تنظیم نے اس دن کے موقع پر کسی مزدور کو مہمان خصوصی بلایا ہے؟ دیکھا یہ گیا ہے کہ جب کوئی دن کسی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے تو پھر اس دن اس شخصیت کو ہر جگہ اہمیت حاصل ہوتی ہے ہر کوئی اس کے ناز و نخرے برداشت کرتا ہے اور بلکہ یہاں

تک بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ” چلو یار آج اس کا دن ہے“ مگر ادھر آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ۔ نام مزدوروں کے دن ہوتا ہے اور اہمیت امیروں کو دی جاتی ہے۔ اس دن کسی مزدور کو اس ہال میں داخل بھی نہیں ہونے دیا جاتا جس کے پاس غریبی کا کارڈ ہوتا ہے۔ ہال میں بھی وہ داخل ہوں گے جن کا سٹینڈرڈ امیروں کے برابر ہوگا۔ اگر سیمناروں میں بیٹھنے والے مزدور ہیں تو پھر وہ کیا ہیں جو ملوں میں کام کر رہے ہیں ، راج گیروں کے ساتھ اینٹیں اور گارا اٹھا رہے ہیں یا سڑکوں پر ٹھیلہ لگا کر اپنے بچوں کی روزی کما رہے ہیں۔

مزدوروں کے عالمی دن پر پاکستان میں بتائیں کسی امیر کی فیکٹری یا پٹرول پمپ وغیرہ بند کیے گئے ہوں یا کسی نے اپنے گھر کی تعمیر رکوائی ہو کہ چلو آج ان کا دن ہے اور ان کی چھٹی کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ امیر لوگ اس دن کی چھٹی کر بھی دیں مگر وہ مزدور کیا کرے گا جس کی شام کی روٹی اس دھیاڑی (ڈیلی ویجز) پر منحصر ہے اگر اس نے چھٹی کر لی تو وہ رات کو اپنے بچوں کو کیا کھلا کر سلائے گا؟

یکم مئی کو پاکستان بھر میں مزدور ہر روز کی طرح اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتے ہیں ان کو اس دن سے کوئی سروکار نہیں، بس اپنے بچوں کے لیے روزی کمانے سے غرض ہے۔ ویسے یکم مئی کو

ہر فورم پر مزدورں کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی بڑی باتیں کی جاتی ہیں، دعویٰ کیا جاتا ہے مگر ان پر کبھی عمل بھی ہوا ہے؟ ہر گز نہیں کیونکہ وہ باتیں صرف میڈیا کی زینت بننے کے لیے کی جاتی ہیں۔ تاکہ دنیا دیکھ لے کہ پاکستان مزدوروں کے حقوق کے لیے کتنی تگ و دو کر رہا ہے؟

کبھی کسی حکومت نے ایسے اقدام اٹھائے ہیں کہ یکم مئی کے دن ان مزدوروں کو جو روزانہ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں (ڈیل ویجز) حکومتی سطح پر کوئی وظیفہ دیکر ان کو چھٹی بھی دی گئی ہو کیونکہ یکم مئی ان کا دن ہے اور وہ اس دن اپنے فیملی کے ساتھ ہنسی خوشی گزار سکیں۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ پاکستان کی ترقی میں سب سے بڑا کردار ان مزدور کا ہے۔ مینار پاکستان سے لیکر پارلیمنٹ کی تعمیر تک ان مزدورں کی محنت کا ثمر ہے۔ ان کی تعمیر میں ان میں بیٹھنے والوں کا کوئی حصہ نہیں، ایک کاغذ سے لیکر ایٹمی میزائل تک مزدوروں کی وجہ بنتا ہے۔

پارلیمنٹ میں بیٹھے ہوئے بتائیں کہ ان کے کیفے ٹیریا میں روٹی، سالن اور چائے کے ایک کپ کی کیا قیمت ہے؟ کیا ان کی قیمت ایک مزدور کی روٹی کے برابر ہے؟ مزدور کی روٹی کی قیمت پانچ روپے اور جبکہ پارلیمنٹ میں بیٹھنے والوں کی روٹی کی کیا قیمت ہے؟ یہ سب کو پتا ہے۔ نعرے ہم مزدوروں کے حقوق

کے لگاتے ہیں اور فائدہ امیروں کو پہنچاتے ہیں۔ مزدوروں کے فنڈ کے نام پر کروڑوں روپے لیے جاتے ہیں اور مزدوروں پر اگر خرچ کرنے کی نوبت آ جائے تو وہ بڑی مشکل سے ہزاروں میں ہوتی ہے۔

یکم مئی کو عالمی چھٹی ہوتی ہے مگر اس دن تمام لوگ اپنے گھروں میں چین کی نیند سو رہے ہوتے ہیں یا چھٹی کا فائدہ اٹھا کر گھوم پھر رہے ہوتے ہیں اور مزدور اس دن بھی مزوری کی تلاش میں بھٹک رہا ہوتا ہے۔ اس دن مزدور عام دن کی نسبت زیادہ کام کرتا ہے شاید اس لیے کہ آج اس کا خصوصی دن ہے۔

ابھی حال ہی میں لاہور میں ساؤتھ ایشیا کی لیبر کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں 75 غیر ملکی مندوبین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں سارک ممالک کے نمائندوں نے اپنے اپنے ملکوں کے مزدوروں کے رونے روئے اور آخر میں مشترکہ حکمت عملی اختیار کرنے کا اعلان کرکے کانفرنس ختم کر دی۔ اس کانفرنس پر اربوں روپے خرچ کیے مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مزدوروں کو اس کا کیا فائدہ ہوا؟ کیا کبھی پاکستان سمیت کسی بھی ملک نے مزدوروں کے عالمی دن پر ان کے لیے کسی پیکج کا اعلان کیا؟ ہرگز نہیں پچھلے بجٹ میں حکومت نے مزدور کی تنخواہ نو ہزار مقرر کی مگر آج بھی پاکستان میں مزدور کی تنخواہ سات، آٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مزدور آج بھی مہنگائی کی آگ میں جل رہا ہے اور امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔

میں تو اپنے مزدور بھائیوں کے لیے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں بقول شاعر مشرق

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

حکمران بجلی چور یا بجلی خور

انسان جو سوچتا ہے لازم نہیں کہ وہ کام اس کی سوچ اور منشا کے مطابق ہو۔ مئی وہ مہینہ ہے جس میں پاکستان ایٹمی طاقت بنا اور اسی ماہ میں ایک سال قبل قومی و صوبائی الیکشن ہوا تھا۔ اس وقت بھی لوگ بجلی کے ستائے ہوئے تھے اور آج بھی ۔ عوام نے سوچا ہوگا کہ شاید میاں برادران کی حکومت آئے گی تو سکھ کا سانس آئے گا مگر سکھ کا سانس تو بہت دور یہاں تو خالی سانس لینا مشکل ہوتا چلا جارہا ہے۔ دن کا چین گیا اور رات کی نیند۔

بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خلاف کچھ بھی لکھنا آج کل بیکار ہے کیونکہ حکومت واضح طور پر اعلان کرچکی ہے کہ لوڈشیڈنگ پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ کسی بھی چیز پر قابو پانے کے لیے اس فیلڈ میں مہارت کا ہونا بہت ضروری ہے مگر ہمارے حکمرانوں میں بجلی کی لوڈشیڈنگ سے نجات کے لیے مہارت نام کی کوئی چیز نہیں اگر مہارت ہے تو گینز بک میں نام لکھوانے کے جھوٹے ڈرامے کی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ بجلی کی سب سے زیادہ لوڈشیڈنگ کرانے کا ریکارڈ حقیقت میں گینز بک میں لکھوانے کے قابل ثابت ہوں ۔

ویسے تو پاکستان بہت سے مسائل میں گھرا ہوا ہے جس میں توانائی کے بحران کا مسئلہ سرفہرست ہے۔بقول حکومت کہ وہ توانائی بحران سے نمٹنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کر رہی ہے لیکن بظاہر کچھ نظر نہیں آ رہا۔اگر کچھ نظر آ رہا ہے تو رشتہ داروں یعنی عابد شیر علی کے جارحانہ سٹروک ہیں۔ جہاں وہ بجلی چوروں کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں وہیں نادہندگان کے خلاف بھی کریک ڈاؤن کیا جا رہا ہے۔میڈیا کے مطابق ایک بات سامنے آئی ہے کہ پارلیمینٹ ہاؤس اور ایوان صدر سمیت وفاق کے 20 سرکاری ادارے بجلی کے بل ادا نہیں کرتے اور 45 کروڑ 97 لاکھ کے نادہندہ ہیں۔ ان اداروں میں پارلیمینٹ، ایوان صدر، وزیراعظم سیکرٹریٹ سمیت کئی سرکاری و نیم سرکاری ادارے شامل ہیں۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق پارلیمینٹ ہاؤس 12 کروڑ 70 روپے، وزیراعظم ہاؤس اور سیکرٹریٹ 54 لاکھ روپے، سندھ اور بلوچستان ہاؤس 60 لاکھ روپے، وزارت منصوبہ بندی 22 لاکھ روپے، وزارت قانون 32 لاکھ روپے، الیکشن کمیشن 3 لاکھ روپے، وفاقی محتسب 6 لاکھ روپے، وزارت پانی و بجلی اور پٹرولیم 40 لاکھ روپے، وفاقی شریعت کورٹ 36 لاکھ روپے اور سینیٹرز ہاسٹل 12 لاکھ روپے کا نادہندہ ہے۔

عابد شیر علی نے اپنے آپ کو واقعی شیر ثابت کرتے ہوئے پارلیمینٹ ، وزیراعظم سیکرٹریٹ سمیت کئی اہم محکموں کے بجلی کنکشن منقطع کرادیے ہیں۔ عابد شیر علی نے یہیں بریک نہیں لگائی بلکہ انہوں نے تو پنجاب اسمبلی کے سپیکر کے

گھر کا بھی کنکشن منقطع کرادیا۔ عابد شیر بظاہر تو بہت جارحانہ انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ واقعی پاکستان کے لیے کچھ کر رہے ہیں یا صرف میڈیا میں سکورنگ پوائنٹ کر رہے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو چھیالیس کروڑ کے قریب کی رقم ہمارے حکمران بجلی کے نام پر ہڑپ کرکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ باقی دوسرے محکموں کے کتنے کھائیں ہونگے وہ ابھی علم نہیں۔ حکمرانوں کے پیسے کھانے میں میڈیا کا بھی بڑا کردار ہے کیونکہ جیسے اب عابد شیر علی کے کارناموں کو میڈیا نے بڑے زور و شور سے سنایا اسی طرح ان اداروں میں بغیر کلئیر ہوئے بجلی بحال ہو تو بھی میڈیا کو اسی طرح چرچا کرنا چاہیے۔ اس طرح حکمرانوں کے کارناموں سے عوام بھی باخبر رہتی ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ اگر کسی غریب کا بل دو ماہ ادا نہ ہو خواہ اس کا دو ماہ کا بل دوہزار روپے ہو واپڈا والے فوراً کنکشن کاٹ کر میٹر لے جاتے ہیں۔ اس دوہزار بل کے چکر میں اس غریب کے پھر پانچ ہزار لگ جاتے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہی اپنے دوسرے بھائی کے لیے پسند کرو مگر یہاں تو ہمارے حکمران اپنا ہی سوچ رہے ہیں اپنے بھائیوں کا نہیں۔

اگر چھیالیس کروڑ کی رقم ان حکمرانوں سے وصول کرلی جائے تو اس سے بجلی کی پیدوار میں اضافے کے لیے اقدامات کیا جاسکتے ہیں۔ جس ملک کے حکمران یا

سرکاری ادارے خود عوامی پیسہ لوٹ کر کھا رہے ہوں تو وہ دوسروں کو کیسے روک سکتے ہیں؟ عابد شیر علی کے ان اقدامات کو حکمران طبقہ کے بہت سے لوگ ناپسند کر رہے ہیں۔ حال ہی میں بلاول زرداری نے بھی عابد شیر علی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ایسے حکمرانوں سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ اقدامات مشرف دور میں یا بلاول اپنے دور میں اٹھاتے تو آج بجلی کی لوڈشیڈنگ کافی حد تک کم واقع ہو جاتی۔یہ تنقید تو پنجابی محاورے کے مترادف ہے "نہ کھیڈاں گے نہ کھیڈن دیواں گے"یعنی نہ خود کچھ کیا اور نہ دوسرے کو کرنے دے رہے ہیں۔ پی پی کے دور میں تو ریلوے بھی خسارے میں جا رہا تھا۔اس کی تو بجلی کی وائریں تک اتار لی گئیں تھی مگر آج ریلوے منافع بخش ادارہ بنتا چلا جا رہا ہے۔گاڑیاں بھی وقت پر آ جا رہی ہیں۔ تنقید وہ کرے جس کا اپنا دامن صاف ہو۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ جو کچھ اپنے لیے کر رہے ہیں وہی کچھ اپنی رعایا کے لیے کریں ورنہ لوگ شہباز شریف کی اس بات کو سچ سمجھیں گے جب اس نے کہا کہ بجلی ختم کر دیں گے۔

11 مئی، ملک میں تبدیلی کی جنگ یا اقتدار کی جنگ

11 مئی وہ دن ہے جب پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک منتخب حکومت نے اپنی مدت پوری کرکے ملک میں الیکشن کرائے۔ اس الیکشن کو کسی نے نیا پاکستان کا نام دیا تو کسی نے ملک میں تبدیلی کی ہوا کا نام دیا۔ بہر حال الیکشن ہوئے اور اس الیکشن میں ن لیگ ملک کی حکمران پارٹی بن کر سامنے آئی۔ اس دن سے آج تک ہارنے والوں نے اس الیکشن کو غیر شفاف قرار دیا۔ اب اس الیکشن کو سال ہونے والا ہے اور ایک بار بھی وہی 11 مئی آ رہا ہے۔ آج پھر اس دن "ملک میں تبدیلی کی جنگ" کے نام سے احتجاجی تحریک شروع کی جا رہی ہے۔

لو جی عمران خان طاہر القادری کے مرید بن گئے۔ انہوں نے طاہر القادری کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب تو پاکستان کے مقدر جاگ گئے۔ اب پاکستان کو ترقی کے راستے سے کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ طاہر القادری، جماعت اسلامی اور عمران خان ایک ہو گئے ہیں۔ ملک میں جو تبدیلی کی جنگ شروع ہوئی وہ اب ختم ہونے والی ہے۔ یہ وہ الفاظ تھے جو ایک مقامی ہوٹل پر بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں کر رہے تھے۔ اس وقت تک مجھے علم نہیں تھا کہ 11 مئی کو عمران خان اور طاہر القادری اکٹھے ہو کر احتجاج کر رہے ہیں البتہ جماعت اسلامی کا معلوم تھا کہ وہ تحریک انصاف

کے ساتھ اس احتجاج میں شریک ہوگی۔جس وقت مجھے اس بات کا علم ہوا تو فوراً میرے خیال میں ان لوگوں کے الفاظ آ گئے۔ میں نے سوچا ہماری عوام کے پاس کتنا نالج ہے کہ ان کو ہر بات کا علم پہلے سے ہوتا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی بول رہے ہیں کہ یہ وقت کا ضیا اور عوام کو بیوقوف بنانے کا طریقہ ہے۔

طاہر القادری پہلی بار میدان سیاست میں نہیں آ رہے ہیں اس سے پہلے بھی یہ 2001 کے الیکشن میں اسمبلی کا مزا چکھ چکے ہیں ۔اس لیے اب وہ دوبارہ انقلابی نعرہ ''سیاست نہیں ریاست بچاؤ'' کے ذریعے میدان میں آ رہے ہیں۔ اس سے پہلے وہ ٹھٹھرتی سردیوں میں خود بکتر بند ٹرک میں بیٹھ کر عوام کو کھلی سڑکوں پر ذلیل و رسوا کرا چکے ہیں ۔اب پھر وہ عوام کو تپتی دھوپ میں جلانے کے لیے احتجاجی تحریک شروع کر رہے ہیں۔ مولانا طاہر القادری کا ماضی اتنا شاندار نہیں ہے۔ ان کی متنازعہ ویڈیو اور بیانات دنیا کے سامنے ہیں۔ عوام ان کے سارے کردار سے بخوبی واقف ہیں۔

جب مولانا سیاست چھوڑ چکے ہیں تو پھر سیاست کے بغیر وہ کونسا الہ دین کا چراغ ہے جس کے ذریعے وہ ریاست کو بچانا چاہتے ہیں؟ پاکستان میں قانون سازی سے لیکر ملکی دفاع تک کے فیصلے تو پارلیمنٹ میں ہوتے ہیں اور اس میں عام بندوں کو شامل نہیں کیا جاتا ہے ۔اس میں شامل ہونے کے لیے پارلیمنٹ کا ممبر

ہونا ضروری ہے جس کے لیے الیکشن لڑنا فرض ہے۔اب عوام پوچھتی ہے کہ مولانا کے پاس وہ کونسی جادو کی چھڑی ہے جس کے ذریعے وہ پاکستان کی سیاست میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پھر الطاف بھائی کی طرح خود سیاست سے باہر رہ کر ملک پر کنٹرول چاہتے ہیں۔ پچھلی بار طاہر القادری کی حمایت الطاف بھائی نے آواز اٹھائی تھی اور اس بار تو خان صاحب ان کے کاندھے سے کاندھا ملائے ہوئے ہیں۔

عمران خان نے کہ گیارہ مئی سے ملک میں تبدیلی کی جنگ پھر سے شروع کرنے کا اعلان کیا ہے۔بقول خان صاحب ” گیارہ مئی کا احتجاج جمہوریت کو بہتر بنانے کے لئے کر رہے ہیں نہ کہ توڑ پھوڑ یا انتشار پھیلانا ہے، مخالفین کہہ رہے کہ ہم جمہوریت کو ڈی ریل کر رہے ہیں۔ تحریک انصاف فوج کی گیم کھیل رہی ہے کہ کس کے کہنے پر احتجاج ہو رہا ہے ۔میں ان پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک سال پہلے میں اسپتال میں داخل تھا تو اس وقت کہہ دیا تھا کہ الیکشن کو قبول کیا ہے کہ نہ الیکشن میں ہونے والی دھاندلی کو، گیارہ مئی کو آپ سب نے پاکستان کو بچانے کے لئے نکلنا ہے“۔

کیا جماعت اسلامی، طاہر القادری، تحریک انصاف کا احتجاجی پروگرام عمران خان کی مراد پوری کروا پائے گا اس کے بارے میں پیشن گوئی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم تحریک انصاف کے ارادے کے بارے میں کوئی بااعتماد رائے قائم کر

سکتے ہوں۔ دعوؤں کی حد تک عمران خان (ضدی پٹھان) کی طرح اکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ انھوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ اگر 11 مئی کو انصاف نہ ملا تو وہ ملک بند کر دیں گے مگر عام سیاستدانوں کی طرح بڑھکیں مارنے کا سلسلہ ان کا بہت پرانا ہے۔ کبھی کراچی میں اپنے کارکنان کے قتل کے معاملے پر، کبھی بجلی کی مصیبت کے پیش نظر، کبھی ڈرون حملوں، کبھی نیٹو سپلائی کی بندش اور کبھی بس ویسے ہی ہیں۔اس طرح کی بڑھک وہ الطاف حسین کے خلاف بھی مار چکے تھے مگر ان سب کا رزلٹ بھی عوام کے سامنے ہے۔

عمران خان کی احتجاجی سیاست ہر دوسرے ہفتے ایک نیا ماڈل پیش کرتی ہے۔ مگر ماضی میں اٹھائے ہوئے ان تمام طوفانوں میں سے کوئی بھی اپنی تندی وتیزی زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکا اور چٹانوں کو شکست دینے سے پہلے ہی کمزور ہو کر ریڈار پر سے غائب ہوگیا۔اب دیکھتے ہیں گیارہ مئی کو ملک کی بقاجنگ لڑی جارہی ہے یا پھر اپنے اپنے اقتدار کی جنگ ۔ یہ جنگ کوئی بھی مگر یہ بات میں واضح لکھ دوں کہ اس میں حسب توقع نقصان عوام کا ہوگا۔

پنجاب میں تعلیمی ایمرجنسی کا نفاذ

میں ٹی وی پر نیوز بلیٹن دیکھ رہا تھا۔ان تمام خبروں میں سے ایک خبر نے مجھے یہ کالم لکھنے پر مجبور کر دیا کیونکہ خبر ہی کچھ اتنی اچھی تھی کہ قلم خود بخود لکھنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ بہت سوچا کہ چھوڑ کیا لکھنا یہ خبر بھی دوسری خبر کی طرح ہے مگر کیا کرتا جب تعلیم کی بات ہو تو اس کی افادیت کے لیے میرا قلم لکھنے سے باز نہیں آتا۔ خبر یہ تھی کہ پنجاب حکومت نے صوبے میں فوری طور پر تعلیمی ایمرجنسی آرڈیننس نافذ کر دیا ہے۔ آرڈیننس کے تحت والدین پر بچوں کو اسکول بھیجنا لازم ہوگا۔ تعلیمی ایمرجنسی آرڈیننس کے مطابق 5 سے 16 سال تک کے بچوں پر تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ بچوں کو سکول نہ بھیجنے والے والدین کو چھ ماہ قید یا 50 ہزار روپے جرمانہ ہوگا ۔سکول سے طالب علم کا نام خارج کیے جانے کا اختیار بھی عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔

بچے اللہ کی عظیم نعمت ہیں۔بچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا کے لیے ایک تحفہ ہیں۔ جس گھر میں بچے نہیں ہوتے وہ گھر سنسان لگتا ہے۔ ہمارے رسول اکرم ﷺ کو بھی بچوں سے بہت پیار تھا۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کر کے معاشرے کا بہتر فرد بنائیں۔ کسی بھی بچے کی اچھی پرورش کے لیے

دینی اور دنیاوی دونوں تعلیم بہت ضروری ہیں۔ بظاہر تو پنجاب حکومت کا تعلیمی ایمرجنسی کا نفاذ اچھا اقدام ہے مگر اس اقدام پر عمل پیرا ہونگے کہ نہیں اس کی ضمانت کسی کے پاس نہیں کیونکہ چائلڈ لیبر کا جو حال ہو رہا ہے وہ بھی آپ سب کے سامنے ہے۔
حکومت صوبوں کی ہو یا وفاق کی انہوں نے بچوں کے فلاح کے لیے ہمیشہ اقدامات اٹھائے ہیں مگر صرف کاغذی کاروائی تک کیونکہ ان پر عمل آج تک نہیں ہوا۔ حکومت کی طرف سے چائلڈ لیبر پر پابندی ہے مگر اس بات کی گواہی کون دے رہا ہے کہ اس پابندی پر سختی سے عمل کیا جا رہا ہے؟ میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق اکثر فیکٹریوں میں چائلڈ لیبر قوانین کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ آپ کسی شہر یا دیہات میں چلیں جائیں وہاں ہوٹل ہو یا ورکشاپ، کریانہ سٹور ہو جنرل سٹور ہر جگہ آپ کو چھوٹے چھوٹے بچے کام کرتے نظر آئیں گے۔ اگر حکومت بچوں کے حقوق کے لیے اور ان کو تعلیم دلانے کے لیے اتنی مخلص ہے پھر اسکو چائلڈ لیبر پر سختی سے عمل کرانا ہوگا۔
فیکٹریوں میں تو یہاں تک دیکھا گیا کہ وہ چائلڈ لیبر کے خوف سے بلیک میل ہو کر میڈیا کے لوگوں کو منتھلی تک دیتے ہیں تاکہ ان کی خبر افسران بالا تک نہیں پہنچ جائے۔ ان فیکٹریوں میں ڈائریکٹر سے لیکر فیکٹری مالک تک آتے ہیں مگر انہوں نے بھی کبھی اپنے فیکٹری مینجمنٹ کو اس بات سے منع نہیں کیا۔

قانون نافذ کرنے والے افسران دن رات گاڑیوں میں سڑکوں کو پر گھومتے پھرتے رہتے ہیں کیا کبھی کسی نے روڈ پر کام کرتے بچوں سے پوچھا کہ وہ سکول کیوں نہیں جاتے ؟ سرعام یہ آفیسرز اپنی گاڑیاں ان چھوٹوں بچوں سے مرمت کراتے ہیں مگر کبھی اس ورکشاپ کے مالک سے یا بچے کے والدین سے نہیں پوچھا کہ ان کو سکول کیوں نہیں بھیجتے یا ان کو کام پر کیوں لگایا ہوا ہے ؟

پاک نیوز لائیو سروے کے مطابق جب والدین سے بچوں کو سکول پڑھانے کی بجائے کام پر لگانے کی وجہ دریافت کی گئی تو ان کا جواب ایک ہی تھا کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں کہ ہم بچوں کو تعلیم دلوا سکیں۔ بیروزگاری نے ہماری کمر توڑی ہوئی ہے۔

پنجاب میں تعلیمی ایمرجنسی لگائی ہے تو پھر اس پر عمل کرانا ہوگا۔ خادم اعلیٰ کو ایک سیل آفس قائم کرنا ہوگا جہاں اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف آپ کو فوری اطلاع دی جاسکے کیونکہ چائلڈ لیبر کی طرح اس ایمرجنسی میں بہت سے چور راستے ہونگے۔ ویسے تو پاکستان میں تمام معاشرے کے لوگ بچوں کی تعلیم کے حق میں ہیں مگر یہ تعلیم بھی صرف امرا کے لیے ہے غریبوں کے لیے نہیں۔ حکومت نے پچھلے دنوں دانش سکول قائم کیے تو وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں

جہاں غریب کی پہنچ ہی نہیں۔

حکومت ہر بار کسی نہ کسی پیکج کا اعلان کرتی رہتی ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتی ۔حالیہ PEC امتحانات میں ہشتم کلاس سے عربی، معاشرتی علوم اور آپشنل مضامین کے پیپرز نہیں لیے گئے پھر ان نتائج میں بے تحاشا غلطیاں کی گئیں ہیں۔آج تک ان بچوں کے رزلٹ کارڈ ایشو نہیں ہوئے لیکن خادم اعلیٰ بتائیں کہ انہوں نے یا صوبائی وزیر تعلیم نے کوئی ابھی تک ایکشن لیا؟ ہمارے حکمران تعلیم کے ساتھ صرف کھیل رہے ہیں۔ تعلیم کو عام کرنے کا ڈرامہ کیا جارہا ہے۔ خواندگی کی شرح کاغذوں میں بڑھائی جارہی ہے UPE کے نام سے کھیلا جارہا ہے۔ حقیقت میں نہیں۔اس سے پہلے ایک بھیانک کھیل اداروں سے اساتذہ اس کھیل کے نام پر غائب ہوتے ہیں ۔اداروں میں فرضی بچے داخل کرکے اس ٹارگٹ کو پورا کرنے کا حکم ہے جس کی آڑ میں استاد Rationalization سے بچ کے ایک ہی جگہ پر سالہا سال سے بیٹھے ہیں۔ مسئلہ نت نئی قانون سازی نہیں بلکہ پہلے سے وجود قانون پر عملدرآمد کا ہے۔ لازمی پرائمری تعلیم ایکٹ موجود ہے ۔ ضرورت تمام قوانین پر ان کی روح کے مطابق عمل کی ہے ورنہ ریمنڈ ڈیوس جیسے قاتل ملک سے باہر اور جیب کترے سالہا سال جیل میں سڑتے رہیں گے۔

اسلام دشمن میڈیا اور ہماری ذمہ داری

مشرف کے روشن خیال دور میں پاکستانی میڈیا نے خوب ترقی کی۔ حکومت نے بہت سے ٹیلی ویژن اور ایف ایم ریڈیو چینلز کے لائسنس جاری کیے۔ چینلز کی کثرت سے پاکستانی میڈیا میں جدت آئی اور پرائیوٹ چینلز کی طرف سے ٹاک شوز کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ پروگرامز وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں میں خاصے مقبولیت حاصل کرتے رہے جس سے نہ صرف پرائیویٹ ٹی وی چینل کے ناظرین کی تعداد بڑھی بلکہ عوام کو بھی سچی اور جھوٹی دونوں طرز کی خبروں اور تجزیوں کا علم ہوتا رہا کیونکہ سرکاری ٹی وی چینل جو پہلے تمام خبروں کا ذریعہ تھا اس کا کام صرف حکمرانوں کی مدح سرائی رہ گیا تھا۔ تمام حکومتیں اپنی مرضی کی خبریں عوام تک پہنچنے دیتی تھیں۔ اور عوام رات 9 بجے کی خبریں سن کر سمجھتے تھے سب اچھا ہے۔ اس وقت بھی ملک کا حال کچھ ایسا ہی تھا، کرپشن ، چوری چکاری، ڈاکے، سیاستدانوں کی ناجائز لوٹ مار سب چلتا تھا۔ بات ہو رہی تھی ٹاک شوز کی۔ ان ٹاک شوز سے نہ صرف صحافی حضرات نے نام اور شہرت کمائی بلکہ سیاست دانوں اور ٹی وی چینل کے مالکان کو بھی بہت فائدہ ہوا۔ بلکہ کئی سمجھدار اور دانشمند سیاستدانوں نے ذاتی چینل بنائے مثلا

دنیا نیوز میاں عامر کا ہے جو لاہور کے ناظم بھی رہ چکے ہیں۔ چینل 5 والوں کا خاندان بھی سیاست میں ملوث رہا ہے۔ پھر ایسے میں مخالف لوگوں کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے کچھ سیاسی جماعتوں نے اپنی حمایت میں بولنے اور مخالف سیاسی جماعت کے ممبران کو زچ کرنے کے لیے صحافی حضرات اور ٹاک شوز کے میزبانوں کی جیب اور پیٹ گرم کرنا شروع کیا۔ اگر واشگاف الفاظ میں یہ کہا جائے کہ ان سیاستدانوں نے ایسے لوگوں کو خرید لیا تو یہ غلط نہ ہوگا۔ یوں پاکستانی میڈیا میں منفی رپورٹنگ کا رجحان وجود میں آیا۔ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرنا ایسے لوگوں کا وطیرہ بن گیا تھا۔ ایسا کرنے سے متعدد بار ٹاک شوز میں تلخ کلامی اور گالی گلوچ کے واقعات بھی دیکھنے میں آئے۔

پھر انہی چینلز نے مارننگ شو شروع کیے۔ جن میں صبح سے ہی عوام کو گمراہ کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان میں وہ باتیں تک کر دی جاتی ہیں جو گھر میں فیملی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کی جا سکتیں۔ ایسی بے ہودہ حرکتیں کی جاتیں ہیں کہ اللہ پناہ دے۔ حال ہی میں جیو کے انٹرٹینمنٹ چینل کے ایک مارننگ شو کے دوران جو مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایک ایسی اداکارہ جس نے پہلے ہندوستان میں جا کر اسلام اور پاکستان کو اپنی بے ہودہ حرکات سے ساری دنیا میں اس قدر بدنام کیا کہ ہر مسلمان کا سر شرم سے جھک گیا۔ جیو کے اس شو میں اس بدنام ترین کردار کو خواتین جنت کی سردار نبی ﷺ کے

دل کے چین حضرت فاطمہ زہرہؓ سے تشبیہ دی گئی۔ یہی حرکت کسی غیر مسلم سے ہوتی تو سارا پاکستان احتجاج کر رہا ہوتا۔ حکومتی سطح پر اسمبلیوں میں مذمتی قرارداد یں پاس ہو رہی ہوتیں۔ مذہبی لیڈران کرام دھرنے دے کر بیٹھے ہوتے۔ کہیں سے سونامی برآمد ہوتی تو کہیں کینیڈا سے اسلام کے نام پر بھاشن دیا جا رہا ہوتا۔ مگر افسوس آج ہمارے حکمرانوں، سیاستدان، مذہبی لیڈران کو سانپ سونگھ گیا ہے بس کہیں کہیں احتجاج کی صدا بلند ہو رہی ہے۔

مذہبی طور پر دل آزاری کا باعث بننے والی قابل اعتراض اور توہین آمیز نشریات کے بعد کئی دیگر ٹی وی چینلز کی طرف سے جیو کو شدید طور پر ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس بڑے ٹی وی نیٹ ورک کے خلاف ملک کے کچھ علاقوں میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بعض شہروں سے عوامی دباؤ کی وجہ سے جیو کی نشریات کے بند کیے جانے کی بھی اطلاعات ہیں اور جیو پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی سامنے آ رہا ہے۔ 14 مئی کو نشر ہونے والے مارننگ شو کے خلاف پانچ ہزار سے زائد شکایات کی وصولی کے بعد پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے اس پروگرام کے حوالے سے جیو ٹی وی نیٹ ورک کو شوکاز نوٹس بھی جاری کر دیا ہے مگر وہ بھی صرف کاغذی کاروائی تک۔

اگرچہ جیو ٹی وی کی انتظامیہ اور مارننگ شو کی اینکر شائستہ واحدی نے

ناظرین سے معافی بھی مانگ لی ہے اور مارننگ شو کے پورے عملے کو معطل کر کے تحقیقات بھی شروع کر دی گئی ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس کے نتائج حسب توقع صفر ہونگے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جیو نے حامد میر نے جو آئی ایس آئی پر الزامات لگائے ان سے توجہ ہٹانے کے لیے ایک نئی چال چل دی۔ اگر ایسا ہے تو یہ حرکت آئی ایس آئی والے واقعہ سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ مسلمان اپنے آپ کو تو گرا سکتا ہے مگر اپنے انبیاء کرام، اہل بیت اور اسلام کے خلاف کچھ نہیں سن سکتا۔ وہ اسلام پر اپنی جان ہنس کر قربان کر سکتا ہے مگر اپنے دین پر آنچ نہیں آنے دیگا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سپریم کورٹ از خود نوٹس لیتی اور اس چینل کو ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے جن جن چینلز نے ایسی حرکت کی ہے ان سب کو سزا دیتی مگر نہ تو چیف جسٹس صاحب نے نوٹس لیا اور نہ ہی ہمارے حکمرانوں نے۔ نوٹس لیا تو صرف بچاری عوام نے مگر اکیلی عوام کچھ نہیں کر سکتی۔ پاکستان کی غیور عوام سے میرا سوال ہے کہ کب تک ہم ان کم ظرف لوگوں کے دس نگر رہیں گے؟ میری درخواست صرف یہ ہے کہ ان سیاستدانوں اور حکمرانوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑو۔ اسلام اور پاکستان کی خاطر ہم خود یہ قدم اٹھائیں اور مل کر یہ عہد کریں کہ نہ صرف GEO بلکہ SAMA اور ARY کا بھی بائیکاٹ کریں گے۔ کیونکہ حکمران ہمیں تو ذلیل و رسوا کرا رہے ہیں اب ہمارے دین کو بھی بدنام کرانے لگے

ہیں۔
یقیناً میں مذہبی قائد تو نہیں لیکن آپ کے جذبات بھی مجھ سے کم نہیں ہوں گے اس لیے اگر آپ کو اس بات سے اتفاق ہے تو وعدہ کریں کہ جب تک حکومت ان کے خلاف سخت ایکشن نہیں لیتی اور ان کو سزا نہیں دیتی ہم خود ہی ان چینلز کا بائیکاٹ رکھیں گے۔

تکبیر سے ''یوم تکبیر'' تک

مسلم لیگ نے قائدا عظم کی انتھک کوششوں سے پاکستان بنایا اور مسلم لیگ نے ہی میاں نواز شریف کی کوششوں سے پاکستان کی حفاظت کرنے کے لیے ایٹمی دھماکے کیے ۔ایسا وطن پرست جذبہ صرف مسلم لیگیوں میں ہی پایا جاتا ہے پاکستان بننے سے لیکر آج تک پاکستان کے دشمنوں کی نظریں پاکستان کو تباہ و برباد کرنے پر جمی ہوئی تھیں۔ اللہ بھلا کرے ذوالفقار بھٹو، میاں نواز شریف اور ڈاکٹر عبدالقدیر کا جس نے پاکستان کی طرف میلی آنکھ اٹھانے سے پہلے ہی پھوڑ ڈالی۔

28 مئی یوم تکبیر کے طور پر پاکستان میں منایا جاتا ہے اور 14 اگست 1947ء کے بعد یہ دوسرا قومی دن ہے کیونکہ 14 اگست کو پاکستان بنا تھا اور 28 مئی کو پاکستان نے اپنی بقا کی جنگ جیتی تھی۔ یہ دونوں دن پاکستان کے سب سے تاریخی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ جس ے پاکستان بنایا اس کے بانی قائد اعظم ہیں اور اس تاریخ ساز دن کے بانی میاں محمد نواز شریف ہیں جنھوں نے عالمی دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے اور اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن کے پانچ ٹیلی فون کال کرنے کے ساتھ ساتھ پانچ ارب ڈالر پیکج کی بھی آفر کی جس کو موجودہ حکومت نے ٹھکرا دیا۔ یہ لوگ یقینا اس بات سے ناواقف تھے کہ پاکستان کو

خریدا نہیں جاسکتا۔ 28 مئی 1998 کے روز سہ پہر 3 بج کر 16 منٹ پر چاغی میں ایک بٹن دبا کر پاکستان کو عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بنا دیا۔ میاں محمد نواز شریف نے وطن عزیز کو ناقابل تسخیر بنانے کا یہ دلیرانہ قدم اُٹھا کر مسلم ممالک کو بھی راہ دکھائی کہ وہ بھی ایک تاریخ ساز قدم اُٹھا کر دنیا میں فخر سے سربلند کرلیں۔ یہ پاکستانی قوم کے خوابوں کی تعبیر کا دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو دشمنِ وطن کے سامنے سپرپاور بنادیا جس کا کریڈٹ مسلم لیگ کو ہی نہیں بلکہ قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور انکی ٹیم کے علاوہ خصوصی طور پر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے۔ جنھوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھی اور جس کی بدولت آج ہم سر اٹھا کر جی سکتے ہیں۔

حکومت پاکستان کے ساتھ پوری پاکستانی قوم کی طاقت اور بہادر افواج بھی تھی جس نے جتنے بھی دباؤ آئے ان کا باوقار انداز میں سامنا کیا اور قومی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مقروض اسلامی ملک کو بھی ایٹمی قوت بنادیا مگر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ جس وقت مشرف نے حکومت پر خون شب مارا تو اس وقت بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر فوج لگا دی تھی۔ یہ تو ہماری ایٹمی قوت ہی تھی جس نے بھارت کو حملے سے باز رکھا۔

پاکستان ایٹمی طاقت بنانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں ملازمت کر رہے تھے مگر اپنے سینے میں پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور کر دینے کی تڑپ رکھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ایک خط تحریر کیا تو بھٹو نے انہیں وطن واپس بلوالیا۔ 1975 میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں تیس ہزار ماہانہ کی تنخواہ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ بھٹو نے کہوٹہ لیبارٹری کا سنگ بنیاد رکھ دیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پہلی تنخواہ چھ مہینے بعد دی گئی جو صرف تین ہزار ماہانہ تھی۔ انہوں نے ملکی مفاد کیلئے قلیل تنخواہ پر کام جاری رکھا اور پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا کر دم لیا۔" امریکہ سنٹرل کمانڈ کے سابق کمانڈر جنرل زینی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے پاکستان کو ایٹمی دھماکوں سے روکنے کیلئے صدر کلنٹن نے اعلیٰ سطحی وفد اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن اس وقت کے وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے اس وفد کو پاکستان کی سرزمین پر اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سنٹرل کمانڈ کا بوئنگ 707 ٹمپا کے ہوائی اڈے پر تیار کھڑا تھا امریکیوں کے بار بار رابطے کے باوجود پاکستان کی طرف سے انکار جاری رہا۔ پاکستان میں امریکی وفد نے وزیراعظم نواز شریف سے متعدد ملاقاتیں کیں لیکن ایٹمی دھماکے نہ کرنے کی بات منوا نہ سکے۔ امریکہ کے سنٹرل کمانڈ کے سابق کمانڈران چیف جنرل ابی زید نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان اور عراق سے زیادہ پاکستان اور سعودی

عرب امریکہ کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ پاکستان کیساتھ ایٹم بم ہے اور سعودی عرب کیساتھ تیل کے ذخائر ہیں۔ اسرائیل کا ایٹمی پروگرام امریکہ اور اسکے حواریوں کو نظر نہیں آتا شالی کوریا ایٹمی دھماکہ کرے تو بھی تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے باوجود امریکہ اسکے ساتھ مزید ایٹمی تعاون کا معاہدہ کرتا ہے لیکن پاکستان اور ایران کا ایٹمی پروگرام امریکہ کا ہدف ہے کیونکہ یہ دونوں مسلم ممالک ہیں۔

آج جب پاکستان میں یوم تکبیر کے دن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے مگر عوام کو یہ دن مناتے ہوئے کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود امریکہ کے آگے جھکنے پر مجبور ہیں۔ امریکہ کھلم کھلا ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہا ہے ۔بار بار ڈرون حملے کر رہا ہے اور دوسری طرف پاکستان میں ہمارے ہی لوگوں پر جھوٹے الزام لگا کر دہشت گرد ثابت کرنے پر تُلا ہوا ہے اور ہمارے ملک کے سربراہان ان ملکوں کے آگے بچھے پڑے ہیں۔ ان ہی ملکوں کے دورے کرکے یہ بات ثابت کرانا چاہتے ہیں کہ ہم تمھارے غلام ہیں۔

یہی وجہ ہے عوام اپنے ملک میں ہی اپنے آپ کو دوسرے ملکوں کا غلام یا امریکہ کے پٹھو سمجھ رہے ہیں۔ ملک ہمارا اور حکم امریکہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ آیئے آج کے دن اس بات کا عہد کریں کہ ہم کبھی کسی غیر مسلم طاقت کے سامنے سر نہیں

جھکائیں گے۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی تو لگا سکتے ہیں مگر اس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ آج کے دن ہمارے سیاستدانوں کو بھی یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ آپس کے اختلافات بھلا کر ملک کی ترقی اور عوام کی خوشحالی کے لیے ہر اقدام اٹھائیں گے۔ اللہ ہمارے پاکستان کو نظر بد اور دشمنوں کی مکارانہ چال سے محفوظ رکھے۔ آمین

بنت حوا کی تذلیل کیوں؟

الحمد للہ دین اسلام میں عورت کو اتنا اونچا مقام مرتبہ حاصل ہوا ہے جو اسے پہلے کسی مذہب میں حاصل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی اور امت اسے پا سکی۔ دین اسلام نے انسان کو جو عزت واحترام دیا ہے اس میں مرد و عوت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عورت کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلائے۔ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کے مختلف معاشروں میں عورت کے حقوق کو پامال کیا جاتا تھا اور عورت کو اس کا اصل مقام نہیں دیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر فرانس میں یہ تصور تھا کہ عورت کے اندر آدھی روح ہوتی ہے، اس لئے وہ معاشرہ میں برائی کی وجہ اور بنیاد بنتی ہے۔ چین میں عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ عورت کے اندر شیطانی روح ہوتی ہے، اس لئے پورے معاشرہ میں فساد کی بنیاد بنتی ہے۔ اسی طرح ہندوازم میں اگر کسی جوان عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کو بدبخت سمجھا جاتا تھا حتی کہ خاوند کی لاش کے ساتھ اسے بھی جلادیا جاتا، یعنی عورت ستی ہو جایا کرتی تھی۔ اگر کوئی ایسا نہ کرتی تو اسے معاشرہ میں عزت و وقار کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔

عرب میں اسلام سے قبل عورت کے حقوق کو اس قدر پامال کیا جاتا تھا کہ لوگ اپنے گھر میں بیٹی کا پیدا ہونا منحوس سمجھتے تھے اور بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اس وقت معاشرہ کی یہی حالت تھی جب اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے آکر واضح کیا کہ ''اے لوگو! عورت اگر بیٹی ہے تو یہ تمہاری عزت ہے، اگر بہن ہے تو تمہارا ناموس ہے، اگر بیوی ہے تو تمہاری زندگی کی ساتھی ہے اور اگر ماں ہے تو تمہارے لئے اس کے قدموں میں جنت ہے''۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جس آدمی کی دو بیٹیاں ہوں، وہ ان کی اچھی تربیت کرے، ان کو تعلیم دلوائے، حتیٰ کہ ان کا فرض ادا کرے تو وہ جنت میں ایسے ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں''۔

ٹی وی پر نیوز بلیٹن دیکھ رہا تھا اس میں ایک نیوز حافظ آباد میں ہونے ضمنی الیکشن کی آئی جس میں پی ٹی آئی کے کارکنوں نے اس قدر گھٹیا حرکت کی جس کو قلم بھی بیان کرنے سے قاصر ہے۔ جس طرح میڈیا دیکھا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ کسی مسلمان ملک کا واقعہ نہیں۔ پی ٹی آئی کے کارکن مسلم لیگ ن کی ایم پی اے کو اس طرح تنگ کر رہے تھے جیسے کیسی محفل میں تماش بین حرکات کرتے ہیں۔ ایک نوجوان تو کبھی کاندھا مار رہا تھا تو کبھی ٹانگیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنے لوگ موجود ہونے کے باوجود کوئی بھی اس نوجوانوں کو ایسی بے ہودہ حرکتوں سے نہیں روک رہا تھا۔ کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ ن لیگ کی

ممبر بعد میں ہے پہلے ایک عورت ہے اس کے بعد یہ کسی کی ماں اور کسی کی بیٹی بھی ہے۔ خان جی سے کوئی پوچھے کہ کیا ایسی تربیت دی جاتی ہے ان کارکنوں کو؟ کیا پی ٹی آئی کے کارکنوں کی طرف سے کی جانے والی ان حرکات پر بھی خان صاحب احتجاجی مظاہرہ کریں گے؟

ہمارے مذہب نے خواتین کو اتنا مقام دیا مگر ہمارے اسی اسلامی ملک میں حافظ آباد کے ضمنی الیکشن عورت کے ساتھ وہ سلوک کیا جس نے تمام مسلمانوں کے سر جھکا دیے۔ جو مذہب عورت کا احترام اتنا زیادہ سکھاتا ہے اسی مذہب کے ماننے والوں نے عورت کی چادر کو تار تار کر دیا۔ بقول فرزانہ بٹ ایم پی اے کے کہ تحریک انصاف کے کارکنوں نے دوپٹہ کھینچا اور فحش گالیاں دی۔ کارکنوں نے ایسی غیر اخلاقی حرکتیں کیں جو بتائی بھی نہیں جا سکتیں۔ دل چاہ رہا تھا چیخیں مار مار کر روؤں۔ ایسا سلوک کیا گیا جو بتایا نہیں جا سکتا۔ مردوں نے ہلہ بول دیا اور ٹھڈے مارے۔ میڈیا نے جو دکھایا تو وہ اس بیہودگی کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔ تحریک انصاف کے کارکنوں نے غنڈہ گردی کی انتہا کر دی۔ پی ٹی آئی کے کارکنوں کی طرف سے ہونے والی ان حرکات کے بارے میں جب فرزانہ بٹ کا موقف سننے کے بعد ہر مسلمان کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔ ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اخلاقیات کی تمام حدیں کیوں کراس کر جاتے ہیں۔ اس واقعہ سے

کچھ دن پہلے سوشل میڈیا پر پی ٹی آئی لاہور کی اہم رہنما نے انکشاف کیا کہ کہ پی ٹی آئی کے جلسوں میں عورتوں سے بے ہودہ سلوک کیا جاتا ہے۔اس کی باتیں سن کر کوئی یقین نہیں کر رہا تھا بلکہ سب لوگوں یہ سمجھ رہے تھے کہ اس نے پی ٹی آئی چھوڑ دی ہو گی اس لیے ان کے خلاف زہر اگل رہی ہے مگر جب چینلز پر حافظ آباد والا واقعہ دیکھااور اس کے بعد میں کچھ اور کہنے یا لکھنے سے قاصر ہوں۔

سیاسی کارکن کسی بھی پارٹی کے ہوں مگر ان کو اخلاقیات کا خیال رکھنا چاہیے۔ عورت کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔ عورت کی حقوق کسی اور نے نہیں دلائے یہ حقوق دلانے والا بھی ہمارامذہب ہے۔ پھر جب ہم خود ایسی حرکات کریں گے تو غیر مسلموں کو تو موقع ملے گا مسلمانوں کے خلاف بولنے کا۔ عورت کا معاشرے میں ہی نہیں آخرت میں بھی بڑا مقام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت ماں کے قدموں کے تلے رکھی ہے۔ ہمارے سیاستدانوں کے کو چاہیے کہ وہ بنت حوا کو سیاست کے میدان میں ذلیل کرنے کے بجائے ان کا احترام کرنے کا درس دیں۔ اپنے کارکنوں کی اچھی تربیت کریں تاکہ ہمارا سر فخر سے بلند ہو سکے۔

لوڈشیڈنگ یا لوڈ شیئرنگ

پاکستان میں گرمی کی شدت بڑھنے کے ساتھ ہی ملک بھر میں بجلی کی لوڈشیڈنگ میں بھی بے حد اضافہ ہو گیا ہے اور بجلی کا شاٹ فال چھ ہزار میگا واٹ کی ریکارڈ سطح تک پہنچ گیا ہے جبکہ کئی کئی گھنٹے کی لوڈشیڈنگ جاری ہے۔ بجلی فراہم کرنے والے ادارے کے مطابق ملک میں بجلی کی پیداوار کم ہو کر دس ہزار میگا واٹ رہ گئی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں بجلی کی طلب سولہ ہزار میگا واٹ تک جا پہنچی ہے۔پیپکو حکام کا کہنا ہے کہ ملک کو اس وقت کئی ہزار میگا واٹ کے قریب بجلی کی کمی کا سامنا ہے۔ بجلی کی پیداوار میں کمی سے لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھ گیا ہے اور شہروں میں دس سے بارہ گھنٹوں جبکہ دیہی علاقوں میں سولہ سولہ گھنٹوں تک لوڈشیڈنگ کی جا رہی ہے۔لوڈشیڈنگ سے جہاں صنعتوں کو نقصان پہنچ رہا ہے وہیں عام تاجر بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور ان کا روزگار بھی خطرے میں پڑ گیا ہے۔

توانائی کے بحران نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور ملک میں ہر طرف روشنیاں گل ہو رہی ہیں۔ صنعتی پیداوار' گھریلو زندگی اور سماجی ، معاشی اور دفتری معمولات درہم برہم ہو چکے ہیں۔ معاشی ترقی بے روزگاری میں اضافہ اور غربت کے پھیلاؤ میں بھی بجلی کی کمی اور اس کی قیمت میں اضافہ ایک اہم

- عنصر ہے۔ ملک کا شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جو اس بجلی کی قلت سے متاثر نہ ہو لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک طرف تو بجلی نہیں مل رہی لیکن بجلی کے بل میں کوئی کمی نہیں ہو رہی، الٹا اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس وقت جو بجلی عوام کو میسر کی جارہی ہے وہ نہ ہونے کے مترادف ہے۔ عام روٹین میں جو وولٹیج مہیا کیے جاتے ہیں وہ 220 یا اس سے زائد ہوتے ہیں مگر اس وقت جو وولٹیج عوام کو مل رہے ہیں وہ صرف 100 ہیں۔ جو گھریلو برقی آلات کو نہیں چلا سکتے ۔ لوگ اتنی گرمی میں پانی سے بھی تنگ ہیں کیونکہ وولٹیج سے واٹر پمپ نہیں چلتے بلکہ سڑ جاتے ہیں اور عوام پانی کے لیے باہر نہروں 100 یا نلکوں کا رخ کرتے ہیں۔ فریج کا چلنا تو ممکن ہی نہیں بلکہ اس گرمی کی شدت کو کم کرنے کے لیے کئی سو روپوں سے زائد کا برف بازار سے خرید کر استعمال کرنا پڑتا ہے جبکہ بجلی کا بل اپنی آب وتاب کے ساتھ آ رہا ہے۔ بجلی ملے نہ ملے مگر بل ہر بار گھر کے دروازے پر پہنچ جاتا ہے۔

یہی نہیں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ملکی معیشت کو روزانہ دو ارب روپے کا پیداواری نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ پہلے ہی ایک تو پاکستان کی چالیس فیصد آبادی کے پاس بجلی کے کنکشن موجود نہیں ہیں اور جس ساٹھ فیصد کے پاس کنکشن

موجود ہیں انھیں ان کی ضروریات کے مطابق نہیں مل رہی۔ پاکستان کے دوست ممالک پاکستان کے اس توانائی کے بحران میں مدد کرنے کو تیار ہیں مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر ان پیشکشوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔

ملک میں موجود کوئلے کے بڑے ذخائر پر سرمایہ کاری کرکے اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ہم اپنے ملک کی ضرورت سے زیادہ بجلی پیدا کر سکتے ہیں لیکن ملٹی نیشنل آئل کمپنیوں نے اپنی مضبوط لابی کی وجہ سے گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں کوئلے کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کی تمام تجاویز اور منصوبہ بندیوں کو عملی جامہ نہیں پہنانے دیا اور یہ تمام منصوبے فائلوں تک ہی محدود رہے۔

ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو ملک توانائی کے بدترین بحران سے گزر رہا ہے اور لوگ 10 سے 16 گھنٹے لوڈشیڈنگ کا عذاب جھیلنے پر مجبور ہیں وہاں سیاستدان اور واپڈا اہلکاروں کو کس خوشی میں بھاری بھرکم تنخواؤں کے علاوہ مفت بجلی کے یونٹ فراہم کئے جارہے ہیں۔ یہ لوگ خود تو مفت بجلی کے مزے اڑاتے ہیں لیکن ان کے بل کا بوجھ عوام پر ڈال دیا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان نے آج تک اس بات کا حساب کتاب تک نہیں رکھا کہ پورے پاکستان میں واپڈا اہلکار اور ہمارے سیاستدان کتنی بڑی تعداد میں یونٹ استعمال کرتے ہیں اور

ان کا بل کس کھاتے میں جاتا ہے۔

اگر حکومت بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے اور عوام کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے یہ فری یونٹ کا سلسلہ بند کر دینا چاہیے ۔ اس طرح سے پہلے تو بچارے غریب عوام پر بلوں کا بوجھ کچھ کم ہو جائے گا، توانائی بحران کم کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ سب سے اہم بات تو یہ کہ واپڈ اہلکاروں اور سیاستدانوں کے بل ادا کرنے سے حکومت کی اپنی آمدن میں اضافہ ہوگا اور اس طرح واپڈا اہلکار اور سیاستدان خود بھی بجلی کنجوسی سے استعمال کریں گے۔ یوں لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کے ساتھ ختم نہ ہو سکا تو کم تو ضرور ہو جائے گا۔

کب ختم ہوگا چائلڈ لیبر کا ناسور

بچے پھول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے معصوم چہرے سورج کی پہلی کرن سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جو معاشرے کی ایک انتہائی معصوم اور حساس پرت ہوتے ہیں۔معاشرے کا ہر فرد بچوں سے پیار کرتا ہے۔ بچوں کی موجودگی سے گھروں میں رونق ہوتی ہے اور جنہیں پڑھ لکھ کر ملک کے مستقبل کا معمار بنا ہوتا ہے۔یہی معصوم پھول ڈالی سے ٹوٹ کر گلیوں کی دھول بن جاتے ہیں۔ جس کی ایک صورت چائلڈ لیبر کی ہے۔

چائلڈ لیبر سے مراد نوعمر اور کم سن بچوں سے محنت مشقت اور ملازمت کرانا ہے۔ یعنی بچے کو اس کے حق تعلیم و تفریح سے محروم کرکے اس کو کم عمر میں ہی کام پر لگا دیا جائے۔ چائلڈ لیبر بچوں کے مسائل میں اہم ترین مسئلہ ہے۔ عالمی سطح پر چائلڈ لیبر کے اعداد و شمار بہت تشویشناک ہیں۔ انٹر نیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) نے اس بارے میں اپنی رپورٹ بتایا ہے کہ ''ایک اندازے کے مطابق چوبیس کروڑ ساٹھ لاکھ بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ پھر ان بچوں میں سے تقریبا تین چوتھائی (سترہ کروڑ دس لاکھ) سخت مشقت والے کام کرتے ہیں جیسے کہ کانوں میں کام کرنا، کیمیکلز کے ساتھ کام کرنا اور کھیتی باڑی نیز

خطرناک قسم کی مشینری کے ساتھ کام کرنا۔

چائلڈ لیبر کے بہت سے اسباب ہیں جن کے وجہ سے والدین اپنی کم سن اولاد کو کام کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں عام طور وہ والدین جو بچوں کی تعلیم کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے یا کسی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں رہتے یا ان کی کمائی کم ہوتی ہے مگر زیادہ افراد کی کفالت ذمہ ہوتی ہے تو ایسے میں یہ والدین اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بعض اوقات والدین کی تعلیم اور شعور میں کمی بھی اس مسئلے کا سبب بنتی ہے۔ بعض لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد رزق کمانا ہوتا ہے۔ پس یہ والدین بچوں کو بچپن سے ہی کسی فیکٹری، کسی موٹر مکینک یا کسی اور ہنر مند کے پاس بطور شاگرد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ بچہ جلد روزگار کمانے کے قابل ہو سکے۔

آج کل سبزی فروٹ منڈیاں، چھپر ہوٹل، ورکشاپس سے لیکر مختلف انڈسٹریز تک چائلڈ لیبر کا گڑھ ہیں۔ سڑکوں پر گشت کرتے بچے جو حالات گردش کی بنیاد پر مارے مارے پھرنے پر مجبور ہیں۔ وہ معصوم بچے جن کے ہاتھوں میں کتابوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی ہے ان کے ہاتھوں میں یہ معاشرہ ورکشاپس کی صورت میں اوزار تھما دیتا ہے۔

ملک بھر میں قانونی پابندی کے باوجود چائلڈ لیبر کا خاتمہ نہیں ہوا۔ چودہ سال سے کم عمر بچوں سے نہ صرف غیر قانونی مشقت لی جاتی ہے بلکہ ان سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتاہے۔ جبکہ یہ معصوم پھول تو صرف شفقت کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو بچے زمانے کی کڑی دھوپ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ معاشرے کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں۔ انسانی حقوق کی نمائندہ تنظیم گلوبل فاؤنڈیشن کے مطابق چائلڈ لیبر کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا 20ہزار روپے جرمانہ اور ایک سال قید کی سزا کے باوجود بچوں سے غیر قانونی مشقت لی جاتی ہے۔

پاکستان میں 33% بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ ایک سروے کے مطابق پنجاب میں 2500سے زائد بھٹوں پر پانچ سے بارہ سال عمر تک کے ایک لاکھ سے زائد بچے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ شہروں میں گھر کی صفائی اور چھوٹے موٹے کاموں کے لیے تقریباً تیس ہزار بچے مصروف ہیں۔ بس اڈوں ، سبزی ،فروٹ منڈیوں ، ہوٹلوں، ورکشاپوں اور دیگر صنعتیں تو چائلڈ لیبر کی خلاف ورزی کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔

چائلڈ لیبر میں کام کرنے والے زیادہ بچے سکولوں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ کوئی

تعلیم کے ڈر سے تو کوئی مارپیٹ اور بے رحمی کے خوف ۔ کچھ ایسے بھی بچے ہیں جو والدین کے دباؤ سے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ بچے اچھی زندگی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ نفسیاتی طور پر جھگڑالو اور جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ یہ منفی طرز عمل معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ جو معاشرے کی تمام برائیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ معاشرے میں ڈکیتی اور چوری جیسے ناسور جرائم جنم لیتے ہیں۔

چائلڈ لیبر کے خاتمے کے اقدامات کئے جائیں تو ان سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

معاشرے کی سطح پر اگر ہر آدمی اپنے پڑوسی اور رشتہ داروں میں سے غریب افراد کی امداد کرے تو بھی بچوں کی مشقت کا خاتمہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہر غریب فرد کسی نہ کسی کا پڑوسی یا رشتہ دار ضرور ہوگا۔ حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ بے سہارا لوگوں کی کفالت کرے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی آدمی قرض یا بے سہارا بچے چھوڑے تو میں ان کا مولی (سرپرست) ہوں گا۔ یہ ذمہ داری آج کے مسلم حکمرانوں پر بھی ہے۔

اگر حکمران اپنے فرائض سرانجام دیں اور بیت المال اور سرکاری خزانے سے ایسے بے سہارہ خاندانوں کی مدد کریں جن کا کمانے والا کوئی نہ ہو تو چائلڈ لیبر کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

بین الاقوامی تنظیمات غریب ممالک پر چائلڈ لیبر کے باعث پابندیاں لگا کر ان کو مزید مشکلات سے دو چار کرنے کی بجائے ان ممالک کے غریب و مفلس افراد کی مدد کرکے ان کے مسائل کو

حل کیا جائے۔ اگر معاشرہ، ملک اور بین الاقوامی برادری اپنے فرائض ادا کرے تو اضطراری حالات میں چائلڈ لیبر کے معاملہ کو بھی مستقل طور پر حل کر سکتی ہیں۔ افسوس حکومت چائلڈ لیبر کو کنٹرول کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ پاکستان میں سرعام چائلڈ لیبر کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ اشد ضروری ہے کہ اس سلسلے پر خاص توجہ دی جائے۔ ہمارا مستقبل ان بچوں میں پوشیدہ ہے اگر یہی تاریکی میں ڈوب گئے تو اس خیال سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ پاکستان کا مستقبل تاریک ہوگا۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ چائلڈ لیبر کو کنٹرول کرنے کے لیے جلد از جلد اقدامات کرے تاکہ کوئی روشنی کی کرن نظر آئے۔ نہ صرف حکومت بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس مہم میں حصہ دار بننا ہوگا۔ ہمیں بچوں سے صرف تعلیم کا کام لینا چاہیے اگر کوئی مجبوری ہو تو جہاں تک ہوسکے ان کی مدد کردے تاکہ وہ بھی خود کو اس معاشرے کا حصہ سمجھ کر مثبت ردعمل ظاہر کریں۔

شبِ برات کی اہمیت

شب.برات آ رہی ہے۔ آ ہا ہم پٹاخے چلائیں گے، حلوے کھائیں گے۔ یہ وہ فقرے ہیں جو ہم نوجوانوں اور بچوں کی زبان سے سنتے ہیں مگر ایسے الفاظ بچے تو بچے کسی بڑے کی زبان سے بھی نہیں سنتے کہ کہ شب.برات آ رہی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ کس کے حساب کتاب میں کیا لکھا جاتا ہے اور ہم اپنے رب سے معافی مانگے گے یا اس رات عبادت کریں گے۔ حتیٰ کہ مساجد میں بھی سارا دن چندہ جمع کیا جاتا ہے اور عشاء کے بعد مولوی صاحبان تقاریر کرکے اور مٹھائی تقسیم کرکے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ مساجد کو لائٹنگ کرکے سجایا جاتا ہے مگر اس میں عبادت کے لیے اجتماعی کام نہیں کیا جاتا ہے۔ جون کے ماہ ہر بندہ دنیاوی بجٹ کا منتظر ہوتا ہے کہ کس چیز میں اضافہ ہوا ہے اور کس میں کمی مگر اس بجٹ کی طرف کوئی نہیں سوچتا اور دیکھتا کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ کس کے کا ساتھ کیا ہوگا اور کیا ہونا ہے۔ دنیاوی بجٹ کی سارا سال تیاری کی جاتی ہے مگر اس بجٹ کی کوئی تیاری نہیں کرتا۔

شعبان کے مہینے کی پندرہویں رات کو شبِ.برات کہا جاتا ہے شب کے معنی ہیں رات اور.برات کے معنی قسمت کے۔ چونکہ اس رات مسلمان توبہ و استغفار کرکے

گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بے شمار مسلمان جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اس لیے اس رات کو شبِ برات کہتے ہیں۔ اس رات کو عربی میں لیلۃ المبارک یعنی برکتوں والی رات اور رحمت نازل ہونے کی رات بھی کہا جاتا ہے۔

اسے تقسیمِ امور کی رات بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس رات میں زندہ رہنے والے، فوت ہونے والے اور حج کرنے والے سب کے ناموں کی فہرست تیار کی جاتی ہے اور جس کی تعمیل میں ذرا بھی کمی بیشی یا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ اِس شب کی بے شمار خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ زم زم کا پانی بڑھ جاتا ہے، ہر اَمر و نہی کا فیصلہ ہوتا ہے، بندوں کی عمر، رزق، حوادث، مصائب و آلام، خیر و شر، رنج و غم، فتح و شکست، ذلت و عزت، قحط سالی و فراوانی، غرضیکہ کے تمام سال میں ہونے والے افعال اِس شب مبارکہ میں اُس محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو سونپے جاتے ہیں جس پر آئندہ سال عمل کرتے ہیں۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امور تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں پھر اس شب میں ان کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ امور بلاشبہ لوح محفوظ میں تحریر ہیں لیکن اس شب میں مذکورہ امور کی فہرست لوح محفوظ سے نقل کرکے ان فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام سونپا جاتا ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمایئے۔ ارشاد ہوا آئندہ سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ سب اس شب میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے لوگ آئندہ سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ بھی اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا مقررہ رزق اتارا جاتا ہے۔

چونکہ اس رات گذشتہ سال کے تمام اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے اور آئندہ سال ملنے والی زندگی اور رزق وغیرہ کے حساب کتاب کی رات ہے اس لیے اس رات میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنا رب کریم کی رحمتوں کے مستحق ہونے کا باعث ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

یہ مغفرت کی رات بھی ہے۔ شبِ برات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے شمار لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ زیادتی کریں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور اس شب میں ہر کسی کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے مشرک اور بغض رکھنے والے کے“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے نصیحت ہو جائے“۔ (التحریم)

یعنی توبہ ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر توبہ کرنے والے کے اعمال میں ظاہر ہو اور اس کی زندگی گناہوں سے پاک اور عبادتوں سے معمور ہو جائے۔ بندہ اپنے گناہ پر سخت نادم اور شرمسار ہو۔ پھر بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر مغفرت مانگے۔ اور گناہوں سے بچنے کا پختہ عزم کرے تو جس طرح دودھ دوبارہ تھنوں

میں داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح اس بندے سے یہ گناہ کبھی سرزد نہ ہوگا۔

رحمت کی رات شبِ برات فرشتوں کو بعض امور دیئے جانے اور مسلمانوں کی مغفرت کی رات ہے اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ رب کریم کی رحمتوں کے نزول کی اور دعاؤں کے قبول ہونے کی رات ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جب شعبان کی پندرھویں شب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ اس کے گناہ بخش دوں ، ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ اسے عطا کروں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے وہ ملتا ہے۔ وہ سب کی دعا قبول فرماتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تورات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا پر نازل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں ، یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و رحمت کی ندا کا ذکر ہے اگرچہ یہ ندا ہر رات میں ہوتی ہے لیکن رات کے آخری حصے میں شبِ برات کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں یہ ندا غروب آفتاب ہی سے شروع ہو جاتی ہے گویا صالحین اور شبِ بیدار مومنوں کے لیے تو ہر رات شبِ برات ہے مگر یہ رات خطاکاروں کے لیے رحمت و عطا اور بخشش و مغفرت کی رات ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائیں اور ربِ کریم سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگیں۔ رحمتِ خداوندی اس شب میں ہر پیاسے کو سیراب کر دینا چاہتی ہے اور ہر منگتے کی جھولی گوہرِ مراد سے بھر دینے پر مائل ہوتی ہے۔ شبِ برات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شبِ بیداری کی اور دوسروں کو بھی شبِ بیداری کی تلقین فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے اکہ جب شعبان کی پندرہویں رات ''ہو تو شبِ بیداری کرو اور دن کو روزہ رکھو

نیک و متقی لوگوں کا یہ حال ہے جو ہر رات شبِ بیداری کرتے ہیں اور تمام دن اطاعتِ الٰہی میں گزارتے ہیں جب کہ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بد نصیب ہیں جو اس مقدس رات میں فکرِ آخرت اور عبادت و دعا میں مشغول ہونے کی بجائے آتش بازی پٹاخے اور دیگر ناجائز امور میں مبتلا ہو کر اس مبارک رات کا تقدس پامال کرتے ہیں۔
حالانکہ آتش بازی اور پٹاخے نہ صرف ان لوگوں اور ان کے

بچوں کی جان کے لیے خطرہ ہیں بلکہ ارد گرد کے لوگوں کی جان کے لیے بھی خطرے کا باعث بنتے ہیں اور یہ شیطانی عمل ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ایسے گناہ کے کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور بچوں کو سمجھائیں کہ ایسے لغو کاموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے اور فضول نہ اڑا بے شک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں "۔ (بنی" اسرائیل)

یہ بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے ،اٹھو ! اے عاصیو اور دوڑو اپنے رب کی طرف کہ آج سر شام سے مغفرت کی ندائیں ہو رہی ہیں، منالو اپنے رب کو کہ یہ موقعہ ہے لُوٹ لو اِس رات کی عطائیں اور نوازشیں کہ پھر نہ جانے اگلے سال یہ موقعہ ملے نہ ملے، اُس کا فضل و کرم ہمیں اپنی پناہ میں لینے کیلئے بے چین ہے،اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اِس فضل و کرم سے کتنا اپنا دامن بھرتے ہیں۔آیئے آج اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس خدائی رات میں اپنی اطاعت و عبادت اور توبہ و استغفار کی توفیق کے ساتھ اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا موقع عطا فرمائے اور ہم پر اپنی رحمت و عطا کے دروازے کھول دے (آمین)

شبِ برات کی اہمیت

شب.برات آرہی ہے۔ آہا ہم پٹاخے چلائیں گے، حلوے کھائیں گے۔ یہ وہ فقرے ہیں جو ہم نوجوانوں اور بچوں کی زبان سے سنتے ہیں مگر ایسے الفاظ بچے تو بچے کسی بڑے کی زبان سے بھی نہیں سنتے کہ کہ شب.برات آرہی ہے اوراللہ جانتا ہے کہ کس کے حساب کتاب میں کیا لکھاجاتا ہے اور ہم اپنے رب سے معافی مانگے گے یا اس رات عبادت کریں گے۔ حتیٰ کہ مساجد میں بھی سارا دن چندہ جمع کیا جاتا ہے اور عشاء کے بعد مولوی صاحبان تقاریر کرکے اور مٹھائی تقسیم کرکے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ مساجد کو لائٹنگ کرکے سجایا جاتا ہے مگر اس میں عبادت کے لیے اجتماعی کام نہیں کیا جاتا ہے۔ جون کے ماہ ہر بندہ دنیاوی بجٹ کا منتظر ہوتا ہے کہ کس چیز میں اضافہ ہوا ہے اور کس میں کمی مگر اس بجٹ کی طرف کوئی نہیں سوچتااور دیکھتا کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ کس کے کا ساتھ کیا ہوگااور کیا ہونا ہے۔ دنیاوی بجٹ کی سارا سال تیاری کی جاتی ہے مگر اس بجٹ کی کوئی تیاری نہیں کرتا۔

شعبان کے مہینے کی پندرہویں رات کو شبِ.برات کہا جاتا ہے شب کے معنی ہیں رات اور.برات کے معنی قسمت کے ۔ چونکہ اس رات مسلمان توبہ واستغفار کرکے

گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بے شمار مسلمان جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اس لیے اس رات کو شبِ برات کہتے ہیں۔ اس رات کو عربی میں لیلۃ المبارک یعنی برکتوں والی رات اور رحمت نازل ہونے کی رات بھی کہا جاتا ہے۔

اسے تقسیمِ امور کی رات بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس رات میں زندہ رہنے والے، فوت ہونے والے اور حج کرنے والے سب کے ناموں کی فہرست تیار کی جاتی ہے اور جس کی تعمیل میں ذرا بھی کمی بیشی یا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ اِس شب کی بے شمار خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ زم زم کا پانی بڑھ جاتا ہے، ہر اَمر و نہی کا فیصلہ ہوتا ہے، بندوں کی عمر، رزق، حوادث، مصائب و آلام، خیر و شر، رنج و غم، فتح و شکست، ذلت و عزت، قحط سالی و فراوانی، غرضیکہ کے تمام سال میں ہونے والے افعال اِس شب مبارکہ میں اُس محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو سونپے جاتے ہیں جس پر آئندہ سال عمل کرتے ہیں۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امور تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں پھر اس شب میں ان کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ امور بلاشبہ لوح محفوظ میں تحریر ہیں لیکن اس شب میں مذکورہ امور کی فہرست لوح محفوظ سے نقل کرکے ان فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام سونپا جاتا ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمایئے۔ ارشاد ہوا آئندہ سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ سب اس شب میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے لوگ آئندہ سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ بھی اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا مقررہ رزق اتارا جاتا ہے۔

چونکہ اس رات گذشتہ سال کے تمام اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے اور آئندہ سال ملنے والی زندگی اور رزق وغیرہ کے حساب کتاب کی رات ہے اس لیے اس رات میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنا رب کریم کی رحمتوں کے مستحق ہونے کا باعث ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

یہ مغفرت کی رات بھی ہے۔ شبِ برات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے شمار لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی تلاش میں نکلی میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ زیادتی کریں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور اس شب میں ہر کسی کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے مشرک اور بغض رکھنے والے کے“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے نصیحت (ہو جائے“۔ (التحریم

یعنی توبہ ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر توبہ کرنے والے کے اعمال میں ظاہر ہو

اور اس کی زندگی گناہوں سے پاک اور عبادتوں سے معمور ہو جائے۔ بندہ اپنے گناہ پر سخت نادم اور شرمسار ہو۔ پھر بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر مغفرت مانگے۔ اور گناہوں سے بچنے کا پختہ عزم کرے تو جس طرح دودھ دوبارہ تھنوں میں داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح اس بندے سے یہ گناہ کبھی سرزد نہ ہوگا۔

رحمت کی رات شبِ برات فرشتوں کو بعض امور دیئے جانے اور مسلمانوں کی مغفرت کی رات ہے اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ رب کریم کی رحمتوں کے نزول کی اور دعاؤں کے قبول ہونے کی رات ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جب شعبان کی پندرہویں شب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ اس کے گناہ بخش دوں، ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ اسے عطا کروں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے وہ ملتا ہے۔ وہ سب کی دعا قبول فرماتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا پر نازل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طلب کرنے

والا کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں ، یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت و رحمت کی ندا کا ذکر ہے اگرچہ یہ ندا ہر رات میں ہوتی ہے لیکن رات کے آخری حصے میں شبِ برات کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں یہ ندا غروب آفتاب ہی سے شروع ہو جاتی ہے گویا صالحین اور شبِ بیدار مومنوں کے لیے تو ہر رات شبِ برات ہے مگر یہ رات خطاکاروں کے لیے رحمت و عطا اور بخشش و مغفرت کی رات ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائیں اور ربِ کریم سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگیں۔ رحمتِ خداوندی اس شب میں ہر پیاسے کو سیراب کر دینا چاہتی ہے اور ہر منگتے کی جھولی گوہرِ مراد سے بھر دینے پر مائل ہوتی ہے۔ شبِ برات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شبِ بیداری کی اور دوسروں کو بھی شبِ بیداری کی تلقین فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو شبِ بیداری کرو اور دن کو روزہ رکھو "

نیک و متقی لوگوں کا یہ حال ہے جو ہر رات شبِ بیداری کرتے ہیں اور تمام دن

اطاعتِ الٰہی میں گزارتے ہیں جب کہ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بد نصیب ہیں جو اس مقدس رات میں فکر آخرت اور عبادت و دعا میں مشغول ہونے کی بجائے آتش بازی پٹاخے اور دیگر ناجائز امور میں مبتلا ہو کر اس مبارک رات کا تقدس پامال کرتے ہیں۔ حالانکہ آتش بازی اور پٹاخے نہ صرف ان لوگوں اور ان کے بچوں کی جان کے لیے خطرہ ہیں بلکہ ارد گرد کے لوگوں کی جان کے لیے بھی خطرے کا باعث بنتے ہیں اور یہ شیطانی عمل ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ایسے گناہ کے کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور بچوں کو سمجھائیں کہ ایسے لغو کاموں سے اللہ تعالٰی اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے اور فضول نہ اڑا بے شک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں ”۔ (بنی” (اسرائیل

یہ بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے ،اٹھو ! اے عاصیو اور دوڑو اپنے رب کی طرف کہ آج سر شام سے مغفرت کی ندائیں ہو رہی ہیں، منالو اپنے رب کو کہ یہ موقعہ ہے لُوٹ لو اِس رات کی عطائیں اور نوازشیں کہ پھر نہ جانے اگلے سال یہ موقعہ ملے نہ ملے، اُس کا فضل و کرم ہمیں اپنی پناہ میں لینے کیلیۓ بے چین ہے،اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اِس فضل و کرم سے کتنا اپنا دامن بھرتے

ہیں ۔آیئے آج اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس خدائی
رات میں اپنی اطاعت و عبادت اور توبہ و استغفار کی توفیق کے ساتھ اپنی اور اپنے
پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا موقع عطا فرمائے
اور ہم پر اپنی رحمت و عطا کے دروازے کھول دے (آمین)

ضرب عضب کی ضرب

پاکستانی حکمرانوں اور طالبان نے تقریباً دس ماہ تک مذاکرات کیے مگر سب بے سود ثابت ہوئے کیونکہ ایک طرف توطالبان جنگ بندی کا اعلان کرتے رہے اور دوسری طرف دہشت گرد اپنا کام کرتے رہے۔ ان حالات میں تو کوئی ذی شعور انسان مذاکرات جاری رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آخر بڑی سوچ و وچار کے بعد حکومت پاکستان کو ان مذاکرات سے الگ ہو کر آپریشن کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

پاکستانی فوج نے حکومت کی ہدایت پر ملک کے قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں فوجی کارروائی کا آغاز کر دیا ہے۔ اس فوجی آپریشن کا نام ضربِ عضب رکھا گیا ہے۔ پاکستان کے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا ہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن ضرب عضب ملک کو دہشتگردی کی لعنت سے چھٹکارا پانے کیلیے شروع کیا گیا ہے اور یہ آپریشن دہشتگردوں کے مکمل خاتمے تک جاری رہے گا۔ دوسری جانب پاکستان کے وزیر دفاع کا کہنا ہے کہ طالبان نے مذاکرات کے تقدس کو پامال کیا ہے۔ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے اور ہم فیصلہ کن جنگ لڑیں گے۔ ان کے مطابق فوج کو قانون نافذ کرنے والے

اداروں اور عوام کی مکمل حمایت حاصل ہے۔چند طالبان نواز مذہبی جماعتوں کے علاوہ تمام دینی اور سیاسی جماعتوں نے طالبان دہشتگردوں کے خلاف فوجی آپریشن کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا ہے اور اس آپریشن کی بدولت حکومت اور فوج کے درمیان کشیدگی میں بھی کمی آنے کا امکان ہے۔

پاکستانی فوج اس سے پہلے کئی فوجی آپریشن کرچکی ہے جن میں 2001 میں جنوبی وزیرستان میں آپریشن المیزان 2007 میں آپریشن شیر دل 2008 میں آپریشن زلزلہ 2008 میں ہی ملاکنڈ ڈویژن اور سوات میں آپریشن راہِ حق اور 2009 میں اسی علاقے میں آپریشن راہِ راست اور 2010 میں آپریشن راہِ نجات کا نام لیا جاسکتا ہے۔ان آپریشنوں میں متاثرہ علاقوں میں حکومتی عمل داری قائم کرنے کے حوالے سے 2009 میں مالاکنڈ ڈویژن میں کیا گیا آپریشن راہِ راست کامیاب ترین تصور کیا جاتا ہے۔

پاک فوج 2010 کے بعد اب دوبارہ 2014 میں فوجی آپریشن کررہی ہے اس کا نام ضرب عضب'' رکھا ہے۔تاریخ میں '' عضب ''کی تعریف کچھ اسی طرح بیان کی گئی'' ہے۔العضب نبی اکرم ﷺ کی تلوار کا نام ہے۔ عضب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب "تیز" یا "کاٹنے والا" ہوتا ہے۔ یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو ایک صحابی نے غزوہ بدر سے پہلے دی تھی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ آلہ

وسلم نے یہ تلوار غزوہ بدر اور غزوہ احد میں استعمال کی تھی اور اس تلوار نے ان دونوں جنگوں میں بہت ضرب لگائیں اس کے بعد میں یہ تلوار صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے پاس رہی۔ اب یہ تلوار قاہرہ کی جامعہ حسین میں موجود ہے۔ پاک فوج کی جانب سے دہشت گردوں کے خلاف شروع ہونے والے آپریشن کا نام "ضرب عضب" اسی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔

پاکستان جو کئی سالوں سے دہشت گردی کی زد میں ہے جس کی وجہ سے پاکستان پوری دنیا سے کٹ کر رہ گیا ہے۔ دہشت گردی کی وجہ سے پاکستان میں کوئی بھی ملک کسی بھی گیم میں شرکت کرنے کے لیے اپنی ٹیم نہیں بھیجنے کو تیار نہیں۔ کوئی بزنس مین اس ملک میں بزنس کرنے کو تیار نہیں ۔ سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے اجتناب کررہے ہیں۔ شہری اپنے ہی شہر میں ڈر ڈر کر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اگر یہاں پر کوئی دندناتے پھر رہا ہے تو وہ دہشت گرد ہیں۔ انہوں نے نہ تو کوئی مسجد چھوڑی، نہ کوئی ہسپتال، بازاروں اور شہروں کے ساتھ ساتھ ایئر پورٹ پر بھی اپنی دھاک بیٹھانے کی ناکام کوششیں کیں اوران سب سے بڑھ کر ہمارے آرمی کے ہیڈ کوارٹرز بھی نہیں بخشا وہاں پر اپنی بزدلانہ کاروائیاں کیں مگر ہم سلام پیش کرتے ہیں اپنی پاک فوج جس نے ہر جگہ پہنچ کر ان دہشت گردوں کو ناکوں چنے چبوائے۔

ایک سوال جو سمجھ سے بالاتر ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس اسلامی ملک میں اسلام پھیلانے کا یہ کونسا طریقہ ہے ؟ اسلام قائم کرنے کے طریقے ہمارے پیارے نبی کی سنت سے واضح ہیں۔ اگر اسلام طاقت کے زور پر پھیلانا ہوتا تو حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی سے کہتے تو اللہ تعالی فرشتوں کو حکم دیکر تمام غیر مسلموں کو ختم کر دیتے یا پھر ان کو سب لوگوں مسلمان کر لیتے مگر آقائے دوجہاں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسلام کو پیار سے پھیلایا۔ خود تکالیف برداشت کیں اور دوسروں کو سکھ و چین دیا مگر نہ جانے یہ کون سے مسلمان ہیں جو اپنے ہی اسلامی بھائیوں کا خون بہا کر اسلام کا بول بالا کرنا چاہتے ہیں؟

اب جب حکومت پاکستان کے حکم پر پاک آرمی نے شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کر دیا ہے تو ہم سب پاکستانی عوام اپنی پاک فوج کے لیے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی انہیں اپنے مشن میں کامیاب کرے مگر اس آپریشن کے دوران یہ خیال رکھا جائے اس میں دہشت گردی کا قلع قمہ ہونا چاہیے نا کہ سویلین کا۔ ایک ناقص سی رائے بھی ہے کہ اگر حکومت پاکستان وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے پر نظر رکھتے ہوئے ان کو ایک ہی شہر میں رکھنے کا بندوبست کر دے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ جو دہشت گرد بھیس بدل دوسرے شہروں میں جاکر دہشت گردی کرنا چاہتے ہیں ان کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ جس سے ہمارے دوسرے شہر انکی دہشت گردی سے محفوظ رہیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ''ضرب عضب'' اب دہشت گردوں کے ''ضرب غضب'' بن جائے گا۔ پاک آرمی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے دہشت گردی کا خاتمہ کرکے اپنے ملک کو دوبارہ امن کا گہوارہ بنائیں گے۔ 20 کروڑ عوام کی دعائیں اور ان کی مکمل سپورٹ پاک فوج کے ساتھ ہیں۔

منشیات ایک لعنت

دنیا بھر میں ہر سال 26 جون انسداد منشیات کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے، پاکستان سمیت ایشیا میں کروڑوں خاندان منشیات سے براہ راست متاثر ہو رہے ہیں۔ اس دن کو منانے کا مقصد منشیات کے استعمال کو روکنے کے لئے جامع حکمت عملی مرتب کرنا ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف پاکستان میں منشیات کی لعنت میں گرفتار افراد کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لیکن حکومت کے پاس اس حوالے سے کوئی ٹھوس اعداد و شمار نہیں۔ پاکستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد میں روز بروز اضافے کی بڑی وجہ معاشی ناہمواری کے علاوہ افغانستان میں پیدا ہونے والی منشیات اور ان کی بذریعہ پاکستان دنیا بھر میں سمگلنگ ہے۔

دنیا میں پانچ سو سے زائد ایسے مرکبات یا مفردات ہیں جنہیں بطور نشہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے معروف نام شراب، بھنگ، چرس، گانجا، افیون، سگریٹ، حقہ، کافی، قہوہ، کوکو، چائے اور افیون ہیں۔ اس وقت سب سے زیادہ جس چیز کا نشہ کیا جا رہا ہے وہ سگریٹ نوشی ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال 5.4 ملین افراد کی موت کی وجہ بالواسطہ یا بلا

واسطہ طور پر تمباکو نوشی ہی ہوتی ہے۔ ہر روز دنیا میں مرنے والے دس افراد میں سے ایک تمباکو نوشی کے باعث ہلاک ہوتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے صحت WHO کی رکن ریاستوں نے اس دن کی ابتدا1987ء میں کی تھی۔ اس تمام عرصے میں مختلف ممالک میں تمباکو نوشی کے خلاف حوصلہ افزااقدامات بھی اٹھائے گئے تاہم متعدد ممالک میں صورتحال اب بھی جوں کی توں ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے فریم ورک کنونشن آف ٹوبیکو کنٹرول کی منظور شدہ قرارداد کے تحت منایا جانے والا یہ دن مختلف ممالک کی حکومتوں کی توجہ عوامی مقامات پر تمباکو نوشی پر ممکنہ پابندی اور اس سے لاحق ہونے والی بیماریوں کے خلاف پیشگی اقدامات کے لیے توجہ مرکوز کرنے کا اعادہ کرتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں تمباکو نوشی کا استعمال کرنے والے افراد کی مجموعی تعداد ایک ارب سے زائد ہے۔ ادارے کے مطابق ہر سال تمباکو نوشی کرنے والے افراد کے ہمراہ رہنے والے چھ لاکھ افراد جو تمباکو نوش نہیں کرتے وہ بھی ہلاک ہوتے ہیں اور ان میں سے 28 فیصد تعداد بچوں کی ہے۔ واضح رہے کہ 2008 میں منظر عام پر آنے والی گلوبل ٹوبیکو اپی ڈیمک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ سگریٹ نوشی والے دفتر میں دو گھنٹے گزارنا چار سگریٹ پینے کے برابر ہے۔ پاکستان میں سگریٹ نوشی کے علاوہ نسوار، پان، گٹکے، چھالیا اور دیگر دوسری طرح سے تمباکو کے استعمال کی وجہ سے ملک میں منہ کے

سرطان میں مسلسل اضافہ دیکھا گیا ہے۔

آج سنگاپور میں دیگر ممالک کی نسبت سب سے کم لوگ یعنی تین فی صد آبادی تمباکو استعمال کرتی ہے۔ جبکہ عالمی تنظیم صحت کے مطابق روس میں تمباکو استعمال کرنے والوں کی تعداد انتہائی زیادہ ہے۔ تمباکو نوشی کرنے والے ممالک میں یونان، سلووینیا، یوکرین، بلغاریہ ،چیک جمہوریہ ، مقدونیہ، روس، مالدووا، ہسپانیہ ، بوسنیا و ہرزیگووینا سرفہرست ممالک ہیں۔ روس کی ایک تہائی بالغ آبادی تمباکو نوشی کی عادت میں مبتلا ہے۔ روس میں تمباکو نوشی سے مقابلے کے لیے ایک خصوصی منصوبہ تیار کیا جا چکا ہے جس کے مطابق ثقافتی اداروں، طبّی اداروں کے دفاتر، کھیلوں کے مراکز، ریل گاڑیوں اور طیاروں میں تمباکو نوشی پر پابندی عائد کی جائے گی۔ اس کے علاوہ سگریٹس پر عائد محصول میں اضافہ کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔

ماہرین کے مطابق پاکستان میں اٹھارہ سال سے زائد عمر کے بیس فی صد افراد تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ پاکستان میں تمباکو نوشی کا بڑھتا ہوا رجحان لوگوں کی بیماریوں میں شدید اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ تمباکو نوشی پر پابندیوں کے حوالے سے گرچہ ملک میں قوانین تو موجود ہیں لیکن ان پر عملدرآمد نہیں ہو رہا ہے۔پاکستان میں تمباکو نوشی سگار، سگریٹ ، بیڑی، پان،حقہ، نسوار، گٹکا

اور شیشہ وغیرہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں قانونی طور پر ممانعت کے باوجود نوے فی صد دکاندار کم عمر بچوں کو سگریٹ فروخت کر رہے ہیں۔ جبکہ بہت سے یورپی ممالک میں پبلک مقامات پر تمباکو نوشی منع ہے
ڈاکٹرز کے مطابق پاکستان میں تمباکو نوشی لوگوں کے سارے جسم کو متاثر کر رہی ہے۔ ان کے بقول سرطان کی بہت سی بیماریوں کا باعث بننے والی سگریٹ نوشی ذہنی دباؤ، قوت بصارت میں کمی، نمونیہ، ٹی بی اور سانس کی بیماریوں میں اضافے کا باعث بھی بن رہی ہے، اس سے حاملہ عورتوں، دل اور فالج کے مریضوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے مطابق سگریٹ سے آلودہ فضا میں رہنے والے غیر تمباکو نوش افراد بھی کئی امراض کی زد میں آتے ہیں۔ مثال کے طور پر سگریٹ نوش پارٹنر رکھنے والا شادی شدہ فرد جو خود اسموکنگ نہیں کرتا اس کو بھی سانس کی بیماریوں کے لاحق ہونے کے خطرات بیس فی صد زیادہ ہوتے ہیں۔
ڈاکٹرز کے مطابق بہت سی مہلک بیماریوں کا باعث بننے والی تمباکو نوشی کو ترک کر کے بہت سے انسانوں کی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔ پاکستان میں پھیپھڑوں کے سرطان کے نوے فی صد مریضوں کی بیماری کی وجہ تمباکو نوشی ہوتی ہے۔ ایسے دو

تہائی مریضوں کے مرض کی تشخیص عام طور پر اس وقت ہو پاتی ہے جب صورت حال بہت بگڑ چکی ہوتی ہے۔ تمباکو میں ہزاروں قسم کے کیمیکلز ہوتے ہیں ان میں چالیس سے ساٹھ کیمیائی مادے ایسے ہوتے ہیں جو مختلف قسم کے سرطان کا باعث بنتے ہیں۔ عام طور پر لوگ جہالت، سماجی تعلقات، فیشن یا ذہنی دباؤ کی وجہ سے سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ پاکستان میں عوامی مقامات پر سگریٹ نوشی منع ہے لیکن پھر بھی ہسپتالوں، دفتروں، وزراکے کمروں، سیکرٹیریٹ، بسوں اور تعلیمی اداروں کے اندر کھلم کھلا تمباکو نوشی کی جاتی ہے اور قانون توڑنے والوں میں عام طور پر قانون کے محافظ بھی شامل ہوتے ہیں۔

بظاہر تو سگریٹ پیکٹوں پر لکھا ہوتا ہے "سگریٹ نوشی مضر صحت ہے" مگر اس کی فراہمی عام ہے۔ یہ باآسانی چھوٹے بڑے کی پہنچ میں ہوتی ہے۔اس پر قابو پانے کے لیے درج ذیل اقدامات پر سختی سے عمل کرائے جائے۔ سگریٹوں پر عائد ٹیکسوں میں اضافہ کرکے، تمباکو نوشی کے خلاف باقاعدہ ابلاغی مہم چلا کر، تمباکو نوشی سے متعلقہ قوانین پر موثر عمل کرکے اور تمباکو نوش افراد کو نفسیاتی مدد فراہم کرکے ہی تمباکو نوشی کے رجحان میں کمی لائی جاسکتی ہے۔

اگر حکومت تمباکو نوشی پر کنٹرول کرلے تو پھر ہماری منشیات جیسی بیماری سے بھی جان چھوٹ سکتی ہے۔ نشے کی لعنت نے نوجوان نسل کو بہت زیادہ متاثر کیا

ہوا ہے۔ایک نشئی پورے خاندان کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ وہ اپنے نشے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر چیز بیچنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر حکومت سنجیدہ ہو کر اور سختی سے تمباکو نوشی کی پابندی پر عمل کرائے تو ہمارا ملک اس سے بیماری سے کافی حد تک نجات پا سکتا ہے۔

استقبال ماہ رمضان

رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالی اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اوراس ماہ میں اللہ تعالی نیکیوں کی سیل لگا دیتے ہیں۔اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ اس سیل سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟اگر دنیاوی چیز کی سیل لگ جائے تو ہر شخص اس طرف بھاگتا ہے اور ادھر سے ایک چیز کے بجائے کئی کئی چیزیں لے لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا مہمان اور اللہ کا محبوب مہینہ جس میں اللہ تعالی خود مسلمان کواجر و ثواب دیتے ہیں اس سے کون کون فائدہ اٹھاتا ہے۔

ماہ رمضان کا بابرکت مہینہ ایک بار پھر آنے والا ہے اور دنیاکے کسی بھی گوشہ میں جہاں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ کسی بھی ملک ومسلک سے تعلق رکھتے ہوں ہر جگہ اور ہر طرف ان پر سعادت وبرکت کی رحمت کا نزول شروع ہوجاتا ہے ۔روزے کے ساتھ قیام ، رکوع و سجود ،دعاؤ مناجات اورتلاوت قرآن پاک کے عملیات شروع ہوجاتے ہیں۔اس ماہ مبارک کی آمد کا یہی وہ مبارک دن تھاجب مسجد نبوی کے منبر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ خوش خبری سنائی تھی۔

لوگو ! خدا کا مہینہ برکت و رحمت اور مغفرت کے ساتھ تمہاری طرف آ رہا ہے وہ " مہینہ جو خدا کے نزدیک بہترین مہینہ ہے جس کے ایام بہترین ایام جس کی راتیں بہترین راتیں ہیں اور جس کی گھڑیاں بہترین گھڑیاں ہیں ، (اس مہینہ میں) تمہاری سانسیں ذکر خدا میں پڑھی جانے والی تسبیح کا ثواب رکھتی ہیں تمہاری نیندیں عبادت ، اعمال مقبول اور دعائیں مستجاب ہیں اپنے پروردگار کے سامنے سچی نیتوں اور پاکیزہ دلوں کے ساتھ روزہ رکھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی توفیق کی دعا کرنی چاہیئے وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جو اس عظیم مہینے میں خدا کی ان برکات سے بہرہ مند نہ ہوسکے"۔

اس مہینے کی بھوک اور پیاس کے ذریعے روز قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو بڑے کا احترام کرو اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ، زبان سے نامناسب باتیں کا پرہیز کرو،کان سے ناروا آوازیں سننے اور نگاہ ناجائز چیزیں دیکھنے سے محفوظ رکھو، یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، گناہوں سے توبہ و استغفار کرو کیونکہ آخر سب انسان کو خدا کے پاس پلٹ کر واپس جانا ہے۔

رمضان المبارک میں نیکی کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ مومن انسان کے

لئے بھلائی کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی بابرکت مہینہ میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔ اس کا پہلا حصہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔" اسی ماہ کی پانچ خصوصیات کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے پانچ خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میری اُمت کو رمضان المبارک میں پانچ ایسی خصوصیات دی گئی ہیں جو پہلی کسی بھی امت کے حصہ میں نہیں آئیں:

☆ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔

☆ روزداروں کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ روزہ افطار کرلیں۔

☆ اللہ تعالیٰ روزانہ جنت کو مزین کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "میرے نیک بندوں سے عنقریب آزمائش ختم ہوگی اور وہ تیرے اندر داخل ہوں گے۔"

☆ شیاطین کو بند کردیا جاتا ہے، وہ عام دنوں کی طرح لوگوں کو گمراہ نہیں کرسکتے۔

☆ رات کے آخری پہر لوگوں کی بخشش کی جاتی ہے۔

روزہ ایک قدیم ترین عبادت ہے اور خدا نے کسی بھی اپنی امت کو اس نیکیوں

بھری عبادت سے محروم نہیں رکھا ہے۔

روزہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کا وسیلہ ہے۔ روزہ حرام کردہ اشیاء کو ترک کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں میں روزہ بچاؤ کا سبب بنتا ہے۔ روزہ، مساکین پر رحمت، مہربانی اور نرمی کرنے کا باعث ہے۔ اس لیے کہ جب روزہ دار کچھ وقت کے لیے بھوکا رہتا ہے تو پھر اسے اُس شخص کی حالت یاد آجاتی ہے جسے ہر وقت ہی کھانا نصیب نہ ہوتا، تو وہ اس پر مہربانی اور رحم اور احسان کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، تو روزے کی بنا پر اس کی یہ گردش والی جگہیں تنگ پڑ جاتی ہیں جس سے وہ کمزور ہو جاتا ہے اوراس کے نتیجے میں شیطان کا نفوذ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اللہ تعالیٰ لاتعداد لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کردیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اگرچہ پورے رمضان میں ہی نیک اعمال کی مکمل کوشش کرنا چاہیے مگر آخری دس دنوں میں خصوصی طور پر اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اتنی عبادت کرتے تھے کہ اس طرح کسی اور دنوں

میں نہیں کرتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ آخری عشرہ میں راتوں کو جاگتے اور عبادتِ الٰہی کے لئے کمر باندھ لیتے اور اہل خانہ کو بھی جگا لیتے تھے۔

اللہ تعالٰی نے ہمیں انتہائی مختصر وقت کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ عنقریب ہی ہم خالق حقیقی کے حضور کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینے والے ہیں اس لئے ماہِ رمضان کے لئے مناسب تیاری کریں اور پورا مہینے میں بھرپور کوشش کر کے مالکِ ارض وسما کو خوش کرلیں۔

بجلی کے ستائے ہوئے روزدار

امت مسلمہ کو مبارک ہو کہ ان کی زندگی میں ایک بار پھر ماہ صیام آگیا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کا شدت سے انتظار کرتے ہیں اور پھر بھرپور اہتمام کے ساتھ روزے رکھتے ہیں۔بڑے بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کو اپنی زندگی میں پاتے تو ضرور ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ان کے نصیب میں نہ روزے ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس ماہ میں نیکیوں کی سیل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بلکہ اپنے لیے جہنم کی آگ مزید تپاتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لیے خوشی کا مہینہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی اپنی مخلوق کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ ایسا ہے جس سے صرف روزہ دار داخل ہونگے۔انسان ہی نہیں اس ماہ ہر جاندار، فرشتے اور جنات سب اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ وہ ان نیکیوں کے بہتے ہوئے سمندر میں نہا کر اپنی آخرت کو جہنم کی آگ سے بچالیں اور اپنے رب کو راضی کرکے جنت کے حقدار بن جائیں۔ رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالی اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اور اس ماہ میں اللہ تعالی نیکیوں کا پہاڑ لگا دیتے ہیں۔ اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ ان نیکیوں کے پہاڑ سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟

جب رمضان آتا ہے تو دوسرے اسلامی ممالک میں روزداروں کو مختلف قسم کے پیکج دیے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء سستی کی جاتی ہیں۔ روزداروں کا ہر طرح سے خیال کیا جاتا ہے۔ مگر ادھر پاکستان میں رمضان آتے ہی لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر بجلی نے ان کے ارمانوں پر پانی پھیرا ہوا ہے۔ رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے حکومت پاکستان نے حکم صادر فرمایا تھا کہ رمضان المبارک میں لوڈشیڈنگ کم سے کم کی جائے اور سحر وافطار کے وقت بالکل بھی نہ کی جائے مگر ہمارے ملک میں یہ بات شروع سے چلی آ رہی ہے جس چیز سے منع کیا جائے وہ کام لازمی ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکومتی نمائندہ میڈیا پر آ کر یہ بول دے کہ فلاں کام نہیں ہوگا تو عوام کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کام ہر صورت ہونے والا ہے یا ہوگا۔ جس وقت یہ اعلان ہوا تو ہم سمجھ گئے کہ اب کے رمضان میں سحر وافطار اندھیرے میں ہی کرنا پڑے گا۔

لوڈشیڈنگ والوں نے بھی قسم کھائی ہوئی کہ کسی نماز میں بجلی فراہم نہیں کی جائے گی۔ لوڈشیڈنگ کا ٹائم ٹیبل دیکھیں تو ہمارے حکمرانوں کی آنکھ کھل جانی چاہئیں۔ صبح سات بجے سے نو بجے تک لوڈشیڈنگ ہوتی ہے ایک گھنٹہ بجلی رہنے کے بعد دس بجے جو گئی تو پھر بارہ بجے واپسی ہوگی۔ اس کے بعد پھر حکومت کی جانب سے عوام کو ایک گھنٹے کا ریلیف دیا جاتا ہے پھر ایک بجے جو گئی تو پھر تین

بجے آئے گی اور اب اس دوران ظہر کی نماز تپتی دوھوپ میں ادا کرنی ہے اور بعض مساجد میں تو پانی بھی نہیں ہوتا کہ وضو بھی کرلیا جائے اور نہ ہی اعلان کرنے کے لیے کوئی دوسرا بندوبست ہوتا ہے جس سے نمازی کو معلوم ہوسکے کہ مسجد میں پانی نہیں ہے ۔ نمازی کو مسجد میں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ پانی نہیں ہے جب تک وہ کہیں وضو کرکے آتا ہے تب تک جماعت نکل چکی ہوتی ہے۔ اس کا گناہ کس کو ملے گا ہمیں یا حکمران کو ؟ ذرا سوچیں ؟ ابھی یہی نہیں چار بجے جو لائٹ جائے گی تو چھ بجے آئے گی اس لوڈشیڈنگ کے دوران عصر کی نماز بھی اسی طرح ادا کی جائے گی جیسے ظہر کی نماز ادا کی گئی تھی۔ پھر سات بجے کی گئی تو کبھی آٹھ تو کبھی نو بجے آتی ہے ۔ ان سب کے ساتھ ساتھ نماز تراویح میں تو سوا نو بجے جماعت شروع ہوگی اور ساڑھے نو بجے لائٹ چلی جائے گی اب حکمران اندازہ کریں کہ صرف ایک نماز ہے جو لائٹ کی روشنی اور پنکھے کی ہوا میں ادا کی جاتی اور وہ ہے فجر کی ۔ اس وقت تو عموماً موسم سارے دن کی نسبت ٹھنڈا بھی ہوتا ہے۔ کیا اس طرح سے روزدار کو سکون کا سانس ملتا ہے؟

مجھے جس چیز نے یہ کالم لکھنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ میرے کئی کالم جو میں پہلے لکھ چکا ہوں احباب کے خیال میں وہ میاں صاحب کی حمایت میں لکھے گئے ۔ اب میرا حلقہ احباب اور قارئین مجھے سوشل میڈیا، ایس ایم ایس اور فون کال کے ذریعے ہر وقت مجھے احساس دلاتے ہیں کہ اب بھی لکھو میاں نواز

شریف کے حق میں کالم۔اب لکھو کہ کہ لوڈشیڈنگ کا دورانیہ اور بڑھائیں کیوں کہ ابھی بھی ہم زندہ ہیں۔اور کرو میاں برادران کی تعریف تاکہ روزہ دار اگران کے لیے دعا نہ کرسکے تو کم از کم بد دعا تو ضرور کریں جس میں تمہارے جیسے کالمسٹ کو بھی ضرور یاد رکھیں۔مجھے نہیں معلوم کہ واپڈا والوں نے نجانے کس کے اشارے پر پاکستان مسلم لیگ ن کی حکومت کو عوام کی نظروں میں ذلیل کرنے کا انتہائی اہم فیصلہ کر لیا ہے۔

رات اتنی مختصر ہے کہ نماز تراویح پڑھتے ہوئے ساڑھے گیارہ بج جاتے ہیں اور پھر سحری کے لیے دو بجے اٹھنا پڑتا ہے۔اس طرح روزہ دار کی نیند پوری نہیں ہوتی اور اگراب روزہ دار دن میں آرام کرنا چاہیے تو یہ لائٹ کم بخت نہیں کرنے دیتی۔بہت سے لوگوں کو لائٹ کا بہانہ بنا کر نماز پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کا سنا ہے۔وہ تو گناہ گار ہوں گے مگر اس میں کچھ حصہ حکمرانوں کا بھی ضروری ہوگا۔الیکشن کے دنوں میں ایک ہفتہ پورے ملک میں لائٹ فراہم کی جاسکتی ہے مگر اس با برکت ماہ میں اور اتنی شدید گرمی کو دیکھتے ہوئے کیا روزہ داروں کے لیے حکومت احساس نہیں کر سکتی ؟

میاں صاحب آپ سے درخواست ہے کہ لوڈشیڈنگ پر جتنی جلد ہوسکے قابو پالیں اور رمضان میں رمضان بازار کی طرح رمضان لوڈشیڈنگ پیکج بھی دیں تاکہ عوام کو

زیادہ سے زیادہ بجلی فراہم ہو سکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ روزے میں لوڈشیڈنگ کی ستائی ہوئی عوام سونامی خان یا انقلابی صاحب کے ساتھ آپ کے خلاف اٹھ کھڑی ہو کیونکہ جب انسان کو سکون ہی نہیں ملے گا تو پھر وہ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے مترادف کچھ نہ کچھ تو کرے گا۔

اعتکاف، مہمان خداوندی

اعتکاف عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ٹھہر جانے اور خود کو روک لینے کے ہیں۔ شریعت اسلام میں اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت کی غرض سے مسجد میں ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں۔یعنی رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ کے دن چھپنے سے ذرا پہلے سے لیکر رمضان کی انتیس یا تیس تاریخ یعنی جس دن عید کا چاند نظر آئے اس تاریخ تک مرد مسجد میں اور عورت اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھنے کے لیے جگہ مقرر ہو اس جگہ پر پابندی سے جم کر بیٹھنے اور ہر لمحہ اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہنے کا نام اعتکاف ہے۔۔ نبی کریم ﷺ ان ایام میں اعتکاف فرماتے تھے۔اس لئے ہر بستی میں کم از کم ایک آدمی کو ضرور اعتکاف میں بیٹھنا چاہئے ورنہ تمام بستی ، شہر یا گاؤں گنا ہگار ہے۔

اعتکاف کا بڑا اجر و ثواب ہے ۔ اعتکاف میں بیٹھنے کے بعد غیر ضروری طور پر اٹھنا بیٹھنا اور باتیں کرنا منع ہے۔ کھانے پینے اور دوسری ضروری حاجات کے لیے تو اٹھا جا سکتا ہے اگر کوئی دوسرا آپکو کھانا وغیرہ دے تو پھر کھانے وغیرہ کے لیے بھی نہ اٹھا جائے۔ہر وقت اسی جگہ رہے اور وہیں سویا جائے اور بہتر یہ ہے کہ فارغ نہ رہے بلکہ قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ تسبیحات بھی

کرتا رہے۔ اعتکاف شروع ہونے سے لیکر آخری دن تک ہر لمحہ آپ کا قیمتی اور نایاب بن جاتا ہے۔ اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ اسکا کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس دوران انسان پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ انسان پوری طرح اللہ کے امان میں ہوتا ہے اور ہم ایسی عظیم ہستی کے مہمان بن جاتے ہیں جو پوری کائنات کا میزبان ہوتا ہے۔ اس سے بڑا اجر کیا ہوگا کہ انسان اللہ کے ہاں ایک خاص مہمان کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔

اعتکاف کے بہت سے فائدے ہیں۔ اعتکاف کی حالت میں اسے ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے کیونکہ اعتکاف سے اصل مقصد یہی ہے کہ بیٹھنے والا ہر وقت نماز کا منتظر ہوتا ہے۔ اعتکافی کے چہرے پر اللہ کا نور اور فرشتوں کی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ انسان ان کی طرح ہر وقت عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتا ہے۔ مسجد چونکہ اللہ کا گھر ہے اور اعتکاف میں بیٹھے والا اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں اعتکاف کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے لئے نیکیاں اتنی لکھی جاتی ہیں جتنی کرنے والے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اعتکاف کا مقصد اللہ تعالی کی ذات پاک کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا ہے۔ انسان اپنے قلب کو دنیاوی چیزوں سے علیحدہ کرے اور اپنے نفس کو اپنے مولی کے سپرد کرکے اس کی چوکھٹ پر ندامت کے آنسوؤں اور بخشش کی طلب کے لئے گر پڑے۔

اعتکاف میں ہر وقت عبادت

کی مشغولیت یعنی سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے عبادت شمار ہوتی ہے۔ اعتکاف سے جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا خوب موقع میسر آتا ہے اس لئے ہر وقت انتظار صلوۃ کا ثواب شمار ہوتا رہتا ہے۔

اعتکاف کی اقسام

اعتکاف کی تین اقسام ہیں۔ واجب، سنت موکدہ، مستحب

واجب اعتکاف وہ ہے جو منت کا اعتکاف ہو یعنی کسی نے منت مان لی کہ میں خدا کے واسطے تین دن کا اعتکاف کرونگا یا میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اعتکاف کروں گا۔

سنت موکدہ وہ ہے جو رمضان شریف کے آخری دس دن کیا جاتا ہے۔

واجب اور سنت مؤکدہ کے علاوہ سب اعتکاف مستحب ہے۔ یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔

اعتکاف کی شرائط

☆سب سے پہلے مسلمان ہونا ضروری ہے۔

☆ حیض و نفاس سے پاک ہو۔

☆ عاقل ہو۔

☆نیت کرنا ضروری ہے۔

☆ مرد کے لیے مسجد اور عورت کے لیے گھر میں مخصوص جگہ ہو۔ یہ باتیں تو ہر قسم

کے اعتکاف کے لیے ضروری ہیں۔ واجب اعتکاف کے لیے روزہ بھی ضروری ہے۔
اعتکاف میں مندرجہ ذیل باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ نیک اور اچھی باتیں کرنی چاہیئں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرنی چاہیے۔ درود شریف کا ورد کرتے رہنا چاہیے۔ فضول باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں کو سجدے کی حالت میں سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ کی رحمت سے جن خوش نصیبوں کو یہ گھڑیاں نصیب ہوں وہ ہر لمحہ عبادت و تسبیحات میں گزارے تاکہ زیادہ سے زیادہ رحمت کا سمندر سمیٹ سکے۔ یوں تو انسان سمندر کو سمیٹ نہیں سکتا مگر کوشش کرے تو اتنا پانی ضرور حاصل کر سکتا ہے جس سے اس کی پیاس بجھ جائے اور اس کے بدن ولباس کی گندگی دھل جائے۔ یہی مثال اعتکاف اور رمضان کی ہے۔ اگر ہم اپنی پوری کوشش بھی کریں تو ہم ساری برکتیں اور رحمتیں تو حاصل نہیں کر سکتے مگر اپنے لیے کچھ بخشش کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔
اے میرے پروردگار مجھے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری بخشش فرما (آمین

انقلاب ایسے نہیں آتا؟

پاکستان کی تاریخ اٹھا کر پڑھ لیں ہر دور میں سیاستدانوں نے عوام کو ایک ہی نعرہ دیا۔
انقلاب ، انقلاب ، انقلاب
بد قسمتی سے آج تک ایسا کوئی لیڈر نہیں آیا جس نے پاکستان میں انقلاب لانے کی سعی کی ہو۔ ہاں اتنا ضرور رہے کہ پاکستان کی بھولی بھالی عوام کو اپنے نئے چکر میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کر جاتے ہیں۔ آجکل پھر وہ ہی ایک نعرہ کہ پاکستان میں انقلاب لانا ہے۔
انقلاب لانے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ عوام کی خیر خواہی ہوگی بلکہ جو یہ نعرہ لگا رہے ہیں وہ سیاستدان اپنا الو سیدھا کرتے ہیں اگر عوام ان سیاستدانوں کو حکومت میں لے آئیں تو یہ پاکستان میں انقلاب آجائے گا اور اگر ان کو عوام مسترد کردے تو پھر انتخابات میں جھرلو یا دھاندلی کا نعرہ بلند ہوجاتا ہے۔ جبکہ ہر دور میں عوام بے روزگاری، مہنگائی اور نقص امن و امان کی چکی میں پستی آئی ہے۔ عوام ہر بار ان سیاستدانوں کے جھوٹے نعروں کو انقلاب سمجھ کر اندھا اعتماد کر بیٹھتے ہیں اور جب عوام پر مختلف قسم کے ظلم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو پھر ان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ ان سے تو پچھلی حکومت ٹھیک تھی۔ جب مشرف دور تھا تو اس کو برا بھلا کہا گیا پھر زرداری کو حکومت دی گئی تو مشرف دور کو

اچھا اور زرداری دور کو برا کہا گیا اور جب میاں صاحب کی حکومت ہے تو اس کو زرداری دور سے بھی برا کہا جا رہا ہے اور مشرف اور زرداری دور کو اچھا کہا جا رہا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو مشرف دور کا بیجا ہو بیج زرداری دور میں کاٹا گیا اور زرداری دور کا بیج میاں صاحب کے دور میں کاٹا جا رہا ہے۔ ہر دور میں یہ سیاستدان مزے میں رہے اور اگر پسی ہے تو یہ غریب عوام۔ میں پاکستان کی عوام اور بالخصوص پڑھے لکھے نوجوانوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہ جو سیاستدان جو انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں کیا کبھی کسی نے ان سیاستدانوں سے یہ سوال پوچھا ہے کہ وہ اتنا بتا دیں انہوں نے کس کس ملک سے پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے بات چیت کی ہوئی ہے ؟ کون کون سے ملک سے لوگ آ کر ہمارے ملک میں بزنس کریں گے ؟ محکموں میں کس انداز سے کرپشن کو ختم کریں گے ؟ ملک سے بیر روزگاری کس طرح ختم کی جائی گی؟ عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان کدھر سے ملے گا؟ تعلیم کس طرح عام ہو گی؟ بجلی کے لیے کس ملک سے بات چیت کی ہوئی ہے؟ گیس کا مسئلہ کس طرح حل ہو گا؟ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کونسا طریقہ اپنائیں گے ؟ اپنے مسلم ممالک بھائی کے کیا ہونے والی نا انصافیوں کے لیے کس طرح آواز بلند کریں گے ؟

صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہم حکومت میں آکر ملک کی تقدیر سنوار دیں گے یا کرپشن ختم کردیں گے۔ یہ نعرہ تو ہر دور میں سیاستدان اپنے اپنے جلسوں میں لگاتے آرہے ہیں مگر اقتدار میں آکر وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں ان کو صرف اپنے اقتدار اور اپنی کرسی سے غرض ہوتی ہے۔

نواز شریف نے بھی ملک کی تقدیر سنوارنے کا نعرہ لگایا تھا مگر آج سب اس بھی مایوس ہوچکے ہیں۔ تحریک انصاف ملک کے مختلف شہروں میں جلسے کررہی ہے اور زیادہ سے زیادہ عوامی طاقت کا مظاہرہ کرنے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ وہ ملک میں سونامی لانے کی نوید سنارہے ہیں تو کبھی نیا پاکستان بنانے کی۔ مگر خان صاحب نے ایک بار بھی یہ عوام کو نہیں بتایا کہ ہم نے نیا پاکستان بنانے کے لیے فلاں ملک سے سرمایہ کاری کی بات کررکھی ۔ ہم نے کرپشن کے لیے یہ پروگرام بنایا ہوا ہے۔ ہم نے بے روزگاری کے لیے یہ پراجیکٹ بنایا ہوا ہے۔ بس عوام کو جھوٹے دلاسے دینے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ میں تو یہ کہوں گا کہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی جارہی

ہے۔ قادری صاحب اپنا انقلاب لانا چاہتے ہیں۔وہ پی پی کے دور میں بلٹ پروف بکتر بند ٹینکر میں بیٹھ کر دھرنا بھی دے چکے مگر انقلاب تو نہیں البتہ پتا نہ کیا کھیل کھیل کر واپس کینیڈا جاپہنچے تھے۔ اس وقت بھی وہ پاکستانی عوام کو موجودہ سیاسی نظام سے چھٹکارا دلانے آئے تھے۔ آج پھر وہ عوام کے مسیحا بن کر انقلابی

پروگرام لائے ہیں جو ابھی تک ان کے دل میں محفوظ ہیں اور عوام تک نہیں پہنچا۔ ہو سکتا ہے شیخ الاسلام صاحب پھر کسی بکتر بند میں قید ہو کر اسلام آباد جائیں اور اپنا کام کر کے واپس اپنے ملک پدھار جائیں۔

ابھی تک ان دونوں انقلابیوں نے کسی سٹیج پر بھی اپنا انقلابی ایجنڈا عوام کو بتانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ جب ہمارے سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف کرپشن کے الزامات لگا کر عوام کو سب کچھ بتا سکتے ہیں تو پھر یہ انقلابی پروگرام عوام کو کیوں نہیں بتا سکتے؟

سوال یہ ہے کہ اس وقت جو حالات پاکستان میں چل رہے ہیں ۔ لاء اینڈ آرڈر کا جو مسئلہ چل رہا ہے۔ کیا ان حالات میں کوئی پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے تیار ہے؟ ہر گز کوئی نہیں تیار ہو گا کیونکہ سب سے پہلے ہمیں اپنے ملک میں لاء اینڈ آرڈر کو درست کرنا ہو گا۔ باہر کے ملکوں سے آنے والے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا ہو گا۔

دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ نا ہو گا۔ جو اس وقت ہماری فوج کر رہی ہے۔ ان انقلابیوں سمیت تمام سیاستدانوں کو اس وقت فوج کی مکمل حمایت کرنی چاہیے اور ملک میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے فوج کا ذہن بھٹکے۔ اگر ہمارے سیاستدان ملک سے سنجیدہ ہیں تو پھر آپس کے اختلاف بھلا کر اس حالت جنگ میں فوج کا بھرپور ساتھ دیں۔

ان لیڈران کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انقلاب ہمیشہ عوام کے ذہن بدلنے سے آتا ہے۔ جلسوں یا جلوسوں سے انقلاب نہیں آتے۔ اگر کسی بھی لیڈر کو انقلاب لانا ہے تو پہلے اس کو عوام کا ذہن بدلنا ہوگا۔ ان کے سامنے ساری حقیقت واضح کرنا ہوگی۔ ان کے لیے ایک راستہ متعین کرنا ہوگا۔ ان کو عوام کا اصل خواب سچا کرکے دکھانا ہوگا۔ اگر لوگ جمع کرنے سے انقلاب آتا ہوتا تو پھر دو چار مداری بھی مل کر ملک میں انقلاب لا سکتے ہیں کیونکہ آدمی جمع کرنے کا فن ان کو بھی آتا ہے۔

میں اپنے ان انقلابی سیاستدانوں سے صرف اتنا کہوں گا کہ اگر آپ واقعی ملک کے ساتھ مخلص ہیں اور ملک میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو ملک میں سب سے پہلے بے روزگاری ختم کرو، امن وامان قائم کرو، حقدار کو اس حق دلاؤ، انصاف عام کرو، امیر اور غریب کا فرق مٹاؤ، محکموں سے کرپٹ مافیا کا خاتمہ کرو۔ انقلاب ایسے نہیں آتا کہ خود تو بکتر بند ٹینکر میں بیٹھیں اور عوام کو مرنے کے لیے سڑکوں پر چھوڑ دے۔ انقلابیوں کو سب سے پہلے اپنے اندر تبدیلی لانا ہوگی۔ اپنا کلچر تبدیل کرنا ہوگا۔ خود کو عوامی بنانا ہوگا۔ عوام میں گھل ملنا ہوگا۔ عوام کے اندر سے احساس محرومی نکالنا ہوگا۔ تب جا کر عوام کا انقلاب کی طرف ذہن بنے گا۔

شب قدر" تمام راتوں کی سردار رات"

رمضان المبارک کی راتوں میں ایک رات شب قدر کہلاتی ہے ۔ جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ہزار مہینے کے تراسی برس چارماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہوجائے۔ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے اس نے گویا تراسی برس چارماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزاردیا۔حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر اللہ تعالی نے میری امت کو عطافرمائی ہے اس سے پہلی امتوں کو نہیں۔

اس کے بارے میں مختلف روایات ہے کہ اس انعام کا کیا سبب ہے بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت زیادہ ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک عمال میں ان کی برابری کرنا چاہیں تو ناممکن ہے اس سے اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات رحمت ہوئی ۔ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں نصیب ہوجائیں تو گویا اس نے آٹھ سو تینتیس برس چارماہ سے زیادہ زمانہ عبات میں گزار دیا۔ (سبحان اللہ) کتنا بڑا انعام ہے مسلمانوں کے لیے کیا اب بھی ہم اپنے گناہوں کو بخشوا نہیں سکتے۔ پورا سال ہم سو کر گزارتے ہیں صرف ایک رات جاگ کر عبادت نہیں کر سکتے؟

یوں تو ہم اپنے دنیاوی کاموں اور ٹیلی ویژن کے سامنے نہ جانے کتنی راتیں گزارتے ہیں اور اپنے اعمال نامہ میں گناہوں کا اضافہ کرلیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس رات کو اپنے لیے خدا کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلیں اور عبادت میں گزاریں تاکہ ہمارے اعمال میں نیکیوں کا وزن بڑھ جائے اور سچے دل کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کریں تاکہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ وکبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہوجائیں۔ اگر آپ کو یاد رہے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

ایک روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "ہمارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ ساری خیر سے محروم رہ گیااور اسکی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے"اس محرومی سے مراد جو اس قدر بڑی رحمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ایک ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات بھر جاگتا ہے اگر اسی (80) برس کی عبادت کی خاطر ایک رات جاگ لے تو کیا مشکل ہے؟ اصل میں انسان کے دل میں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اگر ذرا سا بھی خوف خدا کو دل میں لا کر عبادت کی جائے اور سامنے انعام کو رکھا جائے تو ایک رات کیا سینکڑوں راتیں بھی جاگی

جا سکتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث بالا کے مطابق شب قدر کو اکیسویں (21)، تئیسویں (23) ، پچیسویں (25) ، ستائیسویں (27) اور انتیسویں (29) راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت عبادہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس رات میں جاگے اور عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں اور جس شخص کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہیں اسکے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں'' اس رات کی علامتوں میں یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے۔ صاف شفاف نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں انوار کی کثرت کی وجہ سے چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ نیز اسکی علامتوں میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔

مشائخ نے کہا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتیٰ کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں۔ مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور کشفیہ سے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دعا مانگوں ؟ حضور اکرم ﷺ نے دعا بتلائی۔ جس کا ترجمہ ہے

"اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے والے کو۔

" پس معاف فرمادے مجھ سے بھی۔

یہ صرف دعا دنیاوی نہیں بلکہ دنیاوآخرت کو مد نظر رکھ کر ایک نہایت جامع دعا ہے۔ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔اس رات دعاؤں میں مشغول رہنا اور نماز،تلاوت، مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہنا بہترین ہے۔

مگر آج کے مسلمانوں میں اسلام اور عبادت کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے وہ مسلمان جو پورا سال آرام سے نیند کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں کیا ایک رات خُدا کی مرضی سے اس عظیم ہستی کی عبادت میں گزار نہیں سکتے جس نے انسان کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے مگر افسوس کے ہم اپنی پیدائش کا مقصد ہی

بھول چکے ہیں۔ ہم نیند کو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کتنا بڑا خزانہ ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں۔ اسی رات میں چاہے کتنا ہی گناہ گار شخص ہو اگر سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل وزبان سے توبہ کرلے تو اللہ اسکے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور اس پر رحمتوں کا نزول ہوگا۔

شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف میں سے ایک تحفہ ہے۔ یہ وہی عظیم رات ہے جسکا ذکر سورۃ الدخان میں اس طرح ہے :

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ یقیناً ہم (قرآن کے ذریعے) لوگوں کو خبردار کرنے والے ہیں۔ اس رات میں تمام حکیمانہ امور ہمارے حکم سے طے ہوتے ہیں۔ ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں، یہ تمہارے رب کی رحمت کے باعث ہے، یقیناً وہ سب کچھ سننے والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے

شب قدر" تمام راتوں کی سردار رات"

رمضان المبارک کی راتوں میں ایک رات شب قدر کہلاتی ہے ۔ جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ہزار مہینے کے تراسی برس چارماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہوجائے۔ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے اس نے گویا تراسی برس چارماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزار دیا۔حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر اللہ تعالٰی نے میری امت کو عطافرمائی ہے اس سے پہلی امتوں کو نہیں۔

اس کے بارے میں مختلف روایات ہے کہ اس انعام کا کیا سبب ہے بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت زیادہ ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک عمال میں ان کی برابری کرنا چاہیں تو ناممکن ہے اس سے اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات رحمت ہوئی ۔ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں نصیب ہوجائیں تو گویا اس نے آٹھ سو تینتیس برس چارماہ سے زیادہ زمانہ عبات میں گزار دیا۔ (سبحان اللہ) کتنا بڑا انعام ہے مسلمانوں کے لیے کیا اب بھی ہم اپنے گناہوں کو بخشوا نہیں سکتے۔ پورا سال ہم سو کر گزارتے ہیں صرف ایک رات جاگ کر

عبادت نہیں کر سکتے؟

یوں تو ہم اپنے دنیاوی کاموں اور ٹیلی ویژن کے سامنے نہ جانے کتنی راتیں گزارتے ہیں اور اپنے اعمال نامہ میں گناہوں کا اضافہ کرلیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس رات کو اپنے لیے خدا کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلیں اور عبادت میں گزاریں تاکہ ہمارے اعمال میں نیکیوں کا وزن بڑھ جائے اور سچے دل کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کریں تاکہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ وکبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر آپ کو یاد رہے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

ایک روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہمارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ ساری خیر سے محروم رہ گیااور اسکی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے“اس محرومی سے مراد جو اس قدر بڑی رحمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ایک ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات بھر جاگتا ہے اگر اسی (80) برس کی عبادت کی خاطر ایک رات جاگ لے تو کیا مشکل ہے؟ اصل میں انسان کے دل میں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اگر ذرا سا بھی خوف خدا کو دل میں لا کر عبادت کی جائے

اور سامنے انعام کو رکھا جائے تو ایک رات کیا سینکڑوں راتیں بھی جاگی جا سکتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث بالا کے مطابق شب قدر کو اکیسویں (21)، تیئیسویں (23)، پچیسویں (25)، ستائیسویں (27) اور انتیسویں (29) راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت عبادہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس رات میں جاگے اور عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں اور جس شخص کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہیں اسکے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں“ اس رات کی علامتوں میں یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے۔ صاف شفاف نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں انوار کی کثرت کی وجہ سے چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ نیز اسکی علامتوں میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد

صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔

مشائخ نے کہا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتیٰ کہ درخت زمین پر گرجاتے ہیں۔ مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور لشفیہ سے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دعا مانگوں ؟ حضور اکرم ﷺ نے دعا بتلائی۔ جس کا ترجمہ ہے

"اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے والے کو۔

" پس معاف فرمادے مجھ سے بھی۔

یہ صرف دعا دنیاوی نہیں بلکہ دنیاوآخرت کو مدنظر رکھ کر ایک نہایت جامع دعا ہے۔ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔اس رات دعاؤں میں مشغول رہنا اور نماز، تلاوت، مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہنا بہترین ہے۔

مگر آج کے مسلمانوں میں اسلام اور عبادت کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے وہ مسلمان جو پورا سال آرام سے نیند کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں کیا ایک رات

خُدا کی مرضی سے اس عظیم ہستی کی عبادت میں گزار نہیں سکتے جس نے انسان کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے مگر افسوس کے ہم اپنی پیدائش کا مقصد ہی بھول چکے ہیں۔ ہم نیند کو تو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کتنا بڑا خزانہ ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں۔ اسی رات میں چاہے کتنا ہی گناہ گار شخص ہو اگر سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ کر لے تو اللہ اسکے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور اس پر رحمتوں کا نزول ہوگا۔

شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف میں سے ایک تحفہ ہے۔ یہ وہی عظیم رات ہے جسکا ذکر سورۃ الدخان میں اس طرح ہے :

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ یقیناً ہم (قرآن کے ذریعے) لوگوں کو خبردار کرنے والے ہیں۔ اس رات میں تمام حکیمانہ امور ہمارے حکم سے طے ہوتے ہیں۔ ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں، یہ تمہارے رب کی رحمت کے باعث ہے، یقیناً وہ سب کچھ سننے والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے

عید آئی خوشیاں لائی مگر۔۔۔۔

جوں جوں رمضان کا مہینہ اپنے اختتام کی طرف بڑھتا ہے ساری دنیا کے مسلمان عید الفطر کی خوشیاں منانے کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تہوار روزوں رکھنے کے انعام کے طور پر منایا جاتا ہے۔ مسلمان ہر سال دو عیدیں مناتے ہیں ایک عیدالفطر اور دوسری عید الضحیٰ ۔ پہلی عید، عید الفطر جو رمضان کے بعد آتی ہیں اور دوسری عید، عیدالاضحیٰ کی جو حج کے بعد منائی جاتی ہے اور اس دن کی یاد دلاتی ہے جب اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی آزمائش کی اور بعد میں انہیں اپنے بیٹے کی قربانی کرنے سے بچا لیا۔

رمضان المبارک عاجزی وانکساری کا مہینہ ہے جو مسلمانوں کو بھوک پیاس کی اس تکلیف سے روشناس کراتا ہے جو معاشرے کے کم خوش قسمت لوگ اپنی روز مرّہ زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں بھی بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں یہی سوچ ہوتی ہے کہ اپنی ذات پر کم خرچ کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ خیرات کی جائے۔ عیدالفطر کی رات (چاند رات) کو اللہ تعالی اپنے بندوں کو بخشش کرتا ہے اور جتنے بندوں کی بخشش پورے رمضان میں ہوتی ہے اس سے زیادہ اس چاند رات کو ہوتی ہے۔ جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (آسمانوں میں) اس

کا نام" لیلۃ الجائزۃ" (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں (راستوں)کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جس کو جن و انس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے،پکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ ! اُس ربِ کریم کی بارگاہ کی) طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو) معاف فرمانے والا ہے،پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالی شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں :کیا بدلہ ہے اُس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک ! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کر دی جائے،تواللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔" فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں "اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی

عید الفطر کا دن مسلمانوں کا ایک ایسا تہوار ہے جو روزے رکھنے کا مہینہ مکمل ہونے پر خوشی کے اظہار اور اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے منایا جاتا ہے۔اس دن مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہیں جو انہوں نے صدیوں پہلے قائم کی تھی۔ مسلمان اس تہوار پر اکثر اپنے اور اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے نئے کپڑے خریدتے ہیں تاکہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے عید کی نماز بہترین کپڑوں میں ادا کریں۔ مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے عید کے پہلے روز صبح اٹھتے ہی نماز پڑھنے کے لئے مسجد کا رُخ کرتے ہیں جہاں امام صاحب مختصر اور جامع خطبہ دیتے ہیں جس میں عموماً عید کے دن کی اہمیت اور فضیلیت بتائی جاتی ہے۔

اس کے بعد سارا دن بالعموم کھانے پینے کی اشیا سے لطف اندوز ہوتے اور گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہیں۔ عید کے دنوں میں سب سے زیادہ مزے بچّوں کے ہوتے ہیں جن پر والدین، عزیز واقارب اور دوست احباب کی طرف سے خوب نوازشات ہوتی ہیں، عیدی ملتی ہے اور مٹھائیاں اور تحفے دیئے جاتے ہیں۔ بچوں کو تفریح کے لئے پارک میں یا چڑیا گھر وغیرہ بھی لے جایا جاتا ہے۔ عید پر خاندانی تعلقات کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور عید کی مبارکباد دینے کے لئے رشتہ داروں بالخصوص بڑوں کی طرف ضرور چکر لگایا جاتا ہے۔

عید کی خوشیوں میں غیر مسلموں کا بھی شریک ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اکثر مسلمان، خاص طور پر جو اقلیتی جگہ میں رہنے والے لوگ عید کی خوشیوں میں اپنے غیر مسلم دوستوں اور رفقا کو بھی کھلے دل سے شریک کرتے ہیں۔ بعض

غیر مسلم تو کبھی کبھی اپنے مسلمان دوستوں کے ساتھ رمضان کے مہینے میں روزہ بھی رکھ لیتے ہیں۔افطاری میں شریک ہونے کی دعوت تو غیر مسلموں کو اکثر دی جاتی ہے۔ عید کی نماز کے وقت تقریباً سبھی مساجد اپنی پوری گنجائش کی حد تک بھری ہوتی ہیں اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کے لئے باہر گلی یا سڑک پر بھی صفیں باندھنی پڑھتی ہیں۔ عید کا تہوار جہاں مسلمانوں کے دل میں خوشیاں بھر دیتا ہے وہاں بہت سے مسلمانوں کو افسوس بھی ہوتا ہے کہ نیک اعمال اور نماز روزے کے ذریعے خدا کا روحانی قرب حاصل کرنے کا موقع فراہم کرنے والا ماہِ رمضان اب اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ معلوم نہیں اگلے سال زندگی ہمیں یہ موقع فراہم کرے یا نہ کرے۔

عیدالفطر مسلمانوں کو دنیاوی خوشی کے ساتھ ساتھ روحانی خوشی بھی دیتی ہے کیونکہ جب انسان سچے دل اور نیک نیتی کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھتا ہے اور دوسری عبادات کرتا ہے تو اس کو قلبی سکون ملتا ہے اور جب عید کا چاند نظر آتا ہے تو سب سے زیادہ خوشی کا اظہار بھی وہی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی محنت کا پھل دیتا ہے۔

ہماری اللہ تعالی سے دعا ہے کہ رب العزت تمام مسلمانوں کے لیے اس عید کو خوشیوں اور محبت کا گھوارہ بنا دے۔ ہمارے پاکستان کو دشمن کی میلی نظر، دہشت گردی، بے روزگاری، بے حیائی و فحاشی اور دیگر دنیاوی برائیوں سے بچائے اور آپس میں محبت، پیار اور خلوص بڑھائے۔ آمین

غزہ کے ظلم پر خاموشی کیوں؟

غزہ فلسطین کا ایک علاقہ ہے جس کی سرحد مصر سے ملتی ہے۔ اس علاقہ کو اسرائیل نے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اس کی تجارت اور خارجی معاملات بھی آزاد نہیں۔ اس علاقے میں اسرائیل نے 38 سال قبضہ کرنے کے بعد چھوڑا تو اس کے بعد ظلم و ستم کا بازار گرم رکھا ہے مگر افسوس آج تک کشمیر کی طرح اس کا حل نہیں نکالا گیا۔ کشمیر کی طرح غزہ کے مسلمانوں پر آئے روز ظلم کی پہاڑے ڈھائے جاتے ہیں۔ لیکن آج تک دنیا بھر کے مسلمانوں نے ہم آواز ہو کر ان کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے۔ تاریخ کے صفحات الٹنے کی ضرورت نہیں۔ سادہ ترین الفاظ میں بھی مسلم امہ کا کردار ہمیشہ شرمناک ہی رہا ہے۔ کیا ہمارے مذمتی بیانات سے اسرائیلی کارروائیاں رک جائیں گی؟ کیا جمعہ کے خطابات میں اسرائیلی مذمت سے فلسطینی مسلمانوں کا دکھ کم ہو جائے گا؟ اگر غزہ کے مسلمانوں کی مدد کرنی ہے تو عرب ممالک اگر صرف ایک ہفتہ کے لیے یورپ اور امریکہ کو تیل کی سپلائی ہی بند کر دیں تو اسرائیل سمیت دیگر غیر مسلم ممالک اپنی اوقات میں آجائیں گے مگر ان میں ہمت نہیں ہے کہ وہ ایسا کر سکیں۔

کہاں گئے وہ سارے جہادی جو صرف مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں؟ انھیں غزہ میں اسرائیلی ستم نظر نہیں آتا؟ وہ جو شام میں ''جہاد'' کے لیے بھرتی سنٹر کھولے بیٹھے ہیں کیا وہ چند جہادی لوگ غزہ کے مسلمانوں کے لیے نہیں بھیج سکتے ہیں؟ کرائے کے جہادی تو صرف ادھر کا ہی رخ کرتے ہیں جدھر کا عرب شیوخ کہیں گے۔ ترکی والے مسلمانوں کو کیا ہوا؟ کیا ترکی کی تنبیہ سے اسرائیل باز آ جائے گا؟ پاکستان کے نام نہاد لیڈر اور مذہبی جماعتوں کے قائدین خاموشی کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہم انقلاب کی باتیں کرتے ہیں۔ ہم آزادی مارچ کی تیاری میں ہیں۔ جب کشمیر اور فلسطین ہمیں پکار رہا ہے۔ ہم اپنے اقتدار کے لئے میدان میں نکلنے والے ہیں مگر اپنے ان بھائیو ں کی مدد کرنے کے لیے ہمارے پاس ہمدردی کے چند الفاظ بھی موجود نہیں کیونکہ حقیقت کچھ اور ہے۔ ہمارے مسلمانوں کے لیے معین علی کی مثال کافی ہے جس نے کھیل کے میدان میں مسلمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔

ایک اطلاع کے مطابق آئی سی سی نے معین علی کو بھارت کے خلاف جاری تیسرے ٹیسٹ میچ کے دوران ''سیو غزہ'' اور ''فری فلسطین'' لکھے رسٹ بینڈ پہننے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ جس پر '' سیو غزہ'' اور ''فری فلسطین'' لکھا ہوا تھا۔ انگلینڈ کرکٹ بورڈ کے ترجمان نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارا خیال ہے کہ معین علی نے کوئی غلطی نہیں کی جبکہ آئی سی سی کے مطابق معین

علی نے کرکٹ کوڈ آف کنڈکٹ کی خلاف ورزی کی ہے کیوں کہ آئی سی سی قوانین کھلاڑیوں کو بین الاقوامی میچز کے دوران کپڑوں یا دیگر چیزوں پر سیاسی، مذہبی یا نسلی بیانات دکھانے سے روکتے ہیں۔ معین علی پاکستانی نژاد مسلمان ہیں جن کی گزشتہ دنوں غزہ میں امدادی سرگرمیوں کے لیے برمنگھم میں فنڈز جمع کرنے کی تصاویر بھی سامنے آئی تھیں۔

مسلمانوں کفاروں سے ہی سبق سیکھ لو۔ ان کی ہم آہنگی دیکھ لو کہ وہ اپنے کافر بھائی کی مدد کے لیے کیسے کیسے اقدامات کر رہا ہے اور دوسری طرف ہم مسلمان ہیں جو ان کفار کے ڈر سے بزدلی کا طعنہ سن رہے ہیں۔ آسٹریلوی ڈیوڈ بون نے فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی پر تو معین علی کو روک دیا لیکن آئی سی سی کی ڈھٹائی کو کیا نام دیں کہ جس ٹیسٹ میں شرکت کے دوران معین علی کی سرزنش کی گئی اسی میچ کے تیسرے روز پہلی جنگ عظیم کے 100 سال مکمل ہونے پر اس جنگ میں لڑائی کے دوران ہلاک ہونے والے کرکٹرز کی یاد میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی تھی جبکہ انگلش کھلاڑی ایسی شرٹس بھی پہنتے رہے ہیں جس میں ایک ایسی فلاحی تنظیم کا نام کندہ تھا جو جنگوں میں زخمی ہونے والے برطانوی فوجیوں کی مدد کرتی ہے۔ اگر آئی سی سی اتنا ہی قوانین کا پابند ہے تو پھر وہ ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرنے والے اور ایسی شرٹس پہننے والے کھلاڑیوں پر بھی پابندی لگائے مگر وہ ایسا کیوں کرے کیونکہ آئی سی سی بھی

مسلمانوں کے خلاف ہے کفار کے نہیں۔
معین علی کے اس اقدام پر بہت سے کھلاڑیوں نے سوشل میڈیا پر ان سے حمایت کا اظہار کیا تھا۔ کرکٹ حلقوں کا کہنا ہے کہ معین علی کی سرزنش کرکے آئی سی سی نے ایک مرتبہ پر یہ ثابت کردیا ہے کہ کرکٹ کا یہ عالمی ادارہ نا صرف متعصب ہے بلکہ کہیں نہ کہیں یہ بھی مسلمانوں کے خلاف روا رکھے جانے والے اقدامات کی حمایت کرتا ہے۔
یاد رہے کہ گزشتہ جمعے کو ملائیشین سائیکلسٹ عزیزاللہ آسنی اونگ کو بھی سیو غزہ کے پیغام والے گلو پہننے پر کامن ویلتھ گیمز سے نکالنے کا انتباہ کیا گیا تھا۔ کامن ویلتھ فیڈریشن کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مقابلوں کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال ہونے سے بچانا چاہتی ہے۔ اگرچہ ملائیشین کھلاڑی نے اپنے اقدام کو سیاسی کی بجائے انسانیت پر مبنی قرار دیا تھا۔
کوئی ان کافروں کو بتائے کہ نہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اور نہ مذہبی بلکہ ان سے بڑھ کر انسانیت کا رشتہ بھی تو ہے۔ یاد رہے کہ غزہ میں جاری اسرائیلی کارروائی کے خلاف دنیا بھر میں مظاہرے کیے جا رہے ہیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے افراد اور مختلف قومیت کے لوگ بھی حصہ لے رہے ہیں۔ اس

کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک میں بالخصوص امریکہ میں یہودی برادری میں بھی اسرائیلی کارروائی کے خلاف چند لوگوں نے آواز اٹھائی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی دنیا بھر کے مذہبی، سماجی اور سیاسی مسلمانوں کو یکجا ہونے کی اور دنیا بھر میں جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھائے جا رہے ہیں وہاں پر ان کا ساتھ دینے کی توفیق دے۔ آمین

کیا "14 اگست" کو کچھ ہوگا؟

14 اگست آ رہا ہے اس بار ہم یوم آزادی منائیں یا آزادی بنائیں گے؟ یہ وہ سوال ہے جو مجھ کو سوچنے پر مجبور کرنے لگا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ چند نوجوان حصول تعلیم کے سلسلے میں شہر جانے کے لیے بس سٹاپ پر کھڑے تھے۔ وہ آپس میں زور زور سے بحث کر رہے تھے کہ یک دم ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میرے پاس آ گئے اور مجھ سے چند سوال کر ڈالے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ سیاست تو پاکستان کی ہر فیلڈ میں رسی بسی پڑی ہے۔ کوئی بھی محکمہ ہو یا کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں پر سیاست سے کام نہ لیا جا رہا ہو۔ اب تو مساجد میں بھی سیاست شروع ہو چکی ہے حتی کہ امام مسجد بھی اپنی اپنی پسند کا لایا جا رہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں تو سیاست کا طوطی بڑھ چڑھ کر بولتا ہے۔ کالج، سکول اور یونیورسٹی درس گاہ کم اور مختلف سیاسی جماعتوں کا مرکز زیادہ لگتے ہیں۔ بات ہو رہی ہے ان طالب علم کی جو تعلیم کی غرض سے گھر سے نکلے مگر یہ تعلیم کی بجائے سیاست کو زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔ ان کے نظریات اپنی اپنی سیاسی پارٹیوں کے تابع تھے۔ دلچسپ بات یہ کہ لڑکے آپس میں بہت گہرے دوست ہیں مگر ان کے نظریات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ایک طالبعلم

جو عمران خان کا شیدائی لگتا تھا وہ بولا کہ اس بار عمران خان ہمیں 14 اگست پر آزادی دلا کر نیا پاکستان بنائے گا۔ جس پر ن لیگ کا حمایتی بولا کہ آزادی تو ہم نے 1947 میں سے حاصل کر لی اب کس سے آزادی حاصل کر رہے ہو؟اس موضوع پر ان میں کافی بحث ہو رہی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بڑے دلائل پیش کر رہے تھے۔ بحث کے دوران ان میں کافی گرما گرمی بھی ہوئی۔

یہی بحث کرتے ہوئے وہ میرے قریب آ گئے اور یہی سوال مجھ سے کرڈالا کہ سر آپ بتائیں کہ اس بار یوم آزادی منائی جائیگی یا آزادی بنائی جائیگی؟اس سوال پر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ان نوجوانوں کے ذہنوں میں تعلیمی سوالات کے بجائے سیاسی سوالات کیوں جنم لے رہے ہیں؟ سیاستدانوں کی روزمرہ کی نورا کشتی نے ان طالبعلم کو کس جگہ لا کر کھڑا کر دیا ہے؟یہ طالب علم تعلیم کی بجائے سے سیاست میں دلچپسی لے رہے ہیں جبکہ ان کو تو اپنے مستقبل کے لیے تعلیم پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

اس سے پہلے کہ میں ان کے سوال کا جواب دیتا میرے قریب کھڑے ایک ادھیڑ عمر شخص نے انہیں ایسا تفصیلی جواب دیا کہ میں خود حیران ہوگیا۔

اس نے کہا کہ حقیقت سے کوئی منہ نہیں موڑ سکتا۔ آزادی تو ہم نے 1947 میں

ہندوؤں اور انگریزوں سے حاصل کرلی اور یہ آزادی ہم نے نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیاں دیکر حاصل کی۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے گھربار، زمین، جائیداد، سے لیکر اپنی جانوں کے نظرانے تک پیش کرکے ہمارے لیے یہ نعمت حاصل کی۔ انہوں نے کہا برخوردار آج خانصاحب جس آزادی کی بات کررہے ہیں وہ بتائیں کہ وہ کس سے آزادی لینا چاہتے ہیں؟ وہ اس وقت کونسی قید میں ہیں۔ صرف یہ کہ ان کو اقتدار نہیں ملا اس لیے وہ عوام کو ورغلا رہے ہیں۔ خانصاحب پہلے اپنی جماعت میں دیکھیں کہ کیا وہ آزاد ہیں یا اس پر بھی کوئی قابض ہے۔ عمران خان اپنی جماعت میں سے کوئی ایک ایسا لیڈر دکھائیں جس کا دامن صاف ہے۔ ہر دوسرا شخص تحریک انصاف کا کسی نہ کسی پارٹی سے آیا ہوا ہے۔

خان صاحب کے ساتھ اس وقت جو گٹ ان کی ٹیم میں شامل ہیں وہ آزادی دلا سکتے ہیں؟ چوہدری بردران اور شیخ رشید پرویز مشرف دور میں اقتدار میں رہے وہ قسم کھا کر بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دور میں بھی عوام کی آزادی کے لیے اقدام اٹھائے؟ چوہدری برادران اقتدار کی خاطر کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ دیکھا نہیں پی پی کے دور میں پرویز الہی ڈپٹی وزیراعظم بن کر بیٹھ گئے وہ عوام کو بتائیں تو سہی کہ انہوں ڈپٹی وزیراعظم بننے کے بعد کونسا معرکہ مارا سوائے اس کے کہ انہیں حکومتی سطح پر مراعات ملیں۔ لال مسجد کے واقعے پر شیخ رشید یا چوہدری برادران نے اقتدار کو لات کیوں نہیں ماری؟

اس شخص نے کہا.برخوردار ان سیاستدانوں کو چھوڑو اور اپنی تعلیم حاصل کرو۔ یہ کوئی بھی سیاستدان عوام سے مخلص نہیں۔ نواز شریف نے پی پی دور میں کتنے ڈرامے کئے۔شہباز شریف نے لوڈشیڈنگ کے خلاف مینار پاکستان پر احتجاجی ڈرامہ کیا۔
نواز شریف نے خود لانگ مارچ کیا جب کیوں نہیں سوچا کہ یہ غلط ہے یا صحیح ؟اب عمران خان کو بھی لونگ مارچ کرکے اپنا رانجھا راضی کر لینے دے۔ طاہر القادری کا کردار آپ سب کے سامنے ہیں وہ پی پی کے دور میں دھرنا دیکر واپس کینیڈا چلا گیا۔آج پھر اس کو عوام کا خیال آیا یا پھر اپنی جیب بھرنے کا۔ جو وہ میدان میں کودا ہے۔ الطاف حسین جو پاکستانی عوام بہت.بڑا خیر خواہ ہے وہ اپنی موت کے ڈر سے پاکستان آنے سے ڈرتا ہے پھر وہ عوام کے مسائل کیا جانتا ہوگا؟ مولانا فضل الرحمٰن کو بس اپنے پیٹ سے غرض ہے۔ وہ ہر دور میں اقتدار میں رہنے کے لیے پاپڑ.بیلتا ہے۔الغرض تمام سیاستدانوں کو صرف اپنے پیٹ سے غرض ہے عوام سے نہیں۔آپ لوگ ان باتوں میں اپنا ٹائم ضائع کرنے کی بجائے تعلیم پر توجہ دو۔اپنا اور اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچو۔
اس شخص کی بات سن کر میں نے اس سے اتفاق کیا اور کہا اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کہ آج کل سارے سیاستدان اپنے مفاد میں عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔آج دنیا بھر میں مسلمان ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں مگر مسلم حکمران اپنے

اقتدار کے نشے میں مد ہوش بیٹھے ہیں۔ کبھی کسی اسلامی ملک کے سربراہ نے مسلمانوں کی بہتری کے لیے کوئی قدم اٹھایا ہے؟ ایک او۔ آئی ۔ سی بنائی ہوئی ہے جو بھینس پانی میں بیٹھنے کے مترادف ہے۔ آج تک اس نے مسلمانوں کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔

خانصاحب، طاہر القادری، جماعت اسلامی اور دیگر سیاسی جماعت جو آج ملک میں مارچ یا انقلاب کی باتیں کر رہی ہیں وہ اسلامی ممالک میں ہونے والے مظالم کے خلاف اٹھیں اور ایک مسلم آرمی بنائیں تاکہ جیسے امریکہ ہر ملک میں ٹانگ اڑاتا ہے اسی طرح ہماری مسلم آرمی جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو وہاں جا کر اپنا کام کرے۔ پھر دیکھیں غیر مسلم کس طرح اپنے بل میں چھپ کر بیٹھتے ہیں مگر افسوس کہ ہم اس طرف نہیں سوچتے بلکہ اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایمان پر قائم رکھتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے کی توفیق دے۔

کیا”14 اگست“کو کچھ ہوگا؟

14 اگست آرہا ہے اس بار ہم یوم آزادی منائیں یا آزادی بنائیں گے ؟ یہ وہ سوال ہے جو مجھ کو سوچنے پر مجبور کرنے لگا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ چند نوجوان حصول تعلیم کے سلسلے میں شہر جانے کے لیے بس سٹاپ پر کھڑے تھے۔ وہ آپس میں زور زور سے بحث کر رہے تھے کہ یک دم ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میرے پاس آ گئےاور مجھ سے چند سوال کر ڈالے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ سیاست تو پاکستان کی ہر فیلڈ میں رسی بسی پڑی ہے۔ کوئی بھی محکمہ ہو یا کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں پر سیاست سے کام نہ لیا جارہا ہو۔ اب تو مساجد میں بھی سیاست شروع ہوچکی ہے حتیٰ کہ امام مسجد بھی اپنی اپنی پسند کا لایا جارہا ہے۔ تعلیمی اداروں میں تو سیاست کا طوطی بڑھ چڑھ کر بولتا ہے۔ کالج، سکول اور یونیورسٹی درس گاہ کم اور مختلف سیاسی جماعتوں کا مرکز زیادہ لگتے ہیں۔ بات ہورہی ہے ان طالب علم کی جو تعلیم کی غرض سے گھر سے نکلے مگر یہ تعلیم کی بجائے سیاست کو زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔ ان کے نظریات اپنی اپنی سیاسی پارٹیوں کے تابع تھے۔ دلچسپ بات یہ کہ لڑکے آپس میں بہت گہرے دوست ہیں مگر ان کے نظریات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ایک طالبعلم

جو عمران خان کا شیدائی لگتا تھا وہ بولا کہ اس بار عمران خان ہمیں 14 اگست پر آزادی دلا کر نیا پاکستان بنائے گا۔ جس پر ن لیگ کا حمایتی بولا کہ آزادی تو ہم نے 1947 میں سے حاصل کر لی اب کس سے آزادی حاصل کر رہے ہو؟اس موضوع پر ان میں کافی بحث ہو رہی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بڑے دلائل پیش کر رہے تھے۔ بحث کے دوران ان میں کافی گرما گرمی بھی ہوئی۔

یہی بحث کرتے ہوئے وہ میرے قریب آ گئے اور یہی سوال مجھ سے کر ڈالا کہ سر آپ بتائیں کہ اس بار یوم آزادی منائی جائیگی یا آزادی بنائی جائیگی؟اس سوال پر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ان نوجوانوں کے ذہنوں میں تعلیمی سوالات کے بجائے سیاسی سوالات کیوں جنم لے رہے ہیں؟ سیاستدانوں کی روزمرہ کی نورا کشتی نے ان طالبعلم کو کس جگہ لا کر کھڑا کر دیا ہے؟یہ طالب علم تعلیم کی بجائے سے سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں جبکہ ان کو تو اپنے مستقبل کے لیے تعلیم پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

اس سے پہلے کہ میں ان کے سوال کا جواب دیتا میرے قریب کھڑے ایک ادھیڑ عمر شخص نے انہیں ایسا تفصیلی جواب دیا کہ میں خود حیران ہوگیا۔

اس نے کہا کہ حقیقت سے کوئی منہ نہیں موڑ سکتا۔آزادی تو ہم نے 1947 میں

ہندوؤں اورانگریزوں سے حاصل کرلی اور یہ آزادی ہم نے نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیاں دیکر حاصل کی۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے گھربار، زمین، جائیداد، سے لیکراپنی جانوں کے نظرانے تک پیش کرکے ہمارے لیے یہ نعمت حاصل کی۔ انہوں نے کہا برخوردار آج خانصاحب جس آزادی کی بات کررہے ہیں وہ بتائیں کہ وہ کس سے آزادی لیناچاہتے ہیں؟ وہ اس وقت کونسی قید میں ہیں۔ صرف یہ کہ ان کو اقتدار نہیں ملااس لیے وہ عوام کو ورغلارہے ہیں۔ خانصاحب پہلے اپنی جماعت میں دیکھیں کہ کیا وہ آزاد ہیں یااس پر بھی کوئی قابض ہے۔ عمران خان اپنی جماعت میں سے کوئی ایک ایسالیڈر دکھائیں جس کادامن صاف ہے۔ ہر دوسرا شخص تحریک انصاف کاکسی نہ کسی پارٹی سے آیا ہواہے۔

خان صاحب کے ساتھ اس وقت جو لوگ ان کی ٹیم میں شامل ہیں وہ آزادی دلا سکتے ہیں؟ چوہدری برادران اور شیخ رشید پرویز مشرف دور میں اقتدار میں رہے وہ قسم کھاکر بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دور میں بھی عوام کی آزادی کے لیے اقدام اٹھائے؟ چوہدری برادران اقتدار کی خاطر کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ دیکھانہیں پی پی کے دور میں پرویز الٰہی ڈپٹی وزیراعظم بن کربیٹھ گئے وہ عوام کو بتائیں تو سہی کہ انہوں ڈپٹی وزیراعظم بننے کے بعد کونسا معرکہ مارا سوائے اس کے کہ انہیں حکومتی سطح پر مراعات ملیں۔ لال مسجد کے واقعے پر شیخ رشید یا چوہدری برادران نے اقتدار کو لات کیوں نہیں ماری؟

اس شخص نے کہا.برخوردار ان سیاستدانوں کو چھوڑو اور اپنی تعلیم حاصل کرو۔ یہ کوئی بھی سیاستدان عوام سے مخلص نہیں۔ نواز شریف نے پی پی دور میں کتنے ڈرامے کئے۔شہباز شریف نے لوڈشیڈنگ کے خلاف مینار پاکستان پر احتجاجی ڈرامہ کیا۔
نواز شریف نے خود لانگ مارچ کیا جب کیوں نہیں سوچا کہ یہ غلط ہے یا صحیح ؟اب عمران خان کو بھی لونگ مارچ کرکے اپنا رانجھا راضی کرلینے دے۔ طاہر القادری کا کردار آپ سب کے سامنے ہیں وہ پی پی کے دور میں دھرنا دیکر واپس کینیڈا چلا گیا۔آج پھر اس کو عوام کا خیال آیا یا پھر اپنی جیب بھرنے کا۔ جو وہ میدان میں کودا ہے۔ الطاف حسین جو پاکستانی عوام بہت بڑا خیر خواہ ہے وہ اپنی موت کے ڈر سے پاکستان آنے سے ڈرتا ہے پھر وہ عوام کے مسائل کیا جانتا ہوگا؟ مولانا فضل الرحمٰن کو بس اپنے پیٹ سے غرض ہے۔ وہ ہر دور میں اقتدار میں رہنے کے لیے پاپڑ بیلتا ہے۔الغرض تمام سیاستدانوں کو صرف اپنے پیٹ سے غرض ہے عوام سے نہیں۔آپ لوگ ان باتوں میں اپنا ٹائم ضائع کرنے کی بجائے تعلیم پر توجہ دو۔اپنا اور اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچو۔
اس شخص کی بات سن کر میں نے اس سے اتفاق کیا اور کہا اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کہ آج کل سارے سیاستدان اپنے مفاد میں عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔آج دنیا بھر میں مسلمان ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں مگر مسلم حکمران اپنے

اقتدار کے نشے میں مدہوش بیٹھے ہیں۔ کبھی کسی اسلامی ملک کے سربراہ نے مسلمانوں کی بہتری کے لیے کوئی قدم اٹھایا ہے؟ ایک او۔ آئی۔ سی بنائی ہوئی ہے جو بھینس پانی میں بیٹھنے کے مترادف ہے۔ آج تک اس نے مسلمانوں کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔

خان صاحب، طاہر القادری، جماعت اسلامی اور دیگر سیاسی جماعت جو آج ملک میں مارچ یا انقلاب کی باتیں کر رہی ہیں وہ اسلامی ممالک میں ہونے والے مظالم کے خلاف اٹھیں اور ایک مسلم آرمی بنائیں تاکہ جیسے امریکہ ہر ملک میں ٹانگ اڑاتا ہے اسی طرح ہماری مسلم آرمی جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو وہاں جاکر اپنا کام کرے۔ پھر دیکھیں غیر مسلم کس طرح اپنے بل میں چھپ کر بیٹھتے ہیں مگر افسوس کہ ہم اس طرف نہیں سوچتے بلکہ اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں اپنے ایمان پر قائم رکھتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے کی توفیق دے۔

کس کو کہوں آزادی مبارک؟

14 اگست پاکستان کا آزادی کا دن ہے۔ یہ آزادی کا دن (Independence day) انتہائی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب پاکستان 1947 ء میں برطانیہ اور ہندوؤں سے آزاد ہو کر معرض وجود میں آیا۔ 14 اگست کا قومی تہوار پاکستان میں سرکاری سطح پر بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ تمام پاکستانی اس روز اپنا قومی پرچم فضاء میں بلند کرتے ہوئے اپنے قومی محسنوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ پورے ملک میں ہر طرف سبز ہلالی جھنڈیاں اور پاکستانی پرچم لہراتے ہیں۔ شام میں جشن چراغاں منایا جاتا ہے۔

14 اگست 1947ء کو جب آزادی کی دولت نصیب ہوئی اس وقت کا جذبہ آج کہیں نظر نہیں آتا. اس وقت ہم ذات پات، علاقے اور لسانی گروہوں کی بجائے ایک ملت تھے جو کلمہ طیبہ کی بنیاد پر اکٹھے تھے ۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر برصغیر کے مسلمان ایک ہوئے جس کے باعث ہمیں الگ وطن ملا. لیکن آج وہ جذبہ میسر نہیں ہے۔ ہم نے اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا اور صوبائیت، لسانیت اور قومیت کے علم بردار بن گئے ہیں۔ کل ہم نے اللہ سے وعدہ کیا کہ ہمیں ایک الگ خطہ زمین مل جائے تو ہم اس میں اسلام کے مطابق قانون سازی کریں گے اور اسلامی قوانین کا نفاذ

کریں گے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں''۔

مگر آج ہم اپنے اللہ ، رسول ، کتاب کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کے فرمان کو فراموش کرچکے ہیں۔ آج ہم اسلامی اصولوں کی بجائے یہودی کے بنائے ہوئے اصولوں کے تابع ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والوں نے صرف اللہ کے نام کی خاطر اپنا گھر بار، جائیدادیں چھوڑیں، ہزاروں لوگ شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ جب لوگ ہجرت کرکے پاکستان پہنچے تو یہاں پر موجود مسلمان بھائیوں نے ان کو آگے بڑھ کر نہ صرف گلے لگایا بلکہ ان کے زخموں پر مرہم بھی رکھا۔

پاکستانی قوم کو یومِ آزادی مبارک ہو۔ لیکن یوم آزادی منانے سے پہلے ہم سوچ لیں کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ کیا بحثیت ملک ہم آزاد ہیں کہ اپنی خارجہ پالیسی خود بنا سکیں؟ کیا ہماری پارلیمنٹ اتنی آزاد ہے کہ وہ قیامِ پاکستان

اوراسلام کے مطابق قانون سازی کر سکے ؟کیا ہماری افواج اتنی آزاد اور خود مختار ہیں کہ وہ اپنی سرحدوں کی حدود میں گھس کر شہریوں کو قتل کرنے والے ڈرون طیاروں کو تباہ کر سکے؟ قائد کے اس وطن کی خاطر میں تو یہ اشعار ہی پیش کر سکتا ہوں جن میں سب کچھ عیاں ہے۔

بے باکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاجاتا ہے مومن

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ " اوراللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو" لیکن بد قسمتی سے ہم نے چھوڑی تو صرف اللہ کی رسی اور دنیا کی تمام رسیاں اور علم کو تھام لیاہے۔آج ہم تفرقے میں نہیں بہت سے "تفرقوں" میں بٹے ہوئے ہیں۔آج ہم ایک مسلمان ہونے کے بجائے وہابی ، دیوبندی ،بریلوی، شیعہ اور سنی کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور یہی نہیں ان مسالک میں بھی اپنے اپنے مفادات کی خاطر تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔ پھر انہیں فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ کیا اسلام ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے؟ مگر ہم اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اپنے پاکستان (جو تمام دنیا کے لیے اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے اور واقعتاً

ہے بھی) میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بجائے کافروں کا طرز عمل اپنا رہے ہیں۔ قائد کے اس دیس میں طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت دہشت گردی کی جارہی ہے، ٹارگٹ کلنگ ہورہی ہے، ایک دوسرے کی املاک کو نقصان پہنچایا جارہا ہے۔بقول شاعر

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے ذاتوں کے نسب کے
اگتے ہیں تہِ سایہ گل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اس کا نہیں کوئی
اس کے تنِ خستہ پہ تو اب دانت ہیں سب کے

14 اگست کے دن پاکستان بھر میں مختلف مقامات پر تقریبات ہوتی ہیں۔اس دن کا آغاز توپوں کی سلامی سے کیا جاتا ہے۔ صدر پاکستان اور وزیراعظم قومی پرچم بلند کرتے ہوئے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اس پرچم کی طرح اس وطن عزیز کو بھی عروج و ترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں گے۔مگر یہ عہد صرف زبانی کلامی ہوتا ہے اس عہد پر عمل نہیں ہوتا۔آج پاکستان کو قائم ہوئے 66برس ہوگئے ہیں مگر آج کل جو دور گزر رہا ہے وہ میں بیان نہیں کرسکتا اور بدقسمتی سے اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں سے ہر آنے والا دن نئی آفات اور پریشانیاں لے کر داخل ہوتا ہے۔ ہر طرف قتل وغارت ہورہی ہے جیسے قیام پاکستان کے وقت ہوئی تھی۔

ان تقاریب کے علاوہ نہ صرف صدارتی اور پارلیمانی عمارات پر قومی پرچم لہرایا جاتا ہے بلکہ پورے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری عمارات پر بھی سبز ہلالی پرچم پوری آب و تاب سے لہرایا جاتاہے۔ جشن آزادی کی ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔یوم آزادی کے موقع پر ریڈیواور ٹیلی ویژن پر خصوصی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں ۔ ملی نغمے پیش کیے جاتے ہیں۔اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ پاکستان کے لیے قربانیاں دینے والے نظر نہیں آتے اور ناچ گانے والوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

عوام اپنے حکمرانوں ، سیاستدانوں، بیوروکریٹوں، علماء اکرام، تاجروں، صنعتکاروں اور اساتذہ سے '' قائدا عظم کا پاکستان '' مانگتی ہے۔ جہاں فیصلے ملک کے مفاد میں ہوتے ہوں۔ جہاں میرٹ کو ہر دوسرے عمل پر ترجیح حاصل ہو۔ جہاں قانون کی پابندی امیر غریب کے لئے یکساں ہو۔ جہاں اسلام کے مطابق زندگی گزاری جائے اور اسلامی قوانین اپنائے جائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ پاکستان کو اسطرح کا پاکستان بنا دے جس کا خواب ہمارے قائد نے دیکھا تھا۔ جہاں پر صرف اور صرف اسلام کی حکمرانی ہواور ہر طرف خوشحالی وترقی ہو۔آخر میں پاکستان کی سسکتی

اور ترقی قوم کو آزادی کی مبارک ہو۔ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی پاکستان کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ آمین

انقلاب نہ آزادی، عوام کی بربادی

ہر طرف آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کے چرچے ہیں۔ کسی بھی شہر یا دیہات میں چلے جائیں ہر طرف لوگ ٹی وی پر ان کی کوریج کو اس طرح دیکھ رہے ہوتے ہیں جس طرح کبھی پاکستان اور انڈیا کا فائنل میچ دیکھا جاتا تھا۔مارچوں کے رزلٹ سے بے خبر عوام اس کو بھی ڈرامہ سمجھ کر دیکھ رہے ہیں۔ ہر گھنٹے بعد اگلی قسط کے منتظر کی طرح ان مارچ کو دیکھتے ہیں۔ پھر ان مارچ پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔

عوام اچھی طرح جانتی ہے کہ مارچ کی اہمیت تو اسی وقت ختم ہو گئی جب حکومت نے مارچ کو جانے کی آزادی دے دی۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق ان مارچ کرنے والوں اور حکومت کے درمیان ڈیل ہو چکی ہے۔ اب تو یہ لوگ اپنی اپنی عزت بچانے کے لیے سب کر رہے ہیں۔ 10 اگست سے پہلے مارچ کو بہت اہمیت دی جا رہی تھی۔ اس وقت عمران خان، شیخ الاسلام اور حکومت آمنے سامنے کھڑی تھی۔ 10 اگست سے پنجاب کو سیل کر دیا گیا تھا۔ تمام مین شاہراؤں پر پولیس کے ناکے لگے ہوئے تھے۔ ہر شہر کے بارڈر پر پولیس کی نفری تعینات تھی۔ کنٹینروں نے روڈ بلاک کیے ہوئے تھے۔ میڈیا بار بار دکھا رہا تھا کہ اسلام آباد میں مختلف جگہوں پر خندق

کھودی جارہی ہے۔ بہرحال ہر طرف سے عوام کو ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی جارہی تھی مگر اچانک 14 اگست کو کیے گئے سب اقدامات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پہلے عمران خان کو اور پھر طاہرالقادری کو اسلام آباد جانے کی اجازت دے دی گئی۔ عمران خان جس وقت زمان پارک سے سونامی لے کر نکلے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ ہر طرف آدم ہی آدم، موٹر سائیکل اور گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ خان صاحب نے اپنے پُرجوش انداز میں مارچ کے چلنے کا اعلان تو کردیا مگر ان کو نہیں معلوم تھا کہ لاہوریے الیکشن کی طرح مارچ میں بھی ہاتھ کرجائیں گے۔ آدھی رات سونامی مارچ لاہور کے شاہراہوں پر گھومتا رہا مگر جیسے ہی شاہدرہ سے نکلے تو ایسا لگا جیسے آزادی مارچ میں شیخ الاسلام کے مجاہدین کے ڈنڈے کی کیل لگنے سے ہوا نکل گئی۔ خانصاحب جو ایک لاکھ موٹر سائیکل سوار لیکر جانا چاہتے تھے ان کے ساتھ صرف 250 کے قریب موٹر سائیکل نکلے۔ جو دس لاکھ لوگوں کا اعلان تھا وہ بھی چند ہزار تک محدود تھا جس کی وجہ سے خان صاحب نے گوجرانوالا میں ڈیرے ڈالنا ہی مناسب سمجھا اور تقریباً کئی گھنٹے وہاں عوام کا انتظار کرتے رہے۔ اسی جگہ مارچ پر پتھراؤ کا ٹریلر بھی چلایا گیا۔ ان کے برعکس طاہرالقادری کا انقلاب مارچ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

خان صاحب کو ابھی حوصلہ تھا کہ وہ اپنے مقررہ ہدف تک پہنچ جائیں گے مگر جب وہ اپنے قافلے کے ہمراہ انقلابی قافلے کو کراس کرنے لگے تو ان کو اندازہ ہوا کہ میرے جنونیوں سے زیادہ تو طاہر القادری کے ساتھ اس کے مرید ہیں۔ ہو سکتا ہے خان صاحب مایوس ہو کر اسی لیے اسلام آباد پہنچتے ہی اپنے گھر بنی گالہ چلے گئے۔ جس کی وجہ سے خان صاحب کی رہی سہی پوزیشن اور بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ آزادی مارچ کے شرکا جو پہلے طاہر القادری کا مارچ کو دیکھ مایوس ہو رہے تھے وہ اپنے لیڈر کی اس حرکت پر نالاں ہو کر واپسی کا راستہ اختیار کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ عمران سے تو طاہر القادری اچھا ہے جو پچھلے دھرنے میں موسلہ دھار بارش میں اپنے معتقدین کے ساتھ رہا۔

دونوں مارچ کے قائدین اپنے پُرجوش انداز میں حکومت کو الٹی میٹم دے رہے ہیں مگر ذی شعور عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ان حرکات سے حکومت گرے یا نہ گرے لیکن معیشت پر بہت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ طاہر القادری نے جو مطالبات اپنے مارچ میں رکھے وہ کسی حد تک اچھے ہیں مگر یہ مطالبات کسی خوشحال فیملی کے لیے تو ہو سکتے ہیں مگر پاکستان کے لیے نہیں کیونکہ پاکستان کا بچہ بچہ تو قرضے میں جکڑا ہوا ہے۔ ان کے یہ مطالبات کوئی بھی حکومت پورا نہیں کر سکتی البتہ علامہ صاحب ان سارے مطالبات کو پورا کرنے کا طریقہ بھی بتا دیتے تو ممکن ہو سکتا تھا۔ ان کا کہا تو بالکل اس مصور کی طرح ہے جس نے

ایک تصویر بنائی اور چوک میں لٹکادی اور لکھ دیا کہ اس پر جہاں غلطی ہے وہاں نشاندہی کریں۔ صبح جب اس نے اٹھ کر دیکھا تو ساری تصویر پر لائینں لگی ہوئی ہیں وہ بہت شرمندہ ہوا کہ میں اتنا بُرا مصور ہوں۔ اس نے یہ بات اپنے استاد کو بتائی تو اس نے کہا کہ تم ایک ایسی تصویر اور بنا کر باہر لٹکا دو اور اس پر لکھ دو کہ جہاں غلطی ہے وہاں سے درست کریں۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ مصور نے اپنے استاد کے مشورے سے ایسا ہی کیا ۔جب صبح اٹھ کر دیکھا تو اس تصویر کو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ مطالبات تو ہر پاکستانی پیش کر سکتا ہے مگر ان کو حقیقی رنگ دینے والا رنگ کسی کے پاس نہیں۔

عمران خان کے مطالبوں پر میں تو صرف اتنا ہی کہ وہ عزت کے ساتھ حکومت سے مذاکرات کریں اور خاموشی کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آئیں کیونکہ جو گرجتے ہیں وہ برستے ہیں۔ ان کا وزیر اعلیٰ جو اپنی عوام کو دکھ میں چھوڑ کر ڈانس کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب نواز شریف عمرے پر گیا تو خان صاحب نے کہا کہ ادھر ضرب عضب آپریشن ہو رہا ہے اور ہمارے وزیر اعظم ملک سے باہر بیٹھے ہیں۔ اب عوام کے اس خیر خواہ نے اپنے وزیر اعلیٰ کو کے پی کے فوراً کیوں نہیں بھیجا؟ خان صاحب تو اپنے سامنے کے پی کے وزیر اعلیٰ سے ڈانس کراتے رہے۔ پشاور میں لوگوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں اور ان کے حکمران (تحریک انصاف کی پوری قیادت)ڈانس کر رہے ہیں۔

سب سے اہم معاملہ الیکشن میں رگنگ کا ہے۔ پوری قوم عمران کا ساتھ دے سکتی ہے لیکن کیا خان صاحب بتا سکتے ہیں کہ کراچی میں جماعت اسلامی کا عبدالرزاق کس کی بے ایمانی کے ثبوت دکھا کر کامیاب ہوا اور نااہل قرار دیا جانے والا فرشتہ کس پارٹی کا تھا؟

اگر دونوں مارچ (آزادی اور انقلاب) مل کر دو لاکھ بندے جمع کر لیں تو کیا اٹھارہ کروڑ عوام میں سے دو لاکھ لوگوں کی بات مانی جائے گی باقی عوام کیا کدھر جائے گی؟

کھسیانی بلی کھمبا نوچے

ہر طرف آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کے چرچے ہیں۔ کسی بھی شہر یا دیہات میں چلے جائیں ہر طرف لوگ ٹی وی پر ان کی کوریج کو اس طرح دیکھ رہے ہوتے ہیں جس طرح کبھی پاکستان اور انڈیا کا فائنل میچ دیکھا جاتا تھا۔مارچوں کے رزلٹ سے بے خبر عوام اس کو بھی ڈرامہ سمجھ کر دیکھ رہے ہیں۔ ہر گھنٹے بعد اگلی قسط کے منتظر کی طرح ان مارچ کو دیکھتے ہیں۔ پھر ان مارچ پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔

عوام اچھی طرح جانتی ہے کہ مارچ کی اہمیت تو اسی وقت ختم ہو گئی جب حکومت نے مارچ کو جانے کی آزادی دے دی۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق ان مارچ کرنے والوں اور حکومت کے درمیان ڈیل ہو چکی ہے۔ اب تو یہ لوگ اپنی اپنی عزت بچانے کے لیے سب کر رہے ہیں۔ 10 اگست سے پہلے مارچ کو بہت اہمیت دی جا رہی تھی۔ اس وقت عمران خان، شیخ الاسلام اور حکومت آمنے سامنے کھڑی تھی۔ 10 اگست سے پنجاب کو سیل کر دیا گیا تھا۔ تمام مین شاہراؤں پر پولیس کے ناکے لگے ہوئے تھے۔ ہر شہر کے بارڈر پر پولیس کی نفری تعینات تھی۔ کنٹینرز وں نے روڈ بلاک کیے ہوئے تھے۔ میڈیا بار بار دکھا رہا تھا کہ

اسلام آباد میں مختلف جگہوں پر خندق کھودی جا رہی ہے۔ بہر حال ہر طرف سے عوام کو ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر اچانک 14 اگست کو کئے گئے سب اقدامات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پہلے عمران خان کو اور پھر طاہر القادری کو اسلام آباد جانے کی اجازت دے دی گئی۔

عمران خان جس وقت زمان پارک سے سونامی لے کر نکلے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ ہر طرف آدم ہی آدم، موٹر سائیکل اور گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ خان صاحب نے اپنے پُرجوش انداز میں مارچ کے چلنے کا اعلان تو کر دیا مگر ان کو نہیں معلوم تھا کہ لاہوریے الیکشن کی طرح مارچ میں بھی ہاتھ کر جائیں گے۔ آدھی رات سونامی مارچ لاہور کے شاہراہوں پر گھومتا رہا مگر جیسے ہی شاہدرہ سے نکلے تو ایسا لگا جیسے آزادی مارچ میں شیخ الاسلام کے مجاہدین کے ڈنڈے کی کیل لگنے سے ہوا نکل گئی۔ خانصاحب جو ایک لاکھ موٹر سائیکل سوار لیکر جانا چاہتے تھے ان کے ساتھ صرف 250 کے قریب موٹر سائیکل نکلے۔ جو دس لاکھ لوگوں کا اعلان تھا وہ بھی چند ہزار تک محدود تھا جس کی وجہ سے خان صاحب نے گوجرانوالا میں ڈیرے ڈالنا ہی مناسب سمجھا اور تقریباً کئی گھنٹے وہاں عوام کا انتظار کرتے رہے۔ اسی جگہ مارچ پر پتھراؤ کا ٹریلر بھی چلایا گیا۔ ان کے برعکس طاہر القادری کا انقلاب مارچ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

خان صاحب کو ابھی حوصلہ تھا کہ وہ اپنے مقررہ ہدف تک پہنچ جائیں گے مگر جب وہ اپنے قافلے کے ہمراہ انقلابی قافلے کو کراس کرنے لگے تو ان کو اندازہ ہوا کہ میرے جنونیوں سے زیادہ تو طاہرالقادری کے ساتھ اس کے مرید ہیں۔ ہو سکتا ہے خان صاحب مایوس ہو کر اسی لیے اسلام آباد پہنچتے ہی اپنے گھر بنی گالہ چلے گئے۔ جس کی وجہ سے خان صاحب کی رہی سہی پوزیشن اور بھی زیادہ خراب ہو گئی۔آزادی مارچ کے شرکا جو پہلے طاہرالقادری کا مارچ کو دیکھ مایوس ہو رہے تھے وہ اپنے لیڈر کی اس حرکت پر نالاں ہو کر واپسی کا راستہ اختیار کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ عمران سے تو طاہرالقادری اچھا ہے جو پچھلے دھرنے میں موسلہ دھار بارش میں اپنے معتقدین کے ساتھ رہا۔

دونوں مارچ کے قائدین اپنےپُرجوش انداز میں حکومت کو الٹی میٹم دے رہے ہیں مگر ذی شعور عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ان حرکات سے حکومت گرے یا نہ گرے لیکن معیشت پر بہت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔طاہرالقادری نے جو مطالبات اپنے مارچ میں رکھے وہ کسی حدتک اچھے ہیں مگر یہ مطالبات کسی خوشحال فیملی کے لیے تو ہو سکتے ہیں مگر پاکستان کے لیے نہیں کیونکہ پاکستان کا بچہ بچہ تو قرضے میں جکڑا ہوا ہے۔ ان کے یہ

مطالبات کوئی بھی حکومت پورا نہیں کر سکتی البتہ علامہ صاحب ان سارے مطالبات کو پورا کرنے کا طریقہ بھی بتا دیتے تو ممکن ہو سکتا تھا۔ ان کا کہا تو بالکل اس مصور کی طرح ہے جس نے ایک تصویر بنائی اور چوک میں لٹکا دی اور لکھ دیا کہ اس پر جہاں غلطی ہے وہاں نشاندہی کریں۔ صبح جب اس نے اٹھ کر دیکھا تو ساری تصویر پر لائینز لگی ہوئی ہیں وہ بہت شرمندہ ہوا کہ میں اتنا بُرا مصور ہوں۔ اس نے یہ بات اپنے استاد کو بتائی تو اس نے کہا کہ تم ایک ایسی تصویر اور بنا کر باہر لٹکا دو اور اس پر لکھ دو کہ جہاں غلطی ہے وہاں سے درست کریں۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ مصور نے اپنے استاد کے مشورے سے ایسا ہی کیا۔ جب صبح اٹھ کر دیکھا تو اس تصویر کو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ مطالبات تو ہر پاکستانی پیش کر سکتا ہے مگر ان کو حقیقی رنگ دینے والا رنگ کسی کے پاس نہیں۔ عمران خان کے مطالبوں پر میں تو صرف اتنا ہی کہ وہ عزت کے ساتھ حکومت سے مذاکرات کریں اور خاموشی کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آئیں کیونکہ جو گرجتے ہیں وہ برستے ہیں۔ ان کا وزیر اعلیٰ جو اپنی عوام کو دکھ میں چھوڑ کر ڈانس کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب نواز شریف عمرے پر گیا تو خان صاحب نے کہا کہ ادھر ضرب عضب آپریشن ہو رہا ہے اور ہمارے وزیر اعظم ملک سے باہر بیٹھے ہیں۔ اب عوام کے اس خیر خواہ نے اپنے وزیر اعلیٰ کو کے پی

کے فوراً کیوں نہیں بھیجا؟ خان صاحب تو اپنے سامنے کے پی کے وزیراعلیٰ سے ڈانس کراتے رہے۔ پشاور میں لوگوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں اور ان کے حکمران (تحریک انصاف کی پوری قیادت) ڈانس کر رہے ہیں۔

سب سے اہم معاملہ الیکشن میں رگنگ کا ہے۔ پوری قوم عمران کا ساتھ دے سکتی ہے لیکن کیا خان صاحب بتا سکتے ہیں کہ کراچی میں جماعت اسلامی کا عبدالرزاق کس کی بے ایمانی کے ثبوت دکھا کر کامیاب ہوا اور نااہل قرار دیا جانے والا فرشتہ کس پارٹی کا تھا؟

اگر دونوں مارچ (آزادی اور انقلاب) مل کر دو لاکھ بندے جمع کرلیں تو کیا اٹھارہ کروڑ عوام میں سے دو لاکھ لوگوں کی بات مانی جائے گی باقی عوام کیا کدھر جائے گی؟

اب ضد چھوڑو

تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے مارچوں نے اس وقت پورے ملک کو پریشان کیا ہوا ہے۔ کوئی شخص پریشانی سے آزاد نہیں ۔ مارچ میں شریک لوگوں نے اسلام آباد کو یرغمال بنا رکھا ہے اور باقی عوام کو ٹی وی نے یرغمال بنایا ہوا ہے کیونکہ دونوں پارٹیوں کے لیڈر وقفے وقفے سے شرکاء سے خطاب کر رہے ہیں ۔ وہ اپنے خطاب میں ہر بار کوئی نیا سنسنی خیز بیان دیکر واپس اپنے اپنے کنٹینر میں چلے جاتے ہیں۔اس لیے عوام ٹی وی سے اٹھنے کا نام نہیں لیتی۔اگر کوئی اپنے کام کی وجہ سے ٹی وی چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو وہ آکر اس طرح دل چسپی سے معلومات لیتا ہے جیسے کسی ڈرامے کی قسط میں کوئی سین رہ جائے تو اس کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔

مارچ کو اسلام آباد میں بیٹھے ایک ہفتہ ہوچکا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ابھی تک اس دھرنے کا حل نہیں نکلا۔ حکومت ، طاہر القادری اور عمران خان ضدی بچوں کی طرح اپنی اپنی ضد پر اٹکے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ایک انچ اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹ رہا ۔آرمی کی نظر پاکستان کے مسائل پر بہت گہری ہے کیونکہ ایک طرف وہ دہشتگردوں کے خلاف نبرد آزما ہے تو دوسری طرف سیاستدانوں نے محاذ کھول رکھا ہے۔ آرمی نے کئی بار حکومتی لیڈروں کو باور کرادیا ہے کہ اپنے

مسائل کو خود حل کرلیں تو اچھا ہوگا۔جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ آرمی بھی ان سیاستدانوں کی حرکات سے تنگ آچکی ہے۔اگر خدا نہ کرے ان حالات میں آرمی مداخلت کرتے ہوئے اقتدار پر قابض ہو جائے تو پھر یہ لوگ کس کو منہ دکھائیں گے ؟ان کے کارکن کونسی جمہوریت کی بات کریں گے ؟ عدلیہ نے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ اس مسئلے میں کچھ نہیں کر سکتے یہ انتظامی مسئلہ ہے مگر نہ حکومت ٹس سے مس ہو رہی ہے اور نہ ہی طاہر القادری اور عمران خان۔

سوچنے کی بات یہ ہے اگراس طرح دھرنا دینے سے منتخب وزیراعظم کو گھر بھیجا جاسکتا ہے تو پھر آنے والے وقت میں تو یہ ڈرامہ روز سجے گا۔اگر عمران خان یا طاہر القادری کے پاس کارکنان ہیں تو کیا دوسری جماعتیں جو اسمبلیوں میں بیٹھی ہیں ان کے پاس کارکنان نہیں ؟ اگر ان کی خواہش پر آج نواز شریف استعفیٰ دے دیں تو اسکی کیا گارنٹی ہے کل کو جو بھی وزیراعظم بنے گا اس کو ان کی اپوزیشن برداشت کرلے گی؟ اس طرح سیاستدانوں کے لیے ایک نیا کھیل شروع ہو جائے گا۔ جس سے نقصان ملک کا ہوگااور عوام سڑکوں پر رسوا ہو گی۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ تمام سیاستدان بیٹھ کر مذاکرات کریں۔اپنے اپنے نکات سامنے رکھیں اور جو سب کو قابل قبول ہوں ان پر متفقہ طور پر عملدآمد کیا جائے مگر یہاں تو سب لوگ اپنی انا ء کا مسئلہ بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ کوئی بھی

ایک انچ پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں۔ رہی سہی کسر ہمارا میڈیا پورا کر رہا ہے جو جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کر رہا ہے۔ اینکر حضرات ٹی وی پر بیٹھ کر ایسے لوگوں کو مہمان بلاتے ہیں جو درمیانی راستہ نکالنے کی باتوں کے بجائے اور بھڑکانے کی باتیں کرتے ہیں۔

دھرنے میں موجود ایک تحریک انصاف کے مقامی رہنما سے بات ہوئی۔ اس کو کہا اپنے قائد کو سمجھائیں اس طرح بضد رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا جب حکومت نے بول دیا کہ نواز شریف کے استعفیٰ کے علاوہ باقی مطالبات قابل غور ہیں تو پھر کیا رہ گیا وہ مذاکرات کریں مگر وہ بھی اپنے ضدی قائد کی طرح بولا'' پہلے استعفیٰ پھر کچھ اور''میں نے کہا اس طرح حکومت اور آپ لوگ بضد رہے تو پھر ''بوٹ والے''بھی مداخلت کر سکتے ہیں تو وہ فوراً بولے اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ تو ن لیگ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے آئے گی۔ اسی طرح جب ن لیگی رہنما سے کہا کہ آپ کوئی لچک پیدا کرکے درمیانی راستہ نکالیں ورنہ آپ کی حکومت پر دوسری باری حملہ ہو سکتا ہے تو انہوں نے بھی تحریک انصاف کی طرح کہا کہ اگر آرمی آئی تو یہ طاہر القادری اور عمران خان کی وجہ سے آئی گی۔

اب تینوں قائدین سچے ہیں تو قصور کس کا ہے؟ اب آپ لوگ سوچیں اگر آرمی آ گئی تو اس میں کس کا قصور ہے؟ عمران خان استعفیٰ مانگتا ہے وہ بھی چند ہزار

لوگوں سے جبکہ نواز شریف سمیت پورا ہاؤس کہتا ہے کہ میاں صاحب عوامی منتخب وزیراعظم ہیں اور وہ استعفیٰ نہیں دیں گے۔اس طرح تو قصور ان تینوں کا نہیں بلکہ عوام کا جس نے ان کو اپنا لیڈر بنایا۔

اگرہم وقتی طور پر عمران خان کے نئے پاکستان بنانے کی بات کو مان لیں اور عمران خان نیا پاکستان بنالے تو کیا وہ اس نئے پاکستان سے پرانے پاکستان کے حمایتی سیاستدانوں اور ان کے کارکنان کو نکال دیں گے؟اگر خان صاحب نے ایسا نہ کیا تو آنے والے وقت میں ان سیاستدانوں کی حمایتی کارکنان ان کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ہاں یہ ممکن ہے جس طرح بنگلہ دیشی وزیراعظم حسینہ واجد نے بنگلہ دیش کی مخالفت کرنے پر جماعت اسلامی کے لیڈر اور کارکنان کو جیل کی سلاخوں میں بھیجا اور کتنے کو پھانسی پر لٹکایا اسی طرح خان صاحب بھی پرانے پاکستان کے حامی لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں تو شاید رزلٹ کچھ اور نکل آئے۔

حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کیونکہ اس وقت یہ سب سیاستدان بمعہ قادری ملک کی نہیں اپنی انا ء کا مسئلہ بنا کر ملکی معشیت کو تباہ کر رہے ہیں۔کئی ملک کے سربراہان جنھوں نے پاکستان کا دورہ کرنا تھا وہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا دورہ منسوخ کرچکے ہیں۔ڈالر جو 98روپے پر تھا اس وقت 100 سے

اوپر جا چکا ہے۔ عوام پریشان ہو چکی ہے۔ دھرنے کو ایشو بنا کر خود ساختہ مہنگائی کی جا رہی ہے۔ چند ہزار لوگوں کو جمع کرکے باقی عوام کی توہین کی جا رہی ہے۔ اگر یہ سیاستدان ملک اور عوام سے مخلص ہیں تو پھر وہ کام کریں جو ملک اور عوام کے لیے فائدہ مند ہوں۔

کیا پاکستان اس لیے بنا تھا؟

پاکستان کی بنیاد کلمہ توحید پر رکھی گئی اور اسی لیے اس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ پاکستان حاصل کرنے کے لیے ہمارے آباؤ اجداد نے بے شمار قربانیاں دیں۔ اپنے گھربار چھوڑے، اپنی زمین جائیداد چھوڑی۔ صرف اس لیے ہم ایک آزاد ملک میں رہ کر اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اسلام کو دنیا کے سامنے محبت و امن کا گہوارہ بنا پیش کر سکیں مگر افسوس آج ہمارا یہ پاکستان نہ تو امن کا گہوارہ ہے اور نہ ہی اس میں اسلام کا بول بالا ہے۔ آج مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو قتل کر رہا ہے۔ فرقے کے نام پر آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے نام پر پورے ملک میں قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا ہوا۔ سیاستدان اپنی کرسی کے لیے ایک دوسرے کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ملکی معشیت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ پاکستانی کرنسی روز بروز نیچے گر رہی ہے۔

بیروزگاری ختم ہونے کا نام نہیں لی رہے۔ شرح خواندگی کاغذوں میں تو بڑھ رہی ہے مگر عملی طور پر یہ حال ہے کہ میٹرک کے طالب علم کو میٹرک کے سپیلنگ تک نہیں آتے۔ امیر امیر تر ہوتا جارہا ہے اور غریب غریب تر۔

ہماری حکومتیں آئی ایم ایف سے قرضوں پر قرضے لیے جارہی ہیں۔ قرضے اتارنے کا کسی کو خیال نہیں۔ پچھلے دونوں میں نے میڈیا پر ایک پوسٹ دیکھی جس پر قیام پاکستان سے لیکر اب تک لیے گئے قرضوں کی فہرست درج تھی۔ مجھے حیرت اس بات کی ہوئی کہ اس پوسٹ کے مطابق صرف سابق صدر جنرل ضیاالحق نے قرضے اتارے اور اس کے دور میں قرضے کی شرح کم ہوئی ورنہ ہر دور میں قرضوں کی شرح بڑھتی رہی۔ بے نظیر کے دور سے لیکر آج تک قرضوں کی شرح تقریباًڈہر بار بل ہورہی ہے۔

پاکستان میں بچہ بچہ قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر میں کہوں کہ بچہ ابھی پیدا نہیں ہوا اور اس کا قرض پہلے لے لیا گیا ہے تو شاید یہ بھی غلط نہ ہو۔ جب ہمارا ملک اس طرح قرضو ں میں ڈوبا ہوگا تو پھر ہماری آزادی کس کام کی؟ سوچو ذرا اگر آپ کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے جائیں تو کیا آپ اس کو آزادی کہیں گے؟ ہمارے حکمران اپنی مرضی سے کوئی پروجیکٹ شروع نہیں کر سکتے؟ پورے ملک میں جو کچھ ہوگا وہ آئی ایم ایف کی مرضی سے ہوگا۔ عالمی برادری میں تیل کی قیمت کہاں آچکی ہے مگر افسوس ہمارے ملک میں آج بھی تیل سو روپے سے زائد قیمت پر مل رہا ہے کیونکہ ہمیں تیل کی قیمت آئی ایم ایف نیچے نہیں لانے دیتا۔

آج کل پاکستان میں ایک نئے پاکستان کی بنیاد رکھنے کے لیے جدوجہد جاری ہے تو دوسری طرف انقلاب لانے کے لیے تگ و دو کی جارہی ہے۔ ملک میں جاری آزادی اور انقلاب مارچ میں کیۓ گیۓ کئی مطالبات حل ہونا بہت ضروری ہیں۔ بہت سی باتوں سے میں عمران خان اور طاہرالقادری سے اتفاق کرتا ہوں مگر یہ ان کی سوچ کا نہیں بلکہ سارے پاکستانیوں کی سوچ ہے مگر سوال یہ ہے کہ تمام پاکستانی اس بات پر ان لوگوں سے متفق کیوں نہیں ہو رہے؟ کیونکہ یہ بھی عام سیاستدان ہیں۔ اس چیز کی کیا گارنٹی ہے کہ اگر ان کو اقتدار مل گیا تو یہ وہی کریں گے جو اب انہوں نے باتیں کیں ہیں۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب جنرل الیکشن ہوئے تو ہم نے ٹی وی پر تمام پارٹیوں کے سربراہان کے جلسوں کی تقاریر سنی۔ ہر ایک نے بلند و بانگ دعوے کیے اور جب اقتدار مل گیا تو پھر ان کو سانپ سونگھ گیا۔

کیا آپ سب کو ن لیگ کے وعدوں کہ بھول ہے کہ ایک طرف لوڈشیڈنگ چھ ماہ میں ختم ہونے کے دعوے کیے جارہے تھے تو دوسری طرف زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹنے کا وعدہ ہو رہا ہے تھا۔ اب اس کا رزلٹ آپ کے سامنے ہے۔ آج کوئی پارٹی یہ نہیں کہ سکتے کہ میں اقتدار میں نہیں ہوں اگر وہ مرکز میں نہیں تو صوبوں میں ضرور ہیں۔ سندھ میں پی پی کی، پنجاب میں ن لیگ کی، بلوچستان میں ہم خیال کی اور کے پی کے میں تحریک انصاف کی حکومتیں ہیں مگر وہ بتائیں کہ کیا ان

صوبوں کے لوگوں کے مسائل حل ہو چکے ہیں؟ کیا وہاں پر خوشحالی آ گئی ہے؟ بیروزگاری ختم ہو چکی ہے؟ ان صوبوں نے اپنے حصے کے قرضے اتار دیے ہیں؟ اگر سب کچھ ہم نے مرکز پر ڈالنا ہے تو پھر صوبائی حکومتوں کی کیا ضرورت ہے؟

آئے دن عوام پر ٹیکس کی بوچھاڑ رہتی ہے کبھی بجلی مہنگی تو کبھی پیٹرول، کبھی جی ایس ٹی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ملکی حالات یہ ہیں کہ غریب مزدور کی اجرت ماہانہ کم از کم گیارہ ہزار روپے کا اعلان کر دیا جاتا ہے اور جب مل مالکان یا دوسرے حضرات جنھوں نے ملازم رکھے ہوتے ہیں وہ تنخواہ دیتے ہیں تو وہ آٹھ ہزار سے دس ہزار کے درمیان ہوتی ہے۔ اب تو بہت سے ادارے ریگولر ملازمین کو ڈیلی ویجز پر لے آئے ہیں پھر ان کی اپنی مرضی ہے کسی کو ڈیوٹی پر رکھا اور کسی کا واپسی کا راستہ دکھا دیا۔ ان غربت کے مارے مزدوروں سے "ٹھک ٹھکا" کیا جاتا ہے کہ اتنی تنخواہ دیں گے۔

انصاف کا یہ حال ہے کہ سالہاسال مقدمے چلتے رہتے ہیں، مقدمہ کرنے والا دنیا سے چلا جاتا ہے مگر اس کا فیصلہ ابھی تک نہیں ہوتا۔ الیکشن دھاندلی کے خلاف اسمبلی مدت پوری کر جاتی ہے مگر کیس ابھی تک الیکشن ٹریبونل میں جاری ہے۔ اگر اس سے بڑھ ذرا ذرا لے لیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امیر امارت کی بلندیوں کو (stay) کی بات پر ٹے چھو رہا ہے اور غریب غربت سے تنگ کر آ کر

خودکشی کر رہا ہے۔ اگر ہم مل بیٹھ کر کوئی خون خرابہ کیے بغیر غریب کے مسائل کو
اپنے مسائل سمجھ کر حل کریں تو ہمارا پاکستان دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر سکتا ہے
مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اعتبار کریں تو کس پر کریں؟

جاوید ہاشمی باغی نہیں بھاگا ہے!

اگر ہم محترم جناب جاوید ہاشمی کی آجکل کی حرکات دیکھیں تو لگتا ہے کہ ایک جنوری 1948 سے ہی انھوں نے بغاوت کا آغاز کر دیا تھا۔ذرا جوان ہوئے ،اور کالج گئے تو اپنے اک سٹوڈنٹ دوست کے قتل کا الزام اُن کے سر لگا مگر کورٹ میں عدم ثبوت کی بناء پر چھوٹ گئے۔اس وقت یہ جماعت اسلامی کے سٹوڈنٹ ونگ کا حصہ تھے۔1985 میں مسلم لیگ ن جوائن کی۔ہاشمی صاحب نے بہت کوشش کی اپنی خدمات کا صلہ حاصل کرنے کی جو کے انہوں نے نواز شریف صاحب کی جلاوطنی کے بعد سرانجام دیں۔مگر جب انہیں ان کا مطلوبہ صلہ نہیں ملا تو PMLN سے بغاوت کر کے PTI جوائن کر لی۔اور آجکل PTI سے بھی بغاوت کر چکے ہیں۔عمران خان کے بارے میں انکا تازہ بیان ہے کہ " عمران خان کا سارا سکرپٹ فوج اور سپریم کورٹ نے لکھا ہے" اب اگر ان کی بات درست مان لی جائے تو سوال یہ اٹھتا ہے آج جب فوج کا PTV پر قبضہ ہوا۔سب سے بہترین وقت تھا یہ فوج کے اوور ٹیک کرنے کا۔

اسی بات کو ہم اک دوسرے اینگل سے دیکھتے ہیں۔اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں کہ پاک فوج ہمیشہ پاکستان کے حق میں اچھا ہی کرتی ہے۔اسکی مثال کچھ ایسے دے سکتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں ڈکٹیٹرز کے ادوار ہی پاکستان کی

کے دور میں اتنی ترقی ہوئی جتنی PMLN یا PPP ہسٹری کے گولڈن ایرز ہیں۔کیا ڈکٹیٹرز کے دور میں ہوئی۔اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سکرپٹ فوج نے لکھا ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ آخر کیوں فوج نواز شریف کو ہٹانا چاہتی ہے۔کیا نواز شریف ملکی مفاد میں کام نہیں کر رہے۔کیوں ہماری فوج ان کے خلاف ہے۔یا پھر فوج سوچتی ہے کہ نواز شریف اس قابل ہی نہیں کہ یہ ملک کو چلا سکیں۔اس پر تو کسی پاکستانی کی دو رائے نہیں کہ فوج ہر کام ملک اور اسکی عوام کی بھلائی کے لیے کرتی ہے۔اک طرف نواز شریف اور انکے وزراء فوج کو بدنام کر رہے ہیں تو دوسری طرف جاوید ہاشمی صاحب میدان میں ہیں۔سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر جاوید ہاشمی کو سب پہلے سے ہی پتہ تھا تو ان کی بغاوت سترہ دن تک کہاں سوئی رہی۔

اگر سکرپٹ سپریم کورٹ نے لکھا ہے تو سانحہ ماڈل ٹاؤن اور سانحہ اسلام آباد پر سوموٹو کیوں نہیں لیا۔اب آ جائیں جاوید ہاشمی کے بیان کیطرف۔انکے مطابق عمران خان نے ان سے کہا کہ معاملات طے کر لیے ہیں ستمبر میں الیکشن ہو گا۔ستمبر تو آ چکا۔ایک مہینے میں سب کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ان کو چاہئے تھا کہ یہ بھی بتاتے کہ کیسے فوج اور سپریم کورٹ نے ایک مہینے میں الیکشن کروا کے عمران خان کو وزیراعظم بنا دینا ہے۔ابھی کل کی بات ہے ہاشمی صاحب اپنے پرسوں والے بیان سے مکر گئے۔ان کا کہنا تھا۔عمران خان جو بھی کہتے ہیں سچ

کہتے ہیں۔مارشل لاء لگنے کے ذمہ دار عمران خان نہیں۔حکومت کے عمران خان کی بات مان لینی چاہئے۔اور ان تمام حالات کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے، یہ وہی جاوید ہاشمی ہیں جنھوں نے ضیاء دور میں وزارت کے مزے لوٹے۔پھر جب نواز شریف نے سپریم کورٹ پر حملہ کروایا تو تب ہاشمی صاحب کی بغاوت اور جمہوریت سے محبت کہاں تھی۔

جب عمران خان کو انکی سب سے زیادہ ضرورت تھی ہاشمی صاحب روٹھی بیوی کی طرح میکے بھاگ گئے۔آج جب انہیں لوگوں کی طرف سے عزت مل رہی تھی تو حکومت کا ساتھ دے کر وہ خود اپنے لیے ذلالت خرید رہے ہیں۔عمران خان تو شاید انہیں معاف کر دیں مگر مجھے نہیں لگتا کہ پاکستان کی عوام کبھی انہیں معاف کرے گی۔مجھے یہ بھی بہت مشکل نظر آ رہا ہے کہ اگلے الیکشن میں ہاشمی صاحب ملتان سے جیت سکیں گے۔کیا ملتان کی باشعور عوام ایسے شخص پر بھروسہ کرے گی جو بات بات پر باغی ہوں، بول کر بھاگ جاتا ہے۔

اگر ہاشمی صاحب کی بات کو مان بھی لیا جائے کہ سکرپٹ فوج اور سپریم کورٹ نے لکھا ہے تو کیا سانحہ ماڈل ٹاؤن میں فوج کا ہاتھ تھا۔کیا پورے ملک کو کنٹینرز لگا کر فوج نے بند کیا۔کیا اسلام آباد میں شیلنگ فوج کر رہی ہے۔اگر یہ سپریم کورٹ نے لکھا ہے تو پھر آج تک سپریم کورٹ نے عمران خان کو انصاف

کیوں فراہم نہیں کیا۔اس نے چار حلقے کیوں نہیں کھلوائے۔ سپریم کورٹ نے پندرہ ماہ میں نواز شریف کے کیسز کیوں نہیں اوپن کئے۔اور نہ ہی عمران خان نے سپریم کورٹ کے بنچ کو مانا جو کہ حکومت بنا بھی رہی تھی۔

یہ کہنا ابھی قبل از وقت ہے کہ جاوید ہاشمی کا سکرپٹ رائیٹر نواز شریف ہے یا کوئی اور۔۔ کہیں واقعی ہاشمی صاحب نواز شریف کے مخبر تو نہیں تھے ۔۔آخر کیا وجہ ہے کہ سترہ دن کے دھرنے میں وہ سترہ بار خطاب کرنے بھی نہیں آئے۔ کہیں ایسا تو نہیں جاوید ہاشمی باغی نہیں بھاگا ہے!

باغی کی ایک بار پھر بغاوت

تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دھرنوں نے پاکستان میں ایک نئی تاریخ رقم کر دی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اتنا لمبا دھرنا آج تک نہیں ہوا۔ ان دھرنوں سے پاکستان کی معشیت پر جو اثر پڑ رہا ہے وہ الگ بات ہے مگر ان حالات میں ملکی سیاست میں جو ہلچل مچی ہوئی ہے وہ گھر بیٹھی عوام کے لیے ڈراموں سے کم نہیں۔ ہر گھنٹے کے بعد عمران خان، طاہر القادری اور پھر حکومتی نمائندوں کی تقاریر عوام کو ٹی وی سے اٹھنے کا موقع نہیں دیتی۔ جہاں لمحہ بالمحہ بدلتی صورتحال عوام کی دلچسپی کا باعث بنتی ہے ادھر ہی تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے ایک بار پھر بغاوت کر کے سیاست کے میدان میں ہلچل مچا دی۔

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ جاوید ہاشمی سیاست کا بہت بڑا نام ہے۔ جاوید ہاشمی ملتان کے ایک گاؤں مخدوم رشید میں یکم جنوری 1948 کو پیدا ہوئے۔ پہلے ایم اے پولیٹکل سائنس کیا اور پھر فلسفے میں ایم اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ مخدوم جاوید ہاشمی زمانہ طالبعلمی میں جماعت اسلامی کی برادر مگر خود مختار طلبا تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن رہے اور

میں پنجاب یورنیورسٹی کی سٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ 1971
تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاوید ہاشمی مولانا مودودی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا مودودی سے کہا کہ میں تعلیم اور جمیعت سے فارغ ہوچکا ہوں مگر جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار نہیں کر رہا۔ میرے لئے دعا کریں۔ مولانا مودودی نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ اس نوجوان سے اپنے دین کی خدمت لے لے۔ مخدوم جاوید ہاشمی نے اپنی عملی سیاست کا آغاز فوجی آمریت سائے میں کیا اور ا میں فوجی آمر جنرل ضیاالحق کی کابینہ میں وزیر مملکت برائے امور نوجوانان 1978 مقرر ہوئے۔

پاکستان کے موجودہ سیاستدانوں میں مخدوم جاوید ہاشمی نے ملک میں فوجی حکمرانی کے بارے میں ایک واضح موقف اختیار کیا اور اس کے لیے قربانی بھی دی۔ انہوں نے مشرف دور حکومت میں تقریبا چھے سال جیل میں گزارے۔ نواز شریف کے ملک بدر ہونے کے بعد ن لیگ کی قیادت جاوید ہاشمی کے پاس رہی پھر جب میاں برادران جلاوطنی ختم کرکے پاکستان آئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد جاوید ہاشمی نے ن لیگ کو چھوڑ نے کا اعلان کردیا۔ مجھے یاد ہے جب جاوید ہاشمی تحریک انصاف جوائن کرنے کے لیے ملتان سے کراچی روانہ ہورہے تھے تو کارکن ان کی گاڑی کے سامنے لیٹ گئے مگر ہاشمی سب کو روتا چھوڑ کر کراچی روانہ ہوگئے۔

جاوید ہاشمی نے کراچی میں تحریک انصاف میں شرکت کے وقت اپنی تقریر میں کہا تھا کہ" عمران خان سن لوکے میں باغی ہوں۔ میں نواز شریف سے بغاوت کر سکتا ہوں تو آپ کے ساتھ بھی کر سکتا ہوں"ان کے یہ الفاظ آج بھی ہمارے ذہن میں گردش کررہے ہیں۔حالیہ پی ٹی آئی کے دھرنے میں جاوید ہاشمی نے دو بار بغاوت کی مگربغاوت پہلی کوشش میں توان کو منا لیا گیامگر دوسری کوشش میں تو تمام حدیں توڑ دی گئیں۔جاوید ہاشمی کی اس بغاوت میں توعمران خان چیئرمین تحریک انصاف نے اپنی پارٹی کے صدر سے ناطہ توڑنے کا اعلان کر دیا۔اسلام آباد میں دھرنے سےخطاب کرتے ہوئے عمران خان کا کہنا تھا کہ جاوید ہاشمی کے بیان پر بے حد افسوس ہوا آج سے ان کے اور میرے راستے جدا ہیں۔

عمران خان کے ناطہ توڑنے کے بعد جاوید ہاشمی نے تو باغی ہونے کے ناطے سونامی خان کے سارے پلان کوتار تار کر دیا۔ انہوں نے کہا جمہوریت ختم ہوئی تو ذمہ دارعمران خان ہونگے۔ مارشل لاء اور ہمارے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں رہ گیا اسلام آباد میں کوئی بڑا واقعہ ہوگیا تو جمہوریت کو نہیں بچا پائینگے۔ پارٹی کا منتخب صدر صرف میں ہوں ۔ عمران خان وعدوں سے ہٹ گئے ہیں میں انہیں وعدے یاد دلاتا رہونگا مارشل لاء لگنے سے ملک 20 سے 25 سال پیچھے چلا جائیگا اور ہم صفائیاں دیتے دیتے مر جائینگے۔

کلاشنکوفوں ڈنڈوں اور

غلیلوں سے لیس ہو کر.برطانیہ اور امریکہ سمیت دنیا میں کہیں احتجاج نہیں کیا جاتا۔
عمران خان سے اپیل ہے کہ وہ کارکنوں کو مشکلات میں نہ ڈالیں اور واپس آ جائیں۔
بقول جاوید ہاشمی کہ ہفتہ کی شام چھ بجے ہمارے حکومتی ٹیم کے ساتھ مذاکرات ہوئے ہم نے اپناڈرافٹ حکومتی کمیٹی کو دیدیا تھا اور اتوار کو دوبارہ ملاقات ہونا تھی۔انہوں نے کہاکہ حکومتی کمیٹی کے ساتھ مذاکرات کے بعد ہماری کور کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں تمام ارکان نے متفقہ فیصلہ کیا کہ وہ شاہراہ دستور سے مزید آگے نہیں جائینگے عمران خان نے اس فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے ہم سے وعدہ کیا کہ آگے نہیں جائینگے اور اپنا احتجاج جاری رکھیں گے انہوں نے کہاکہ یہ پوری پارٹی کا فیصلہ تھا جس میں جہانگیر ترین، شاہ محمود قریشی، اسد عمر، عارف علوی اور وزیر اعلیٰ پرویز خٹک سمیت سب متفق تھے تاہم جب عمران خان صاحب کنٹینر پر آئے اور خطاب کرنے لگے تو اس وقت شیخ رشید احمد اور سیف اللہ نے عمران خان کو پیغامات پہنچائے جس پر عمران خان نے کہاکہ اب ہمیں آگے جانا پڑے گا۔جاوید ہاشمی نے کہاکہ میں نے عمران خان سے کہاکہ یہ بچے ہمارے ہیں پارلیمنٹ کی دیواریں پھلانگنے کی سیاست پر یقین نہیں رکھتا اور آپ پارٹی کے فیصلے کی خلاف ورزی نہ کریں جس پر عمران خان نے کہاکہ یہ میرا فیصلہ ہے آپ سمیت اگر کسی نے جانا ہے تو جائیں ہم طاہر

القادری کے ساتھ آگے جائینگے۔

باغی نے پاکستان کی سیاست میں ایک بار پھر ہلچل مچادی اور تحریک انصاف جوائن
کرتے ہوئے جو الفاظ انہوں نے کہے تھے وہ آج پورے کر دیے۔جہاں بہت سے لوگ
ہاشمی کو.برا بھلا بھی کہہ رہے ہیں وہاں بہت سے لوگ ان کی اس بغاوت کو اصولوں کی
سیاست کا نام دے رہے ہیں۔

بادشاہ کون؟

بادشاہ کون؟ یہ ہے وہ سوال جو اکثر کہانی سناتے ہوئے بچے پوچھتے ہیں کیونکہ وہ فرضی کہانی ہوتی ہے اس لیے کچھ بھی نام لیکر بچے کو مطمئن کردیا جاتا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بادشاہ تو صرف ایک ہے جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا۔اس کائنات کا سارا انظابنایا۔جو دن کو رات میں اور رات کو دن میں ڈھالتا ہے۔ بادشاہ وہی ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں ہر کوئی بادشاہ بنا ہوا ہے۔ بہت سے لوگوں نے تواپنا نام بھی بادشاہ رکھا ہوا ہے۔ موجودہ سیاسی بحران میں ہمیں ہر روز بادشاہ کا لفظ سننا پڑتا ہے۔اب تو ایک دوسرے کو طنزیہ طور پر بھی بادشاہ کہا جارہا ہے۔ میں کسی پر ذاتی تنقید کا حق نہیں رکھتا لیکن میڈیا کے ذریعے ملنے والی خبروں پر تبصرہ کرنا میرا حق ہے۔

پی ٹی آئی کے چیئر مین عمران خان نے جب سے دھرنا دیا اس دن سے بار بار نواز شریف کو بادشاہ سلامت بننے کے طعنے دے رہے ہیں۔ ان کے بقول میاں صاحب

کا یہ دور جمہوریت نہیں بلکہ بادشاہت کا دور ہے۔انھوں نے ہر چیز پر قبضہ کیا ہوا۔پورا ملک ایک شخص کے تابع ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے ملک آزاد کروا کر نیا پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ خان صاحب جمہوریت کے یا حکومت کے خلاف دھرنا نہیں دے رہے بلکہ وہ تو بادشاہت سے آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔بقول سونامی خان کہ نواز شریف اور اس کی فیملی نے پاکستان کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔

اگر یہ سب بات مان بھی لی جائیں کہ میاں صاحب کی جمہوریت نہیں بلکہ بادشاہت قائم ہے مگر یہ تو خان صاحب بتائیں کہ وہ جس انداز میں دھرنے میں خطاب کر رہے ہیں وہ کون سا جمہوری طریقہ ہے؟ انھوں نے کھلم کھلا سول نافرمانی کا حکم بھی صادر فرمادیا۔ عوام کو حکم دے دیا کہ بجلی کے بل ادا نہ کیے جائیں بلکہ ان کو جلا دیا جائے۔ بیرون ممالک کے لوگ ہنڈی کے ذریعے پیسے بھیجیں۔ پاکستانی بنکوں سے اپنے پیسے نکلوا لیے جائیں۔ پولیس والوں کو دھمکی دی جا رہی ہیں۔ اس طرح حکم کون دیتا ہے اس کا فیصلہ مجھ سے زیادہ قارئین جانتے ہیں۔ جس انداز میں عمران خان خطاب کر رہے ہیں وہ الفاظ کسی لیڈر کو زیب نہیں دیتے۔

خان صاحب اپنی جماعت کو جمہوری جماعت کہتے ہیں اور دوسری جماعتوں کے لیے ان کا خیال ہے کہ اس میں قبضہ گروپ ہیں۔ بقول ان کے کسی جماعت میں الیکشن نہیں

ہوئے مگر پی ٹی آئی نے اپنی جماعت میں الیکشن کرائے۔ حالانکہ جتنے شفاف اور مسلسل انتخابات جماعت اسلامی کے ہوتے ہیں کسی اور کے نہیں ۔ پی ٹی آئی میں تمام فیصلے جمہوری انداز میں ہوتے ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دھرنے کے دوران جو کچھ ہوا کیا وہ بھی جمہوری طریقہ کار تھا؟

جمہوری پارٹیوں میں اختلاف رائے رکھنا ہر ایک کا حق ہوتا ہے اور اگر کوئی پارٹی سربراہ اپنی پارٹی کے ممبرز کو اختلاف کی بنا پر پارٹی سے نکال دے تو اس جماعت میں جمہوریت نہیں بلکہ بادشاہت ہوتی ہے۔ حال ہی میں خان صاحب نے جاوید ہاشمی (جو تحریک انصاف کے صدر ہیں) ان کو اپنی پارٹی سے فارغ کردیا کیونکہ انھوں نے خان صاحب سے اختلاف کیا تھا۔ جاوید ہاشمی نے کوئی پہلی بار اختلاف نہیں کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا جب عمران خان نے ٹیکنوکریٹ حکومت بنانے کا کہا تھا تو اس وقت بھی ہاشمی صاحب اختلاف کرکے ملتان چلے گئے تھے تب بھی پی ٹی آئی کا وفد خان صاحب کی رضامندی سے ان کو منانے ملتان گیا تھا۔ اگر اس بار پی ایم ہاؤس کے سامنے دھرنا دینے پر اختلاف کیا تو خان صاحب نے بجائے ہاشمی صاحب کو مطمئن کرنے کے ان کو بول دیا کہ میری مجبوری ہے۔ تم نے جانا ہے تو چلے جاؤ''۔

خان صاحب کی مجبوری والی دال کالی ہے یا نہیں یہ تو وہ جانتے ہیں مگر جس

طریقہ سے انہوں نے ہاشمی کو پارٹی سے نکالنے کا اعلان کیا تو ایسا کام ایک بادشاہ ہی کر سکتا ہے کیونکہ جمہوری پارٹیوں میں پارٹی صدر کو فارغ کرنے کے لیے اجلاس بلا کر کاروائی کی جاتی ہے جلسوں میں اعلان نہیں۔

6ستمبر یوم دفاع پاکستان

انسانی تخلیق آزمائش کے لیے ہے۔ قوموں کی زندگی میں امتحان اور انقلاب آتے رہتے ہیں۔ زندہ قومیں ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں۔ آزمائشوں کی تپتی بھٹیوں سے نکل کر قومیں کندن بنتی ہیں۔ ایسا ہی ایک امتحان اور کڑی آزمائش سے ہماری قوم کو 6 ستمبر 1965 کو گزرنا پڑا۔ قیام پاکستان سے آج تک ہنود و یہود نے پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیااور ہندوستان نے اس نوزائیدہ ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع نہیں دیا۔ پاکستان کے خلاف سازشوں کے جال بننا شروع کردیے۔ کبھی نہری پانی روک کر تو کبھی مسلم ریاستوں پر چڑھائی کرکے۔ قیام پاکستان کے وقت ہمارے حصے کا اسلحہ اور پیسہ بھی پورا نہیں دیا مگر "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے"۔ اللہ تعالی نے پاکستان کو ہر آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق دی۔

ہندو بنیے کی سب سے بڑی سازش کشمیر پر غاصبانہ قبضہ تھا۔ مسلم اکثریت کی حامل اس ریاست پر ہندوؤں کا جب کوئی حربہ استعمال نہ ہوااور ہر سطح پر ناکامی ہوئی تو اس دشمنی میں ہندو بین الاقوامی سرحدوں کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے اپنی فوج لاہور کی سرحد پر لے آیااور اعلان جنگ کئے بغیر 5اور6 ستمبر کی درمیانی رات کو حملہ کردیا۔ دشمن وطن کا خیال تھاکہ مسلم پاکستان نیند کی آغوش میں ہوگااور وہ باآسانی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب

ہو جائے گا۔ اسے کیا معلوم کہ مسلمانوں اپنے رب سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے راتوں کو جاگتا ہے۔ اسی لیے پاکستانی قوم سوئی ہونے کی بجائے ہوشیار اور چاک و چوبند پائی کیوں کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں۔

ہمارا دشمن اپنی فوج کی زیادہ تعداد اور اسلحے کے غرور میں تھا اور مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار اپنے رب العزت پر بھروسا کیے ہوئے تھے۔ دشمن نے کئی محاذ کھول دیے تھے۔ چونڈہ (سیالکوٹ) کے مقام پر جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ دشمن نے چھ سو سے زائد ٹینکوں کو اس محاذ میں دھکیل دیا۔ اللہ کی مدد سے ہمارے شیر دل جوانوں نے چونڈہ کے مقام کو دشمنوں کے ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔ شہر اقبال نے ایک اور نئی تاریخ رقم کر دی جہاں ہمارے فوجی جوان جسم سے بارود باندھتے اور ٹینکوں کے نیچے لیٹ کر انہیں تباہ کر دیتے اور شہید ہو کر اپنی اپنی مستقل زندگی پا رہے تھے۔

بھارتی فوجیوں نے پرُامن اور نہتے بے گناہ پاکستانیوں پر اندھا دھند بمباری کر کے آگ برسائی۔ انڈیا کے میڈیا اور بی بی سی لندن نے تو یہاں تک گمراہ کن خبر چلا دی کہ بھارت نے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے مگر پاکستان کے نڈر اور غیور فوجی جوانوں نے اپنے ملک کو دنیا بھر میں بہادر ملک کے نام سے متعارف کرایا۔ 6 ستمبر سے 23 ستمبر تک ،جاری رہنے والی اس جنگ میں پاک فضائیہ

بری فوج، بحریہ اور پاکستانی قوم کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس ہوا۔ ہماری غیور قوم نے ایسی ضرب لگائی کہ ہندو بنیا اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی درخواست کرنے لگا۔

ہماری مٹھی بھر فوج کے غازیوں اور شہداء نے بدر و حنین کی یاد تازہ کرتے ہوئے بھارتی فوج کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ہمارے شہادت کے جذبے سے سرشار فوجیوں نے دشمن کے ایسے پر خچے اڑائے کہ وہ مورچے، سامان اور اسلحہ چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ اس دوران ہماری فوج نے دشمن کے 1600 مربع میل پر قبضہ کرلیا تھا۔ میجر راجا عزیز بھٹی واہگہ اٹاری کے محاذ پر چھے روز تک بھارت کے ٹینکوں اور توپوں کے پر خچے اڑاتا رہا۔ اسے کھانے اور آرام کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیوں کہ جنت کے باغات میں حوریں اس کے استقبال کے لیے بے چین تھیں۔ اس جوان کے سینئر آفیسر نے اسے کہا بھی کہ " راجا صاحب آپ تھک گئے ہیں آپ آرام فرمالیں اور آپ کی جگہ کسی دوسرے جوان کو متعین کردیتے ہیں "مگر راجا عزیز بھٹی شہید کی خاک وطن سے محبت نے انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ آخر کار اسی محاذ پر کاندھے پر گولا لگنے سے جام شہادت نوش فرمائی۔ شاعر نے ایسے ہی جوانوں کے لیے کیا خوب کہا ہے

تمہی سے اے مجاہدو! جہان کا ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

1965ء کی جنگ میں ہماری فضائیہ نے بری فوج کی طرح فضا میں بھی حکمرانی کی۔ ہندوستانی ائیر فورس کے 117 طیارے زمیں بوس کیے۔ پٹھان کوٹ، جام پور، ہلواڑہ اور دیگر ہوائی اڈے روزانہ پاکستانی طیاروں کے گولوں کا نشانہ بنتے۔ ہمارے ہیرو ایم ایم عالم نے اپنے طیارے سے بیک وقت چھ طیاروں کو نشانہ بنا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جو آج تک قائم ہے۔ بری اور فضائیہ فوج کی طرح ہماری بحریہ بھی پیچھے نہیں رہی۔ بحریہ فوج نے اپنے ساحلوں اور سمندروں کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ "دوارکا" کے اہم قلعے کے تباہ کرکے ہندوستان کی کمر توڑ دی۔

6 ستمبر 1965 کو پاکستانی قوم نے جس جرات مندانہ انداز میں اپنے وطن پاکستان کا دفاع کیا اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اسی کی یاد میں ہر سال 6 ستمبر کو یوم دفاع منایا جاتا ہے۔ اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یوم دفاع کے حوالے سے خصوصی پروگرام اور ملی نغمے پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنے فوجی جوانوں کی قبروں پر سلامی پیش کی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ 6 ستمبر ہمیں اپنے وطن کی حفاظت کی یاد دلاتا ہے۔ اس روز ہم اپنے وطن کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں اور اپنے ملک کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں۔

آیئے آج ہم پھر اپنے وطن کی حفاظت کی قسم کھا کر عہد کریں کہ اب ہندوستان، امریکہ اوراسرائیل کے ساتھ ساتھ دہشت گردوں سے بھی اپنے ملک کو بچائیں گے۔ ہمارے ملک کی طرف جو بھی میلی آنکھ اٹھائے گا ہم اس کو نیست نابود کرکے دم لیں گے۔ مختلف لبادوں میں قوم کو تباہ کرنے والی سازشوں سے خود کو بچائیں۔ اپنے وطن کی حفاظت کی خاطر ملک کا بچہ بچہ اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہیں۔اس یوم دفاع کے موقع پر میری تمام سیاستدانوں، بیوروکریٹس، علماء کرام،اساتذہ، صنعت کاراور بالخصوص طلبہ اور نوجوانوں سے اپیل ہے کہ اپنے ملک کی خاطر اپنے درمیان موجود دراڑوں کو ختم کردیں اور اپنے ملک کوترقی کی راہ پر گامزن کریں۔ (آمین

بھارت کا آبی حملہ

بارش تحفہ خداوندی ہے۔ بارش انسان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک رحمت ہے مگر جب یہ حد سے زیادہ برسنے لگے تو پھر یہ رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ حالیہ بارشوں نے پورے پاکستان کو تو نہیں مگر پنجاب اور کے پی کے میں کافی نقصان کیا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ یہ بارشیں اچانک ہوئی ہیں جس کی وجہ سے پہلے سے بندوبست نہ کر سکے مگر اسکے باوجود حالات کنٹرول میں ہیں۔

کوئی ان حکومتی بھولے بادشاہوں کو بتائے کہ ادھر تو لوگوں کے مکان زمین بوس ہو رہے ہیں۔ کئی قیمتی جانیں چلی گئیں ہیں۔ زمینداروں کی فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ گلیاں اور سڑکیں ہر طرف تالاب کا منظر پیش کر رہی ہیں اور ہمارے حکمران کہہ رہے ہیں حالات کنٹرول میں ہیں۔ درد اس کو ہوتا ہے جس کو چوٹ لگتی ہے۔ دنیا دکھاوا تو بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ فوٹو سیشن کے لیے مختلف ڈرامے رچائے جاتے ہیں مگر کیا آپ جن کی فوتگی ہوئی ہے ان کا مداوا کر سکتے ہو؟ مرنے والے کو پیسوں میں نہیں تولا جاتا۔ آپ جن کی فصلیں تباہ ہوئی ہیں، مکان گرے ہیں ان کو پیسے دیکر ان کا مداوا کر سکتے ہو مگر جانی نقصان کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا۔

برسات نے جو حالات پیدا کیے وہ ہم جانتے ہیں۔ اس بارش نے دیگر صوبوں کے علاوہ پنجاب کا کوئی شہر یا گاؤں نہیں بخشا جس میں اس نے تباہی نہ مچائی ہو اور ہر علاقے کی ایک سی صورتحال ہے۔ اللہ کے کاموں میں انسان تو مداخلت نہیں کر سکتا مگر دعا ضرور کر سکتا ہے۔ اسی لیے اکثر گاؤں اور شہروں میں لوگوں نے گھروں اور مساجد میں بارش کے رکنے کے لیے اذانیں دیں۔

ابھی ہمارا پاکستان ان بارشوں سے سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہمارے جانی دشمن اور حکمرانوں کے دوست نے اپنی دوستی نبھاتے ہوئے دریاؤں میں پانی چھوڑ دیا۔ دوستی بھی ایسی نبھائی کہ اطلاع دینا بھی گوارا نہ کیا جبکہ بھارت سندھ طاس معاہدے کے مطابق سیلابی کیفیت پیدا ہونے پر پانی کے پاکستان داخل ہونے سے کم از کم ایک ہفتہ قبل اطلاع دینے کا پابند ہے مگر 1960ء میں ہونے والے معاہدے سے لے کر آج تک بھارت نے سیلابی پانی کی پاکستان کو بروقت اطلاع نہیں دی۔ پھر اس سیلاب نے جو تباہی مچائی تاریخ گواہ اس سے پہلے اتنا بڑا سیلاب کبھی نہیں آیا۔ اب تو ہمارے حکمران بھی برملا کہتے نظر آ رہے ہیں کہ یہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب ہے۔

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ گزشتہ چار برسوں سے پاکستان میں مون سون بارشوں کی وجہ سے ہر سال سیلابی صورت حال دیکھنے میں آ رہی ہے۔ گزشتہ برس بھی

پاکستان میں شدید بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے 178 افراد ہلاک اور پندرہ لاکھ متاثر ہوئے تھے۔اس سال بھی اس وقت سیلاب پنجاب میں تباہی مچاتا ہوا سندھ کی طرف جارہا ہے۔دریائے چناب میں آنے والا بڑا سیلابی ریلا اس وقت صوبہ پنجاب کے وسطی علاقوں سے گزرتے ہوئے جنوبی علاقوں کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ضلع حافظ آباد، چنیوٹ اور جھنگ کے دیہی علاقوں میں تباہی مچانے کے بعد اب سیلابی ریلے کا رخ جنوبی پنجاب میں مظفرگڑھ اور ملتان کی جانب ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق ممکنہ سیلاب کی وجہ سے ملتان اور مظفرگڑھ کے نشیبی علاقوں میں رہنے والے افراد کو محتاط رہنے اور دریا کے قریبی علاقے خالی کرنے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں۔پاکستان کے کے ترجمان کے مطابق (NDMA) قومی آفات سے نمٹنے کے ادارے این ڈی ایم اے سیلابی ریلے سے جھنگ کے قریب واقع تریموں بیراج کو جو خطرہ تھا وہ ٹل گیا ہے کیونکہ اس کو بچانے کے لیے بند توڑے گئے تھے۔ تریموں بیراج کو بچانے کی قیمت یہ دینی پڑی کہ پنجاب کے پانچ اضلاع میں پانی گیا جہاں ہر ضلع میں ڈیڑھ سے دو لاکھ افراد متاثر ہوئے۔' انھوں نے کہا کہ ان اضلاع میں سیالکوٹ، حافظ آباد، گوجرانوالا، جہلم، نارووال سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔انھوں نے کہا کہ صوبہ پنجاب اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں سیلاب کے باعث ہلاک ہونے والوں کی کُل تعداد 257 ہو گئی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ سیلاب کے باعث متاثر ہونے والوں کی کُل تعداد سوا گیارہ لاکھ ہو گئی ہے۔

پاکستان کو اس وقت سنگین مالی بحران کا بھی سامنا ہے اور اس سے نکلنے کے لیے حال ہی میں بین الاقوامی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف سے قرض لیا گیا تھا۔ تاحال کھڑی فصلوں کی بڑی تعداد بپھرے ہوئے پانیوں کی نذر ہو چکی ہیں، سیلاب کی صورت حال سنگین تر ہونے سے نہ صرف مہنگائی میں اضافہ ہو جائے گا بلکہ مزید وسیع پیمانے پر کھڑی فصلوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔

ایک اطلاع کے مطابق حکومتی کابینہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ بیرونی امداد نہیں لیں گے اب دیکھنا ہے کہ حکومت پاکستان اس سیلاب سے متاثرہ عوام کی کس طرح مدد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کو بھارت سے اس نقصانات پر دو ٹوک بات کرنی چاہیے۔ کیا وزیراعظم نریندر مودی کے معافی مانگنے سے ہمارا نقصان پورا ہو جائے گا؟ جو لوگ اس سیلاب میں بہہ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کیا وہ واپس آ سکتے ہیں؟ جن لوگوں کے مکان، مویشی اور فصلیں تباہ ہو گئیں کیا وہ سب نقصان پورا ہو سکتا ہے؟ حکومت اور دھرنے دینے والوں کو چاہیے کہ آپس میں لڑنے کی بجائے وہ بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ جو پاکستان پر آبی حملے کر رہا ہے (کبھی پانی چھوڑ کر تو کبھی پانی روک کر) اس سے باز رہے ورنہ اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ آخر کب تک ہم حکومتی دوستیوں کی خاطر اپنا گھر بار اجاڑتے رہیں گے؟

نظرِ جنید

میں نیٹ پر آن لائن نیوز پیپر پر خبریں پڑھ رہا تھا۔یکدم میری نظر ایک ایسی نیوز پر پڑھی جس کو پڑھ کر میں یہ کالم لکھنے پر مجبور ہوا ہے۔ ہمارے کسی دور کے نامور گلوکار اور آج کل مبلغ اسلام جنید جمشید کی خبر تھی۔ انہوں نے اس طرح سیاستدانوں کا مکس اچار ڈالا کہ میں ہنسے بنا نہ رہ سکا۔ اگر جنید جمشید یہ بیان بطور گلوکار دیتے تو مجھے اعتراض نہ ہوتا مگر اب وہ گلوکار نہیں بلکہ اسلام کی پہچان ہیں۔ ان کی ایک ایک بات دوسرے لوگوں کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس پر غیر مسلموں کی ہر وقت نظر رہتی ہے اور پھر اس کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسلام ہمیں سچائی کا درس دیتا ہے جھوٹ سے منع فرماتا ہے۔

ملک کے مشہور مبلغ اور نعت خواں (سابقہ سنگر) نے ایک نجی نیوز چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ " ملک میں اس وقت انتہائی غلط نظام موجود ہے۔ میں عمران خان کا بچپن سے فین ہوں۔انہوں نے نظام کے خلاف بغاوت کی ہے۔ یہاں فرسودہ نظام کے خلاف تبدیلی لانے کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔اب اگر عمران واپس بھی آ جائیں تو لوگ گھروں میں واپس نہیں جائیں گے۔ رحمان ملک کو جہاز

سے اتار دیا جانا اس چیز کا عملی مظاہرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس غلط نظام سے فائدہ اٹھانے والوں کے خلاف غصہ لوگوں کے دل میں بھر چکا ہے۔ ہمیں اچھا نظام مل جائے تو ہم اچھی قوم بن جائیں گے۔ اگر پاکستان میں الطاف حسین کی قربانی، بے نظیر بھٹو کی بہادری، شہباز شریف کی محنت، آصف زرداری کے اخلاق اور عمران خان کی سوچ مل جائے تو اس ملک کو آگے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ جنید جمشید نے وزیر اعظم نواز شریف کے استعفے سے متعلق سوال کے جواب میں کہا کہ شریف برادران نے اس غلط نظام سے فائدہ اٹھایا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ کیا آپ نہیں چاہتے کہ یہاں انصاف کا نظام ہو؟ آپ بھی قربانی دینے پر تیار ہوں جائیں۔ نواز شریف امام حسن کی طرح استعفیٰ دے کر بڑے پن کا ثبوت دے دیں۔ استعفے دینے سے کوئی چھوٹا نہیں

ہوتا۔ انہوں نے کہا متحدہ قومی موومنٹ کا قیام بھی اس نظام کے خلاف ہی تھا۔ وہ مڈل کلاس سے آئے تھے اور تبدیلی لانا چاہتے تھے اگر وہ بھی عمران خان کا ساتھ دیں تو اس کی حمایت کرنی چاہیئے۔

جنید جمشید نے کہا کہ بطور جماعت تبلیغی جماعت کسی سیاسی جماعت کی حمایت نہیں کر سکتی، ہم سمجھتے ہیں عمران خان آج ایک ایسا کام کر رہے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔ جو بھی اس جھوٹے نظام کے خلاف کھڑا ہو گا میں اس کا ساتھ دوں گا"۔

اس انٹرویو میں جنید بھائی نے جو بھی کہا اس میں سے کچھ سوالوں کے جوابات کی وضاحت درکار ہے۔

☆ الطاف حسین نے پاکستان کے لیے کیا قربانی دی ہے؟

☆ آصف زرداری کے اخلاق کی اگر وضاحت کردیں تو بہتر ہوگا؟

☆ میاں برداران کی محنت اور غلط نظام سے فائدہ سے کیا مراد ہے؟

☆ عمران خان کی سوچ کیا ہے اور آپ نے اس کی سوچ کو کیسے پرکھا ہے؟

میری ناقص معلومات کے مطابق جو شخص ملک میں آکر کام نہیں کرسکتا وہ باہر بیٹھ کر ملک کے لیے کیا قربانی دے سکتا ہے۔جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو وہ عوام کے لیے کیا قربانی دیگا؟زرداری کے اخلاق کا متعلق تو مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسکا چرچا ہورہا ہو البتہ ان کی سیاسی دانشمندی کا کہا جائے تو وہ مانا جاسکتا ہے۔میاں برادران جو محنت کرتے ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ان کا کردار بھی میڈیا دکھاتا رہتا ہے۔ رہا سوال عمران خان کا تو وہ ایسا کونسا کام کررہے ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کو پسند ہے؟ کیا جھوٹ اللہ کو پسند ہے؟ الزام تراشی اللہ کو پسند ہے؟ لڑکیوں کو نچانا اللہ کو پسند ہے؟ بے پردہ دن رات مرد اور عورت کو اکٹھا رکھنا اللہ کو پسند ہے؟ سپہ سالار اپنی جان کی حفاظت کرے، بلٹ پروف جیکٹ پہنے اور باقی

لوگوں کو کھلے میدان میں مرنے کے لیے چھوڑ دے کیا یہ اللہ کو پسند ہے؟خود اے سی کنٹینر میں رہے ،بیڈ پر سوئے اور عوام کو بارش میں بھیگنے کے لیے چھوڑ دے یہ اللہ کو پسند ہے؟

جنید بھائی ہمارا مذہب انتشار پھیلانے سے منع کرتا ہے اگر جہاد کا حکم بھی ہے تو بھی غیر مسلم کے خلاف ۔ مگر عمران خان تو وزیر اعظم بننے کے لیے ملک میں انارکی پھیلا رہا ہے۔ وہ اپنی کرسی کے لیے ملک کو داؤ پر لگانے سے بھی پیچھے نہیں ہٹ رہا۔ اس نے آرمی عدلیہ ، صحافت ، بیوروکریٹس سے لیکر کوئی ایسا محکمہ نہیں چھوڑا جسکو کرپٹ نہ کہا ہو۔ ، آپ خود بتائیں کیا ہمارا اسلام بغیر ثبوت کے کسی پر الزام لگانے کی اجازت دیتا ہے؟

میں بھی چاہتا ہوں کہ پاکستان میں امن و امان قائم ہو، انصاف گھر گھر مہیا ہو، بیروزگاری کا خاتمہ ہو، کرپٹ لوگوں اور رشوت خوری سے چھٹکارا ملے مگر یہ سب باتیں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں ملکی معشیت کو تباہ کرکے نہیں۔ساری سیاسی جماعتیں مل بیٹھ کر اس کا حل نکالیں تو یہ ملک اور عوام کے لیے بہتر ہوگا ورنہ کفار کی نظر تو پہلے سے ہمارے ملک پر ہیں۔

سی این جی ملتی کب ہے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان میں گیس کے ان گنت ذخائر موجود ہیں اور ان ذخائر میں ماہرین ارضیات کے مطابق گیس اتنی وافر مقدار میں پائی جاتی ہے کہ اگر ماضی کی اور موجودہ حکومتیں اس کی طرف توجہ دیتے تو پاکستان کو کبھی توانائی کے بحران کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ گیس کی پیداوار کے لحاظ سے پاکستان کا شمار بھی دنیا کے اُن ممالک میں ہوتا جو آج گیس برآمد کرکے خطیر زر مبادلہ کمارہے ہیں۔

یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان کا شمار پانی، تیل، گیس، کوئلہ اور دیگر ایسی بیش قیمت معدنیات کے خطیر و وافر ذخائر رکھنے والے ممالک میں ہوتا ہے۔ اگر اُن کی تلاش اور کھدائی کے عمل کو بروئے کار لانے کے لئے دیگر ممالک سے تکنیکی معاونت حاصل کی جائے تو پاکستان نہ صرف توانائی کی پیداوار اور افزائش میں خود کفیل ہو سکتا ہے بلکہ دیگر ممالک کی ضروریات پوری کرنے کے لیے گیس اور بجلی برآمد بھی کر سکتا ہے۔

پاکستان کی صنعتوں میں گیس کا استعمال کیا جاتا ہے اسکے علاوہ ٹرانسپورٹ

میں سی این جی استعمال کی جاتی ہے۔ پاکستان جو گیس کی معدنیات سے مالامال ہے مگر حکومت کی نااہلی کی وجہ سے یہ وقت آگیا ہے کہ صنعتیں گیس کے بحران کی وجہ سے بند ہو رہی ہیں۔ عوام سی این جی کے لیے ماری ماری پھر رہی ہے۔ ہفتے میں صرف دو دن سی این جی مہیا کی جاتی ہے وہ بھی اگر لائٹ ہو تو لمبی لمبی لائنوں میں لگ کر ایک بار میسر ہوتی ہے۔

CNG سے مراد سی این جی ہے کیا ذرا اس پر بھی نظر ڈالیں تو آپکو بھی پتہ چل جائے گا۔ Compressed Naturla Gas یعنی وہ قدرتی گیس ہے جسے دباؤ کے تحت رکھا گیا ہوتا ہو۔ عام طور پر یہ دباؤ ہوا کے دباؤ سے 200 گنا زیادہ ہوتا ہے یعنی 200 atm ہوتا ہے۔ سی این atm ہے۔ اسکے مقابلے میں کار کے ٹائر کے اندر ہوا کا دباو صرف 2 جی وہی گیس ہوتی ہے جو عام طور پر گھروں میں چولہا جلانے کے لیئے پائپ لائن سے آتی ہے اور اسکو کمپریس کرکے گاڑیوں میں استعمال کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ پٹرول اور ڈیزل کے متبادل کے طور پر گاڑیوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ یہ پٹرول اور ڈیزل کے مقابلے میں سستی بھی پڑتی ہے اسی لیے عوام سی این جی کے حصول کے لیے ماری ماری پھرتی ہے۔ جب تک یہ سی این جی پمپ کو ملتی ہے تو ملک بھر میں ٹرانسپورٹ بھی خوب رواں دواں رہتی ہے مگر جب اس کی بندش ہو جاتی ہے تو نہ صرف گاڑی کے کرایوں میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ٹرانسپورٹ بھی بہت کم ہو جاتی ہے۔

آج میں حسب عادت انٹرنیٹ پر نیوز پڑھ رہا تھا کہ کافی عرصہ غیر حاضر رہنے والے وفاقی وزیر شاہد خاقان عباسی کی ایک خبر پر نظر پڑی۔ خبر یہ تھی کہ" 15 دسمبر سے فروری تک پنجاب میں صنعتوں کو گیس نہیں مل سکے گی۔ اس کے علاوہ ستمبر سے فروری تک سی این جی اسٹیشن کو بھی گیس فراہم نہیں کی جائے گی۔ ایل این جی آ گئی تو سی این جی اور صنعتوں کو گیس سپلائی پر غور کریں گے"۔

کوئی ان بھولے بادشاہ کو بتائے کہ آپ پہلے کون سی روزانہ سی این جی عوام کو دے رہے ہو اگر جو تھوڑی بہت گیس دے رہے ہو تو وہ بھی اپنے صنعت کاروں کو دے رہے ہو۔ ہر فیکٹری کے مقدر میں گیس کہاں ہے؟ حکومت اپنی من پسند فیکٹریوں کو گیس کی سپلائی دے رہی۔ پاکستان میں بہت سی فیکٹریاں گیس اور بجلی نہ ملنے کی وجہ سے بند ہو چکی ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک بھر میں بے روزگاری میں اضافہ ہو گیا ہے۔ جس ملک میں پہلے ہی بیروزگاری کا بحران ہو وہاں پر بجائے کوئی اچھا اقدام اٹھانے کے عباسی صاحب گیس بند کرنے کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

جہاں ہمارے حکمران میٹرو ٹرین اور میٹرو بس پر اتنا خرچہ کر رہے ہیں اگر اس کی جگہ گیس دریافت کرنے اور بجلی کی پیداوار بڑھانے پر خرچ کرتے تو اس سے نہ

صرف ملکی معشیت میں اضافہ ہوتا بلکہ بیروزگاری پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ مجھے یاد ہے پچھلے سال بھی حکومت نے موسم سرما شروع ہونے سے پہلے بھی عوام اور انڈسٹریز کو اس قسم کی تکلیف دی تھی۔ سال گزرنے جانے کے باوجود ہمارے حکمرانوں نے اس کے لیے کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں اٹھائے۔ حکومتی رویے سے لگتا ہے کہ انہوں نے ان بحران سے عوام کو نکالنے کے لیے کچھ نہیں کرنا بس اب دور پورا کرکے چلے جانا ہے۔

اگر حکومت واقعی ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے بجلی اور گیس کے بحران پر خصوصی توجہ دینا ہوگی ورنہ ملک کی معشیت اسی طرح دلدل میں پھنسی رہے گی اور عوام ہر بار کی طرح ذلیل خوار ہوتی رہے گی۔

وزیراعظم پاکستان کے جنرل اسمبلی سے خطاب میں کشمیر کی آواز

اقوام متحدہ کے قیام کو ستر سال ہو چکے ہیں۔ ہر سال ستمبر میں اقوام متحدہ کے صدر مقام پر اجلاس ہوتا ہے جس میں اقوام متحدہ میں شامل جماعتوں کے سربراہان شرکت کرتے ہیں اور جو اپنے اپنے ملک کو درپیش مسائل اور ایک دوسرے ملکوں سے گلے شکوے بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر مل بیٹھ کر ان مسائل کا حل نکالا جاتا ہے مگر آج تک اقوام متحدہ نے مسلمان ممالک کے کوئی بھی مسائل حل نہیں کرائے۔ بھارت کے ساتھ قیام پاکستان سے آج تک کشمیر کا تنازعہ چلا آرہا ہے۔ اقوام متحدہ نے اس کے متعلق قرارداد بھی منظور کی مگر آج تک وہ ان قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکا۔ اگر یہ ہی قرارداد کسی اسلامی ممالک کے خلاف منظور ہوتی تو تمام غیر مسلم طاقتیں ان کو کب کا عملدرآمد کرا چکی ہوتیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ اقوام متحدہ نہیں بلکہ یہ من پسند اقوام متحد ہیں تو غلط نہیں ہوگا کیونکہ اقوام متحدہ اب امریکہ اور اسکے اتحادیوں کے ہاتھوں ہیک (Hack) ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ سے اب مسلم ممالک کو انصاف کی امید نہیں۔ اقوام متحدہ میں شامل بعض ممالک، مسلم ممالک میں دخل اندازی کرنا اپنا فرض

سمجھتے ہیں مگر بھارت سے کشمیر کے موضوع پر جنگ تو بہت دور بلکہ بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

حال ہی میں ہونے والے جنرل اسمبلی کے اجلاس سے وزیراعظم پاکستان نے خطاب کیا۔انہوں نے اپنے خطاب میں کشمیر کا مقدمہ اس طرح پیش کیا جیسے بھارت کو آئینہ دکھا دیا ہو۔انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ '' پاک بھارت خارجہ سیکریٹری مذاکرات ایک اچھا موقع تھا جسے کھو دیا گیا۔ 6 دہائیوں پہلے اقوام متحدہ نے کشمیر میں استصواب رائے کیلیے قرارداد منظور کی تھی۔ کشمیریوں کی کئی نسلوں نے زندگیاں قبضے، تشدد اور بنیادی حقوق کیا ستحصال کے سائے میں بسر کیں۔ خاص طور پر کشمیری خواتین کو بے پایاں مصائب اور تذلیل کا سامنا کرنا پڑا۔ کشمیر کے عوام آج بھی اس وعدے کی تکمیل کے منتظر ہیں۔ کشمیر کا بنیادی مسئلہ حل کرنا ہوگا۔ یہ عالمی برادری کی ذمے داری ہے۔ مسئلہ کشمیر پر تب تک پردہ نہیں ڈال سکتے جب تک کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل نہ ہو جائے۔ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی حمایت مسئلے کا فریق ہونے کے ناطے پاکستان کی ذمے داری ہے۔ پاکستان مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے کام کرنے کو تیار ہے۔''

کشمیر کے علاوہ خطے کے دیگر مسائل پر بھی میاں نواز شریف نے نا صرف گہری نظر رکھی بلکہ ان کے مسائل حل کرنے کا بھی واضح حل بیان کیا۔ بقول میاں نواز

شریف نے کہ ”پاکستان نے دہشتگردی کے خاتمے کے لیے بڑا فوجی آپریشن شروع کیا۔ غزہ میں فلسطینیوں کے قتل عام کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ دہشتگردی کیخلاف جنگ میں پاکستان نے بڑا نقصان اٹھایا۔ پاکستانی قوم اپنی فورسز کے ساتھ ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے احساسات اور جذبات کا خیال رکھنا چاہیے۔ پاکستان اپنے افغان بھائیوں کیساتھ یکجہتی کا اظہار کرتا ہے۔ افغانستان کے عوام کو کامیاب انتخابی عمل کی تکمیل پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کردار ادا کرتے رہیں گے۔ افغانستان کو حریف کے بجائے اسٹریٹجک تعاون کا مرکز بننا چاہیے۔“

نواز شریف نے جس طرح جنرل اسمبلی میں کشمیر کا مقدمہ پیش کیا اس سے ثابت ہوگیا کہ پاکستان نے کشمیر کے مسئلے کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ آج بھی کشمیر کا مسئلہ سب سے اہم ہے کیونکہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ وہ لوگ جو کل تک یہ کہہ رہے تھے کہ پاکستان بھارت سے دوستی کے چکر میں کشمیر کو بھول چکا ہے اور وہ سابقہ حکومت جو بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینے والے تھے نواز شریف کے جنرل اسمبلی میں اس خطاب نے ان کے سینے چکنا چور کر دیے۔ وزیراعظم پاکستان نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگی حکومت کشمیر کاز کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

کشمیری رہنماؤں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے مسئلہ کشمیر اٹھانے پر بے حد خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف نے مسئلہ کشمیر کو اجاگر کیا تو بھارت میں اس پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ لیکن کشمیری رہ نماؤں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کشمیری رہنما شبیر شاہ نے کہا کہ " اقوام متحدہ میں کشمیریوں کی آواز اٹھانے پر وزیر اعظم نواز شریف کے مشکور ہیں۔ یقین تھا کہ پاکستان کشمیریوں کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اس مسئلے کے حل کے بغیر خطے میں امن نہیں ہو سکتا۔" کشمیری رہنما یاسین ملک نے کہا کہ "سیلاب نے کشمیر میں تباہی مچادی لیکن بھارت امدادی کاموں پر توجہ نہیں دے رہا۔ مسئلہ کشمیر کا ایک ہی حل ہے کہ اسے بھارت سے الگ کیا جائے۔" امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر عبدالرشید ترابی نے کہا کہ "قیامت خیز سیلاب میں بھارت نے کشمیر کو نظر انداز کیا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے "کشمیری اور پاکستانی عوام کی درست انداز میں ترجمانی کی۔

اگر اقوام متحدہ واقعی تمام قوموں کی متحدہ ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ بھی اسکارٹ لینڈ کی طرح کشمیر میں ریفرنڈم کرائے اور دیکھ لے کہ کشمیر کی عوام کیا چاہتی ہے۔ اگر اقوام متحدہ اپنے اوپر سے یہ لیبل ختم کرنا چاہتی ہے کہ وہ ہر ملک کے ساتھ ایک سا رویہ رکھتی ہے تو فوراً کشمیر کی آزادی کے لیے

بھارت سے دوٹوک بات کرے ورنہ مسلمان یہ سمجھتے رہیں گے اقوام متحدہ مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلموں کی متحدہ ہے۔

حج کی کہانی، عقیل کی زبانی

حج اسلام کے 5 ارکان کا آخری رکن ہے۔ تمام عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتب حج بیت اللہ فرض ہے جس میں مسلمان سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں قائم اللہ کے گھر کی زیارت کرتے ہیں۔ حج اسلامی سال کے آخری مہینے ذوالحج میں ہوتا ہے۔

14 اکتوبر 2010 میری زندگی کا سب سے خوبصورت اور یادگار دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے در پر حاضری کا موقع نصیب فرمایا تھا۔ پی آئی اے کی فلائٹ کے ذریعے میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گیارہ بجے روانہ ہوا اور تقریباً چار گھنٹے کا سفر کرکے جدہ ایئرپورٹ پر اترا۔ ایئرپورٹ کے قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد بس کے ذریعے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جدہ سے مکہ کا سفر بھی تقریباً چار گھنٹے کا تھا۔ اس طرح میں رات کے گیارہ بجے کے قریب اپنی ہوٹل میں پہنچا جہاں پر مجھے رہائش دی گئ تھی۔ کیونکہ پہلے عمرہ فرض تھا اس لیے بس کھانا کھاتے ہی بذریعہ ٹیکسی خانہ کعبہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ جس وقت خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو میں دل کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا تھا۔ آنکھیں جھکائے جب حرم میں جارہے تھے تو جس وقت خانہ کعبہ کے بالکل سامنے آئے تو مجھے بتایا گیا تھا کہ جب خانہ کعبہ پر پہلی نظر ڈالو تو اس وقت جو

دعا کی جائے وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی پہلی نظر ڈالتے ہی دعا کی۔
مجھے یہ بھی فخر ہے کہ میرے رب نے مجھ سے یہ فریضہ جوانی کے دور میں ادا
کروادیا۔ چار دن قیام کرنے کے بعد مجھے مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ مدینہ منورہ بھی رات
کے بارہ بجے کے قریب پہنچے۔ دیدار روضہ رسول بھلا کب سونے دیتا ہے۔ کھانا کھاتے
ہی سفر کی تھکاوٹ کا اندازہ کیے بغیر حاضری روضہ رسول کے لیے نکل پڑے۔ مختلف
دروازے بند ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی کے چکر لگانے لگے اور آخر اپنی منزل کو پالیا۔
روضہ رسول پر حاضری دیتے وقت یقین نہیں آرہا تھا کہ میں آقائے دوجہاں کے در پر
کھڑا ہوں۔۔ حضرت محمد ﷺ کے در پر چالیس نمازوں کا دورانیہ تو ایسے گزرا جیسے کوئی
خواب دیکھا ہو۔ چالیس دن کا یہ پریڈ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ حج کے دوران مجھ سمیت
تمام حجاج کرام کو مختلف مراحل سے طے کرنا پڑے۔ حج کے مراحل سے گزر کر انسان
ایسا بن جاتا ہے جیسے ابھی جنم لیا ہے اور وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔
ذی الحجہ سے حج کے ارکان شروع ہو جاتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ کا سورج طلوع ہونے کے 8
بعد احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ سے منٰی کیلئے روانہ ہوا۔ حج کے لیے احرام خانہ کعبہ کی
حدود میں کسی بھی جگہ سے باندھا جا سکتا ہے۔ لبیک

اَللّٰھُمَّ لبّیکَ لبّیکَ لاشَرِیکَ لکَ لبّیکَ، اِنّ الحَمدَ وَالنّعمۃ لکَ وَالملکَ، لاشَرِیکَ لکَ نیت کرکے اور تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ پر احرام کی وہ ساری پابندیاں عائد ہو گئیں جو عمرہ ادا کرتے وقت احرام باندھنے پر تھیں۔ اب تمام حجاج کو منٰی جانا ہے۔ منٰی کے لیے انتظامیہ نے رات سے ہی لے جانا شروع کر دیا تھا۔ منٰی میں قیام کے دوران کوئی خاص عمل نہیں کرنا ہے۔ بس ظہر، عصر، مغرب، عشاء او9 ذی الحجہ کی فجر کی نماز ادا کرنا ہے۔ 9 ذی الحجہ کی صبح سورج نکلنے کے بعد منٰی سے میدان عرفات کے لیے روانہ ہو گئے۔ میدان عرفات کے لیے کچھ لوگ ٹرین سے، کچھ بسوں سے اور بہت سے لوگ پیدا ہی چل دیے۔ میدان عرفات وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن اللہ تعالٰی اپنا تخت سجائیں گے اور نیکی اور برائی کے بدلے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آج مغفرت کا دن ہے۔ آج یوم عرفہ ہے۔ میدان عرفات میں 9 ذی الحجہ کی دوپہر سے غروب آفتاب تک میدان عرفات میں قیام کرنا تھا۔ کچھ دیر کا قیام حج کا رکن اعظم ہے جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ 9 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع ہو جاتی ہیں، منٰی اور عرفات دونوں جگہ فرض نمازوں کے بعد ایک بار بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھیں۔ اَللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر، لااِلٰہَ الّا اللّٰہُ وَاَللّٰہُ اکبر، اَللّٰہُ اکبر وَلِلّٰہِ الحَمد۔ 9 ذی الحجہ کی فجر سے 10 ذی الحجہ تک فرض نماز کے بعد پہلے تکبیر تشریق اور پھر تلبیہ پڑھیں چونکہ تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کیساتھ

ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے باقی ایام میں صرف تکبیر تشریق پڑھیں۔ وقوفِ عرفات کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔اس لئے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر وقوف میں مصروف ہو جائیں۔ سایہ کے بجائے دھوپ میں وقوف کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر کسی بیماری کا خدشہ ہو تو آپ سایہ میں اور خیمہ میں بھی وقوف کر سکتے ہیں ۔ اگر پورا وقت کھڑے رہنا مشکل ہو تو جتنی دیر کھڑے رہنے کی سکت ہو کھڑے رہیے۔ ضرورت ہو تو وقوف کے وقت بیٹھنا بلکہ لیٹنا بھی جائز ہے۔ غروب آفتاب کے بعد آج کے دن کے لیے حکم ہے مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ مزدلفہ میں ادا کی جائے۔اب ہم تمام حجاج کرام عرفات سے مزدلفہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ لاکھوں انسانوں کی یہ بستی مزدلفہ کے پہاڑوں پر کھلے آسمان کے تلے سجنے لگی۔مزدلفہ میں رات ٹھہرنیوالے حجاج کے لیے یہ رات شب قدر سے بھی افضل ہے اس لئے اس رات کی عظمت اور قدر و قیمت کو یاد رکھیئے۔ یہ رات جاگ کر اور رب خداوندی کی عبادت میں گزاری جائے اور اگر کوئی آرام کرنا چاہیے تو وہ منع نہیں ہے۔

مزدلفہ کے وقوف کا وقت صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے تک رہتا ہے۔ مزدلفہ سے منٰی روانگی سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ منٰی جا کر شیطان کو کنکریاں مارنا ہے اس کا انتظام یہاں مزدلفہ سے کرنا ہوتا ہے۔ میرے سمیت تمام حجاج کرام نے ستر کنکریاں ایک تھیلی میں رکھ لیں۔ جب 10 ذی الحجہ

کی صبح کا اجالا آسمان پر پھیلنے لگتا ہے تو انسانوں کا یہ سمندر ایک بار پھر منیٰ کی طرف کوچ کرتا ہے۔ ہر طرف آدم ہی آدم نظر آتا ہے۔

دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہے۔ رمی کیساتھ تکبیر کہنا مسنون ہے۔ رمی کے بعد پہلے قربانی کیجئے پھر حلق کرواکر احرام کھول دینے کا حکم ہے اور اسی طرح ہم سب حجاج اکرام نے کیا۔ اسکے بعد کعبہ کا طواف کریں۔ یہ طواف حج کا رکن اور فرض ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور حجامت کے بعد سِلے ہوئے کپڑوں میں کیا جاتا ہے اسی لیے میں نے بھی کپڑے تبدیل کرکے خانہ کعبہ کا رخ کیا۔۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی ہوگا۔ اسطرح الحمد للہ دسویں ذی الحجہ کے سارے کام انجام پا گئے۔ فارغ ہو کر آپ پھر منٰی چلے گئے۔ طواف زیارت کے بعد دو رات اور دو دن منٰی میں قیام کیا۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ہوتی ہے۔ رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے۔ میں نے مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی اور پھر رمی کے لئے نکل گیا۔ راستہ میں سب سے پہلے جمرہ اولی ''چھوٹا شیطان'' آیگا۔ اس پر سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد آگے چلیں جمرہ وسطی '' درمیانی شیطان'' پر آئیں اور اسی طرح سات کنکریاں اسکو بھی ماریں جس طرح ''جمرہ اولی'' پر ماری تھیں۔ اس کے بعد جمرہ عقبہ ''بڑے شیطان'' پر آئیں۔ اسی طرح سات کنکریاں اس کو بھی ماریں، جس طرح پہلے دو شیاطین کو ماری تھیں۔ اس طرح حج کے تمام ارکان ادا ہو گئے ہیں

اور مجھے بھی حج کی سعادت نصیب ہو گئی ۔اس کے بعد طوافِ وداع کرنا باقی رہ گیا ہے۔ جب مکہ معظّمہ سے وطن واپس ہونیکا ارادہ ہو تو طواف وداع ادا کیا جاتا ہے اور میں نے بھی آنے سے پہلے یہ طواف ادا کیا۔ بیت اللہ سے جدائی پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔

یہ وہ سفر ہے جس کی ہر مسلم کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ میری زندگی کا سب سے حسین اور نہ بھولنے والا سفر ہے۔ اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو ایسا سفر کرنے کی توفیق دے۔ آمین

قربانی سنتِ ابراہیم یا دنیا دکھاوا

ہم بچپن سے یہ محاورہ سنتے آرہے ہیں کہ "نیکی کر دریا میں ڈال" مگر یہاں تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔سب سے پہلے تو آج کے اس نفسا نفسی کے عالم میں کسی انسان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ کسی وہ غریب کی مدد کر سکے اور اگر کوئی انسان کسی کی مدد کر بھی دے تو چند افراد ہیں جو اس محاورے پر پورا اترتے ہیں ورنہ زیادہ تر لوگ تو دریا میں ڈالنے کی بجائے دنیا کے سمندر میں چیخ چیخ کر سب کو بتاتے ہیں اور جس شخص نے مدد مانگی ہوتی ہے وہ ساری زندگی ایسے لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوتا رہتا ہے۔وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر تو بھوکا مرنا منظور ہے مگر ایسے لوگوں سے مدد کبھی نہ مانگے۔

جس چیز نے مجھے یہ کالم لکھنے پر مجبور کیا اور جو حقیقت پر مبنی بھی ہے وہ میں اپنے اس کالم کے ذریعے اپنے قارئین سے شئیر کرنا چاہتا ہوں ۔ ہو سکتا ہے شاید میرے اس کالم کی بدولت بہت سے گمراہ لوگ اپنی سوچ کو بدل کر راہ راست پر آ جائیں۔ عید الضحیٰ کے دن جن لوگوں پر قربانی واجب ہوتی ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق قربانی کا فرض ادا کرتے ہیں۔قربانی سنت ابراہیم بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جاتی تھی۔ ہر کوئی صاحب استطاعت شخص سنت

ابراہیم کو پورا کرنے کے لیے قربانی کا جانور خریدتا ہے اور پھر دس ذوالحج کو اس کو ذبح کرکے اس سنت کو ادا کرتا ہے۔

آج کل کے اس دور میں سنت ابراہیمی کو بھی دنیا داری کے طریقے سے ادا کیا جارہا ہے۔ قربانی کا فرض دیکھا دیکھی کی بنا پر ادا کیا جارہا ہے۔ ہر شخص اپنے عزیز واقارب اور محلے داروں کو نیچا دکھانے کے لیے جانور مہنگے سے مہنگا خریدتا ہے۔ان کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا جانور زیادہ مہنگا ہوتاکہ رشتے داروں اور محلے داروں میں ہمارا نام سب سے اونچا ہو۔کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مہنگا جانور نہیں خرید سکتے اس لیے وہ عید سے ایک دن پہلے جانور لے کر آتے ہیں اور عید والے دن قربان کرتے ہیں۔ جو لوگ مہنگا جانور خرید کرلاتے ہیں وہ ہر روز اُس جانور کو پورے محلے میں گھوماتے پھرتے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ انھوں نے کتنا مہنگا جانور قربانی کے لیے خریدا ہے؟

جب کہ اسلام میں جانور کی قیمتی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی سروکار نہیں اگر آپ نے 10 ہزار کا جانور لیا ہے یا10 لاکھ کا اس کا سنت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں۔ قربانی تو نیت پر ہوتی ہے۔ اگر آپ نے وہ جانور دنیا دکھاوے کے لیے لیا ہے تو اس کا اجر بھی دنیا ہی مل گیا کیونکہ آپ کا اور آپ کے جانور کا چرچا پورے محلے میں ہورہا ہوتا ہے اور ہر کوئی آپ کی بڑائی کررہا ہے اور

بھی کچھ ایسے لوگ چاہتے ہیں۔ اللہ کو تو آپ کی نیت سے غرض ہے اس کے جانور کی خوبصورتی یا وزن سے نہیں۔ جس غریب نے اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق جانور خریدا خواہ وہ پانچ ہزار کا ہی کیوں نا ہو اللہ کو تو اس کی وہ قربانی قبول ہے۔

اکثر اسلامی تہواروں پر بچوں کی خواہش ہوتی ہیں کہ وہ اس کو اچھی طرح منا سکیں۔ انہیں اپنے گھریلو مالی حالات کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ بضد ہوتے ہیں کہ ان کی خواہش کو پورا کیا جائے مگر غربت ان کے آڑے آجاتی ہے۔ میڈیا کے ذریعے یہ خبر عام ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے بچوں کی خواہشات پوری نہ ہونے پر خودکشی کرلی۔ اگر صاحب حیثیت لوگ بیش قیمت جانور خریدنے کی بجائے ایسے غریب لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کم قیمت پر جانور خرید کر ان غرباء کو بھی خوشیوں میں شامل کرلیں تو سنت بھی ادا ہوجائے گی اور غرباء کی خوشیاں بھی دوبالا ہوجائیں گی۔

دنیا دار قربانی کرنے والوں کی سوچ ادھر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ جب قربانی کے بعد گوشت کی تقسیم کی باری آتی ہے تو اس میں بھی اللہ کی بجائے دنیا داری کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اچھا اچھا گوشت اپنے فریزر میں رکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد جب باہر گوشت تقسیم کرنے کی باری آتی ہے تو اس میں سے

بھی جو کچھ اچھا گوشت ہوتا ہے وہ اپنے خاص دوستوں کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ بعد میں جو ہڈی ۔چربی اور بچا کچا گوشت رہ جاتا ہے وہ دو چار غریبوں میں تقسیم کر کے اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ میں نے تو یہ سنا ہے کہ اسلام کے مطابق قربانی کرنے کے بعد گوشت کے تین حصہ کیے جاتے ہیں۔ ایک اپنے لیے، ایک رشتہ داروں کے لیے اور ایک غریبوں کے لیے (اگر کمی پیشی ہو تو تصدیق کر دیجئے گا)۔
عید کے بعد یہ باتیں بھی سننے کو ملتی ہیں کہ ہم نے فلاح کے گھر اتنا گوشت بھیجا تھا اس کے مقابلے میں انہوں نے بہت تھوڑا گوشت بھیجا ہے آئندہ ہم بھی کم گوشت بھجیں گے اور جو حصہ غریبوں کے لیے ہوتا ہے یعنی جو اس کے اصل حقدار ہوتے ہیں ان کو ہم دروازے سے دھتکار دیتے ہیں۔ اور پھر عید کے بعد ایک دو ماہ تک خوب گوشت کھاتے ہیں۔
کیا سنت ابراہیمی اس کا نام ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اللہ تعالی کو بھی اچھی چیز پسند ہیں مگر ہم آج قربانی میں سے اچھا گوشت اپنے لیے محفوظ کر لیتے ہیں اور جو ناپسندیدہ ہو وہ غریب غرباء میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اسلام میں ایسا کہاں لکھا ہے کہ قربانی میں اچھی چیز اپنے لیے اور ناپسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں دے دو۔

اللہ تعالی ہمیں سچی اور اچھی نیت سے قربانی کرنے اور اس کا گوشت حق داروں میں تقسیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

جمبر کی لڑکیوں کا کیا قصور؟

کیا تعلیم ہمارا حق نہیں؟ یہ سوال میں نہیں کر رہا بلکہ یہ سوال خادم اعلیٰ پنجاب اور وفاقی حکومت سے جمبر کی بچیاں کر رہی ہیں جو اس تعلیمی دور میں تعلیم جیسی اہم چیز سے محروم ہو رہی ہیں۔ ویسے تو میرے بہت سے کالم آپ لوگوں کی نظر سے گزرے ہونگے مگر آج میں جس موضوع پر کالم لکھ رہا ہوں وہ میں اپنے علاقے کی عوام کے پرزور فرمائش پر لکھ رہا ہوں۔ ان کی فرمائش کے ساتھ ساتھ اس میں میری ذاتی آواز بھی شامل ہے۔ میرا لکھنے کا اصل مقصد پاکستان کے حکمرانوں اور بالخصوص خادم اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کی نظر اس طرف مبذول کرانا ہے جو تعلیمی میدان میں انقلابی اقدام اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں مگر شاید ان کی نظر ابھی تک ہمارے اس علاقے پر نہیں پڑی۔

جمبر ضلع قصور کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ ملتان روڑ پر ہونے کی وجہ سے اس کو پورے ضلع میں بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ واحد علاقہ ہے جس سے 24 گھنٹوں میں کسی بھی وقت پاکستان کے کسی بھی شہر میں جانے کے ٹریفک باآسانی مل جاتی ہے۔ چھو لنگر اور پتوکی کے درمیان میں یہ قصبہ واقع ہے۔ پتوکی اور چھو لنگر میں بائی پاس بن جانے کی وجہ سے جمبر سے ہر گاڑی کا گزر لازمی ہوتا ہے۔ اس کے

علاوہ جمبر سے پاکستان کے سب سے بڑے ذخیرے یعنی نیشنل پارک چھانگا مانگا کے لیے بھی راستہ ادھر سے نکلتا ہے۔ اتنا اہم قصبہ ہونے کے باوجود حکومت پاکستان ، صوبائی حکومت ، ضلعی حکومت ، حلقے کے ایم این اے اور ایم پی لیڈر نے اس علاقے کی ترقی کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ جس کا کچھ منہ بولتا ثبوت یوں ہے۔

پچھلے چھ سال سے اس حلقے کے منتخب ایم پی اے سپیکر پنجاب اسمبلی کی سیٹ پر بیٹھے ہیں مگر افسوس ابھی تک اس علاقے میں ایک لڑکیوں کا کالج تو دور کی بات ہائیر سیکنڈری سکول بھی نہیں بن سکا۔ جبکہ الیکشن کے دنوں میں بہت سنہری خواب دکھائے گئے۔ اس سے پہلے جب مشرف دور میں اس وقت کے پنجاب کے وزیراعلیٰ پرویز الٰہی نے تعلیم کا بیڑہ اٹھایا تھا مگر یہ علاقہ اس وقت بھی بدقسمت رہا۔ اس وقت بھی سب کچھ جاننے کے باوجود ان کی نظر اس علاقے پر نہیں پڑی یا شاید اس علاقے کا کوئی والی وارث نہیں یا پھر یہ پاکستان کا علاقہ نہیں ؟ اس تعلیمی دور میں جہاں ہم خواندگی بڑھانے کی کوشش میں ہر کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں مگر اس کے باوجود جمبر میں آج تک لڑکیوں کے لیے ہائی سکول نہیں جبکہ اس کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں میں لڑکیوں کے لیے ہائی سکول موجود ہے۔ یہاں صرف ایک مڈل سکول ہے۔ مڈل سکول کے لیے بھی عمارت ناکافی ہے۔ جس کے پرائمری حصے کو جمبر کی عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت جنج گھر دیا ہوا تھا مگر پچھلے سال ہونے والی بارشوں نے اس جنج گھر کی چھت کو

بیٹھا دیا۔ جس کی وجہ سے وہ بھی بند پڑا ہے اور مجبوراً اس مڈل سکول کو پانچ کمروں میں چلایا جا رہا ہے۔ تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بچیاں یا تو پرائیویٹ اداروں کا رخ کرنے پر مجبور ہیں یا پھر اپنے گھر بیٹھنے پر۔ مشرف دور میں اس وقت کے ضلعی ناظم نے کئی بار لڑکیوں کے اس سکول کا سروے کرایا، محکمہ تعلیم کے آفیسرز کو بلایا اور عوامی جلسوں میں اس کا اعلان کیا مگر دس سال مشرف حکومت کرکے چلا گیا اس اقتدار ختم ہو گیا مگر یہ سکول اپنی تعمیر کے لیے آج بھی منتظر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب ہر دور میں تعلیم عام کرنے اعلان کیا جاتا ہے تو پھر جمبر جیسے علاقے میں سکول بنانے کے لیے کیوں کام نہیں کیا جاتا؟ کیا جمبر میں گرلز سکول بنانے کے لیے کوئی سپیشل کوٹہ ہوگا؟ کیا جمبر کی بچیوں کا حق نہیں کہ وہ بھی تعلیم حاصل کرکے کسی اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکیں؟ وہ بھی ڈاکٹر، انجینئر یا سائنسدان بن سکیں۔

میں اور حلقے کی عوام سپیکر پنجاب اسمبلی (جن کا حلقہ انتخاب بھی یہی ہے) اور وزیر اعلیٰ پنجاب کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تاکہ جہاں خادم اعلیٰ کبھی تقاریری مضمون نویسی کے مقابلوں میں، کبھی سپورٹس کے نام اور کبھی لیپ ٹاپ کے نام جو، کروڑں روپے خرچ کر رہے ہیں کیا ان میں سے کچھ رقم جمبر کے عوام کے نام نہیں ہو سکتی؟ جہاں طالب علموں میں انعامات کی مد میں اتنا خرچ کیا جا رہا ہے کیا اس میں رقم میں اس علاقے کی بچیوں کا حق نہیں؟

خادم اعلیٰ صاحب ! یہ بچیاں بھی آپ کی بچی ہیں جس طرح آپ دکھی انسانیت کی مدد کرنے اس کے گھر پہنچ جاتے ہیں کیا جمبر کا علاقہ آپ کے صوبہ میں نہیں ہے جو آپ ان کی مدد کر سکیں؟ اتنے اہم علاقے کو اس قدر نظر انداز کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا اس علاقے کی بچیوں کا حق نہیں کہ وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے کسی اچھے منصب پر فائز ہو کر اپنے ملک کی خدمت کر سکیں؟ کیا وہ پڑھے لکھے پاکستان کا حصہ نہیں بن سکتیں؟ ان سوالوں کا جواب کس سے مانگے یہ بچیاں اور کون ہے جو ان کے سروں پر تعلیم کی چادر اوڑھا سکے گا؟

مودی حکومت کسی غلط فہمی میں نہ رہے؟

پاکستان اور بھارت کے تعلقات ہمیشہ سے ہی اتار چڑھاؤ کا شکار رہے ہیں۔ بھارت اور پاکستان میں حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں اور ان حکومتوں نے کئی بار آپس میں تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش بھی کی مگر وہ بے سود ثابت ہوئیں۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کشیدہ ہونے کی اہم وجہ کشمیر ہے۔ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اور رہے گی کیونکہ تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں نے انگریزوں سے ساز باز کرکے کشمیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس دن سے آج تک کشمیری بھائی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستانی حکومتیں بھارت سے تعلقات بہتر بنانے کے چکر میں حد سے زیادہ تجاوز کرجاتے ہیں۔ پچھلے کئی ادوار سے ہمارے حکمران جن کو صرف اپنی کرسی اور دولت سے پیار تھا وہی لوگ بھارت کو امن کی آشا اور کبھی اسکو پسندیدہ ملک قرار دلوانے میں مصروف تھے۔ کیونکہ ان کو تو بس اپنی جیبیں، بزنس اور بنک بیلنس بڑھانے سے غرض ہے۔ بھارت پاکستان میں ہمارے دشمنوں کو سپورٹ کررہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے اندر دہشت گردی کی فضا قائم ہورہی ہے۔ مگر حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ایسی حرکتوں سے پاکستان کے اندرونی حالات خراب سے خراب تر ہوتے جارہے ہیں۔ ہندو بنیے سے

کبھی بھی پاکستان کی عوام کی دوستی نہیں ہوئی۔جب بھی دوستی ہوئی ہے تو صرف حکمرانوں کی ہوئی ہے۔ مگر جو حکمران اپنے مفاد کے لیے یہ باتیں.بڑے زور شور سے کررہے تھے کہ پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کی عوام آپس میں بھائی چارے کا فروغ چاہتے ہیں اوربھارتی حکمران بھی پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات کے حامی ہیں آج وہ کدھر چھپ گئے؟

لگتا ہے موجودہ حکومت بھی بھارت کی اندھی محبت میں گرفتار ہوچکی ہے۔ دوسری طرف بھارت پاکستان کو چاروں شانےچت کرنے کے چکر میں لگا ہوا ہے۔ کبھی وہ آبی حملہ کررہا ہے تو کبھی سرحد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستانی عوام پر اندھا دھند گولے برسا رہا ہے۔ بھلا ہو پاکستانی فوج کا جو بھارت کو منہ توڑ جواب دے رہی ہے ورنہ حکومت کی خاموشی سے تو لگتا ہے کہ ہم تو مرے کے مرے۔

بھارتی فوج کی جانب سے پاکستانی حدود میں بلااشتعال فائرنگ اور مارٹر گولے فائر کئے جانے کا سلسلہ مسلسل جاری ہے کبھی کسی سیکٹر میں تو کبھی کسی سیکٹر میں۔ بھارت ورکنگ باؤنڈی پر جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی ہی نہیں بلکہ محدود جنگ کر رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں بھارت ورکنگ باؤنڈی پر فائرنگ کو جواز بنا کر اس کو عالمی سرحد کا درجہ دلوانا چاہتا ہے؟

بھارت سال دوہزار دس سے مسلسل جنگ بندی کی خلاف کر رہا ہے اور آج تک بھارت کی جانب سے تیس ہزار سے زیادہ مارٹر گولے پھینکے جا چکے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں تو جنگ کے دوران بھی نہیں پھینکے جاتے۔ بھارت پاکستان کی سرحدوں کی خلاف ورزی خود کرتا ہے اور الزام پاکستان پر لگا دیتا ہے۔بقول ڈائریکٹر جنرل رینجرز پنجاب کہ ''بھارت حکام کا یہ الزام بے بنیاد ہے''۔

یکم اکتوبر سے پاکستان اور بھارت کی ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ جاری ہے جس میں ابھی تک 19 افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں آٹھ بھارتی شہری اور 11 پاکستانی شامل ہیں۔ دونوں ملک ایک دوسرے پر جنگ بندی کی خلاف ورزی کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔

بھارتی حکومت پاکستان کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے اس کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ بار بار پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارتی وزیراعظم کسی غلط فہمی کا شکار ہیں یا ان کے مشیر ان کو سلگتی آگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ہمارے حکمران سیاست میں کچھ بھی کرتے رہے مگر ہماری عوام بھارت کو تگنی کا ناچ نچا دے گی۔ ہمارے سیاستدانوں کے آپس میں لاکھ اختلاف صحیح مگر اپنے ملک کی حفاظت اور کشمیر کی آزادی پر کوئی اختلاف نہیں۔ اگر بھارت کو جنگی جنون اتنا ہے تو پھر اسے یاد رکھنا چاہیے کہ

پاکستانی عوام کا خون تو ویسے بھی جنونی ہے۔ بھارتی حکمرانوں کو یاد ہوگا کہ ان کی کانگریس جماعت معرض وجود آنے کے باوجود انگریزوں سے آزادی نہ لے سکے اور قائداعظم کی مسلم لیگ نے آناًفاناً نہ صرف انگریزوں کو بھگایا بلکہ پاکستان بھی قائم کرکے دکھایا۔

آخر میں بھارت کو ایک نیک اور مفت مشورہ دے رہا ہوں کہ بھارت پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھے اور نہ کسی غلط فہمی میں رہے پاکستان میں کشمیر کی جو آگ سلگی ہوئی ہے اس کو ہوا نہ دے ورنہ ایسا نہ ہو بھارت کو منہ کی کھانی پڑے اور پاکستان سے جان بچانا بھی مشکل ہو جائے۔

ضمنی الیکشن کون جیتا کون ہارا؟

ملتان کا الیکشن سیاستدانوں کے لیے انا کا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اس الیکشن میں کئی امیدوار حصہ لے رہے تھے۔ ویسے تو جو بھی شخص الیکشن میں حصہ لیتا ہے وہ جیت کی امید لگا کر بیٹھا ہوتا ہے مگر اصل مقابلہ جاوید ہاشمی اور عامر ڈوگر کے درمیان تھا۔ دونوں امید وار بظاہر آزاد تھے مگر اندرون خانہ ان کو مختلف سیاسی جماعتوں کی آشیرباد حاصل تھی۔
عامر ڈوگر کے لیے تو عمران خان نے ملتان میں جلسہ کیا تھا مگر نہ جانے پی ٹی آئی نے ان کو باضابطہ ٹکٹ کیوں نہیں دیا؟ شائد اس لیے کہ انہوں نے خود تو قومی اسمبلی سے استعفے دیے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف جاوید ہاشمی جو حال ہی میں عمران خان کو چھوڑ کر آئے تھے ان کی حمایت میں ن لیگ پیش پیش تھی۔ جاوید ہاشمی کی حمایت ن لیگ کی مقامی قیادت نے کی مگر اعلیٰ قیادت خاموش رہی۔
آج جس وقت نتائج آنا شروع ہوئے تمام امیدواروں کے دل دھک دھک کرنا شروع ہوئے مگر حسب توقع اصل مقابلہ دو امیدواروں کا ہی تھا۔ ہاشمی صاحب نے تو ابتدائی نتائج دیکھ کر اپنی شکست کو کھلے دل سے تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ ہاشمی صاحب کا سیاسی ریکارڈ سب کے سامنے ہے اور میں پہلے بھی ان کے بارے میں

کالم لکھ چکا ہوں ۔ ان کی ایک اچھی بات کہ وہ جو کہتے ہیں سر عام اور برملا کہتے ہیں۔ وہ جس پارٹی میں رہے اور جو کہا وہ منہ پر کہا خواہ وہ عمران خان ہو ، نواز شریف یا جماعت اسلامی ۔

عامر ڈوگر کی جیت کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ رشید صاحب نے تو فوراً ہاشمی کی شکست کو دھرنوں کی کامیابی کا انعام دے دیا۔ شیخ صاحب کی تو بات ہی نرالی ہے ۔ ان کی دھرنوں کی ابتدا سے لیکر اب تک کئی پیشین گوئیاں ہوچکی ہیں اور اتنی پیشین گوئیوں میں کوئی ایک دو کامیاب ہوجانا بہت بڑی بات نہیں۔ مجھے یاد جب ہم لڈو کھیلتے ہیں تو دانا پھینکتے ہوئے ہر دانے پر بولتے تھے "یہ لو چھکا" اور پوری گیم میں کبھی نہ کبھی ہمارے بولنے پر چھکا آ ہی جاتا تھا تو اس پر ہم بہت خوش ہوتے کہ دیکھا میں نے تو پہلے بول دیا تھا کہ چھکا آئے گا۔ اسی طرح شیخ صاحب بھی آج اپنی خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں کہ یہ دھرنوں کی کامیابی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسی میدان میں 2013 کے الیکشن میں یہی لوگ نعرہ لگا رہے تھے "ایک بہادر آدمی ، ہاشمی ہاشمی" آج جب وہ ان کو چھوڑ گئے تو ملک عامر ڈوگر ان کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ کل تک جب ہاشمی صاحب ن لیگ میں تھے تو وہ ن لیگ کے بہادر آدمی بنے ہوئے تھے مگر آج اس میدان میں پی ٹی آئی اس

بہادر آدمی کو داغی کہہ رہی ہے اور ن لیگ والے خاموش مگر اندرون خانہ اس کی حمایت کر رہے ہیں۔

سیاستدانوں کے لیے ایک جماعت چھوڑ کر دوسری جماعت میں شامل ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ فخر سے جلسوں میں اُسی قیادت پر تنقید کرتے ہیں جن کو وہ چھوڑ کر جاتے ہیں۔ کبھی ان سیاستدانوں نے عوام سے پوچھا ہے کہ ان کے دل میں ایسے لیڈر کی کتنی عزت ہے؟ وہ ایسے لوگوں کو کس نام سے یاد کرتے ہیں؟

ہاشمی کے ساتھ آج وہ ہی ہوا ہے جس کی ہمیں توقع تھی کیونکہ سارے ووٹرز کے ضمیر مردہ نہیں ہو سکتے۔ ہاشمی صاحب کو یاد ہوگا جب وہ ن لیگ چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کے روکنے کے لیے کارکن ان کی گاڑی کے سامنے لیٹ گئے مگر ہاشمی صاحب نے ایک نہ مانی۔ نہ آج تک اس مجبوری کا تذکرہ کیا اگر وہ اس مجبوری کی وضاحت کر دیتے تو شاید ووٹرز ان کو معاف کر دیتے اور آج نتائج کچھ اور بھی ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ ضمیر ن لیگی ووٹرز کس طرح ہاشمی صاحب کی حمایت کرتے۔ یہ اوپر بیٹھے سیاستدان بیشک ایک دوسرے کو قبول کر لیں مگر ووٹرز ایسے لوگوں کو کسی اور نام سے یاد رکھتے ہیں اور اس لیے وہ اپنے دل کی بھڑاس صرف ووٹ کے ذریعے ہی نکال سکتے ہیں۔

یہاں اب مسئلہ ہار یا جیت کا نہیں کیونکہ ہار جیت سیاستدانوں کے لیے ہوتی ہے عوام کے لیے نہیں۔ میری نظر میں تو یہ عوام کی جیت ہے کیونکہ عوام نے ثابت کر دیا کہ وہ لوٹا کریسی کو نہیں بلکہ ڈیموکریسی کو پسند کرتے ہیں۔ ہمارے سیاستدان جمہوریت کی بات کرتے ہیں مگر یہ خود جمہوریت پر عمل پیرا نہیں ہوتے اگر وہ ایک دوسرے کی جماعت کے لوگوں کو لینے کی بجائے نئے لوگوں کو الیکشن لڑائیں تو ہمارے ملک میں ترقی کی بھی ہوگی اور لوٹا کریسی سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔

ملتان الیکشن میں جیت عوام کی

ملتان کا الیکشن سیاستدانوں کے لیے انا کا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اس الیکشن میں کئی امیدوار حصہ لے رہے تھے۔ ویسے تو جو بھی شخص الیکشن میں حصہ لیتا ہے وہ جیت کی امید لگا کر بیٹھا ہوتا ہے مگر اصل مقابلہ جاوید ہاشمی اور عامر ڈوگر کے درمیان تھا۔ دونوں امید وار بظاہر آزاد تھے مگر اندرون خانہ ان کو مختلف سیاسی جماعتوں کی آشیرباد حاصل تھی۔
عامر ڈوگر کے لیے تو عمران خان نے ملتان میں جلسہ کیا تھا مگر نہ جانے پی ٹی آئی نے ان کو باضابطہ ٹکٹ کیوں نہیں دیا؟ شائد اس لیے کہ انہوں نے خود تو قومی اسمبلی سے استعفے دیے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف جاوید ہاشمی جو حال ہی میں عمران خان کو چھوڑ کر آئے تھے ان کی حمایت میں ن لیگ پیش پیش تھی۔ جاوید ہاشمی کی حمایت ن لیگ کی مقامی قیادت نے کی مگر اعلیٰ قیادت خاموش رہی۔
آج جس وقت نتائج آنا شروع ہوئے تمام امیدواروں کے دل دھک دھک کرنا شروع ہوئے مگر حسب توقع اصل مقابلہ دو امیدواروں کا ہی تھا۔ ہاشمی صاحب نے تو ابتدائی نتائج دیکھ کر اپنی شکست کو کھلے دل سے تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ ہاشمی صاحب کا سیاسی ریکارڈ سب کے سامنے ہے اور میں پہلے بھی ان کے بارے میں

کالم لکھ چکا ہوں ۔ ان کی ایک اچھی بات کہ وہ جو کہتے ہیں سر عام اور برملا کہتے ہیں۔ وہ جس پارٹی میں رہے اور جو کہا وہ منہ پر کہا خواہ وہ عمران خان ہو ، نواز شریف یا جماعت اسلامی ۔

عامر ڈوگر کی جیت کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ رشید صاحب نے تو فوراًہاشمی کی شکست کو دھرنوں کی کامیابی کا انعام دے دیا۔ شیخ صاحب کی تو بات ہی نرالی ہے ۔ ان کی دھرنوں کی ابتدا سے لیکر اب تک کئی پیشین گوئیاں ہو چکی ہیں اور اتنی پیشین گوئیوں میں کوئی ایک دو کامیاب ہو جانا بہت بڑی بات نہیں۔ مجھے یاد جب ہم لڈو کھیلتے ہیں تو دانا پھینکتے ہوئے ہر دانے پر بولتے تھے ''یہ لو چھکا'' اور پوری گیم میں کبھی نہ کبھی ہمارے بولنے پر چھکا آ ہی جاتا تھا تو اس پر ہم بہت خوش ہوتے کہ دیکھا میں نے تو پہلے بول دیا تھا کہ چھکا آئے گا۔ اسی طرح شیخ صاحب بھی آج اپنی خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں کہ یہ دھرنوں کی کامیابی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسی میدان میں 2013 کے الیکشن میں یہی لوگ نعرہ لگا رہے تھے ''ایک بہادر آدمی ، ہاشمی ہاشمی'' آج جب وہ ان کو چھوڑ گئے تو ملک عامر ڈوگر ان کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ کل تک جب ہاشمی صاحب ن لیگ میں تھے تو وہ ن لیگ کے بہادر آدمی بنے ہوئے تھے مگر آج اس میدان میں پی ٹی آئی اس

بہادر آدمی کو داغی کہہ رہی ہے اور ن لیگ والے خاموش مگر اندرون خانہ اس کی حمایت کر رہے ہیں۔

سیاستدانوں کے لیے ایک جماعت چھوڑ کر دوسری جماعت میں شامل ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ فخر سے جلسوں میں اُسی قیادت پر تنقید کرتے ہیں جن کو وہ چھوڑ کر جاتے ہیں۔ کبھی ان سیاستدانوں نے عوام سے پوچھا ہے کہ ان کے دل میں ایسے لیڈر کی کتنی عزت ہے؟ وہ ایسے لوگوں کو کس نام سے یاد کرتے ہیں؟

ہاشمی کے ساتھ آج وہ ہی ہوا ہے جس کی ہمیں توقع تھی کیونکہ سارے ووٹرز کے ضمیر مردہ نہیں ہو سکتے ۔ہاشمی صاحب کو یاد ہوگا جب وہ ن لیگ چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کے روکنے کے لیے کارکن ان کی گاڑی کے سامنے لیٹ گئے مگر ہاشمی صاحب نے ایک نہ مانی۔نہ آج تک اس مجبوری کا تذکرہ کیا اگر وہ اس مجبوری کی وضاحت کر دیتے تو شاید ووٹرز ان کو معاف کر دیتے اور آج نتائج کچھ اور بھی ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ ضمیر ن لیگی ووٹرز کس طرح ہاشمی صاحب کی حمایت کرتے۔ یہ اوپر بیٹھے سیاستدان بیشک ایک دوسرے کو قبول کر لیں مگر ووٹرز ایسے لوگوں کو کسی اور نام سے یاد رکھتے ہیں اور اس لیے وہ اپنے دل کی بھڑاس صرف ووٹ کے ذریعے ہی نکال سکتے ہیں۔

یہاں اب مسئلہ ہار یا جیت کا نہیں کیونکہ ہار جیت سیاستدانوں کے لیے ہوتی ہے

عوام کے لیے نہیں۔ میری نظر میں تو یہ عوام کی جیت ہے کیونکہ عوام نے ثابت کردیا کہ وہ لوٹا کریسی کو نہیں بلکہ ڈیموکریسی کو پسند کرتے ہیں۔ ہمارے سیاستدان جمہوریت کی بات کرتے ہیں مگر یہ خود جمہوریت پر عمل پیرا نہیں ہوتے اگر وہ ایک دوسرے کی جماعت کے لوگوں کو لینے کی بجائے نئے لوگوں کو الیکشن لڑائیں تو ہمارے ملک میں ترقی بھی ہوگی اور لوٹا کریسی سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔

اور آنکھ کھل گئی

اللہ نے انسان بنا اس کو اشرف المخلوقات کا نام دیا مگر اس کی خواہشات نے اس کو دنیا میں ذلیل و رسوا کرا دیا۔ بہت کم لوگ ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت کرتے ہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ایک چیز لی نہیں دوسری کی خواہش نے پہلے سر اٹھا لیا۔بقول شاعر

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں مگر پھر بھی ہیں کم نکلے

انسان کا ہوس ساری زندگی نہی بھرتا کیونکہ دنیا کی رنگینی میں کھو جانے والے لوگ اپنے رب کو بھول جاتے ہیں ۔وہ پیسے کی ہوس میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ایسے لوگ زمین، جائیداد اور بنک بیلنس کے لیے گھٹیا سے گھٹیا کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔آج اس دنیا میں ہر طرف آپا دھاپی کا دور دورہ ہے۔ ہر شخص کو اپنی فکر ہے ۔ کسی کو اپنے سوا دوسرے کا خیال نہیں آتا۔

میرے ایک دوست اور بھائی رائٹر محمد علی رانا نے فیس بک پر ایک بہت عمدہ اور گہری سبق آموز بات تحریر کی۔ پچھلے دنوں ملالہ یوسفزئی کو دوسری بار نوبل انعام سے نواز گیا۔نوبل پرائز تو اس کو ہی دیا جاتا ہے جو نوبل (امن) کے لیے

دنیا بھر میں کام کرتا ہو۔ایسے ہی طنزیہ الفاظ میرے دوست نے ملالہ کے لیے لکھے۔بقول رانا صاحب ملالہ یوسفزئی ایوارڈ کی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے روپڑی اور نوبل انعام لینے سے انکار کردیااور روتے روتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ’’ مجھے نہیں چاہیے ایسے ایوارڈ۔ میں نے جو کیا انسانیت کے لیے کیا اور انسانیت کے ناطے میں آپ سب سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں کہ مجھے ایوارڈ دینے کی بجائے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو رہا کردیا جائے تو میں سمجھوں گی کہ مجھے ایوارڈ مل گیا۔ملالہ کے آنسوؤں کو دیکھ امریکہ نے اسی وقت ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی منظوری دے دی۔ اس منظوری کے بعد ملالہ کی ہمت اور حوصلہ مزید بڑھ گیا۔اس نے اپنے خطاب میں اور زیادہ سختی پیدا کرتے ہوئے کہا فلسطین میں بھی انسان ہیں اور اگر طالبان دہشتگرد ہیں تو یہودی ان سے بدتر دہشتگرد ہیں۔‘‘کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے تو اس کے آنسوؤں رکنے کا نام نہیں لے رہے۔رانا صاحب کے یہ الفاظ بہت گہرے مگر ذومعنی ہیں۔ اس پوسٹ پر ہر ذی شعور انسان نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق کمنٹس کیے۔رانا صاحب کی یہ تحریر میں نے رات کوپڑھی اور اس کے بعد میں سونے کے لیے چلا گیا۔ میں بطور تجزیہ نگار اکثر اپنے کالموں میں سیاستدانوں کا ذکر کرتا ہوں کیونکہ جو اچھا کام کرتے ہیں ان کی تعریف کرنا اور جو غلط کام کرتے ہیں ان پر تنقید کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اسی پوسٹ کے سوچ و بچار میں نیند آ گئی اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ عمران خان اور طاہر القادری نے اپنے دھرنے میں نواز شریف کو بلایا اور نواز شریف بھی فوراً دھرنے میں پہنچ گئے جہاں پر ان دونوں (انقلابی اور آزادی کے متوالوں) نے میاں صاحب کو اپنے گلے لگا لیا بالکل ایسے جیسے خان صاحب نے قادری صاحب کو اپنے کنٹینر پر بلا کر گلے لگایا تھا۔ پھر دونوں نے میاں صاحب کو بڑا بھائی بنالیا اور ساتھ چلنے کا وعدہ کیا۔ اس کے جواب میں میاں صاحب نے بھی اپنے دیگر خاندانی افراد کی طرح ان بھائیوں کو حکومت میں شامل کر لیا۔ ایک بھائی کو نائب وزیر اعظم اور دوسرے کو نائب صدر بنا دیا۔ میں ابھی اس ملکی صورتحال پر خوش ہو رہا تھا کہ چلو اب ہمارا ملک ضرور ترقی کرے گا کیونکہ پارلیمنٹ میں موجود سیاسی جماعتیں تو پہلے ہی حکومت کے ساتھ دینے کا وعدہ اور ارادہ کر چکی ہیں اب خان صاحب اور قادری کی اپوزیشن بھی ختم ہو گئی ۔ایک طرف ملالہ کی طرف سے کیے گئے اقدام کی خوشی سے دل پھولے نہیں سما رہا تھا تو دوسری طرف خان صاحب اور قادری صاحب نے جو کام کیا اس اقدام سے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں پاکستان میں نہیں جنت میں پہنچ گیا ہوں۔ میں بڑے فخر سے سکائپ پر بیرون ممالک میں موجود دوستوں سے اپنے پاکستانی لوگوں کے کارنامے بیان کر رہا ہوں۔ بیرون ممالک والے دوست بول رہے ہیں کہ ملالہ اور ہمارے سیاستدانوں کے اس اقدام سے بیرون ملک ہماری عزت میں بھی بڑا اضافہ ہوا ہے۔ لوگ پاکستان کو اب وہ پاکستان نہیں سمجھ رہے بلکہ ان کو پتا چلا گیا کہ نیا

پاکستان بن چکا ہے۔

اور کیا دیکھتا ہوں کہ پاکستان کے سیاستدانوں کی وجہ سے ہندوستان اب خود پاکستان سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔ اب ایشیا میں امریکہ ہو یا اسرائیل کوئی بھی ملک پاکستان کی اجازت کے بغیر مداخلت نہیں کر سکتا۔ تمام مسلم ممالک پاکستان کی بڑے بھائی کی طرح قدر کر رہے ہیں اور پاکستان اپنے چھوٹوں بھائیوں کے دکھ درد میں فوراً ساتھ دے رہا ہے۔ ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا۔ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی اور دیکھا تو میں اپنے بیڈ پر اسی پرانے پاکستان میں سویا ہوا تھا۔ ٹی وی چلایا تو وہی دیکھا وہی ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے والا ڈرامہ جاری ہے۔ میں خاموشی سے لیٹا رہا اور اپنے رب سے دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ کاش جو کچھ میں نے دیکھا ایسا حقیقت میں ہو جائے تو ہمارا ملک کہاں سے کہاں ترقی کر جائے۔

دھرنا دھرنا کرنے والے خود ہی دھڑن ہو گئے

قرآن ایمان والوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے ۔ قران کے پیغام کو پس پشت ڈالنے والے اسلام کے ان ٹھیکیداروں پر بھی افسوس ہوتا ہے جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ؟ عوام تو سادہ لوح ہیں وہ تو فوراً اپنے نام نہاد علماء اور پیروں کی باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن اعتماد اس وقت ختم ہوتا ہے جب وہ نام نہاد عالم یا پیر خود اپنی زبان سے پھر جائے ۔ان کے اس فعل کے بعد حقیقی پیر اور دین پر عمل پیرا علماء پر سے بھی عوام کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

اس سال پاکستان میں 14 اگست سے لیکر آج تک اسلام آباد کو آزادی مارچ اور انقلابی دھرنے کے نام پر یرغمال بنایا ہوا تھا۔ دارالحکومت میں ملکی اور سیاسی سرگرمیاں معطل ہوئی پڑی تھیں۔ ان دھرنوں کی وجہ سے ہمارے ہمسائے دوست ملک چین کے صدر نے اپنا دورہ ملتوی کر دیا۔ یہی نہیں ایسے اور بہت سے لوگوں کے دورے بھی متاثر ہوئے۔ بیرونی ممالک کو ان دھرنوں کے ذریعے یہ تاثر دیا کہ شاید حکومت ختم ہونے والی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے ڈر رہے تھے۔ سول نافرمانی کی تحریک بھی چلائی گئی

مگر وہ بھی بے سود رہی۔ طاہر القادری کا دھرنا عمران خان کے دھرنے سے زیادہ منظم اور بڑا تھا۔ طاہر القادری کے دھرنے کو تجزیہ نگار زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔

پاکستان عوامی تحریک کے قائد طاہر القادری کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے مسلسل دو سال دھرنے دیے۔ دو سال کے عرصہ میں ان کو دونوں بار ناکام دھرنوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے دھرنوں کے دوران بہت سے بلند بانگ دعوے خاک میں مل گئے۔ پہلی بار پیپلز پارٹی کے دور میں ''سیاست نہیں ریاست بچاو''کے نام پر دھرنا دیا گیا اور وہ دھرنا بقول طاہر القادری کے'' فرعونوں اور یزیدوں''کے خلاف تھا۔ اور پھر وہ دھرنا ان ''فرعونوں اور یزیدوں''کے ساتھ مذاکرات کے بعد ختم کیا گیا۔ طاہر القادری نے دوسرا دھرنا رواں سال 14 اگست کو شروع کیا اور اس کا نام ''انقلاب مارچ'' رکھا گیا۔ موجودہ دھرنا اخراجات کے اعتبار سے بھی مہنگا ترین دھرنا تھا۔ کچھ ذرائع کے مطابق ان دھرنوں میں عوام کو ''دیہاڑی'' پر لایا گیا اسکے علاوہ یہ دھرنا اس لیے بھی انتہائی دلچسپی کا باعث بنا کیونکہ اس دھرنے کے دوران شادیاں بھی ہوئیں اور دھرنے میں بچوں کا جنم بھی ہوا۔ دھرنے میں بچوں کے لیے سکول بھی بنایا گیا۔ کبھی دنیا وی ڈانس کے مقابلے ہوئے تو کبھی اذانیں دیں گئیں۔ عید الاضحیٰ بھی دھرنے میں ہی منائی گئی۔

اس دھرنے میں اپنے موقف پر یوٹرن لینے کے سابقہ ریکارڈ بھی توڑے گئے۔ تقریباً پونے دو مہینے قیام کے دوران کون سی ایسی پیشگوئی نہیں جو نہ کی گئی ہو۔اللہ رب العزت کی قسمیں کھائی گئیں۔نواز شریف حکومت کے خاتمے کی متعدد بار ڈیڈ لائینز دی گئیں۔ انھوں نے پی ٹی وی پر حملے کو پہلے ہلاشیری دی مگر بعدازاں اس سے انکار بھی کردیا۔ کبھی کفن دکھایا گیا تو کبھی سینہ کھول کر گولی کھانے کے عزم کا اظہار کرکے دھرنے کے شرکاء کا لہو گرم کیا گیا۔ کبھی قبریں کھودیں گئیں تو کبھی شہادت کے بلند و بانگ دعوے کئے گئے۔اور شہادت کے طلب گار و دعویدار شارٹ سرکٹ سے سہم گئے۔ دلچسپ واقعہ یوں پیش آیا جب ایک موقع پر لاوڈ سپیکر کے پھٹنے سے طاہر القادری کے خوف سے دبکنے کا منظر بھی پوری قوم نے میڈیا کے ذریعے دیکھا۔ان دھرنوں کے دوران لندن پلان کا راز بھی فاش ہوا۔دھرنوں کے دوران طاہر القادری کا موقف تھا کہ کوئی گملہ بھی نہیں ٹوٹے گا مگر صحافیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔پی ٹی وی کے دفتر کے شیشے اور آلات توڑ دیئے گئے۔پارلیمنٹ ہاؤس کے جنگلے کاٹ دیئے گئے۔ڈیوٹی سے واپس جاتے ہوئے پولیس اہلکار سے پستول نکلوا کر اسے ''گلو بٹ''ثابت کرنے اور پھر معافی کا ڈرامہ رچایا گیا۔ اس دھرنے میں ایسے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے دھرنے کے شرکاء کے علاوہ ٹی وی اور اخبارات میں پڑھ کر لوگ لطف اندوز ہوتے رہے۔

طاہرالقادری کی جانب سے اچانک دھرنا ختم کرنے پر جنوری 2013 کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس وقت کا دھرنا بھی ایسے ہی اچانک بغیر کسی نتیجے کے لپیٹ لیا گیا تھا۔ اس وقت تو پھر بھی میڈیا کے سامنے چند وزرا اور سیاست دانوں نے طاہرالقادری سے ملاقات کرکے دھرنا ختم کرنے کی درخواست کی جس سے ان کی عزت میں شاید کوئی کمی نہ ہوئی ہو لیکن اس مرتبہ تو ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سوال اس وقت بھی لوگوں نے بہت اٹھائے تھے کہ "مُک مُکا" ہوا ہے اور سوال اب بھی اٹھ رہے ہیں بلکہ اب تو روپوں کی مالیت تک کی آواز گردش کر رہی ہے۔

قادری کے دھرنے سے متعلق بہت سے سوالات کے جوابات ابھی تک عوام جاننا چاہتی ہے ۔ کیا انقلاب مارچ کامیاب ہوگیا؟ کیا جو لوگ لاہور میں شہید ہوئے جن کی خاطر یہ دھرنا دیا گیا کیا ان کے قاتلوں کو سزا مل گئیں۔ کیا قادری صاحب جو کفن لائے وہ کسی کو پہنا دیا گیا یا پھر۔۔۔؟ بقول قادری صاحب کہ " جو انقلاب کے بغیر جائے اسے شہید کر دو" تو کیا وہ قول پورا ہوگیا؟ عمران خان کو بھائی بنانے والوں نے کیا خانصاحب سے غداری نہیں کی؟ کیا جو قسمیں اٹھا اٹھا کر شرکاء کو بتایا گیا کیا ان قسموں کا ازالہ کر دیا گیا ہے کیونکہ قسمیں تو پوری نہیں ہوئیں۔

قادری صاحب کے بہت سے خیر خواہ ان کے اس اقدام پر ناخوش ہیں وہ بھی یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات تو ہے جس کی پردہ پوشی کی جارہی ہے۔ جب ہمارے مفکر اسلام اپنے قول و فعل میں تضاد رکھتے ہیں تو پھر عام لوگوں کا کیا ہوگا؟ دنیا دار لوگ توکچھ بھی کر سکتے ہیں مگر اسلام کا نام لیکر چلنے والوں کو اسلام بدنام نہیں کرنا چاہیے۔ طاہرالقادری کو لوگ بطور سیاستدان نہیں بلکہ مفکر اسلام جانتے ہیں۔

محرم الحرام کی اہمیت

دورجہالت میں بھی محرم الحرام کو عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ یہودیوں کے لیے بھی دس محرم کادن بہت معتبرک ہے اس دن یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی 10 محرم کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ 9اور 10 محرم کے روزے رکھا کریں تاکہ ان سے تفریق ہو۔ قیامت آنے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے قیامت کے دن 10 محرم ہوگا۔ جس وقت واقعہ کربلا ہوا اس روز بھی تاریخ 10 محرم تھی۔

حضرت امام حسینؓ نے 10 محرم الحرام 61ھ کو جو عظیم قربانی دی اس واقع کو کئی صدیاں گزر گئیں مگر یہ آج بھی اپنی تروتازگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ آزادی کے متوالوں ، ظلم سے ٹکرانے والوں ، حق کا پرچم بلند کرنے والوں، امر بالمعروف و نہی از منکر کا پرچم تھامنے والوں اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے والوں کے لیے کربلا آج بھی مشعل راہ ہے۔ تحریک کربلا میں ہر مذہب و مسلک اور زندگی کے ہر شعبے کے افراد کے لیے یکساں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس تحریک

میں چھ ماہ کے بچے سے لیکر اسی سال کے بوڑھے تک اور پاکباز خواتین کے تاریخ ساز کردار سے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ غیر مذہب اور جاہل معاشرہ میں جو جانوروں کے پانی پینے پلانے پر طویل جنگوں میں مصروف رہتے تھے وہ بھی اس ماہ میں جنگ نہیں کرتے تھے۔اسلامی دنیا میں محرم کی اہمیت واقعہ کربلا کی وجہ سے زیادہ ہو گئی ۔حضرت امام حسینؓ کو جب کربلا کے میدان میں شہید کیا گیا،آپ کی شہادت کا واقعہ بہت لمبا اور دل سوز ہے جس کو لکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں اور پڑھنے کا حوصلہ آپ میں بھی نہ ہوگا۔ واقعہ کربلا میں 16 اہل بیت سمیت 76 افراد نے شہادت پائی۔جس دن حضرت امام حسین شہید ہوئے اس دن سورج گرہن ہوگیا۔حضرت امام حسین کی شہادت پر انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی روئے۔

یہ واقعہ ہجرت ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ مظلوم ، بے کس بے بس اور لاچار مسلمان کس طرح اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور کس طرح بیابان اور جنگل میں گئے اپنے آبلوں سے کانٹوں سے تواضع کی ، لو اور دھوپ کو دیکھا، تپتی ریت اور دہکتے کوئلوں کو ٹھنڈا کیا، جسم پر چرکے کھائے ، سینے پر زخم سجائے ، آخر منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیا، کامرانی وشادمانی کا زریں تاج اپنے سر پر رکھا اور پستی وگمنامی سے نکل کر شہرت ، عزت اور عظمت کے عروج پر پہنچ گئے۔ لیکن سوائے ناکامی آج ہم نے ہجرت کے حقیقی درس کو فراموش کر دیا۔

محرم الحرم کے ان واقعات میں دیکھا کہ اسلام کے لیے کتنی قربانیاں دی گئیں مگر افسوس آج کے مسلمان اس ماہ میں افسوس کے لیے کالے کپڑے پہننا، شادی بیاہ نہ کرنا جیسے کام تو کرتے ہیں مگر ان دو دن میں روزہ رکھنے کی جو سنت ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ اگر قربانی کا درس لینا ہے تو یہ محرم الحرام کا مہینہ کافی نہیں؟ آج ہم صرف نام کے مسلمان ہیں کیونکہ دشمن اسلام تو کسی طرح بھی مسلمان پر وار کرنے نے باز نہیں آرہا۔ فلسطین میں دیکھ لو اسرائیل روزانہ مسلمانوں کے شہید کرکے اپنی دشمنی کا ثبوت دے رہا ہے، کشمیر میں کتنا عرصہ گزرگیا مگر آج تو وہ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اگر اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے تو ہم اپنے اندر حضرت عمرؓ اور حضرت امام حسینؑ کی سی دلیر اور جذبہ شہادت رکھا مگر افسوس کہ مسلمان ممالک بڑی خاموشی سے ان کی اس بدمعاشی کو قبول کررہے ہیں۔ ہے کوئی ایسا حکمران اسلام ہے جو امام حسین کی سنت کو پورا کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کو اس قرب سے باہر نکالے؟ نہیں ایسا کوئی مسلمان حکمران نہیں کیونکہ یہ جذبہ تو ہم میں نہیں ہمارے بزرگوں میں تھا۔ ہم تو مفت کا مال کھا کر ہڈحرام ہوگئے ہیں۔ ہم کو دنیا عزیز ہے آخرت سے کوئی پیار نہیں۔

محرم آئینہ تاریخ میں10

مسلمانوں کے نئے سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ دورجہالت میں بھی اس مہینہ کو عزت واحترام سے دیکھا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ یہودیوں کے لیے بھی دس محرم کادن بہت معتبرک ہے اس دن یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی 10 محرم کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ 9 اور 10 محرم کے روزے رکھا کریں تاکہ ان سے تفریق ہو۔

یوم عاشورکے ساتھ کئی تاریخی اور عظیم واقعات منسوب ہیں جن میں دنیا بھرکے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش عاشورہ کے دن ہوئی تھی۔ عاشورہ کے روز ہی حضرت آدم علیہ السلام جنت میں داخل کئے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی عاشورہ کے روز ہی قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے عرش، سورج، چاند، ستارے،زمین،آسمان اور جنت کی تخلیق بھی اِسی دن کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور انہیں نمرود کی آگ سے نجات کے دونوں بڑے واقعات بھی اِسی روز پیش آئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات کا دن بھی عاشورہ تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اسی روز پیدا ہوئے اور اسی روز ہی انہیں آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔

عاشورہ کے دن جہاں یہ واقعات ہوئے اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات اس دن ملی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے اس دن لگی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت کا مالک اللہ نے اسی دن بنایا۔ اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آئی۔ اسی دن اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری سے نجات دی۔ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ نے نکاح بھی اسی دن کیا تھا۔ اسی دن پہلی بار آسمان سے بارش ہوئی تھی۔ قیامت آنے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے قیامت کے دن 10 محرم ہوگا اور جس وقت واقعہ کربلا ہوا اس روز بھی تاریخ 10 محرم ہی تھی۔

حضرت امام حسینؓ نے 10 محرم الحرام 61ھ کو جو عظیم قربانی دی اس واقع کو کئی صدیاں گزر گئیں مگر یہ آج بھی اپنی تروتازگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ آزادی کے متوالوں، ظلم سے ٹکرانے والوں، حق کا پرچم بلند کرنے والوں، امر بالمعروف و نہی از منکر کا پرچم تھامنے والوں اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے والوں کے لیے کربلا آج بھی مشعل راہ ہے۔ تحریک کربلا میں ہر مذہب و مسلک اور زندگی کے ہر شعبے کے افراد کے لیے یکساں رہنمائی فراہم کرتی

ہے۔ اس تحریک میں چھ ماہ کے بچے سے لیکر اسی سال کے بوڑھے تک اور پاکباز خواتین کے تاریخ ساز کردار سے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

غیر مذہب اور جاہل معاشرہ میں جو جانوروں کے پانی پینے پلانے پر طویل جنگوں میں مصروف رہتے تھے وہ بھی اس ماہ میں جنگ نہیں کرتے تھے۔اسلامی دنیا میں محرم کی اہمیت واقعہ کربلا کی وجہ سے زیادہ ہو گئی ۔حضرت امام حسینؓ کو جب کربلا کے میدان میں شہید کیا گیا، آپ کی شہادت کا واقعہ بہت لمبا اور دل سوز ہے جس کو لکھنے کی مجھ میں طاقت نہیں اور پڑھنے کا حوصلہ آپ میں بھی نہ ہوگا۔ واقعہ کربلا میں 16 اہل بیت سمیت 76 افراد نے شہادت پائی۔جس دن حضرت امام حسین شہید ہوئے اس دن سورج گرہن ہوگیا۔حضرت امام حسین کی شہادت پر انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی روئے۔

یہ واقعہ ہجرت ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ مظلوم ، بے کس بے بس اور لاچار مسلمان کس طرح اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور کس طرح بیابان اور جنگل میں گئے اپنے آبلوں سے کانٹوں سے تواضع کی ، لو اور دھوپ کو دیکھا، تپتی ریت اور دہکتے کوئلوں کو ٹھنڈا کیا، جسم پر چرکے کھائے ، سینے پر زخم سجائے ،آخر منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیا، کامرانی وشادمانی کا زریں تاج اپنے سر پر رکھا اور پستی و گمنامی سے نکل کر شہرت ، عزت اور عظمت کے عروج پر پہنچ

گئے۔ لیکن سوائے ناکامی آج ہم نے ہجرت کے حقیقی درس کو فراموش کر دیا۔

محرم الحرم کے ان واقعات میں دیکھا کہ اسلام کے لیے کتنی قربانیاں دی گئیں مگر افسوس آج کے مسلمان اس ماہ میں افسوس کے لیے کالے کپڑے پہننا، شادی بیاہ نہ کرنا جیسے کام تو کرتے ہیں مگر ان دودن میں روزہ رکھنے کی جو سنت ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ اگر قربانی کا درس لینا ہے تو یہ محرم الحرام کا مہینہ کافی نہیں؟ آج ہم صرف نام کے مسلمان ہیں کیونکہ دشمن اسلام تو کسی طرح بھی مسلمان پر وار کرنے نے باز نہیں آرہا۔ آج جبکہ عالم اسلام پر مصیبتوں کے بادل چھائے ہیں۔ افغانستان و عراق طاغوت وقت کے زیر نگیں ہے۔ فلسطین پر صیہونی قبضہ اور اہل فلسطین پر ظلم و ستم اپنی انتہا کو چھو رہا ہے۔ لبنان و شام پر بدامنی کے بادل چھائے ہیں۔ ساتھ ہی پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کی سازشیں عروج پر ہیں لیکن ان سے نمٹنے کی کوئی تدبیر نظر آتی ہے۔

قافلہء حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرا

کلمہ پڑھ لینا ہی مسلمان ہونے کے لیے ضروری نہیں اس پر عمل پیرا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اگر اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے تو ہم اپنے اندر حضرت عمرؓ اور حضرت امام حسینؓ کی سی دلیری اور جذبہ شہادت پیدا کرنا ہوگا مگر

افسوس کہ مسلمان ممالک بڑی خاموشی سے ان غیر مسلموں کی بدمعاشی کو قبول کر رہے ہیں ۔ ہے کوئی ایسا حاکم اسلام جو امام حسین کی سنت کو پورا کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کو اس قرب سے باہر نکالے ؟ نہیں ایسا کوئی مسلمان حکمران نہیں کیونکہ یہ جذبہ تو ہم میں نہیں ہمارے بڑوں میں تھا۔ ہم تو مفت کا مال کھا کر ہڈ حرام ہو گئے ہیں ۔ ہم کو دنیا عزیز ہے آخرت سے کوئی پیار نہیں۔ کیونکہ ہمارے اندر موت کا کوئی ڈر نہیں۔ ہمیں خدا کے قہر کا کوئی خوف نہیں۔ ہمیں اگر محبت ہے تو بس دنیاداری سے۔

آؤ آج عاشورہ کے دن یہ عہد کریں کہ ہم امام حسنؑ اور حسینؑ کی تقلید کرتے ہوئے ہمیشہ اسلام کے لیے لڑیں گے۔ دنیاداری کے بجائے اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔ فرقہ واریت کے بجائے صرف ایک اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کریں گے ۔

وکٹ کے دونوں طرف کون کھیل رہا ہے؟

بہت دنوں سے اس عنوان پر کالم لکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر ٹائم نہیں نکال پا رہا تھا۔ خان صاحب کے ایک خطاب نے مجھے یہ کالم لکھنے پر مجبور کردیا۔ عمران خان نے دس محرم سے پہلے اپنے دھرنے کے خطاب میں جماعت اسلامی کو آڑے ہاتھوں لیا۔ چیئرمین تحریک انصاف کا کہنا تھا کہ ''سراج الحق نے ہمیں اور (ن) لیگ کو ایک ہی سکے کے دو رخ قرار دیا ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ حق اور سچ کے ساتھ کھڑے ہوں گے کیونکہ ہم بھی جماعت اسلامی کی طرح ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی سمیت سب کہہ رہے ہیں کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی لیکن کوئی اس کے خلاف آواز اٹھانے والا نہیں ہے جبکہ جس جس نے دھاندلی کی نواز شریف نے ان سب کو نوازا ہے۔جب ملک میں مجرموں کو نوازا جائے اور ایماندار لوگوں کو باہر نکالا جائے تو ملک کس طرح ترقی کرسکتا ہے؟ جماعت اسلامی وکٹ کے دونوں جانب نہ کھیلے اور فیصلہ کرے کہ وہ تحریک انصاف کے ساتھ ہے یا (ن) لیگ کے کیونکہ ہماری نواز شریف سے کوئی ذاتی لڑائی نہیں اس لیے جرگے اور مذاکرات پر وقت برباد نہ کیا جائے، ہم نواز شریف سے کوئی مذاکرات نہیں کریں گے''۔

خان صاحب کے اس بیان کے ساتھ ہی ان کے دست راست اسد عمر نے تو جماعت اسلامی کو خیبر پختونخواہ میں شامل ہونے کے طعنہ بھی دے مارا۔ کوئی ان بھولے بادشاہوں کو بتائے کہ وکٹ کے دونوں طرف جماعت اسلامی نہیں بلکہ سب سیاستدان مل کر کھیل رہے ہیں۔ پی پی ایک طرف نواز شریف کا کلمہ پڑھ رہی تو دوسری طرف اشاروں اشاروں میں اس کو دھمکی بھی دے رہی ہے۔ خورشید شاہ حکومت کی حمایت میں بیان دیتا ہے تو دوسری طرف پی پی کا دوسرا عہدے دار حکومت کو ڈرانے کے لیے دھرنے کا خوف دلاتا ہے۔ جس کی واضح مثال آپ سب کے سامنے ہے کہ " مہاجر گالی" کا بیان خورشید شاہ نے دیا اور اسمبلی میں معافی ن لیگی وزیر مانگ رہے تھے۔ زرداری نواز زرداری بھائی بھائی کا نعرہ لگا رہا ہے تو بلاول حکومت کو دھمکی دے رہا ہے کہ پیپلز پارٹی نے لانگ مارچ کیا تو پورا ملک گو نواز گو، گو ضیا کا بچہ گو کا نعرہ لگائے گا۔ ان حالات میں ن لیگ تو درمیان میں پھنسی جیسے " رضیہ غنڈوں میں پھنس گئی ہو"۔ وہ کسی کے نہ مانے تو بھی مر گئے اور کسی کی مان لے تو بھی مر گئے۔

وکٹ کے دنوں طرف جہاں پی پی اور دوسری جماعتوں کا رول ہے ادھر خان صاحب آپ کا رول بھی کسی سے کم نہیں۔ آپ ایک طرف استعفے دے رہے ہو اور دوسری طرف آپ انفرادی طور پر پیش ہونے سے ڈر رہے ہو۔ اگر آپ واقعی استعفے دینا چاہتے ہو تو پھر اپنے باغی کی طرح انفرادی طور پر جا کر اسمبلی فلور پر کھلم کھلا

استعفیٰ دیکر ثابت کردو کہ آپ ان اسمبلیوں میں بیٹھنا نہیں چاہتے۔یہی نہیں ساتھ ساتھ لگے ہاتھوں ''کے پی کے'' کی حکومت کو بھی ٹھوکر ماردو کیونکہ یہ بھی اسی الیکشن کمیشن کے ذریعے معرض وجود میں آئی ہے جو نواز شریف کو لائی ہے۔پھر ٹھیک طریقے سے دمادم مست قلندر ہوگا۔

یہ کہاں کا دستور ہے کہ ایک طرف آپ نواز شریف کو وزیراعظم ماننے کے تیار نہیں اور دوسری طرف آپ کا وزیراعلیٰ نواز شریف سے ملاقاتیں کرتا پھر رہا ہے۔ایک اور بات شہباز شریف میٹرو بس چلائے تو وہ پنجاب کا پیسہ ضائع کر رہا ہے اور پرویز خٹک چلائے تو وہ عوام کی خدمت کر رہا ہے۔ یہ کونسی وکٹ ہے ایک طرف کی یا دونوں طرف کی؟

یہی نہیں مجھے یاد ہے جب باغی ن لیگ چھوڑ کر آیا تو وہ حقیقی باغی تھا کیونکہ اس نے حق کی خاطر آواز بلند کی اور آج جب اس نے پی ٹی آئی کو چھوڑا تو وہ دو نمبر باغی بن گیا۔کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟آپ پھر ایک اور غلطی کر رہے ہو کل جس ممتاز بھٹو نے اپنی پارٹی ن لیگ میں ضم کی تھی اور آج آپ اس سے مراسم بڑھا رہے ہیں۔قریشی صاحب ن لیگ کے ناراض لوگوں کو ملانے کے لیے سندھ کا دورہ بھی کر آئے ہیں تو کل کو ایسے لوگوں کی کیا گارنٹی ہے کہ جن کو اب ن لیگ کی حکومت میں کچھ نہیں ملا وہ آپ کے ساتھ نہ کچھ نہ ملنے پر

ساتھ رہیں گے ؟

خان صاحب آپ ہی نہیں ہم بھی پاکستان کو کرپشن سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ہم بھی بیروزگاری اور مہنگائی کے ہاتھوں تنگ ہیں۔آپ کو نئے پاکستان کے لیے ان پرانے سیاستدانوں سے چھٹکارا پانا ہوگا کیونکہ ایسے مفادپرست لوگ اپنے مفاد کے لیے کسی سے بھی مل سکتے ہیں۔ کل سردار آصف احمد علی قصور میں آپ کا ساتھ دینے کااعلان کرچکا تھامگرآج وہ طاہر القادری کے ساتھ ہیں۔ مجھے یاد ہے جب نواز شریف جلا وطنی کاٹ کرواپس آیا تو مصطفٰی کھر نواز شریف کے ساتھ ساتھ تھامگراب دھرنے میں اس کو طاہر القادری کے ساتھ دیکھاگیا۔ دونوں وکٹوں کی جو بات آپ نے کی اسکی زندہ مثال توآپ کے سامنے ہے کہ قادری صاحب اورآپ اکٹھے دھرنا دے رہے تھے اورآج قادری صاحب کینیڈا جابیٹھے ہیں اورآپ ابھی بھی اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ہو۔ سراج الحق توصرف ایک طرف کھیل رہے ہیں وہ بھی ملک کی طرف۔آپ کے استعفے منظور نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ سراج الحق صاحب ہیں۔ جنہوں نے حکومت کو مجبور کیاکہ وہ ابھی ان استعفوں کو منظور نہ کریں۔ وہ ہمیشہ آپ کو اور حکومت کو ڈائیلاگ کادرس دیتے رہے۔آج سراج الحق صاحب بھی خوش ہونگے کہ ان کی محنت رنگ لے آئیں کیونکہ آپ نے آج کم ازکم یہ تو مان لیاکہ سپریم کورٹ

کی قیادت میں اگر دھاندلی کی انکوائری ہو تو دھرنا ختم ہو سکتا ہے۔ دیر آئے پر درست آئے کے مترادف آپ کو سراج الحق کی بات سے اتفاق کرنا پڑا اور آپ کو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ سراج الحق اپنے لیے نہیں بلکہ ملکی مفاد میں وکٹ کے دونوں طرف کھیلے۔

شاہینوں کا شاہین، ہمارا اقبال

کالمسٹ لوگ ہر تاریخی دن کے حوالے سے کالم لکھتے رہتے ہیں کوئی اس دن کی اہمیت بیان کرتا ہے تو کوئی اس کی مخالفت پر لکھتا ہے۔ مگر آج میں جس شخصیت پر لکھا رہا ہوں وہ قیام پاکستان کی صف اول کی شخصیت ہے۔ جس انتھک محنت و کوشش سے یہ پاکستان معرض وجود میں آیا۔ میں آج اپنا قلم اس شخص کے نام کر رہا ہوں جو ہمارے دلوں پر راج کر رہا ہے۔ کبھی سیاست کے پختہ اصولوں سے تو کبھی شعر و شاعری کے ذریعے۔

علامہ محمد اقبال 9 نومبر کو پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤاجداد کا تعلق کشمیر سے تھامگر آپ لوگ ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے حاصل کی۔ ایف اے مرے کالج اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ ایم اے فلسفہ کا امتحان بھی گورنمنٹ کالج سے پاس کیااور اس کے بعد اسی کالج میں بطور پروفیسر پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری جرمنی سے حاصل کی۔ لندن میں علامہ اقبال نے عربی کا مضمون بھی پڑھایا۔

میں دیار غیر سے واپسی ہوئی اور اپنے ملک میں آ کر وکالت کا پیشہ اختیار کرلیا۔ 1908
میں شعر و شاعری شروع کردی۔ علامہ اقبال اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس 1934
نے مسلمانوں کو جگایااور غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے عوام کو
اکسایا۔ اس وقت جب مسلمان غلامی کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے ۔ایک طرف انگریز
ان پر ظلم ڈھاتے تو دوسری جانب ہندوؤں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا تھا۔ ان
حالات میں علامہ اقبال روشنی کی کرن بن کر سامنے آئے اور مسلمانوں کی اصلاح کا
بیڑا اٹھایا۔

آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑا۔ علامہ اقبال کی شاعری بہت
پُر اثر تھی۔ مسلمانوں کو ان کا فرض یاد رکھنے اور جوش ولوالہ پیدا کرنے میں اہم کردار
ادا کیا۔ جیسے آپ نے اپنے اس شعر میں سب کچھ واضح کردیا

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس طرح کے شعروں نے نہ صرف مسلمانوں کا حوصلہ بلند کیا بلکہ ارادوں میں اور پختگی
پیدا کردی۔آپ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ 1930 میں انہوں نے خطبہ الہ آباد
میں ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ

کیا۔ آپ کی اعلیٰ سوچ کی وجہ سے آپ کو مفکر پاکستان کا نام دیا گیا۔ آپ مسلمانوں کے لیے ایک چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں جو خود تو جل جاتا ہے مگر دوسروں کو اپنی روشنی دیتا ہے۔

یہ عظیم شخصیت ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔ اسی لیے 1910 میں حکومت برطانیہ نے آپ کو "سر" کا خطاب دیا اور قوم کی شاعری کے ذریعے خدمت کے سلسلے میں آپ کو شاعر مشرق کا نام بھی دیا گیا۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ آپ کی کتابوں میں پیام مشرق، بانگ درا، بال جبریل، جاوید نامہ اور اسرار خودی شامل ہیں۔

حکیم الامت، مصور پاکستان، تصور پاکستان علامہ محمد اقبال کے یوم ولادت پر ان کے کارناموں، خدمات اور عظمتوں کا مکمل احاطہ کرنا شاید مجھ جیسے کم علم آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ آپ کے عظیم کارناموں سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ آپ کے ذکر کے بغیر نہ تو پاکستان مکمل ہوتا ہے اور نہ تاریخ۔ پاکستان ہی نہیں بلکہ

ایران، ترکی، ہندوستان، وسط ایشیا، الغرض عرب و عجم سارا علامہ کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے شاعری کو محض تذکرہ محبوب اور حسن و عشق سے نکال کر ایک مقصد بخشا۔ مسلمانان برصغیر کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ خودی کا درس دے کر اغیار کی غلامی سے نکلنے کا سبق سکھایا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و

دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے اور ان کے فلسفے کو سمجھتے ہیں۔ اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔ ان کے کئی کتابوں کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جس سے بیرون ملک کے لوگ بھی متعارف ہیں۔ بلا مبالغہ علامہ اقبال ایک عظیم مفکر مانے جاتے ہیں۔

علامہ اقبال وہ شاعر ہیں جنہوں نے بڑے، چھوٹے، جوان، بزرگ اور بچوں کے لیے شاعری کی۔ آپ نے ساری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہونے لگی پھر یہ چراغ ہوا کے دوش پر ٹمٹمانے لگا اور آخر کار 21 اپریل 1938 کو ہمیں جاگتا چھوڑ کر خود ابدی نیند سوگیا۔ آپ کا مزار بادشاہی مسجد کے پہلو میں واقع ہے۔

اس طرح مسلمان سورج کی طرح روشن شخصیت کی روشنی سے تو محروم ہو گئے لیکن وہ آج بھی ہماری زندگیوں میں اِک روشن کتاب کی طرح موجود ہیں۔ یہ وطن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ مفکر پاکستان کون تھے اور کس طرح جدوجہد کر کے انہوں نے ہمیں یہ ملک لیکر دیا تھا۔ علامہ اقبال بے شک اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں مگر

ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہیں۔ شاعری کے ذریعے ہمارے جذبات میں بستے ہیں۔
اپنی تصانیف کی وجہ سے ہمارے معاشرے کا فرد ہیں۔

علامہ اقبال نے جو پاکستان کا تصور پیش کیا اور جس کی بنیاد قائداعظم نے رکھی اگر ہم آج اس پاکستان کو دیکھیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کہاں گیا وہ مسلمانی جذبہ جس کے سامنے غیر مسلم جھکتے تھے اور آج غیر مسلموں کے سامنے ہم جھک رہے ہیں۔ کل تک غیر مسلموں پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور آج ہم مسلمان حکومتیں بنا کر بھی غیر مسلموں کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ جس پاکستان کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور جس مقصد کے لیے یہ وطن آزاد کرایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ایسا پاکستان بنانے کی توفیق دے۔ آمین

فیکٹریوں کا موت بانٹتا زہریلا پانی

آج کل کے دور میں انسانی زندگی کی کوئی قدر و قیمت کچھ نہیں۔ آئے روز دھماکے، ڈرون حملے، ایکسیڈنٹ اور ذاتی دشمنی میں لوگ بلاجھجک مارے جا رہے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر قتل و غارت شروع ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں کوٹ رادھا کشن میں ہونے والے دل سوز واقعے نے انسانی روح تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنی بے دردی سے ان دو انسانوں کو جلتی آگ میں جلا کر راکھ کر دیا کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ آج کل اس واقعہ کا بول بالا ہر سو ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے وہ ظلم و ستم کرنے میں اشرف ہے۔

جس طرح کوٹ رادھا کشن میں دو مسیحی افراد کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا اسی طرح کچھ موت ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہیں ۔ انہی میں ایک موت وہ ہے جو فیکٹریوں سے نکلنے والے گندے اور زہریلے پانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جمبر کے قریب سے ایک روہی نالا گزرتا ہے جو اب گندا نالا بن چکا ہے ۔اس نالے پر بہت سی فیکٹریاں قائم ہیں جن میں پیپر ز مل، گھی بنانے کی فیکٹری اور کیمیکل فیکٹری شامل ہیں۔ کیمیکل فارس لمیٹڈ، مردہ جانوروں سے چربی نکالنے و فیڈ بنانے والی مہر برادرز و دیگر فیکٹریاں اپنا کیمیکل زدہ بدبودار اور

انتہائی زہریلا پانی اس میں ڈال رہی ہیں ۔روہی نالے پر پاکستان کی سب سے بڑی پیپر مل کے علاوہ اور بہت سی پیپرز مل بھی ہیں ۔جب ان ملز کے گندے کیمیکل کو نالے میں پھینکا جاتا ہے تو اتنی بدبو آتی ہے کہ مل کے ارد گرد کے علاقوں میں کئی کلومیٹر تک سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

جب ان فیکٹریوں کے خلاف کئی بار اخبارات میں خبر شائع ہوئیں تو فیکٹری مالکان سمیت حکومتی ادارے حرکت میں تو ضرور آئے مگر عوام کی حمایت میں نہیں بلکہ عوام پر دباؤ ڈالنے کے لیے۔ انہوں نے سب سے پہلے فیکٹریوں کے ساتھ منسلک گاؤں کے مسجد مکتب سکول کے اساتذہ اور رہائشیوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ آپ لوگ ہمیں لکھ کر دیں کہ ہمیں ان فیکٹریوں سے کوئی پریشانی نہیں ہے جبکہ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ پہلے اساتذہ کرام اور علاقے کے رہائشیوں نے صحافیوں کو بتایا تھا کہ ہم عرصہ دراز سے عذاب کی زندگی گزار رہے ہیں اور کوئی بھی ہمارا پرسان حال نہیں ہے کیونکہ ہم غریب لوگ ہیں اور ہماری کوئی سنتا ہی نہیں ہے اور ہم نے بڑوں بڑوں کے بھی دروازے کھٹکھٹائے مگر کوئی بھی محکمہ ہماری بات سننے کو تیار ہی نہیں۔

ستم بالائے ستم اس روہی نالے کا زہریلا پانی پنجاب کے 13 اضلاع کو سیراب کرنے والی بڑی نہر بی ایس لنک کینال میں گرایا جارہا ہے جس سے پنجاب کے 13 اضلاع قصور، اوکاڑہ، وہاڑی، پاکپتن، بہاولنگر، بہاولپور، رحیم یارخاں

سمیت دیگر اضلاع کی لاکھوں ایکڑ زرعی اراضی سیراب ہو رہی ہے اور کئی اضلاع کے لوگ بھی اسی نہر کا پانی پینے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اس زہریلے پانی سے جہاں پر ہزاروں ایکڑ اراضی زہریلی بن رہی ہے وہیں پر ہزاروں انسان اور حیوان گندا پانی پینے سے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر زندہ لاشیں بن چکے ہیں اور محکمہ انہار اور محکمہ ماحولیات کے قانون کے مطابق دریاؤں اور نہروں میں گندا پانی گرانا جرم ہے مگر یہاں پر قابل افسوس بات یہ ہے کہ 13 اضلاع کے انسانوں، حیوانوں اور زمینوں کیلیے خطرہ بننے والی فیکٹریوں کے خلاف تاحال کوئی کاروائی عمل میں نہ لائی جا سکی ہے۔

محکمہ ماحولیات و دیگر محکمے صرف پیسے بنانے کے چکر میں عوام کی زندگیوں سے کھیلنے والی فیکٹریوں سے صرف اور صرف نذرانے وصول کرتے ہیں۔ حال ہی میں ایک پیپر مل نے مقامی ریسٹورنٹ میں ماحولیات اور دیگر محکمے کے افسران کو علاقے سے ان لوگوں کو ملوایا جو فیکٹری مالکان کے دوست احباب تھے۔ انہوں نے ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی اور اچھا کھانا کھا کر سب اچھے کی رپورٹ دے دی۔ کوئی محکمہ ماحولیات اور محکمہ انہار والوں سے پوچھے ان کے جو نمائندے پوچھ گچھ کرنے آئے تھے وہ عوام سے ملنے آئے تھے یا ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے آئے تھے؟

میں محکمہ ماحولیات اور ان سے وابستہ محکموں سے کہتا ہوں کہ وہ آئیں اور ان

کو حقیقت سے روشناس کراتا ہوں۔ مقامی فیکٹریوں کی طرف سے گندا اور زہریلا پانی زیر زمین ڈالنے کی وجہ سے جمبر سمیت گردونواح اور خصوصاً" دیو کی":کا زیر زمین پانی اس قدر زہریلا ہو چکا ہے کہ جس کی وجہ سے بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں کے دانت، پیٹ خراب اور ہڈیاں ٹیڑھی ہو چکی ہیں اور اکثر افراد نوجوانی میں ہی بوڑھے لگنے لگے ہیں اور طرح طرح کی بیماریاں لوگوں اور بچوں کو لگ چکی ہیں جبکہ بدبو کی وجہ سے اکثر بچے بیمار رہتے ہیں۔

عوامی و سماجی تنظیموں نے اکثر اعلیٰ حکام اور چیف جسٹس آف پاکستان سے دیہاتوں کا زیر زمین پانی گندا کرنے والی فیکٹری مالکان اور متعلقہ محکموں کے نا اہل افسران کے خلاف فوری طور پر کارروائی کرتے ہوئے ان فیکٹریوں کو فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا مگر کسی نے بھی ان موت بانٹتی فیکٹریوں اور افسران کے خلاف ایکشن نہیں لیا۔ کیا غریب کی زندگی زندگی نہیں ہوتی ؟ ان علاقوں کی آنے والی نسلیں بھی بیماری لیکر پیدا ہوتی ہیں جو غریب شخص اس مہنگائی کے دور میں اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتا وہ کہاں سے ان کے علاج کے لیے لاکھوں روپے لائے؟ میں نے یہ کالم اخبار کی زینت بنانے کے لیے نہیں لکھا بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرا کالم عوام کی آواز بن کر حکام بالا تک پہنچ جائے اور حکام بالا اور چیف جسٹس آف پاکستان اس کالم کو پڑھ کر ان

علاقوں میں انصاف مہیا کرسکیں۔ غریب کو بھی وہی حق حاصل ہے جو یہ امیر لوگ اپنے لیے رکھتے ہیں۔ یہ خود تو اپنے گھروں میں منرل واٹر استعمال کرتے ہیں اور غریب سے صاف پانی پینے کا بھی حق چھین رہے ہیں۔

پڑھے لکھے بدزباں

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کے تیرے دل میں اتر جائے میری بات

آج کل کے دور میں جہاں تعلیم کو بہت اہمیت دی جارہی ہے وہاں پر یہ پڑھا لکھا طبقہ فحش زبان کا استعمال بھی بہت زیادہ کر رہا ہے۔ ایک ان پڑھ ، جاہل انسان سے تو بے ہودہ الفاظ استعمال کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے مگر جب پڑھا لکھا انسان ایسی زبان استعمال کرے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ زبان کا بے ہودہ اور ناجائز استعمال خواہ کسی بھی شکل میں ہو "گالی کہلاتا" ہے۔ اردو ڈکشنری کے مطابق گالی بدزبانی اور فحش گوئی کا نام ہے۔ اسلام میں گالی کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ مگر افسوس آج ہمارے معاشرے میں گالی گلوچ کا چلن روز بروز عام ہو رہا ہے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی گلوچ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی چار نشانیاں ہیں۔ جب بولے جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور جب جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ ایک طرف تو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی گلوچ سے منع کیا اور فرمایا کہ گالی گلوچ کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا اور دوسری طرف اخلاقی طور پر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ گالی کا جواب گالی سے نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس طرح کرنے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر سنت نبوی ﷺ کو اہمیت نہیں دیتے۔ ذرا ذرا سی بات پر گالی دینا تو لوگوں کا تکیہ کلام بن چکا ہے۔اپنے مسلمان بھائی کی دل آزاری کرنا برا نہیں سمجھتے۔ کسی مسلمان کی دل آزاری کرنا یہ بہت سخت گناہ ہے اور گالی کے ذریعے انسان کو شدید تکلیف ہوتی ہے کوئی اس تکلیف کا اظہار کر دیتا ہے اور کوئی صبر کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اسلام نے صرف مسلموں کو نہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی اہل ایمان کو گالی دے تو کس قدر سخت گناہ ہوگا اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

کبیرہ گناہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بڑے گناہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو جواب میں وہ اس کے والدین کو

گالی دیتا ہے۔ گویا کہ کسی کے والدین کو گالی دینا در حقیقت حقیقی والدین کو گالی دینے کے برابر ہے۔ مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ آج کے دور میں ایسے بد نصیب لوگ بھی معاشرے میں موجود ہے جو براہ راست اپنے والدین کو گالیاں دے کر جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔

آج جاہل لوگوں کے ساتھ ساتھ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں بھی ایسے طالبعلموں کو دیکھا ہے جو اپنی بات کا آغاز اپنے دوستوں سے گالی کے ساتھ کرتے ہیں۔ والدین لاکھوں روپے لگا کر ان کو تعلیم دلواتے ہیں مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ گالی دینا کتنا بڑا گناہ ہے۔ گالی کے علاوہ وہ اپنے دوستوں کو ایسے ناموں سے پکارتے ہیں جن سے ان کی دل آزاری ہوتی مگر انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ اپنے دوست کے دل کو کس قدر اذیت دے رہے ہیں۔

ہمارے سیاستدان بھی آج کل اپنے اندازبیاں میں کسی سے پیچھے نہیں۔ حال ہی میں جو کچھ سیاستدانوں نے اپنے جارحانہ انداز میں ایک دوسرے کی تذلیل کی وہ ڈھکی چھپی نہیں۔ ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں اور لاکھوں لوگوں نے ٹی وی پر بھی وہ سب کچھ سنا۔ بہت سے لوگ تو ایسے بے ہودہ الفاظ استعمال کرنے والے لیڈر کی حوصلہ افزائی کررہے ہوتے ہیں۔ افسوس صد افسوس عوام جن کو اپنا لیڈر بناتی ہے اور وہی لیڈر اپنے مخالفین کے لیے ایسے ریمارکس دیتے ہیں کہ قلم

لکھنے سے قاصر ہے۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو بڑے میٹھے الفاظ میں بولتے ہیں مگر اسٹیج پر بے ہودہ زبان بولنا مہذب لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔ کوئی کالمسٹ برادری کو ''بکاؤ مال'' ہونے کا طعنہ دے رہا ہے تو کوئی عوام کو'' کی کمین'' بنا رہا ہے۔

تمام انسان اللہ کی اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں مگر اونچ نیچ اور امیر غریب یہ صرف دنیا داری کے لیے ہیں۔ یہ سب سٹیٹس کو دنیا میں ہی ہے آخرت میں سب ایک ساتھ اکٹھے ہوں گے اور دنیا کا تمام نظام دنیا میں رہ جائے گا۔

تفریحی مقامات یا بے حیائی کے ٹھکانے

ہمارے معاشرے میں اس وقت فحاشی اور بے حیائی نے بڑا نام کمایا ہوا ہے۔ اسکی ایک وجہ کیبل نیٹ ورک ہے ۔ہمارے کیبل نیٹ ورک پر انڈین چینلز کا راج ہے۔ اگر کہیں پر 100 چینلز دکھائے جارہے ہیں تو ان میں 80 چینلز انڈین ہونگے اور باقی پاکستانی۔ اب تو پاکستانی چینلز بھی انڈین ڈرامے اور فلم دکھا رہے ہیں۔ان فلموں اور ڈراموں میں بے تحاشا کی بے حیائی بھری ہوئی ہے۔ جس سے ہماری نوجوان نسل بے حیائی کی طرف راغب ہے۔اس بے حیائی کی وجہ سے ہر روز اخبارات میں نت نئی خبر پڑھنے کو ملتی ہے۔ کبھی کسی سکول میں، کبھی کسی محلے میں اور کبھی کوئی پیر صاحب اپنے مریدنی کو درندگی کا نشانہ بنارہے ہیں تو کہیں پر چھیڑ خانی کرنے پر گولیاں چلائی جارہی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت عورت کی حفاظت کے بجائے اسکی تذلیل کی جارہی ہے۔ ہمارے اسلام نے عورت کو جو مقام دیا آج اس کی نفی کی جارہی ہے۔ پاکستان بھر میں حکومت نے بہت سے تفریحی مقامات بنائے ہوئے ہیں ۔ جہاں پر دور دراز علاقوں سے لوگ آتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ان تفریحی مقامات پر یاتو سیکورٹی انتظامات ہوتے نہیں اور اگر ہوتے ہیں تو بہت ناقص

ہوتے ہیں۔ سیر و سیاحت کے حوالے سے مجھے لوگوں نے بتایا کہ شاہی قلعہ،
مینار پاکستان سمیت لاہور کے دیگر تفریحی مقامات پر سکولوں، کالجوں کے علاوہ اور بہت
سے آوارہ لڑکے آوارگی کرتے نظر آتے ہیں۔ بجائے سکول یا کالج جانے کے وہ اپنے
بیگ کے ہمراہ ان تفریحی گاہوں میں بے مقصد گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے یہ
بھی کہا کہ کوئی شریف انسان تو اپنی فیملی کو اس طرف لے جانا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔
میں نے ان کی باتوں مد نظر رکھتے ہوئے ان تفریحی مقامات کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیااور
چند دوستوں کے ساتھ ان مقامات کی سیر کے لیے پہنچ گیا۔ جس وقت میں اپنے
دوستوں کے ہمراہ شاہی قلعے میں داخل ہواا تو اسے دیکھ کر شاہی دور کی یادتازہ ہو گئ
جس کے متعلق ہم نے کتابوں میں پڑھا ہوا تھا۔ میں شاہی قلعے کی سیر کم اور ادھر کے
ماحول کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ میں سیر سے زیادہ ان لوگوں کا متلاشی تھا جو اس
خوبصورت قلعے کی خوبصورتی پر بدنما دھبہ لگا رہے ہیں اور پھر میں نے حقیقت میں دیکھ
لیا کہ کالجوں اور سکول کے طالب علم اپنے کاندھوں پر بیگ لٹکائے ادھر ادھر گھومتے پھر
رہے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں موبائل ہے تو کوئی ٹیبلٹ لیے ہوئے تھا۔ چند ایک تو لیپ
ٹاپ لیے بیٹھے تھے۔ ان کے کیمرے آن اور ہر آنے جانے والے (خاص کر لڑکیوں)
کی تصاویر بنا رہے تھے۔ میں یہ سب کچھ شاہی قلعے میں دیکھنے کے بعد مینار پاکستان کی

طرف چلا گیا۔ شاہی قلعے میں ٹکٹ ہونے کی وجہ سے یا شائد چاروں طرف باونڈری ہونے کی وجہ سے نوبت یہاں تک تھی مگر مینار پاکستان پر تو اللہ کی پناہ۔

میں نے دیکھا اوباش نوجوان زمین پر لیپ ٹاپ رکھے ہوئے ہیں۔ سامنے ان کے سکول یا کالج بیگ ہیں اور وہ بڑے مزے سے کیمرے کی آنکھ سے لڑکیوں کی تصاویر بنا رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟ تو بولے ہم تو اپنا کام کر رہے ہیں اور جلد ہی اپنی فرضی فائل اوپن کر لی۔ خیر میں ان سے پوچھ گچھ کرکے آگے جھولو ں کی طرف بڑھا تو وہاں ایک ایسا سین دیکھا کہ دل خون کے آنسو بہانے لگا۔ وہاں پر چند لڑکوں نے جاتی ہوئی لڑکیوں پر فقرے کسنے شروع کر دیے جواباً ایک دو لڑکیوں نے ان کو گالیاں دینا شروع کر دیں تو ان لڑکوں نے اور زیادہ بکواس شروع کر دی۔ میں نے جب یہ دیکھا تو خاموش نہ رہا گیا اور میں نے ان کو ایسی حرکت کرنے سے منع کیا تو وہ مجھ سے ہی الجھ پڑھے ۔جب میں ان کو برا بھلا کہنے لگا تو ان کی حمایت میں اور چار پانچ لڑکے آ گئے اور بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ اسی دوران موٹر سائیکل پر سوار دو پولیس ملازم ادھر پہنچ گئے ۔جب میں نے ان کو بتایا کہ ان لڑکوں نے یہاں سے گزرنے والی بچیوں سے بد تمیزی کی ہے تو بجائے اس کے کہ قانون حرکت میں آتا پولیس والوں نے ان لڑکوں کو ادھر سے بھگا دیا۔ خیر میں معاملہ رفع دفع کرکے آگے کی طرف چلا گیا جب ہم لوگ جھیل کی طرف گئے تو پھر وہی آوارہ لڑکے ادھر آ گئے

اور پھر سے گالم گلوچ دینا شروع ہو گئے۔ جب میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب سین دیکھا تو مجھے اُن لوگوں کی بات کا شدت سے احساس ہوا کہ واقعی کوئی بھی شخص اپنی فیملی کو ان تاریخی مقامات کی سیر کی طرف نہیں لائے گا۔

عزت تو ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری حکومت ایسے آوارہ لوگوں سے ان پارک کو پاک کیوں نہیں کرتی؟ کیا ہماری تعلیم ہمیں یہ ہی سبق دیتی ہے کہ اپنے بہن بیٹی کی عزت کرنے کے بجائے اس کو سر عام رسوا کریں۔ ہم اسلام کا پرچار تو بہت کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

میرا کالم لکھنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اس کو پڑھ کر بس افسوس کیا جائے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ صوبائی حکومت اور حکام بالا ایسی حرکتوں کا سختی سے نوٹس لے اور نہ صرف تفریحی مقامات پر سیکورٹی سخت کی جائے بلکہ ادھر شکایت آفس قائم کیا جائے جہاں پر ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے فوری ایکشن لیا جاسکے اور ایسے واقعات رونما ہونے کی صورت میں آوارہ اور بد چلن لوگوں کو موقع پر سزا دی جائے۔ ان تفریحی مقامات پر لوگ دور دراز سے آتے ہیں اور آوارہ لوگوں کا گروہ مقامی ہونے کے ناطے ان سیاحوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ حکومت کو فی الفور ایسے واقعات روکنے کے لیے سخت سے سخت اقدامات

اٹھانے چاہییں تاکہ ان تاریخی مقامات کا حسن مزید دوبالا ہو سکے۔

معذوروں کا عالمی دن اور ہمارا کردار

3 دسمبر کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں معذوروں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا اصل مقصد معذور افراد سے اظہار یکجہتی کرنا ہے اور انکو یہ بتانا کہ وہ بھی اسی معاشرے کے اہم رکن ہیں۔ معاشرے میں انکے تعمیری کردار کیلئے راہ ہموار کرنا ہے تاکہ معذور افراد بھی ملک و قوم کی ترقی میں عام افراد کی طرح حصہ لیں۔ اس دن کو منانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا بھر میں معذور افراد کو زندگی کے ہر دھارے میں شامل کرنا اور تمام معذور افراد کو پورے اور برابر انسانی حقوق دینا ہے۔ معذوری بھی ایک احساس کا نام ہے تاہم اپنے عمل سے معذور افراد بھی دنیا کا ہر کام عام افراد کی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے مطابق اس وقت پاکستان میں کل آبادی کا سات فیصد معذور افراد پر مشتمل ہے جب کہ پوری دنیا میں اس کا تناسب دس فیصد ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت دنیا میں چھ سو پچاس ملین سے زائد افراد اپاہج ہیں یعنی دنیا کی آبادی کا دس فیصد حصہ معذوروں کا ہے۔ المیہ کی بات یہ ہے کہ ان ترقی پذیر ممالک میں اپاہج لوگوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں کم ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ان لوگوں کو دنیا بھر کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں اور انکے علاج معالجے کا بوجھ حکومتوں پر ہوتا

ہے جبکہ ترقی پذیر ممالک میں ان کو بوجھ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت دنیا میں تقریباً20 ملین نا مولود بچے ماں کی کمزوری اور دوسری وجوہات کی بنا پر معذور پیدا ہوتے ہیں تاہم انسان کے اپنے ہی ہاتھوں انسانیت دشمن پالیسیوں اور کارروائیوں سے بھی بے شمار لوگوں کو معذور بنایا جا رہا ہے۔آج پاکستان بھر میں بچوں کو معذوری سے بچانے کے لیے پولیو مہم بہت زوروں پر ہے۔پاکستان ان تین ممالک میں شامل ہے جہاں پولیو کا متعدی مرض پایا جاتا ہے۔اقوام متحدہ (UN) کی جانب سے پاکستان پر زور دیا جا رہا ہے کہ بچوں کو مفلوج کر ڈالنے والی اس بیماری کا خاتمہ کیا جائے۔عالمی ادارہ صحت نے حکومت پاکستان کو 2015 دسمبر تک پولیو وائرس کے خاتمے کا ہدف دیدیا اور کہا ہے کہ کراچی میں پولیو وائرس نے تباہی پھیلا رکھی ہے لہذا کراچی میں خصوصی مہم جاری رکھی جائے اور مطلوبہ ہدف کو ہر حال میں مکمل کیا جائے۔اس صورتحال پر حکومت پاکستان نے چاروں صوبائی حکومتوں کو خصوصی ٹاسک دیتے ہوئے ہدایت دی ہے کہ اپنے اپنے صوبوں میں پولیووائرس کے خاتمے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔حکومت سندھ نے کراچی میں پولیووائرس کی تباہی کو دیکھتے ہوئے16 دسمبر سے21 دسمبر چلائی جانے والی خصوصی پولیو مہم کے دوران پولیو انجکشن لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔

معذور افراد جو نہایت حساس ہوتے ہیں۔ موجودہ حالات میں انکی حساسیت اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ انہیں توجہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں پیار کی ضرورت ہوتی ہے۔

معاشرے میں لاتعداد افراد موجود ہیں جنہیں مناسب رہنمائی اور پذیرائی مل جائے تو وہ نہ صرف اپنا بلکہ اپنے کنبے کی کفالت کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ ایسے معذور افراد معاشرے کے کارگر شہری بھی بن کر ملک و قوم کا نام دنیا بھر میں روشن کر سکتے ہیں۔ خصوصی افراد نے دنیا کے ہر شعبے میں اپنا لوہا منوایا اور اپنی صلاحیتوں سے یہ ثابت کر دیا اگر ان کے ساتھ تعاون کیا جائے تو یہ عام لوگوں کی طرح اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔

آج کے دن حکومت اور این جی اوز معذور افراد کے حوالے سے تقریبات منعقد کرتی ہیں۔ جن میں بڑی بڑی تقریریں اور دعوے کیا جاتے ہیں۔ اچھا کھانا پینا ہوتا ہے اور پھر کھیل ختم پیسہ ہضم۔ معذور افراد جہاں تھے وہ وہیں رہیں گے ان کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ انہیں اگر معاشرے کا کارگر شہری بنانا ہے انہیں اگر انکے ہونے کا احساس دلانا ہے اور انہیں اگر قومی دھارے میں شامل کرنا ہے تو اس کیلئے میدان عمل میں آنا ہو گا۔ بڑے بڑے ادارے بنانے اور تقریبات منعقد کرنے سے آپ کی نیک نامی تو ضرور ہو جائے گی مگر ان معذوروں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اگر ان سے محبت دکھانی ہے تو انکے قریب جائیں، ان کے ساتھ زندگی کے حسین لمحات گذاریں تاکہ انکا احساس محروری کم ہو سکے۔ انہیں

انکی اہمیت کا احساس دلائیں، ان کی باتیں سنیں ،انہیں پیار کریں اور انکے کیے ہوئے کاموں پر ان کا حوصلہ بڑھائیں۔ ایسے اور بھی بہت سے کام ہیں جو معاشرے کا ایک عام فرد بہتر انداز میں کر سکتا ہے۔ تاہم آج کے دن اگر ان چند کاموں میں سے کوئی ایک کام کر لیں تو بھی کم از کم آج کے دن کا تقاضا پورا ہو ہی جائیگا۔ آج کا دن منانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم رنگ، نسل اور ذات سے بالاتر ہو کر یہ عہد کریں کہ خصوصی افراد کی بحالی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے۔

ہمیں خونی سیاست نہیں چاہیے

سیاست ایک طریقہ کار ہے جس کے ذریعے عوامی حلقوں کے مسائل پر بحث یا کارروائی ہوتی ہے اور ریاستی فیصلے عوامی رائے عامہ کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔پاکستان ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوریت اس ملک کی شان ہے مگر افسوس اس بات کا ہے پاکستان میں جمہوریت سے زیادہ آمریت کا دوردورہ رہا ہے۔پاکستان میں بہت سے سیاستدانوں کو آمریت کی پیداوار کا طعنہ بھی دیا جاتا ہے۔پاکستان میں جمہوریت کی یہ شان صرف زبانی کلامی اور دکھاوے کی ہے۔ جمہوریت کے دعوے دار تو ہم سب ہیں مگر ہمیں جمہوریت کہیں بھی نظر نہیں آتی۔

پاکستان کی سیاست میں ماردھاڑ قائداعظم کی وفات کے بعد سے جاری ہے۔ سیاست میں اپنے حریف کو نیچا دکھانے کے لیے قتل و غارت سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ قائداعظم نے اس کا ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا تھا مگر قائداعظم کی وفات کے بعد سے آج تک اس جمہوری ملک میں کوئی بھی کام جمہوریت کے مطابق نہیں ہورہا۔

فاطمہ جناح کی سیاست سے لیکر آج تک تمام سیاستدان ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے نظر آئے۔ فاطمہ جناح کی شکست بھی اسی کھینچاتانی کا پیش خیمہ تھی۔ لیاقت علی خان کے قتل سے لیکر بے نظیر کی شہادت تک کتنے

پاکستانی لیڈر اس خونی سیاست کی بھینٹ چڑھے ہیں مگر افسوس ہمارے سیاستدان اس کھیل میں ہمیشہ اپنا مفاد عزیز رکھتے ہیں۔

پاکستانی سیاست میں جہاں بڑے بڑے لیڈروں نے اپنی جانوں کے نظرانے دیے وہاں سیاسی کارکنوں کی شہادت پر لکھنے بیٹھیں تو کاغذ بھر جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی مگر انکی تفصیل مکمل نہیں ہو گی۔ پاکستان میں 14 اگست سے آج تک دھرنوں، احتجاج اور شہر شہر جلسے جلوسوں کی سیاست عروج پر ہے۔ یہ جلسے جلوس کوئی ایک سیاسی پارٹی کی طرف سے نہیں ہو رہے بلکہ تقریباً ہر پارٹی نے اپنا اپنا جوش دکھایا اور پھر جو زبان ان جلسوں میں استعمال کی گئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کہیں پر خانصاحب حکمرانوں کو دھمکا رہے ہیں تو کہیں پر بلاول صاحب اپنے جوانی کا جوش دکھا رہے ہیں۔ شیخ صاحب کے تو کیا کہنے وہ تو عامل بابا بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تو پہلے ہی فرما دیا تھا کہ مجھے اس سیاست میں خون نظر آ رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خونی انقلاب دستک دے رہا ہے؟ 14 اگست سے 7 دسمبر تک ہر طرف سے یہی کوشش رہی کہ کوئی جانی نقصان نہ ہو مگر فیصل آباد میں آخر کار وہ ہو گیا جس کی امید نہ تھی۔ آخر ان دو پہلوانوں کی کشتی غریب انسان اپنی جان سے ہار گیا۔ یہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لڑائی عوام کے لیے ہے یا پھر

اپنے مفاد کے لیے۔ آخر کب تک عوام ان سیاسی لیڈروں کے لیے اپنی جانوں کے نظرانے پیش کرتے رہیں گے؟ کیا یہ سیاستدان بھی کبھی عوام کے لیے ایک ہوں گے؟ اگر یہ لوگ پاکستان اور عوام کے لیے مخلص ہیں تو پھر کرسی کی سیاست کو چھوڑ کر اکٹھے کیوں نہیں ہوتے؟ اگر عمران خان عوام کے لیے سب کچھ کر رہا ہے تو پھر جو کچھ ان کے ذہن میں پلان ہے تو وہ عوامی فلاح و بہبود اور ملکی مفاد کے لیے حکومت کو کیوں نہیں بتا دیتے اور اگر میاں برادران ملک سے مخلص ہیں تو پھر وہ اپنی اس کرسی کی سیاست کو چھوڑ کر عمران خان کا ساتھ دے دیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ کونسا لیڈر عوام سے مخلص ہے؟

عوام بیچارے ہر دور میں خسارے میں رہے۔ حکمران بدل جاتے ہیں مگر عوام کے تلخ حالات نہیں بدلتے۔ ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سیاستدانوں اور عوام کو ہدایت دے اور جس طرح کا واقعہ فیصل آباد میں پیش آیا ایسا واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔ لیکن یہ بات سیاستدان بھی یاد رکھیں کہ قوم جب سارے سیاست دانوں سے مایوس ہو جائے تو پھر ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے خونی انقلاب۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم کی بدولت خونی انقلاب

سے محفوظ رکھے اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے لیے اور پاکستان کے لیے محبت بھر دے۔

16 دسمبر ’’سقوط ڈھاکہ‘‘

’’وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا‘‘ یہ محاورہ اپنے اندر نہ صرف بہت گہرے معنی رکھتا ہے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے معنی خود ہی واضح بھی کر دیتا ہے۔ دسمبر 1971 سے پہلے پاکستان اور بنگلہ دیش ایک ہی تھے۔ بنگلہ دیش پاکستان کا ہی حصہ تھا مگر دسمبر کے وسط ہوتے ہی وقت نے کروٹ لی اور پاکستان یک جان سے دولخت ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش معرض وجود میں آگیا۔

16 دسمبر کا دن جنوبی ایشیا کے دو ملکوں کے لیے انتہائی اہم بھی ہے اور اپنے اندر متضاد معنی اور جذبات بھی رکھتا ہے۔ یہ دن جہاں بنگلہ دیش کے لیے ان کی آزادی کا دن ہے ادھر ہی یہ پاکستانیوں کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب 1971ء کو ڈھاکہ کے میدان میں ایک بڑے ہجوم کی موجودگی میں پاکستانی فوج کے مشرقی بازو کے کمانڈر جنرل نیازی نے بھارتی فوج کے کمانڈر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی تقریب کے بعد ملک کے دو حصے ایک دوسرے سے عملی اور قانونی طور پر الگ ہو گئے تھے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کا الگ ہونے کا واقعہ اچانک رونما نہیں ہوا بلکہ اس

کے پیچھے برسوں کی محرومیوں اور ناانصافیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان فاصلوں کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب اردو کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا گیا کیونکہ بنگالی اپنی زبان کو قومی زبان کے درجے پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے چلائی جانے والی تحریک نے پاکستان کے دونوں حصوں کی علیحدگی کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھی۔ اس تحریک کے نتیجے میں اردو کے ساتھ ساتھ بنگالی کو بھی ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا۔

جب 1965ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ٹینکوں کی ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔ اس موقع پر مشرقی حصے کی حفاظت کے لیے کوئی قابل ذکر انتظام موجود نہیں تھا۔ جس سے محرومی کے ساتھ عدم تحفظ کے احساس بھی پیدا ہوا۔ انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں انہیں ان کا جائز حصہ نہیں مل رہا، خاص طور پر دفاعی اداروں میں تو ان کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔

اسی دوران عوامی لیگ کے سرکردہ راہنما شیخ مجیب الرحمٰن کو ایک کیس میں گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے فروری 1966ء میں مندرجہ ذیل چھ نکات پیش کیے:

1: ملک میں وفاقی نظام قائم کیا جائے۔

2: وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ کے محکمے ہوں باقی امور

ریاستوں کے پاس ہوں۔

ریاستوں کے لیے جداگانہ مالی پالیسی اختیار کی جائے اور مشرقی پاکستان کا سکہ الگ :3 ہو۔

وفاقی حکومتوں کو ٹیکس لگانے کا اختیار نہیں ہوگا۔ :4

مشرقی اور مغربی پاکستان کی بیرونی تجارت کے بھی علیحدہ علیحدہ حسابات ہوں۔ :5

ریاستوں کو نیم فوجی اور علاقائی فوجی دستے رکھنے کا آئینی اختیار ہو۔ :6

یہ نکات مرکزی حکومت کے اختیارات پر شدید ضرب لگاتے تھے۔ مغربی حصے میں یہ تاثر عام تھا کہ ان نکات کے پیچھے پڑوسی ملک کا ہاتھ ہے۔ اس لیے وہاں پر چھ نکات کی شدید مخالفت کی گئی جبکہ بنگال میں انہیں بڑے پیمانے پر پذیرائی ملی۔ مجیب الرحمٰن نے مطالبہ کیا کہ آئین سازی ان چھ نکات کو بنیاد بنا کر کی جائے۔ معاملہ آئین سازی کے ذریعے اور اسمبلی میں تو حل نہ ہو سکا تاہم 'میدان' میں حل کرنے کی کوشش بھی ناکام ہو گئی اور پاکستان دولخت ہو گیا۔

ایوب خان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد ملک کی باگ دوڑ جنرل یحیٰی کے ہاتھ میں

آ گئی۔ انہوں نے ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر انتخابات کرائے۔ جس میں مشرقی حصے میں شیخ مجیب کی جماعت نے مکمل کامیابی حاصل کی جب کہ مغربی حصے میں انہیں کوئی نمائندگی نہ ملی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے مشرقی اور مغربی حصے کی سیاسی قیادتیں دونوں حصوں کی نمائندہ نہ رہیں۔

مغربی حصے میں پارلیمنٹ میں اکثریت ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے نکات میں کچھ لچک پیدا کریں لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ اور ملک کے لیے نئے آئین کی تیاری کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ ادھر مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے جذبات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اور شدت پسندوں کی جانب سے مغربی پاکستان سے آئے ہوئے ملازموں، کارکنوں اور کاروباری افراد پر حملے شروع ہو گئے۔ 23 مارچ 1971ء کو یوم پاکستان کے موقع پر علیحدگی پسندوں نے ہر جگہ بنگلہ دیش کے پرچم لہرائے اور تقریبات منعقد کیں۔ اس عرصے میں غیر بنگالیوں پر تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں ہلاک کیا گیا اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کا نشانہ مغربی پاکستان سے آئے ہوئے کئی سیکیورٹی اہل کار اور ان کے خاندان بھی بنے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب جنرل یحیٰی خان نے فوجی کارروائی کے ذریعے امن وامان قائم کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے شیخ مجیب کو

گرفتار کرلیا اور باغیوں کے خلاف سخت کارروائی شروع کردی۔ کئی مہینوں تک جاری رہنے والی اس کارروائی میں بڑی تعداد میں بنگالی ہلاک ہوئے ہوئے اور لاکھوں افراد جان بچانے کے لیے سرحد پار کرکے بھارت چلے گئے۔ بھارت میں عوامی لیگ کی جلاوطن قیادت نے مکتی باہنی کے نام سے عسکری تنظم قائم کرکے پاکستانی فوجیوں پر حملے شروع کردیے۔ جب فوج ان کا پیچھا کرتی تو وہ سرحد پار بھاگ جاتے، جب کہ سرحد پر بھارتی فوج پاکستانیوں کا راستہ روکتی۔ جس سے سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہونے لگا۔ اور پھر اسی سال دسمبر میں اپنی مشرقی سرحدوں پر بھارتی فوج کا دباؤ کم کرنے کے لیے جنرل یحیٰی خان نے مغربی پاکستان کا محاذ کھول دیا جس سے بھارت کو اپنے فوجی دستے مشرقی پاکستان میں داخل کرنے کا جواز مل گیا۔

پاکستان کی فوج زیادہ دنوں تک مقابلہ جاری نہ رکھ سکی کیونکہ اسے بھارتی فورسز اور بنگالیوں دونوں کی جانب سے حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اور پھر 16 دسمبر کا وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب جنرل نیازی نے پلٹن کے میدان میں ہتھیار ڈال دیے۔ اس جنگ میں پاکستان کے نوے ہزار سے زیادہ فوجی اور سویلین عہدے دار جنگی قیدی بنالیے گئے، جن کی واپسی ایک طویل عرصے کے بعد ممکن ہو سکی۔

پاکستان کو دولخت کرنے میں جہاں کچھ محرومیاں تھیں ادھر ہی شیخ مجیب کی مکارانہ پالیسیوں کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ شیخ مجیب خاندان کی غدارانہ ذہانت کا آج بھی پتہ چل رہا ہے جب اس کی بیٹی حسینہ واجد چن چن کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے رہی ہے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد آج پھر یہ سوال ہمارے سامنے ہے کہ اس واقعہ سے ہم نے کیا سیکھا ؟ ملک دشمن قوتوں کا ساتھ دینے والے انجام کو کب پہنچیں گے ؟ کب ہم کفار کے چنگل سے آزاد ہونگے ؟ کیا ہم کبھی ایک امت اور ایک قوم بن سکیں گے ؟

کس کے ہاتھ میں اپنا لہو تلاش کروں

16 دسمبر پاکستان کی تاریخ میں سیاہ دن کے طور پر منایا جاتا تھا کیونکہ اس تاریخ کو سقوط ڈھاکا کا واقعہ رونما ہوا تھا اور اسی تاریخ کو پشاور سکول میں دہشت گردوں نے دہشت گردی کر کے زیادہ سیاہ کر دیا۔ ان درندہ صفت انسانوں (ان کو انسان کہنا بھی انسان کی تذلیل ہے) کو معصوم بچوں پر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ کہنے کو یہ دہشت گرد اپنے آپ کو مسلمان اور دین کے ٹھیکدار سمجھتے ہیں مگر ان کے کام اسلام تو دور انسانیت کے قابل بھی نہیں۔ کل پشاور میں ہونے والے دل سوز واقعے پر پاکستان بھر میں ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر طرف پشاور کے اس المناک واقعے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

پشاور کا آرمی پبلک سکول اپنے معمول کے مطابق کھلا۔ طالبعلموں کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ مسکراہٹیں اور شرارتیں سکول میں جاری تھیں۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کیا کہ یہ شرارتیں اور مسکراہٹیں ان کے چہروں پر آج آخری بار ہیں۔ ساڑھے دس بجے کا ٹائم تھا جب درندہ صفت دہشت گرد دیوار پھلانگ کر سکول میں داخل ہوئے۔ اطلاع کے مطابق حملہ آوروں کی تعداد 6 تھی۔ وہ ایک گاڑی کے ذریعے سکول میں پہنچے اور اپنا ثبوت ختم کرنے کے لئے گاڑی کو آگ لگا دی۔ سکول میں داخل

ہونے کے بعد دہشت گرد کلاس رومز میں داخل ہوئے اور بچوں پر اندھا دھند فائرنگ کر دی جس سے بہت سے بچے موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

دہشت گردوں نے طلباء کی بڑی تعداد کو سکول آڈیٹوریم میں یرغمال بنا لیا جہاں پر میٹرک کے طلباء کی الوداعی تقریب ہو رہی تھی۔ حملے کی اطلاع ملتے ہی سیکورٹی فورسز اور پولیس نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ سیکورٹی فورسز کی جانب سے پوزیشنیں سنبھالنے کے بعد سکول کی عمارت سے وقفے وقفے سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں جس میں متعدد بچے شہید ہو گئے۔ عسکری ذرائع کے مطابق 2 دہشتگردوں نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا جبکہ سیکورٹی فورسز سے مقابلے میں 4 حملہ آور مارے گئے۔

آج کل انسان کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ ہر طرف اموات بانٹی جا رہی ہیں۔ کہیں پر دھماکوں کے ذریعے تو کہیں پر ذاتی دشمنی کی بھینٹ لوگوں کو چڑھایا جا رہا ہے۔ انسان کو چیونٹی کی موت مارا جا رہا ہے۔ پھر انہیں اموات پر سیاست چمکائی جا رہی ہے۔ میت کو سڑکوں پر رکھ احتجاج کیا جا رہا ہے۔

چند ماہ پہلے ماڈل ٹاؤن میں ایک بڑا سانحہ پیش آیا جس میں تقریباً سترہ لوگوں کو شہید کیا گیا۔ مرنے والے اپنے جان سے گئے مگر ہمارے سیاستدانوں کو

ان لاشوں پر سیاست کرنے کا موقع مل گیا۔ قادری صاحب نے ان کے لیے اسلام آباد میں دھرنا دیا اور ان کے قتل کا ذمہ دار حکومت کا ٹھہرایا مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ان شہیدوں کو مہرہ بنا کر وہ اپنی سیاست کر گئے لیکن ان کے قاتل آج بھی نامعلوم ہو کر پاکستان میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ قادری صاحب نے بڑے بڑے دعوے کیے کہ جب تک نواز شریف اور شہباز شریف کے خلاف ان کا مقدمہ درج نہیں ہوتا وہ اسلام آباد سے نہیں جائیں گے۔ اسلام آباد میں دھرنے کی وجہ سے ملکی معشیت کو کافی تباہی کا سامنا کرنا پڑا مگر ان سیاستدانوں کی نورا کشتی میں مرنے والوں کو انصاف آج تک نہیں ملا۔

چند دن پہلے عمران خان نے فیصل آباد کو مظاہرین کی نظر کیا تو اس میں ایک شخص اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس پر بھی سیاستدانوں نے میڈیا پر خوب واویلا کیا۔ تحریک انصاف نے اس کا قتل ن لیگ کے کھاتے میں ڈالا اور ن لیگ نے ایک بار پھر اس کے قتل سے انکار کیا۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آج تک جتنے سیاسی کارکن شہید ہوئے ان کا کوئی قاتل پکڑا نہیں گیا کسی پارٹی پر قتل ثابت ہونے پر پابندی نہیں لگی مگر ہر احتجاجی دور میں کارکنوں کی ہلاکت ضرور ہوئی ہے۔ کیا سیاست اسی کا نام ہے کہ غریب کو مروا کر خود اس پر عیاشی کرو۔

اب جب ایک بار پھر خان صاحب نے لاہور کو بند کرنے کا حکم صادر کیا تو پی ٹی آئی کے جنونی لوگ چاروں طرف پھیل گئے اور لاہور کی مشہور شاہراؤں کو ٹائر جلا کر بند کر دیا۔ ان مظاہروں کے دوران خان صاحب مختلف شاہراوں سے گزرتے رہے اور ان کے کارکن شاہراوں کو بند کرتے رہے۔ اس دوران ذرائع کے مطابق تین سے چار مریض ایمبولینس میں دم توڑ گئے کیونکہ ان کو ہسپتال پہنچنے کا راستہ نہ مل سکا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن اور فیصل آباد کی ایف آئی آر تو حکومت کے خلاف درج کرانے کا زور و شور ہو رہا ہے۔ خان صاحب اور قادری صاحب بضد ہیں کہ ان کے کارکنوں کی قاتل حکومت ہے مگر جو لوگ ایمبولینس میں دم توڑ گئے ان کی ایف آئی آر کون اور کس کے خلاف درج کرائے گا؟ کیا وہ جانیں قیمتی نہیں تھیں؟ کیا ان کا کوئی والی وارث نہیں؟ ایک اطلاع کے مطابق فیروزوالہ میں مرنے والے بچے کے ورثاء نے روڈ بلاک کرکے پی ٹی آئی کے خلاف احتجاج ریکارڈ کرایا۔

یہ ہم سب کے لیے سوچنے اور غور کرنے کا وقت ہے کہ ہم کب تک سیاست کے نام پر اور ان دہشت گردوں سے قیمتی جانیں ضائع کراتے رہیں گے؟ رب العزت سے یہی دعا کر سکتے ہیں اللہ ہمارے ملک پر رحم کرے اور اس کو اپنی امان میں رکھے (آمین)

" کبڈی ورلڈ کپ ''شرم تم کو مگر نہیں آتی

''پاکستان اور ہندوستان'' آزاد خود مختار ریاستوں کے قیام کے دن سے آج تک دونوں ممالک ایک دوسرے کے مخالف رہے ہیں۔ دونوں میں بہت سی جغرافیائی ، سیاسی، لسانی اور معاشرتی قربتوں کے باوجود اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جس کی اصل بنیاد دو قومی نظریے کی شکل میں منظر عام پر آئی اور تقسیم ہند کا باعث بنی۔ پاکستان اور بھارت میں جھگڑے کی اصل وجہ سرحدی تنازع ہے کیونکہ بھارت نے پاکستان کے حصے میں آئے کشمیر پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔اس مسئلے پر کئی جنگیں بھی لڑی جاچکی ہیں ۔ ان بے شمار بحرانوں کے باوجود دونوں حریف ایٹمی قوت بن چکے ہیں۔ بھارت اور پاکستان جب بھی کسی میدان میں آمنے سامنے ہوتے ہیں ساری دنیا کی نظریں اس پر مرکوز ہوتی ہیں۔

کھیل کے میدان میں تو ماہرین اس کو پاک بھارت جنگ کا نام دیتے ہیں۔ کرکٹ کا کھیل دنیا میں فٹ بال کے بعد سب سے زیادہ مشہور کھیل ہے۔ جس وقت پاکستان اور بھارت میدان میں اترتے ہیں وہ میدان دنیا کے کسی بھی شہر میں ہو تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ ایک ایک گیند اس طرح کھیلی اور دیکھی جاتی ہے جیسے مارو یا مرجاؤ۔ ہاکی کے میدان کی بھی یہی صورت حال ہوتی ہے۔

جو عوام میدان میں نہیں پہنچ سکتی وہ اپنے ٹی وی پر نظریں جمائیں بیٹھے رہتے ہیں۔ گلیا ں سنسان ہو جاتی ہیں۔ کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھارت کے رونے کی عادت آج تک نہیں گئی۔ بھارت نے پاکستان کی مخالفت کا کوئی بھی وقت ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آئی سی سی کو جس طرح بھارت نے یرغمال بنایا اس کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ''بگ تھری'' کے نام سے اس وقت بھارت سمیت تین ملک کرکٹ پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

حال ہی میں چمپئینز ٹرافی کے سیمی فائنل میں پاکستان نے بھارت کو اس کے گھر میں ایسی مات دی کہ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ شکست تو بھارت کو پہلے بھی کئی بار ہوئی مگر اس کے گھر میں اور اسکی عوام کے سامنے مات دینے کا اپنی ہی مزا تھا۔ اس شکست کے بعد بھلا ہو انٹر نیشنل قوانین کا جس کی وجہ سے پاکستانی کھلاڑیوں کی جان بخشی گئی ورنہ ان کا بس چلتا تو وہ پاکستانی کھلاڑیوں کو وہیں پر گولی مار دیتے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے میڈیا کے ساتھ ملکر پاکستان کے کھلاڑیوں پر گھٹیا اور بے ہودہ الزام لگا دیے۔ ''خواجہ کا گواہ ڈڈو'' کے مترادف انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن نے فوراً دو پاکستانی کھلاڑیوں کو پابندی کی بھینٹ چڑھا کر پاکستان کو فائنل میں شکست سے دوچار کروا دیا۔ انٹر نیشنل ہاکی فیڈریشن نے اس فیصلے کے فوراً بعد اپنی آنکھوں پر کالا چشمہ لگا لیا تاکہ اس کو کچھ نظر نہ آسکے اور اس کا ثبوت ہاکی فیڈریشن نے فائنل میں دے دیا جب جرمن کھلاڑیوں کے بے ہودہ حرکات و سکنات کو دیکھنے کے باوجود ایکشن نہ لے

سکا۔ اس کی اصل وجہ آپ سب کو معلوم ہے کیونکہ یہ حرکات پاکستان کے خلاف تھی جس پر ایکشن لیناہاکی فیڈریشن نے ضروری نہ سمجھا اگر یہی حرکات پاکستانی کھلاڑی کرتے تو شاید اس بار پاکستان پر تاحیات ہاکی کے دروازے بند کردیے جاتے۔

یہ تو ہاکی کی بات تھی بے شرم انڈیا نے جو کچھ کبڈی کے فائنل میں کیا وہ تو ساری دنیا دیکھ لیا۔ کبڈی وہ واحد کھیل ہے جو پاک بھارت کے دیہاتوں میں (Live) نے لائیو بہت زیادہ مشہور ہے۔ یہ بھارت اور پاکستان کے صوبہ پنجاب میں سب سے زیادہ کھیلا جاتاہے۔ یہ کھیل صرف اور صرف طاقت کے زور پر کھیلا جاتا ہے۔ اس کبڈی ورلڈ کپ سے پہلے چار ورلڈکپ کھیلے جاچکے ہیں اور چاروں ورلڈکپ جیتنے کا اعزاز بھارت کو حاصل ہے۔ پانچویں کبڈی ورلڈکپ کا فائنل تھااس فائنل میچ میں بھارت کا مقابلہ پاکستان سے تھا۔ اس میچ میں پاکستان کو بھارت کے ہاتھوں شکست کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ فائنل میچ دونوں ٹیموں کے لیے پاک بھارت جنگ سے کم نہ تھا۔ پہلے تین کواٹرز میں پاکستان کو بھارت پر 1 پوائنٹ کی برتری حاصل رہی لیکن آخری کواٹر میں بھارت نے 42 کے مقابلے 45 پوائنٹس کے ساتھ پاکستان کو شکست دے دی۔ شکست تو پاکستان کو ہوئی مگر اس کے پیچھے جو ہاتھ پوشیدہ تھے وہ سب نے دیکھ لیے۔ آج تک کھیل میں کوئی بھی ناانصافی ہو اس کی آواز بہت دیر بعد سنی گئی مگر اس شکست کے خلاف پاکستان کبڈی ٹیم کے

کپتان شفیق احمد چشتی نے اسی موقع پر بلند کر دی۔ بقول ان کے کہ ” ہمارے ساتھ نا انصافی کی گئی ہے۔ اگر بھارت نے کپ اپنے پاس ہی رکھنا ہے تو ہمارا کھیلنے آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔انہوں نے یہ بھی دھمکی دی ہے کہ اگر غیر منصفانہ فیصلے ہونے ہیں تو پاکستان کبڈی ٹیم کبھی پاکستان کھیلنے نہیں آئے گی“۔انہوں نے مزید بتایا کہ ” پاکستانی کھلاڑیوں کو پانی بھی پینے نہیں دیا گیا اور میچ کو مقررہ وقت سے پہلے ختم کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھارتی کھلاڑیوں نے اپنے جسم پر تیل اور بام وغیرہ لگائی ہوئی جو قانون کے خلاف ہے۔ جبکہ بھارتی ٹیم کے لیے تمام سہولیات موجود تھیں۔انہوں نے کہا کہ اگر امپائروں نے جانب دارانہ فیصلے کرنے ہیں تو ہم آئندہ کبھی میچ نہیں کھیلیں گے“۔

اس ٹورنامنٹ میں پاکستان کی بے شک دوسری پوزیشن رہی اور پاکستان کو ایک کروڑ روپے انعام میں بھی دیا گیا مگر پاکستانی ٹیم نے اپنا احتجاج پوری دنیا کو دکھا دیا کہ بھارت کتنا بے ایمان اور خود غرض ہے۔پاکستانی کھلاڑیوں نے تقسیم انعامات کے موقع پر انعام لینے کے انکار کر دیا۔ بھارت کی پوری مینجمنٹ اس وقت پاکستانی ٹیم کی منت ساجت پر لگ گئی اور مجبوراً پاکستان کے کپتان کو وہ انعام لینا پڑا۔

افسوس فائنل ہارنے کا نہیں کیونکہ کھیل میں ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ اتنی ناانصافی ہونے کے باوجود انٹرنیشنل لیول پر مینجمنٹ آنکھیں کیوں بند کرکے بیٹھی رہتی ہے؟ اگر میں پاکستان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر لکھنے بیٹھوں تو بہت سے صفحات بھر سکتا ہوں مگر لکھنے کا فائدہ تب ہی ہے جب ہمارے حکمران اس پر ایکشن لیں۔ اگر اس طرح ہی ہر میدان میں ہمیں بھارت کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کرانا ہے تو پھر اس سے بہتر ہے کہ اس کھیل میں حصہ ہی نہ لیا جائے کیونکہ حکمرانوں کا تو پتہ نہیں مگر عوام کا غلط فیصلے اور ناانصافی پر خون کھولتا ہے۔

"ملت کا پاسباں ہے" محمد علی جناح

لا الہ اللہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لئے دولت اور منصب کو پیروں تلے روند کر لندن سے انڈیا آنے والے اور ہمیں ایک آزاد قوم کی حیثیت دلانے والے شخص کا نام قائدِ اعظم ہے۔ آپ 25 دسمبر 1876 کو روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام پونجا جناح تھا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ نے باقاعدہ تعلیم کراچی مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے انگلستان چلے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ملازمت کی اور پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لے لیا۔ 1896 میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت آپ نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ انڈیا واپس آنے کے بعد آپ نے ممبئی میں وکالت شروع کی اور جلد ہی بہت نام کمایا۔ برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے ہوئی جو آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے نہ صرف تاریخ کا دھارا بدلا بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ قائدِ اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے وہ قائد تھے جن کی قیادت میں پاکستان نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی۔ آپ کو پاکستان کا پہلا گورنر

جنرل بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے ابتداء میں آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے۔کانگرس سے اختلافات کی وجہ سے آپ نے اس پارٹی کو چھوڑ دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر چودہ نکات پیش کئے۔ مسلم لیڈروں سے اختلافات کی وجہ سے آپ برطانیہ چلے گئے۔علامہ اقبال کی کوششوں کی وجہ سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔1946 کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی بیشتر نشستوں میں کامیابی حاصل کی۔

ہندوستان واپسی کے بعد قائدا عظم نے ممبئی میں قیام کیا۔آپ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان چاہتے تھے۔ان کی نظر میں آزادی کا صحیح راستہ قانونی اور آئینی ہتھیاروں کو استعمال کرنا تھا۔اس ہی دوران میں آل انڈیا مسلم لیگ ایک اہم جماعت بن کر سیاسی افق پر ابھرنے لگی۔ 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان پیش ہوئی جہاں سے پاکستان کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔1940کے بعد قائدا عظم تپ دق کا شکار ہوئے۔صرف ان کی بہن اور ان کے چند قریبی لوگ ان کی حالت سے واقف تھے۔آپ کی انتھک محنت اس وقت رنگ لائی جب 14اگست 1947 کو دنیاکے کے نقشے پر پاکستان بن کر ابھرا۔آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اسی لیے آپ کو مستحکم پاکستان بنانے کے لیے دن رات ایک کرنا پڑا۔ بد قسمتی سے آپ قیام پاکستان کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہ سکے اور11 ستمبر 1948 کو دنیائے فانی سے کوچ کرکے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

ایک حیرت انگیز اور قابل غور پہلو پر غور کیجئے۔آپ ذرا غور کریں اور تھوڑی سی تحقیق کریں تو آپ خود حیرت زدہ ہو جائیں گے۔ قائد اعظم کا انتقال 11 ستمبر 1948 کو ہوا۔ سے لیکر آج تک پاکستان کا یوم آزادی، قائد اعظم کا یوم ولادت اور قائد اعظم 1948 کا یوم وفات ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اسکی وضاحت کے لئے آپ کو موجودہ سال کی مثال دیتا ہوں۔ پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست.بروز بدھ تھا۔ قائد اعظم کا یوم وفات 11 ستمبر.بروز بدھ تھا اور اب قائد اعظم کا یوم پیدائش 25 دسمبر بھی بدھ کے دن منایا جارہا ہے۔آپ غور کریں کہ قائد اعظم اور پاکستان ایک دوسرے کے لئے کس طرح لازم و ملزوم ہیں اور ہر سال قائد اعظم کا یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم پاکستان مختلف مہینے ہونے کے باوجود ایک ہی دن ہوتا ہے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد سے آج تک ہماری عوام قائد اعظم جیسا رہنما تلاش کررہی ہے کیونکہ قائداعظم ہمیں پاکستان تو دے گئے مگر اپنا جانشین نہ دیکر جاسکے۔پاکستان کو بنے کئی سال گزر گئے مگر ہم اس دن سے آج تک ہم اس پاکستان کو تلاش کررہے جس کا خواب قائداعظم نے دیکھا تھا۔ ہم قائدکے فرمان تو ضرور پڑھتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک کے جو حالات ہیں ان کو دیکھ کر تو ہمارے قائد کی روح بھی کانپ رہی ہوگی۔ کہئے

کو تو ہمارا ملک آزاد ہے مگر یہاں پر آج بھی انگریزوں بنائے ہوئے اصول چل رہے ہیں۔ ہماری معشیت آج بھی ان کی غلام ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں کے تابع ہیں۔

اس وقت عوام کو اپنے قائد کی یاد شدت سے آتی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پاکستان بحرانوں سے نکل سکتا ہے تو صرف قائداعظم کے افکار اور ان کے طریق سیاست پر عمل پیرا ہو کر۔ عوام محسوس کرتے ہیں کہ سیاسی قائدین میں اصولوں کی پاسداری میں قائداعظم جیسی استقامت ہونی چاہئے۔اپنے مفادات کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ حکمرانوں کے گفتار اور کردار میں تضاد نہیں ہونا چاہئے۔افسوس ہم جس طرف نگاہ اٹھاتے ہیں ایسا کردار بہت کم نظر آتا ہے۔۔ہمارے آج کے قائدین کے بیانات اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔اپنے مفادات کی خاطر مصلحتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

عوام اپنے موجودہ اور سابقہ حکمرانوں سے، اپنے ان سیاستدانوں سے جو اقتدار کے خواب دیکھ رہے ہیں، اپنے بیوروکریٹوں سے، اپنے علماء سے، اپنے تاجروں سے،اپنے قانون دانوں سے ،اپنے صنعتکاروں سے اور اپنے اساتذہ سے صرف '' قائداعظم کا پاکستان'' مانگتے ہیں۔ جہاں ہمارے سیاستدان فیصلے ملک کے مفاد میں کرتے ہوں۔ جہاں میرٹ کو ترجیح حاصل ہو، جہاں قانون امیر غریب کے لئے یکساں ہو۔ قائداعظم نے پاکستان کے نظام میں مغربی جمہوریت کی کئی بار

نفی فرمائی۔ قائداعظم کی تقاریر اٹھا کر دیکھ لیں ہمیں ہر بیان میں اسلام اور قرآنی نظام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آج قائداعظم محمد علی جناح ہم میں نہیں لیکن ان کی تعلیمات ان کی فکر ان کی سوچ ان کے طرز زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ قائد نے ہمیں یہ آزاد ملک اس لئے دیا کہ ہم اس ملک میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

پنکی سے بے نظیر تک

27 دسمبر 2007 کا دن پاکستان کی تاریخ میں نام کر گیا کیونکہ اس دن پہلی مسلمان خاتون وزیر اعظم اور ہر دلعزیز لیڈر محترمہ بینظیر بھٹو کو شہید کر دیا گیا تھا۔ ان کی شہادت کا دکھ آج تک عوام نہیں بھولی۔ مجھے یاد ہے جس روز یہ واقعہ ہوا میں بی اے کا پیپر دیکر آ رہا تھا۔ میں پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کر رہا تھا جب مجھے میرے ایک دوست نے فون کیا کہ لیاقت باغ میں پی پی کے جلسے میں خود کش حملہ ہو گیا ہے۔ جس میں بے نظیر شہید ہو گئیں ہیں۔ مجھے اس کی یہ بات سن کر یقین نہیں آیا کیونکہ میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ مگر جب میں اپنے بس سٹاپ پر اترا تو مجھے دیکھ کر ایسا لگا جیسے دھماکہ پنڈی میں نہیں میرے شہر جمبر میں ہوا ہے۔ ہر طرف خاموشی خاموشی اور سوگ کا ماحول تھا۔ ہر کوئی محترمہ "پنکی" کی بات کر رہا تھا خواہ وہ کیسی بھی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کوئی شک والی بات نہیں محترمہ بینظیر بھٹو ملک کے چاروں صوبوں کی زنجیر تھیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کے ساتھ ہی پاکستانی سیاست کا ایک باب جو بھٹو خاندان کے نام سے چل رہا تھا، ختم ہو گیا۔ جو اب کبھی بھی شروع نہیں ہو سکتا۔ محترمہ نے اپنی جان اپنے باپ شہید ذوالفقار علی بھٹو کے اصولوں پر چلتے ہوئے ملک میں جمہوریت کی بحالی اور عوام کے حقوق کی جنگ لڑتے ہوئے دی۔

محترمہ بینظیر بھٹو 21 جون 1952 کو پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔ اس کے بعد راولپنڈی منتقل ہو گئیں اور اپنی تعلیم جاری رکھی۔ پنکی کے نام سے پکاری جانے والی بچی نے 15 سال کی عمر میں اولیول کا امتحان پاس کیا اور پھر اے لیول مکمل کرنے کے بعد کراچی آ گئی۔ پاکستان میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لیے بیرون ممالک چلی گئی۔ 5 سال تک ریڈکلف کالج اور ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں زیر تعلیم رہی۔ اسی دوران بی اے کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے مزید تعلیم حاصل کرنے برطانیہ چلی گئی۔ یہاں آکسفورڈ میں فلسفہ، سیاست اور معاشیات کے مضامین میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے انہیں پڑھا اوراس کے علاوہ آکسفورڈ سے بین الاقوامی قانون اور ڈپلومیسی کے مضامین میں بھی خاصی دلچسپی لی۔ 1976 میں آکسفورڈ یونین کا صدر بھی بننے کا اعزاز حاحل کیا۔ بے نظیر کی شادی 18 دسمبر 1987 کو زرداری خاندان کے نوجوان آصف علی سے ہوئی۔ جو آج مملکت پاکستان کے صدر ہیں۔ بے نظیر کی اولاد میں تین بچے بلاول، بختاور اور آصفہ ہیں۔ اس حقیقت سے نہ صرف اہل پاکستان ہی اچھی طرح سے واقف ہیں بلکہ ساری دنیا بھی یہ خوب جانتی ہے کہ بھٹو خاندان کا چراغ کس طرح گل ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی۔ ان کے بڑے بیٹے شاہ نواز بھٹو کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد محترمہ کے دوسرے بھائی مرتضی بھٹو کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کا سفر سیاست کا آغاز جنرل ضیاالحق کی شہادت کے بعد شروع ہوا۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد ملک میں ہونے والے 1988 کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار نئے جذبے کے ساتھ شریک ہوئی اور ان انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی بھاری مینڈیٹ سے کامیاب ہوئی۔ اس طرح 1988 میں محترمہ بینظیر بھٹو نہ صرف ملک کی بلکہ امت مسلمہ کی پہلی خاتون وزیراعظم بن گئیں۔

1993 کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر کامیاب ہوئی تو محترمہ بینظیر بھٹو کو ملک کا دوسری بار وزیراعظم منتخب کرلیا گیا مگر اپنے ہی بنائے ہوئے صدر کے ہاتھوں اپنی حکومت کا خاتمہ کرایا۔ 1998 میں نواز شریف کے دوراقتدار میں کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ 12 اکتوبر 1999 کو جب جنرل پرویز مشرف نواز شریف کی حکومت پر شب خون مار کر ملک پر قابض ہوگیا اور نواز شریف کو ان کے اہل خانہ سمیت راتوں رات جہاز میں بٹھا کر جلاوطن کر دیا۔ پہلے تو صرف محترمہ ہی ملک سے باہر تھیں اور اب تو نواز شریف بھی ملک سے باہر تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب پرویز مشرف پر عالمی دباؤ بڑھا تو اس آمر جنرل نے محترمہ بھٹو سے دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کر دی۔ جب بے نظیر بھٹو اپنی طویل جلاوطنی کے بعد 18 اکتوبر 2007 کو کراچی واپس آئیں تو ان کے تاریخی استقبالیہ جلوس میں بم دھماکہ ہوا۔ اس قاتلانہ حملے میں محترمہ بینظیر بھٹو خوش قسمتی سے محفوظ رہیں۔ آپ بلاخوف وخطر ملک کے

کونے کونے میں اپنے انتخابی جلسے اور جلوسوں کی قیادت کرتی رہیں مگر 27 دسمبر 2007 کو جب ایک انتخابی جلسے کے دوران راولپنڈی کے لیاقت باغ میں محترمہ بینظیر بھٹو پر آخری قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا جب خطاب کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر واپس جا رہی تھیں۔ اس دوران لیاقت باغ نے خون سے اپنی زمین کو رنگین کر لیا۔ یاد رہے اس سے پہلے بھی اسی باغ میں ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھی شہید کیا گیا تھا۔

پیپلز پارٹی پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار اپنی معیادمدت پوری کر گئی مگر افسوس اس بات کا ہے کہ پانچ سال گزر جانے کے باوجود محترمہ شہید بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث عناصر منظرِ عام پر نہیں آسکے ہیں۔ شہید بے نظیر کے جدا ہونے کے بعد آج ملک میں ہر جگہ انارکی پھیل رہی ہے۔ وہ سیاستدان جو پاکستان کی اکائی کے لیے جان نثار کر گئی آج اسی کی جماعت کی حکومت میں ہر طرف بدامنی اور وحشت و دہشت کا سماں ہے۔ باپ اور بیٹے میں اختلاف کی خبریں گردش میں ہیں۔

آج ”پنکی“ کے منہ بولے بھائی کی حکومت ہے جو اپنے انتخابی جلسوں میں اعلان کرتا تھا کہ ”بی بی“ کے قاتل میں بے نقاب کروں گا مگر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا مگر ابھی تک کوئی گن سن نہیں۔ ہر بندہ اپنے اپنے کام میں مگن

ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ بی بی کے شہادت کے دن ان لوگوں کو میڈیا پر آ کر بڑے بڑے دعوے کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ہر سیاستدان اس دن بے نظیر سے اپنی اپنی محبت کا اظہار کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے مگر عوام آج بھی ان کے قاتلوں کے بے نقاب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ہماری اللہ تعالی سے یہی دعا ہے کہ اللہ محترمہ بے نظیر شہید کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام دے۔

کھیل کے میدان میں کیا کھویا کیا پایا" 2014"

سال 2014 اختتام تقریباً ہو چکا ہے۔ اس سال میں جہاں ہم نے بہت کچھ پایا وہاں ہم نے بہت کچھ کھویا بھی ہے۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ کی طرح ہمارے کھیل کے میدانوں میں بھی کچھ اسی طرح کی کیفیت رہی۔ کبھی خوشی کبھی غم میں ڈھلتے ہوئے لمحات میں یہ سال بھی پورا ہوگیا۔ اب نئے سال میں نئی امیدوں کے ساتھ ہم قدم رکھیں گے۔ 2014 میں ہمارے کھیل کے میدانوں میں کیا ہوا اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ 2014 پاکستان کے کھیل کے میدانوں میں کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا۔ سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کی طرح پاکستان کے کھیل کے میدانوں میں پاکستان کی کارکردگی میں اتار چڑھاؤ دیکھنے میں آیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ تنازعات بھی پیچھا کرتے رہے۔ پاکستانی کرکٹ چونکا دینے والی خبروں کے اعتبار سے شہ سرخیوں میں رہی۔ پی سی بی کی چیئرمین شپ کو حاصل کرنے کی کوشش میں اس عہدے کو پانے والے فریقین اس کیس کو عدالت میں لے گئے اور اس تنازعے کا ڈراپ سین کچھ اس طرح ہوا کہ ذکا اشرف کو چیئرمین کے عہدے سے محروم ہونا پڑا اور نجم سیٹھی نے پاکستان کرکٹ بورڈ کی چیئرمین شپ سنبھال لی۔ نجم سیٹھی کے بعد شہریار خان کو پاکستان

کرکٹ بورڈ کا چیئرمین بنا دیا گیا۔ نجم سیٹھی پی سی بی کی چیئرمین شپ کو چھوڑ کر آئی سی سی کی صدارت تک جا پہنچے۔ پی سی بی کی صدارت کی طرح پاکستانی کرکٹ ٹیم کی کپتانی بھی ایسی ہی ہے کہ اچھے اچھے کے منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ اس کپتانی کے چکر میں شاہد آفریدی کے دل میں خواہش نے جنم لیا مگر کرکٹ بورڈ کی ہلکی پھلکی ڈانٹ ڈپٹ نے اس خواہش کا وہی دم توڑ دیا کیونکہ کرکٹ بورڈ نے مصباح الحق کو ورلڈ کپ تک کپتان بنانے کا فیصلہ کر دیا۔ 2014 میں ٹیسٹ کرکٹ میں پاکستان کے سب سے کامیاب بیٹسمین یونس خان کو جب ون ڈے ٹیم سے ڈراپ کر دیا گیا تو پھر انہوں نے بھی اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی جس کے نتیجے میں ان کو نیوزی لینڈ کے خلاف ون ڈے ٹیم کا حصہ بنا دیے گیا۔ یہ سال اس اعتبار سے بھی کافی کٹھن رہا کہ پہلے سعید اجمل اور پھر محمد حفیظ کو مشکوک بولنگ ایکشن کے باعث بین الاقوامی کرکٹ میں بولنگ کرنے سے روک دیے گئے۔ سعید اجمل کا معاملہ خاصا پیچیدہ رہا اور آخر کار آئی سی سی کی مہربانی اور بورڈ کے تعاون سے وہ ورلڈ کپ سے باہر ہو گئے۔ جہاں پاکستانی کرکٹ میں اتنا اتار چڑھاؤ ہوا ادھر ٹیم مینجمنٹ میں بھی دھینگا مشتی ہوئی اور پاکستان کرکٹ بورڈ نے وقار یونس کو ایک بار پھر کوچ کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ دو دو عہدے رکھنے والے معین خان کو بھی ایک عہدے سے ہاتھ دھونا پڑا اور یہ سال جاتے جاتے معین کو چیف سلیکٹر کے عہدے تک محدود کر گیا اور ان کی جگہ بیوروکریٹ نوید اکرم چیمہ کو ٹیم منیجر بنا دیا گیا۔

ہاکی جو پاکستان کا قومی کھیل ہے۔ کبھی اس کھیل میں پاکستان کا بول بالا تھا مگر ہمارے اس قومی کھیل کو بے جا سیاسی مداخلت اور سفارش نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ قومی کھیل میں بھی پاکستان ہاکی فیڈریشن کی جانب سے آئی او سی کی منظور شدہ پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کو تسلیم نہ کرنے کے نتیجے میں پاکستانی ٹیم کو کامن ویلتھ گیمز جیسے مین ایونٹ سے محروم ہونا پڑا مگر اس کے باوجود 2014 پاکستان ہاکی کے لیے پھر بھی خوش نصیب رہا کیونکہ پاکستان ہاکی ٹیم نے ایشین گیمز اور چیمپیئنز ٹرافی کے فائنل کے لیے کوالیفائی کیا مگر بدقسمتی سے دونوں کے فائنل میں شکست ہوئی۔

افسوسناک بات یہ کہ پاکستان ورلڈ کپ کی تاریخ میں پہلی بار عالمی مقابلے کے لیے کوالیفائی نہ کر سکا۔

پاکستان سنوکر میں اس سال ساری کامیابیاں تو نہ سمیٹ سکا مگر پھر بھی یہ سال اچھا رہا ۔۔اس میدان میں پاکستان کا نام محمد آصف اور محمد یوسف سنہرے لفظوں میں لکھوا چکے ہیں۔ حکومت کی بدنیتی کی وجہ سے اس کھیل کو وہ مقام نہیں مل رہا جو اس کو ملنا چاہیے کیونکہ حکومت کی طرف سے اعلان کی گئی رقم ابھی تک ان کھلاڑیوں کو نہیں مل سکی۔اس سال محمد سجاد نے بنگلور میں کھیلی گئی ورلڈ امیچر اسنوکر چیمپئن شپ کا فائنل کھیلا مگر بدقسمتی سے وہ جیت نہ

سکا۔

سکوائش کے میدان میں برسوں حکمرانی کرنے والا پاکستان اب ایک ایک خوشی کو ترس رہا ہے۔ کسی زمانے میں پاکستانی اسپورٹس کی شہ سرخی جہانگیر خان اور جان شیر خان کی جیت سے بنتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ رواں برس پاکستانی کھلاڑی کسی بھی بین الاقوامی مقابلے میں کوئی قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرسکا، یہاں تک کہ ایشین گیمز میں پاکستان کا کوئی بھی کھلاڑی سیمی فائنل میں بھی نہ پہنچ سکا۔

کبڈی کے کھیل میں پاکستان کا ستارہ ہمیشہ اونچا رہا۔ پاکستان نے کبڈی کے کھیل میں ہمیشہ اپنے دشمنوں کو مات دی اور اس سال بھی پاکستان کبڈی ورلڈکپ کے فائنل میں پہنچا مگر بھارت کی جانبداری اور بے ایمانی سے فائنل میں شکست ہوئی ۔ انٹر نیشنل کبڈی نے بھی بھارت کو ورلڈ چیمپئین ماننے سے انکار کردیا۔

2014100 میں سابق اسکواش پلیئر ہاشم خان اس جہاں سے کوچ کرگئے۔انہوں نے برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ہاکی مقابلوں میں کمنٹری کرنے والے ایس ایم نقی طویل علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ایس ایم نقی نے ہاکی کے علاوہ دیگر کھیلوں کی بھی کمنٹری کی لیکن انھیں ملک گیر شہرت ہاکی کمنٹری سے ملی۔

دکھیاری قوم نیا سال کیسے منائیں؟

ہم کیسے مسلمان ہیں جو غیر مسلموں کی نقل کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ پاکستان کا قومی لباس شلوار قمیض ہے مگر ہم پینٹ شرٹ پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ قومی کھیل ہاکی ہے اور ہم کرکٹ پر جان دیتے ہیں۔ حکومت چلانے کے لیے اسلامی قوانین موجود ہیں مگر ہم غیر مسلموں کے قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔ آج پھر پوری دنیا میں ایک ہی آواز بلند ہے "ہیپی نیو ائیر"

سوال یہ ہے کہ کیا کبھی کسی غیر مسلموں کو مسلمانوں کے تہوار اس جوش و جذبہ سے مناتے دیکھا ہے؟ اب پھر نئے سال کی آمد آمد ہے اور ہر کوئی جشن کا ماحول بنا رہا ہے۔ ساری دنیا میں لوگ اس موقعے کو اپنے اپنے انداز سے منانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس تیاری میں اربوں کی فضول خرچی ہو گی۔ اگر ان فضول اخراجات کو جوڑا جائے تو اس سے کسی ایک ملک کی غریبی دور کی جا سکتی ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔ اس نئے سال کے جشن کے ماحول میں کوئی بھی انسانی مجبوریوں کو نہیں سمجھتا ہے اور نہ کسی کو فکر ہے؟

جہاں تک نئے سال کے جشن کی بات ہے تو یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نئے سال کے جشن کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو محض ہم نے اپنے دنوں کو سمجھنے اور اس کے شمار کے لیے بنایا ہے۔ پھر ان دنوں میں ایسی کون سی خاص بات ہے جو ہم انہیں جشن میں تبدیل کر دیں؟ اگر جشن منانا ضروری ہے تو سب سے پہلے تو ہم مسلمان ہیں اور ہمارا اسلامی سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنا نیا سال جب منانا چاہیے تھا مگر اس وقت تو ہمیں سانپ سونگھ جاتا ہے جب تو ہم جلدی سے کسی کو ہیپی نیو ائیر کا ایس ایم ایس بھی نہیں کرتے۔ اب ہر منٹ بعد اپنی پچھلے سال کی غلطیوں کی معافی کے لیے ایس ایم ایس بھیج رہے ہیں تو کوئی نئے آنے والے سال کی مبارکباد دے رہا۔ ان کو یہ تو معلوم ہے کہ 2015 شروع ہو رہا ہے اور 2014 ختم ہونے والا ہے مگر ایسے مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ کونسا ہجری سال ہے تو اکثر لوگوں کا جواب نا میں ہوگا۔

جس وقت 2014 شروع ہوا تھا تو اس بار بھی اسی طرح ہیپی نیو ائیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے مگر اب اس گزرے ہوئے سال کی طرف مڑ کر دیکھیں تو اس سال میں ہم نے خوشیاں کم اور غم زیادہ اٹھائے ہیں۔ ایسی کونسی سی قوم ہے جو غم میں بھی جشن مناتی ہے؟ ہمیں تو دسمبر ہی ایسا رُلا گیا کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ معصوم سے پھولوں کو کس نے مسلا؟ کیا انہیں معلوم تھا کہ یہ سال ان کے لیے

آخری سال ہوگا؟ کیا 2014 میں ہونے والی دہشت گردی، ڈرون حملے، ایکسیڈنٹ اور حالات سے تنگ آکر خود کشی کرنے والوں کو معلوم تھا کہ یہ سال ان کی زندگی کا آخری سال ہوگا؟ زندگی کے ایک پل کا نہیں پتا اور ہم سالوں کی باتیں کرتے ہیں۔

اگراب ہم بات 2015 کی کریں اور بقول ایسے متوالے لوگوں کے جو ہیپی نیو ایئر منا رہے ہیں تو اس سال میں ہم نے ایسا کیا پا لیا جس کے لیے ہم جشن منائیں یا پھر ہم کو ایسی ایڈوانس کیا خوشخبری مل گئی جو ہم آنے والے سال کا جشن منائیں؟ دہشت گردی، بجلی اور گیس سے محروم عوام، بیروزگاری سے تنگ آکر خود کشی کرنے والے لوگ ظلم و جبر کے اس ماحول میں بھلا جشن کیسے منائیں گے؟ اس نئے سال میں کس چیز کا جشن منایا جائے؟ جشن اور خوشی کا ماحول تو اسی وقت بنتا ہے جب ہر طرف خوشحالی اور امن و امان ہو۔ لیکن یہاں تو بد حالی اور کرپشن نے لوگوں کو خود کشی پر مجبور کر رکھا ہے۔ دہشت گرد چیونٹیوں کی طرح انسان کو مار رہے ہیں۔ سیاستدان اپنی کرسی بچانے یا اپنی کرسی بنانے کے چکر میں عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف ہیں۔ بھلا کیسے ہم نئے سال کا جشن منا سکتے ہیں جبکہ مسلمان اقتصادی، سماجی اور تعلیم اعتبار سے کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ دہشت گردی کی چکی میں آج پوری دنیا میں مسلمان پس رہے ہیں۔ کسی کونے میں دہشت گردی ہو تو سب سے پہلے میلی نظر سے مسلمانوں کو

دیکھا جاتا ہے۔ ہم کشمیر کو آج تک آزاد نہ کرا سکے اور جو آزاد ملک ہیں ان پر غیر مسلموں کو مسلط کروا رہے ہیں۔

مسلمانوں اب بیدار ہو جاؤ۔ کب تک غیر مسلموں کی غلامی میں رہو گے؟ مسلمان ایک دلیر قوم ہے جس کو ہم نے اب بزدل بنا دیا ہے۔ تاریخ پڑھ لیں جتنے بھی ملک آزاد کرائے وہ مسلمانوں نے کرائے ہیں۔ لیکن آج ہم ان کے متضاد چل رہے ہیں بجائے اسکے کہ ہم اپنے اسلامی ملکوں کو آزادی دلائیں بلکہ جو آزاد ہیں ان پر بھی غیر مسلموں حکمرانی کا موقع دے رہے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پوری دنیا کے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی سنت کو پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے تہوار منانے کے بجائے اپنے اسلامی تہواروں کو منانے چاہیے۔

دنیاکا روشن ستارہ، حضرت محمد ﷺ پیارا

آج میں جس موضوع پر لکھ رہا ہوں اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں ، زمین کاغذ کی بن جائے اور سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی ان کی تعریف ختم نہیں ہو سکتی ۔ 12 ربیع الاول کو پورے عالم اسلام میں حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت کا دن بڑے جوش وجذبے اور مذہبی عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس دن بڑا اہتمام کرتے ہیں ۔ اپنے اپنے شہر اور گاؤں کے مساجد ، گھر اور گلیاں تک سجائی جاتی ہیں ۔شام کو مساجد کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنے گھروں پر لائٹنگ کراتے ہیں۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو اس دنیا میں بھیجا۔ مساجد اور گھروں میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہ کائنات جس ہستی کے لیے بنائی گئی وہ ہستی حضرت محمد ﷺ 12 ربیع الاول 632 ھ (20 اپریل 571ء) کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد محترم کا نام عبداللہ تھا جو آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے پھر آپ ﷺ کی پرورش آپ کے دادا عبد المطلب نے کی۔ آپ ﷺ کی والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔ جب آپ ﷺ چھ برس کے تھے تو آپ کی والدہ کا انتقال پُر ملال ہو گیا۔ جب آٹھ برس کے تھے تو آپ ﷺ کے دادا بھی وفات پا گئے۔ اسکے بعد آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے چچا ابو

طالب کے کاندھوں پر آ گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ بصرہ اور شام کے کئی تجارتی سفر کیے۔ بارہ سال کی عمر میں جب آپ ﷺ تجارت کے سلسلے میں ملک شام گئے تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرہ نے آپؐ کو دیکھا تو آپ کے چچا ابو طالب کو بتایا کہ نبوت کی جو علامات تورات اور انجیل میں درج ہیں وہ آپ کے بھتیجے یعنی آپ ﷺ میں موجود ہیں۔ جب آپ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو آپ نے جنگِ فجار میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ جب پچیس برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا جو ایک بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ ﷺ بہت دیانتدار اور امین تھے جب آپ ﷺ چالیس برس کے ہوئے تو ایک دن حسبِ معمول غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے آپ ﷺ کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔

اسلام سے قبل عرب کا دور جاہلیت کا دور تھا۔ اہلِ عرب اگرچہ اکثر اَن پڑھ اور جاہل تھے مگر علم نجوم اور طب کے علم پر عبور رکھتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب نبوت ملی تو سب سے پہلی آیات یہ نازل ہوئیں۔ (ترجمہ) پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان آیات کو دہرایا۔ آپ ﷺ

نے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ کا آغاز کیا۔

آپ ﷺ پیغمبر ہونے سے پہلے ہی انصاف اور دیانتداری کی وجہ سے ملک بھر میں صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور اکرم ﷺ انصاف کے معاملے میں کسی سے رعایت نہ کرتے تھے چاہے آپ کا عزیز کیوں نہ ہو۔ عرب کے لوگ آپ ﷺ کو نبی تو نہیں مانتے تھے لیکن وہ فیصلے آپؐ سے کرواتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی تو وہ لوگ فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس لئے آئے۔ چوری ثابت ہو گئی تو آپ ﷺ نے اسلامی قانون کی رو سے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ عرب کے بڑے بڑے سرداروں نے چاہا کہ یہ بڑے گھرانے کی عورت ہے۔ اس کی سفارش کرکے اسے بچائیں۔ ایک صحابیؓ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا: ”تم اللہ کی مقرر کی ہوئی باتوں میں سفارش کو دخل دیتے ہو۔“

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”ہر نبی کی ایک دعا ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے تو ہر ایک نبی علیہ السلام نے جلدی کرکے وہ دعا مانگ لی (دنیا ہی میں) اور میں یعنی حضرت محمد ﷺ نے اپنی دعا کو چھپا کر رکھا ہے قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے اور اللہ چاہے تو میری شفاعت ہر ایک اُمتی کے لئے ہوگی بشرطیکہ وہ شرک پر نہ مرا ہو۔“

آج پورے عالم اسلام میں رسول اکرم ﷺ ، پیغمبر انسانیت ،رُوح ایماں ، شانِ کائنات اور سراپا نور کے پیکر میں ڈھلے حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت با سعادت کی خوشی منائی جارہی ہے۔ہر طرف آمد رسول کے نعرے لگ رہے ہیں مگر میرا سوال ان لوگوں سے ہے جو رسول اکرم ﷺ کی آمد پر تو جشن منا رہے ہیں مگر کبھی ان کی سنت پر عمل کیا؟ کیا کبھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی؟ جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیا ہم لوگ اس سے دور رہے ؟ ہم جتنی خوشی اور جوش کے ساتھ یہ جشن مناتے ہیں کاش اسی جوش و جذبے کے ساتھ ہم اپنے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرکے پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کردیں۔ دنیا سے برائی کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں۔ تمام مسلمان ایک کتاب اور ایک نبی کے سائے میں اکٹھے ہوجائیں تاکہ ہم غیر مسلموں کو بتا سکیں کہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے ہیں ۔اس طرح کسی غیر مسلم کی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔

میری اس دن کے موقع پر اپنے رب العزت اور مالک کائنات سے یہی دعا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو نیکی کی ہدایت دے اور برائی سے ہمیشہ دور رکھے۔ تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور قیامت کے حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

قاضی حسین احمد اُمت مسلمہ کا قیمتی سرمایہ

قاضی حسین جماعت اسلامی کو وہ نام ہیں جن سے ہر کوئی واقف ہے۔ قاضی صاحب نے ہمیشہ پاکستان کی ترقی اور اسکے استحکام کے لیے کام کیا۔ قاضی صاحب کی حب الوطنی کی مثال آپ سب کے سامنے ہے۔ ان کی زندگی میں تمام مذہبی جماعتوں پر مشتمل ایک دینی اتحاد قائم کیا جس کو لوگ "مجلس عمل" کے نام جانتے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ کوئی بھی شخص تمام مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا نہ کر سکا۔

قاضی حسین احمد 12 جنوری 1938 کو نوشہرہ ضلع (کے پی کے) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبدالرب نے قاضی صاحب کی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کی۔ قاضی صاحب اپنی فیملی میں سب سے چھوٹے تھے۔ ایم ایس سی جغرافیہ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد قاضی صاحب درس وتدریس سے منسلک رہے۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیا۔ سرحد چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر رہے۔ قاضی صاحب کی دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ آپ نے 6 جنوری 2013 کو ہارٹ اٹیک کی وجہ سے وفات پائی۔

قاضی صاحب سب سے پہلے اسلامی جمعیت طلبہ کا حصہ بنے اور پھر 1970ء میں جماعت

اسلامی کے رکن بنے۔ 1978ء میں جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ 1987ء میں جماعت اسلامی کے امیر بنے اور 2009ء تک امیر رہے۔ جماعت اسلامی کے سب سے زیادہ بار امیر منتخب ہونے والوں میں مولانا مودودی (مرحوم) اور میاں طفیل محمد (مرحوم) کے بعد قاضی صاحب مسلسل چار بار جماعت اسلامی کے امیر رہے۔ قاضی صاحب پہلی بار 1985ء میں سینٹ کے رکن منتخب ہوئے اور پھر دوبارہ 1992ء میں سنیٹر بنے۔ قاضی حسین احمد نے جماعت اسلامی کو عوام میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ''دھرنا'' اور ''ملین مارچ'' قاضی صاحب کی ہی ایجادات ہیں۔ قاضی صاحب جوانوں سے زیادہ جوان تھے۔ قاضی صاحب کا نعرہ ''ظالمو قاضی آرہا ہے''عوام میں سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ یہ قاضی صاحب کی ہی شخصیت تھی جس نے شخصی آمروں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ ان کے دھرنے کی وجہ سے حکومت نے ہر قسم کی ٹریفک روک دی۔ ہر داڑھی والے کو مشکوک سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ چوکی میں ایک صاحب کے پاس پولیس آئی اور کہا کہ آپ کا تعلق قاضی صاحب کی جماعت سے ہے۔ اس شخص نے انکار کرتے ہوئے کچھ سخت الفاظ استعمال کیے تو خود پولیس والوں نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ داڑھی رکھ کر قاضی ساحب کو برا کہتے ہو۔ دل کا مریض شدید شیلنگ کے دوران دھرنے میں پہنچا۔ اسی طرح لٹن روڈ کی ویڈیو اور تصاویر ان کے مجاہدانہ کردار کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

قاضی صاحب انتہائی ذمہ دار، فرض شناس اور ان تھک شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے ساتھ بطور ڈرائیور کام کرنے والے لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ بندہ کام کے ساتھ ساتھ گاڑی کی رفتار بھی انتہائی تیز رکھتا ہے۔ قاضی صاحب نے اسلامی جمعیت طلبا و طالبات، مدارس عربیہ، شباب ملی اور پاسبان کو متحرک کرکے جماعت اسلامی کا دست و بازو بنا دیا۔ قاضی حسین احمد امت مسلمہ کے اتحاد کے سچے اور پکے داعی تھے۔ متحدہ مجلس عمل کا قیام اور انتخابات میں شاندار کامیابی قاضی صاحب کی انتھک محنت کا پھل تھا اور جب مجلس عمل فعال نہ رہی تو قاضی صاحب نے امید کا دامن پھر بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ملی یکجہتی کونسل بنا کر اپنا ''اتحاد امت'' کا مشن مرتے دم تک جاری رکھا۔ قاضی صاحب کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، برما، سوڈان اور فلسطین کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کرتے رہے۔ دنیا بھر کی تمام اسلامی اور جہادی تنظیمیں ان کو اپنا حقیقی سرپرست سمجھتی ہیں۔ اسی وجہ سے برادر اسلامی ممالک میں آپ کو انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قاضی صاحب کو اردو، انگریزی، فارسی، پشتو پر عبور حاصل تھا اور اکثر فرمایا کرتے تھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

قاضی صاحب سے میری جب بھی ملاقات ہوئی میں نے انہیں انتہائی نفیس انسان پایا ۔اخلاق و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ نظریہ پاکستان کے سچے اور پکے حامی تھے۔وہ ایک بار جب اپنے کارواں کی قیادت کرتے ہوئے کراچی جارہے تھے تو ہمارے بس سٹاپ پر ان کا خیر مقدم کیا اور ابھی وہ اپنی تقریر کر رہے تھے کہ اس دوران مغرب کی اذان ہو گئی تو انہوں نے نہ صرف اپنا خطاب ختم کیا بلکہ ملتان روڈ پر واقع گاؤں جمبر کی چھوٹی سے مسجد میں میرے ساتھ باجماعت نماز ادا کی جہاں نہ کوئی سکیورٹی نہ کوئی گارڈ۔ میں نے یہ عمل صرف قاضی حسین احمد میں ہی دیکھا ورنہ یہاں تو ایسے ایسے علما کرام دیکھے جاتے ہیں جو اپنے خطاب کی وجہ اکثر نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ میرے بڑے بھائی نے بتایا کہ قاضی صاحب قصور کارواں لے کر آئے اور وہ بطور گائیڈ ان کے ساتھ تھے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو میرے بھائی نے یہ سوچ کر سفر جاری رکھا کہ منزل قریب ہے وہاں نماز ادا کریں گے۔ قاضی صاحب نے ڈرائیور کو گاڑی تیز چلانے کو کہا۔ میرے بھائی کی گاڑی کو کراس کرکے ایک ٹوٹی سی مسجد کے سامنے بریک لگائی اور ان سے ناراض ہوئے کہ تم کو نماز کا احساس نہیں ہوا۔ انہوں پہلے نماز ادا کی اور اس کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا۔

قاضی صاحب کی عوامی محبت ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ ایک بار متحدہ مجلس عمل کا کارواں کراچی سے چلتا ہوا لاہور جارہا تھا ملک میں جگہ جگہ اس کارواں کا

خیر مقدم کیا جا رہا تھا۔ ہمارے علاقے میں بھی اس کا استقبال کیا جا رہا تھا جس کا سارا انتظام جماعت اسلامی کی مقامی قیادت نے کیا۔ انہوں نے کارواں کا استقبال سٹاپ سے دور کیا تھا جب کہ ہم لوگوں نے بھی ان کو سٹاپ پر روکنا چاہا تو سب سے آگے مولانا فضل الرحمٰن کی گاڑی تھی جب ہم اس کے سامنے آئے تو ان کے گارڈ نے بجائے گاڑی روکنے کے کٹ مار کر گاڑی بھگا لی مگر جیسے ہی قاضی صاحب کی گاڑی آئی تو ہم پھر گاڑی کے سامنے آ گئے تو انہوں نے نہ صرف گاڑی روکی بلکہ باہر نکل کر میگا فون پر عوام سے خطاب کیا۔ ان کی یہ محبت دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ جب کوئی دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کو بھول جاتے ہیں مگر ان قول و فعل کی وجہ سے ہمیشہ وہ ہمارے درمیان رہتے ہیں۔ قاضی حسین احمد کی وفات جماعت اسلامی کے لئے ہی نہیں پاکستان اور امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا نقصان ہے لیکن موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا ذائقہ ہر انسان نے چکھنا ہے۔

صحافت کے ستاروں کے سنگ

ٹیکنالوجی نے سات براعظموں پر پھیلی ہوئی وسیع دنیا کو گلوبل ولیج بنا دیا۔ اس تیزی اور جلدی کے دور میں ہر شخص دنیاوی معملات سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ وقت کی قلت کی وجہ سے میڈیا کا سہارا لیا جاتا ہے۔ انسانی معاشروں کو دنیا میں ہونے والے واقعات سے باخبر رکھنے کے لیے میڈیا کا رول بہت اہم ہوتا ہے۔ اس سپر سانٹک دور میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا جتنا رول ہے اس سے کہیں زیادہ اہم رول سائبر الیکٹرانک میڈیا کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے چینل ایک شہر میں چلتے ہیں اور دوسرے میں نہیں۔ اسی طرح سے پرنٹ میڈیا کا ہے کہ کوئی اخبار کسی شہر میں ملتا ہے اور کسی میں نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ ملکی اخبارات و جرائد میں بھی کیسی دوسرے علاقے کی بہت سی خبریں ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں تو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اگر لائٹ چلی جائے تو کتنی بھی اہم نیوز ہو وہ مس ہو جاتی ہے۔ سائبر الیکٹرانک میڈیا ایسا میڈیا ہے جو کسی بھی ملک، شہر، قصبے یا گاؤں میں بھی انٹرنیٹ کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے۔

میڈیا اس وقت ملک اہم ستون ہے جو ملکی ترقی میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ اس میڈیا نے ہی عوام کے ذہن کو بنانا اور بگاڑنا ہوتا ہے۔ میڈیا کا ہی یہ کمال

ہے کہ وہ زیرو کو ہیرو اور ہیرو کو زیرو بنا دیتا ہے۔ اگر یہ حقیقت پر مبنی نیوز عوام کے سامنے لائیں تو عوام کو بروقت اچھے اور برے کی تمیز کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ تین سال قبل پاکستان میں ’’پاک نیوز لائیو‘‘ کے نام سے ایک ایسا سائبر الیکٹرانک میڈیا معرض وجود میں آیا جس نے بہت جلد گوگل کی دنیا میں اپنا نام روشن کر دیا۔ پاکستان یا بین الاقوامی خبر بروقت اس پر چیک کی جا سکتی ہیں۔ یہ آن لائن میڈیا ہر سال جنوری میں اپنی سالگرہ مناتا ہے۔

اس سال بھی جب سالگرہ کا وقت آیا تو اس میں بڑی بڑی ہستیوں کو مدعو کیا گیا۔ جن میں صحافت کے میدان میں ایک چمکدار ستارہ خواہ وہ کالمسٹ کا میدان ہو یا اخبار کا، یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ دنیا نیوز کے اینکر اور روزنامہ پاکستان کے چیف ایڈیٹر جناب مجیب الرحمٰن شامی تھے۔ ان کے ساتھ سید عرفان شاہ مہمان خصوصی تھے۔

موسم کی شدت، دھند، سردی کے باوجود مجیب الرحمٰن شامی اور دیگر مہمانان کی شرکت نے محفل کی رونق کو دوبالا کیا۔ مجیب الرحمٰن شامی نرم خو، شفیق، ہمہ وقت مسکراہٹ، دھیمے مزاج اور دوستانہ انداز کی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اس تقریب کو اپنے مخصوص انداز میں مزاحیہ جملوں سے چار چاند لگادیے۔ انہوں نے وہاں پر موجود صحافت کے پھولوں کو خود دعوت دی کہ وہ مجھ

سے کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں اور پھر انہوں نے وہاں پر موجود نوجوان کالمسٹوں کے سوالوں کے جوابات بھی دیے۔میں نے ان سے عمران خان کی شادی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا شادی تو ہو گئی ہے مگر ابھی پوشیدہ ہے جو چند روز میں منظر عام پر آ جائے گی۔

تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا اور تلاوت کرنے کا شرف حافظ زاہد کالمسٹ کو حاصل ہوا۔اس کے بعد بندہ ناچیز نے استقبالیہ پیش کیا اور سالانہ رپورٹ بھی پیش کی۔ بعد میں چیف گیسٹ اور محفل کے شرکاء نے ملکر سالگرہ کا کیک کاٹا۔ پاک نیوز کی جانب سے کھانے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں شاعر اور کالم نگار احتشام جمیل شامی ، نوجوان رائٹر افسانہ نگار محمد علی رانا کی والدہ اور نامور رائٹر (ڈرامہ شوخیاں پی ٹی وی) کے ایم خالد صاحب کے بھائی کے انتقال پر خصوصی دعا مانگی گئی۔ دعا سید عرفان شاہ صاحب نے کرائی۔

اس تقریب میں کئی نامور کالمسٹوں نے بھی شرکت کی ۔ جن میں روزنامہ سماء کے نامور کالمسٹ اور بہت محترم بھائی صابر مغل ،چینل ۵ کے نیوز اینکر اور کالمسٹ اور نہایت شفیق انسان رضوان سحر کیانہ ،روزنامہ پاکستان کے کالمسٹ اور مجیب الرحمٰن شامی کے صاحبزادے فیصل شامی ، رائٹر افسانہ نگار اور خوش

مزاج بھائی محمد علی رانا، برادر کالمسٹ عبدالرؤف چوہان، اور ممتاز علمی شخصیت شفیق احمد خان نے خصوصی طور پر شرکت کی اور پروگرام کو چار چاند لگائے۔

کھانے کے بعد تمام صحافت کے لوگ ایک گل دستے کی طرح مل گئے۔ فیصل شامی، صابر مغل اور رضوان سحر کمیانہ نے تمام دوستوں کو اپنی باتوں سے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ تقریب چھوٹی مگر پروقار تھی۔ اس کے بعد پاک نیوز کے چیف ایڈیٹر وسیم نذر اور راقم نے اپنے مہمانوں کو الوداع کہا اور یوں سب لوگ صبح کی طرح موسم کی شدت سے نبرد آزما ہوتے اپنی اپنی منزل کو عازم سفر ہوئے۔

گو عمران گو" کی نوبت کیوں آئی؟"

اللہ بھلا کرے واپڈا کا جو دو گھنٹے کے بعد ایک گھنٹے کے لیے بجلی بھیج دیتی ہے جس سے ہم ملکی حالات حاضرہ سے تھوڑا بہت باخبر ہو جاتے ہیں۔ آج بھی مسلسل دو گھنٹے رہنے کے بعد جب لائٹ آئی تو حسب عادت لیپ ٹاپ آن کیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔ پھر یاد آیا کہ ٹی وی تو آن کیا ہی نہیں جب ٹی وی آن کیا تو اس پر گرما گرم نیوز چل رہی تھی ۔ کیا دیکھتا ہوں ایک عورت اپنا انٹرویو دے رہی ہے اور ساتھ ساتھ زاروقطار رو رہی ہے۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہ آیا مگر پھر جلد ہی ساری کہانی سمجھ گیا۔ ابھی دھرنے کو ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ لوگ اسے بھول گئے ہونگے۔ جو تبدیلی کی ہوا پاکستان کے دارالحکومت کے ڈی چوک پر چل رہی تھی اس کا اثر اُدھر تو نہیں ہوا البتہ "کے پی کے" کے صوبائی دارالحکومت میں ضرور دیکھا گیا۔ جو نیا پاکستان بنانے کا اعلان کر رہے تھے وہ خود پرانے پاکستان کے باسی بن بیٹھے۔ جو عوام کو سنہرے خواب دکھانے چلے تھے وہ خود اپنے خواب کو حقیقت کا رنگ دے گئے۔

وی آئی پی کلچر کے خاتمے کی باتیں تو سب کرتے ہیں لیکن کوئی بھی پروٹوکول

چھوڑنے کو تیار نہیں۔ صدر پاکستان سے لیکر ایک ایم پی اے تک پروٹوکول کا متلاشی ہوتا ہے جہاں انہیں پروٹوکول نہ ملے اس محفل میں تو جانا ان کی شان کے خلاف ہے۔ دھرنے کے دنوں میں خان صاحب نے وی آئی پی کلچر کے خلاف خوب شور شرابا کیا۔ مجھے یاد ہے کہ حال ہی میں بے نظیر کی برسی کے موقع پر جب بلٹ پروف ڈائس کے سامنے کھڑے ہو کر آصف زرداری نے خطاب کیا تو پی ٹی آئی کے دوستوں نے خان صاحب کے لاڑکانہ کے جلسے کی اور زرداری صاحب کی ڈائس والی تصاویر فیس بک پر لگا کر بہت کچھ لکھا تھا۔

ضرب المثل ہے ''دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فصیحت'' جسے ایک مرتبہ پھر صحیح ثابت کیا ہے عمران خان نے، آج انہوں نے خود اپنی ہی بات کا گلا گھونٹ دیا۔ جسے یاد نہ تو ایک واقعہ یاد کراتا چلوں جب کراچی میں رحمان ملک اور رکن قومی اسمبلی کو طیارے سے اتارا گیا تو عزت مآب خانصاحب نے اپنے کنٹینر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ '' مسافروں کے اس اقدام کو بدلتے پاکستان کی نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ آج ہماری عوام بیدار ہو چکی ہے'' مگر آج جو کچھ ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے پاکستان اور پرانے پاکستان کا حال ایک جیسا ہی ہے۔

ہوا کچھ یوں میڈیا رپورٹ کے مطابق تحریک انصاف کے چیئرمین اپنی نئی نویلی دلہن کے ہمراہ آرمی پبلک سکول پشاور کا دورہ کیا۔ جو شخص پروٹوکول کے خلاف

تھا وہ آج خود 25 سے زائد گاڑیوں کے ہمراہ آرمی سکول پہنچا۔میڈیا والے بھی بادشاہ بندے ہیں۔جب چاہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ بھئی صاف بات ہے جان کس کو پیاری نہیں؟ اگر کوئی لیڈر سٹیج پر کھڑے ہو کر باتیں کر لے تو کیا مطلب اس کو اپنی جان پیاری نہیں اور ایسا کونسا پاکستان کا لیڈر ہے جس نے سیکورٹی کے نام پر لاکھوں روپیہ ہوا میں نہ اڑیا ہو۔ ویسے بھی میاں صاحب کو چاہیے تھا کہ خان صاحب کو خصوصی پروٹوکول دیتے کیونکہ ان کی ساتھ ان کی نئی نویلی شریک حیات جو تھیں۔

ہاں ایک بات کا سن کر مجھے بھی افسوس ہوا کہ جو شخص چند دن پہلے عوام کا اپنے ساتھ ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا آج اس کے خلاف کیسے ہو گئی؟ واقعہ کچھ یوں ہے جب عمران خان کا قافلہ سکول کے قریب پہنچا تو وہاں پہلے سے موجود شہید بچوں کے لواحقین اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور عمران خان کی گاڑی کا گھیراؤ کر لیا اور کل تک جو ''گو نواز گو'' کے نعرے لگا رہے تھے آج وہ'' گو عمران گو'' کے نعرے لگانے لگے۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ عمران خان دکھ بانٹنے نہیں بلکہ سیر کو آئے ہیں۔عمران خان نے مشکل وقت میں ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ ہم بچوں کیلئے تڑپ رہے ہیں لیکن عمران خان نے دوسری شادی کر لی۔ سیاستدان ہمارے بچوں کی لاشوں پر سیاست کر رہے ہیں۔ایک شہید کی والدہ کا کہنا تھا کہ عمران خان کو ووٹ دے کر غلطی کی۔سکول سے باہر آئی ایک غمزدہ خاتون نے میڈیا سے بات

کرتے ہوئے کہا کہ سکول کے اندر میں نے عمران خان کو گریبان سے پکڑ کر کہا کہ اب یہاں کیا لینے آئے ہو، ہم نے صوبہ تمہارے حوالے کیا اور تم نے ہمارے بچوں کو لہو لہان کرا دیا اور شادی کرتے بھی نہ سوچا کہ ہمارے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔

اب یہ تو اللہ جانتا ہے کہ شہدا کے والدین نے ایسا کیوں کیا مگر ذرائع کا کہنا تھا کہ مظاہرین عمران خان سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن پولیس کی طرف سے روکے جانے اور وزیراعلیٰ کے غلط ریمارکس پر مظاہرین مشتعل ہوگئے جس کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی۔آخر کار پولیس نے شہدا کے والدین کو حصار میں لے کر خان صاحب کو آرمی پبلک سکول کے پچھلے دروازے سے باہر نکالا۔

اب میرا خیال ہے خان صاحب اپنے دھرنے کی ویڈیو دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ انہوں نے جو کچھ کہا اور جو کچھ دوسرے سیاست دان کہتے ہیں وہ سب عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ ان پر عمل نہ خان صاحب نے کیا اور نہ کوئی دوسرا سیاستدان کرتا ہے۔

جس وقت بلاول زرداری تھر گیا تھا تو اس وقت اس کے پروٹوکول پر بڑا دھوم مچا اور سوال اٹھا کہ یہ کونسا وزیر ہے جو حکومت نے اسے پروٹوکول دیا اور اب یہی سوال عوام پوچھتی ہے کہ خانصاحب کونسے وزیر تھے جو کے پی کے حکومت نے اتنا پروٹوکول دیا؟آخر میں اگر خانصاحب برا نہ

منائیں تو اس کی بھی وضاحت کر دیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ’’جس دن میرے خلاف گو عمران گو کا نعرہ بلند ہوا میں فوراً کے پی کے کی حکومت چھوڑ دوں گا‘‘ اب اس بارے میں کیا خیالات ہیں؟ اس لیے کہتے ہیں کہ پہلے تولو پھر بولو۔

ملکی حالات کس طرف جا رہے ہیں؟

پاکستان اس وقت لا تعداد مسائل سے دوچار ہے ہمارے سیاسی قائدین کی نااہلی اور بد عنوانیوں کی وجہ سے ملک دن بدن غربت اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا جا رہا ہے۔ الیکشن سے پہلے تمام سیاستدان ملک کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کے بلند و بانگ دعوے کرتے نظر آتے ہیں مگر اقتدار میں آتے ہی ملک تو ترقی کرتا نہیں مگر یہ خود ڈبل کی بجائے ٹرپل ترقی کر جاتے ہیں۔ مجھے زیادہ پیچھے کی طرف جانے کی ضرورت نہیں اگر آپ موجودہ دور میں ہی دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر وزیر اعظم سے لیکر ایم پی اے تک (خواہ وہ کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں) کے سابقہ اور موجودہ اثاثے جات کی جانچ پڑتال کر لیں۔

پاکستان میں پچھلے کئی سالوں سے بجلی کا بحران چلا آ رہا ہے اور جس کا حل مستقبل قریب میں دور دور تک نظر نہیں آ رہا۔ مشرف اور زرداری اپنا دور مکمل کر گئے اور میاں صاحب اس وقت اقتدار کا مزا لوٹ رہے ہیں مگر بجلی کا بحران جوں کا توں چلا آ رہا ہے۔ موسم گرما ہو یا موسم سرم بجلی بغیر ٹائم ٹیبل کے مطابق آ جا رہی ہے۔ جو عوام اس بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کر رہے تھے وہ بھی نا امید ہو کر خاموشی سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے ہیں۔

جس وزیر اعلیٰ نے مینار پاکستان پر احتجاجی کیمپ لگایا تھا وہ بھی اس وقت اپنی دنیا میں اور اپنے اقتدار میں گم سم ہیں۔ بجلی کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی میں بجلی کا بہت اہم رول ہوتا ہے۔ بجلی کے بغیر ہر کام ادھورا ہے۔ اس بجلی کی عادت نے ہم سب کو ایسا خراب کر دیا ہے کہ اب بجلی نہ ہو تو آنکھیں ہونے کے باوجود اندھے ہوتے ہیں۔ ہمارے بزرگ ہمیں اپنے پرانے زمانے کی باتیں بتاتے تھے کہ ہمارے کچے گھر ہوتے تھے اور ہر کمرے اور صحن میں ایک چھوٹا سا خانہ (الماری نما) بنایا ہوتا تھا جس میں ایک ''دیا'' (چراغ) رکھا ہوتا تھا جو سرسوں کے تیل جلایا جاتا تھا۔ تو ہم اس وقت کو کتنا ''بیک ورڈ'' دور سمجھتے ہیں۔ لیکن اب سمجھ آ رہی ہے کہ وہ دور اس دور سے بہتر تھا۔ اس چراغ کی روشنی میں لوگ نہ صرف گھر کا کام کرتے تھے بلکہ پڑھائی لکھائی کا کام بھی کرتے تھے۔

ہم سمجھتے تھے کہ ہر آنے والا دور پچھلے دور کی نسبت ہمیں ترقی پر لے جا رہا ہے مگر اب ہمیں معلوم ہوا کہ ہر آنے والا وقت ہمیں اپنے بزرگوں کے دور میں لیکر جا رہا ہے۔ پچھلے کئی سال سے ہم بجلی کو رو رہے تھے مگر اب دو سال سے گیس بھی خوب عروج پر جا کر عوام کو ذلیل کر رہی ہے۔ فیکٹریوں اور سی این جی اسٹیشن کو پہلے ہفتے میں دو دن گیس مل رہی تھی مگر جیسے ہی موسم سرما کا آغاز ہوا اس پر بھی چار ماہ کے لیے پابندی لگا دی۔ گھریلو صارفین کے لیے

لوڈشیڈنگ کا شیڈول جاری کر دیا گیا۔ پہلے تو ہم لوگ آفس جانے کے لیے کپڑوں کی استری کرنے سے تنگ تھے اور اب ناشتے سے بھی گئے۔ صبح چھ بجے گیس بند ہوتی ہے تو گیارہ بجے آتی ہے۔ اس دوران بچوں سے لیکر بڑے جنھوں نے آفس یا سکول جانا ہے وہ بھوکے ہی جائیں؟ گیس لوڈشیڈنگ کے باعث بازار میں لکڑیوں کے دام ایسے بڑھے کہ رہے اللہ کا نام۔ جو لکڑی چار سو روپے من بیچ رہے تھے انہوں نے بھی آٹھ سو روپے من ریٹ کر دیا۔

ابھی لوگ گیس اور بجلی کو رو رہے تھے مگر یہ کیا ایک ہفتہ ہونے کو آرہا ہے اب پٹرول بھی نایاب ہوگیا ہے۔ اگر کسی پٹرول پمپ پر پٹرول دستیاب بھی ہے تو وہ بھی مہنگے داموں فروخت کر رہا ہے اور اس کے لیے بھی اتنی لمبی لائن کہ بس بندہ صبح آکر کھڑا ہو جائے اور شام کو پٹرول لے کر گھر چلا جائے (اگر قسمت میں ہوا تو) ۔ جس کو پٹرول مل گیا وہ تو ایسے خوش ہو رہا ہے جیسے اس کو الہ دین کا چراغ مل گیا۔ لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر فون کرکے پٹرول ملنے کا پوچھ رہے ہیں۔ پٹرول نہ ملنے کی وجہ سے ٹرانسپورٹ کم ہو گئی ہے اور جو ٹرانسپورٹ روڈ پر ہے وہ منہ مانگا کرایہ وصول کر رہے ہیں۔

ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے جب ایک گھر کا سربراہ اپنے گھر کا بجٹ بناتے ہوئے ہر چیز کو مد نظر رکھتا ہے جبکہ وہ گھر کے کسی فرد پر کوئی ذمہ داری

بھی نہیں دیتا اور پھر وہ اس بجٹ میں اپنا ماہ بآسانی پورا کرلیتا ہے اور ہماری حکومت جب بجٹ بناتی ہے تو وہ بھی ہر چیز کو مد نظر رکھتی ہوگی جبکہ اس کے تو مددگار بھی بہت زیادہ ہیں جن پر کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں پھر ایسا بحران کیوں آتا ہے؟

اب ملک کے حالات کس طرف گامزن ہیں اس کا جواب کسی کے پاس نہیں کیونکہ کوئی بھی ملک میں ہونے والے واقعات کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ جی ایچ کیو پر حملہ ہو یا آرمی پبلک سکول میں فائرنگ، گیس کی قلت ہو یا پٹرول کی، کوئی نہیں بتا سکتا کہ اتنے بڑے حادثات کی ذمہ داری کس کے سر پر ہے؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہمارے سیاستدانوں کو میڈیا پر آ کر تبصرہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ہمارے وزیر داخلہ صاحب نے پٹرول نہ ملنے پر معذرت کرلی ہے کیا اس معذرت کرنے سے عوام کا مسئلہ حل ہوگیا ہے؟ اگر معذرت سے مسئلہ حل ہوسکتا ہے تو پھر ہر کوئی غلطی کرنے کے بعد معذرت کرلے اور پھر سارا مسئلہ ختم۔

خدارا اس عوام کو اس طرح ذلیل و رسوا نہ کرو کہ یہ لوگ بس ہر کام میں لائن میں لگے رہیں۔ کوئی بھی یوٹیلٹی بل جمع کرانے جاؤ تب بھی لائن میں، گیس لینی ہو تب بھی لائن میں اور اب پٹرول کے لیے بھی لائن میں لگے رہو۔ کیا عوام کے پاس لائن میں لگنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں؟ بجلی، گیس، پٹرول ،

بیروزگاری اور مہنگائی نے پہلے ہی عوام کی ناک میں دم کر رکھا ہے اور اب کتنا امتحان باقی ہے؟

پاک چین دوستی، نام ہے اعتماد کا

آج کا کالم ایک ایسی دوستی کے نام کر رہا ہوں جو لازوال ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ جس نے ہمارا ہر محاذ پر ساتھ دیا۔ آج بھی جب میں انٹرنیٹ پر نیوز پڑھ رہا تھا تو ایک نیوز پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا کیونکہ خبر کچھ اس طرح کی تھی۔ چین کے دفتر خارجہ کا ایک بیان میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ بقول دفتر خارجہ "پاکستان کو خطرہ ہوا تو سیسہ پلائی دیوار کی مانند ساتھ ہوں گے۔ پاکستان روایتی دوست ملک ہے اسے کسی بھی مشکل میں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ کشمیر اور اروناچل بارے چینی موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئیگی۔ اس خبر کے پڑھتے ہی چین کی دوستی پر رشک آیا کیونکہ ایسا بیان کوئی اپنا ہی دے سکتا ہے۔ پاک چین دوستی سمندر سے گہری اور ہمالیہ سے کہیں اونچی ہے۔ کوئی بھی ملک آج تک اس کی گہرائی اور اونچائی کی پیائش نہیں کر سکا۔ چین ہمارا ہمسایہ ملک ہے جس کے ساتھ پاکستان کے دیرینہ تعلقات ہیں جو روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چین نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔

چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے جس کی آبادی تقریباً 130 کروڑ ہے۔ معاشی لحاظ سے یہ ملک امریکہ کے بعد دنیا کی مضبوط ترین ریاست ہے۔

پاکستان اور چین پڑوسی ہونے کے ناطے ہی ایک دوسرے کے قریب نہیں بلکہ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔اِقتصادی حجم کے لحاظ سے آج چین پوری دنیا میں چوتھے درجے پر ہے۔چین کا پہلا دستور 1954 میں بنا۔1982 میں چینی دستور میں کچھ نئے اصول وضوابط شامل کئے گئے۔1999 میں نیشنل پیپلز کانگریس (NPC) نے چینی آئین میں ترمیم کرکے قانون کی حاکمیت کو آئین کا حصہ بنالیا۔2004 میں انسانی حقوق کی ضمانت کو بھی آئین کا حصہ بنادیا۔

چین اقوام متحدہ کے بانی ممالک میں شامل ہے اس وجہ سے چین کو سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق بھی حاصل ہے۔دوعشروں تک مغرب کی چین دشمنی کی وجہ سے اسے اقوام متحدہ میں اپنے جائز مقام سے محروم رہنا پڑا۔25اکتوبر1971 چین کی تاریخ میں ایک بہت بڑی اہمیت کا حامل دن ہے کیونکہ اس روز اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت کے ساتھ عالمی ادارے میں چین کی مراعات بحال کردیں۔چین کی اقوام متحدہ میں یہ غیر معمولی کامیابی دنیاکے دیگر ترقی پذیر ممالک کے لئے بھی بہت اہمیت رکھتی تھی کیونکہ چین ہر فورم پر ترقی پذیر ممالک کے حقوق کے لئے آواز اٹھاتا رہا ہے۔

ایک مشہور اور قدیم چینی کہاوت ہے کہ خوراک انسان کی سب سے اولین ضرورت ہے۔چین کے لوگ آج بھی اس مقولے پر عمل پیرا ہیں وہ خوراک کو سب سے زیادہ

اہمیت دیتے ہیں۔ چین بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس کی بیشتر آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے۔ زراعت کو شروع ہی سے چینی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

پاکستان کے ساتھ چین کے ساتھ تعلقات قیام پاکستان کے بعد ہی قائم ہوگئے تھے مگر اچھے تعلقات کی بنیاد کی پہلی اینٹ اس وقت رکھی گئی جب پاکستان نے 1950ء میں تائیوان کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا۔ اس کے بعد 1962 میں چین بھارت جنگ، پاکستان اور چین کو اور قریب لے آئی جس کی وجہ ہندوستان پر دباؤ قائم رکھنا تھا۔

1978 میں چین اور پاکستان کے درمیان پہلے اور اب تک کے واحد زمینی راستے قراقرم ہائی وے کا باقاعدہ افتتاح ہوا جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان تجارت اور رابطوں میں اضافہ ہوگیا۔

چین نے پاکستان کی ہر میدان میں مدد کی۔ دفاعی میدان میں چین نے پاکستان کو مکمل سپورٹ دی۔ دونوں ممالک کے درمیان فوجی تعاون کے اہم منصوبے جن میں 2001 میں الخالد ٹینک، 2007 میں لڑاکا طیارے "جے ایف-17 تھنڈر" 2008 میں "ایف-22 پی" فریگیٹ اور "کے-8 قراقرم" ایڈوانسڈ تربیتی طیاروں کی تیاری اور دفاعی میزائل پروگرام میں قریبی اشتراک شامل ہے۔ دونوں ممالک کی افواج کئی مشترکہ فوجی مشقیں بھی کرچکی ہیں جن میں سب سے اہم رواں سال ہونے والی فوجی مشق

تھی جس کا مقصد انسدادِ دہشت گردی کے لیے باہمی تعاون کا فروغ قرار دیا گیا تھا۔
دفاعی تعاون کی انہی سمجھوتوں کی بدولت 2007 میں چین پاکستان کو ہتھیار فراہم کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا تھا۔
وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے موجودہ دور حکومت میں دونوں ممالک کے یہ تعلقات مزید مضبوط ہوئے ہیں اور حکومتی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے کہ چین نے پاکستان میں مختلف شعبوں میں 32 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا عندیہ دیا ہے جو بہت بڑی سرمایہ کاری ہے، دنیا کا کوئی اور ملک پاکستان میں اتنی بڑی سرمایہ کاری نہیں کر رہا۔
چینی انجینئرز اور ماہرین اس وقت پاکستان میں مختلف شعبوں کی ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان اور چین کی اس لازول دوستی پر سٹیٹ بینک نے 20 روپے کا یادگاری سکہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق یہ یادگاری سکہ 31 جنوری کو جاری کیا جائے گا جس پر پاکستان اور چین کے قومی پرچم بنے ہیں۔
چین کے صدر حالیہ دورہ بھارت پر بہت سے لوگوں نے انگلیاں اٹھائیں۔ اصل میں چینی صدر نے دورہ بھارت سے پہلے پاکستان آنا تھا مگر دھرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنا دورہ کینسل کیا۔ کچھ لوگ سمجھ رہے تھے کہ چین بھارت کو پاکستان پر فوقیت دے رہا ہے مگر چینی حکمرانوں نے ہمیشہ پاکستان کو اہمیت دی اور باقی

ممالک سے صرف تعلقات رکھے۔ پاک چین عوام کو اس دوستی پر ناز ہے اور دعا ہے کہ
یہ تعلقات مزید مستحکم اور تاحیات رہیں۔ آمین

سعودی عرب کے نئے فرماں روا سلمان بن عبدالعزیز

23 جنوری کی صبح جب میں بیدار ہوا تو دن کا آغاز ایک بری خبر کے ساتھ ہوا کیونکہ میں نے اپنا سیل فون ہاتھ میں پکڑا تو اس پر ایک ایس ایم ایس آیا ہوا تھا جس اسکو اوپن کیا تو اس میں شاہ عبداللہ کی وفات کی اطلاع تھی۔جس کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ لیکن افسوس کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں کیونکہ ایک نہ ایک دن سب کو اس دنیا سے جانا ہے۔ سعودی عرب میں کوئی بھی حکمران آئے وہ سب پاکستان کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔شاہ عبداللہ کی وفات کے بعد اُن کے (سوتیلے) بھائی سلمان بن عبدالعزیز السعود کو سعودی عرب کا فرماں روا منتخب کر دیا گیا ہے اور شاہ عبداللہ کی تدفین کے بعد انہوں نے حلف اُٹھالیا۔ اس سے پہلے وہ سعودی ولی عہد کے عہدے پر فائز تھے۔ سلمان بن عبدالعزیز 31 دسمبر 1935ء کو پیدا ہوئے۔آپ ابن سعود کے پچیسویں بیٹے ہیں۔ابتدائی تعلیم شاہی سکول میں حاصل کی۔ ریاض میں میٹرک کی۔اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد برطانیہ کے رائل ایئر فورس کالج سے بھی تعلیم حاصل کر رکھی ہے جس کی بنیاد پر انہیں سعودی انٹیلی جنس کی سربراہی بھی ملی۔1950ء کی دہائی میں سلمان بن عبدالعزیز باقاعدہ عملی سیاست میں آئے اور

شاہ عبدالعزیز نے 17 مارچ 1954ء کو صرف 19 سال کی عمر میں اپنا نمائندہ اور ریاض کا میئر بنادیا۔ اسکے بعد بادشاہ سعود نے 1955 میں آپ کو وزیر کے عہدہ کے برابر دوبارہ ریاض کا میئر بنادیا لیکن 1960 میں وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔
شہزادہ سلمان کو 1963 میں صوبے (ریاض) کا گورنر بنادیا گیا اور 2011 تک وہ گورنر رہے۔ اپنی گورنری کے دوران شہزادہ سلمان نے ترقیاتی کاموں کو ترجیح دی اور ریاض جیسے دوردراز صحرائی قصبے کو جدید ترین شہر بناڈالا۔ آپ بھی شاہ عبداللہ کی طرح مغرب کے ساتھ معاشی تعلقات کے حامی ہیں اسی لیے ریاض کی ترقی کے لیے سیاحوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہوئے اور یہاں پر بڑے پراجیکٹ اور بیرونی سرمایہ کاری کرائی۔
میں شہزادہ سلطان کی جگہ آپ وزیر دفاع اور نیشنل سیکیورٹی کونسل کے 2011 ممبر بنے۔ کہاجاتاہے کہ اُن کی صلاحیتوں اور ڈپلومیٹک طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو وزیر دفاع بنایاگیا۔ لمبی گورنرشپ بھی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ نے سعودی عرب کے عالمی دنیامیں کافی تعلقات بنائے۔ 2013ء میں اوباما اور ڈیوڈ کیمرون سے بھی امریکہ وبرطانیہ میں ملاقات کی۔

جون 2012ء کو نائف بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد سعودی ولی عہد 18
بنے۔ مرحوم شاہ عبداللہ کی انتہائی خراب صحت کے باعث گذشتہ کچھ عرصے سے شہزادہ
سلمان ہی مختلف تقریبات میں ان کی نمائندگی کر رہے تھے۔شاہ سلمان کے بارے میں
سنا ہے کہ ان کو سیاسی ریفارمز سے دلچسپی نہیں وہ سیاسی تبدیلیوں کی بجائے معاشی
تبدیلیوں کے خواہاں ہیں۔

تیل کے موجودہ حالات پر ماہرین کا خیال ہے کہ شاہ عبداللہ کے برعکس نئے فرمانروا
تیل کی گرتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر سب سے زیادہ تیل نکالنے والے ملک کی پیداوار
میں ردوبدل کر سکتے ہیں اور وہ معاشی تبدیلیاں لا کر سعودی معیشت کو مضبوط
بنانا، خسارہ کم کرنا چاہتے ہیں تاہم حتمی فیصلے چند دن میں سامنے آنے کا امکان ہے۔
سلمان کے بیٹوں میں ڈپٹی وزیر پٹرولیم شہزادہ عبدالعزیز، گورنر مدینہ شہزادہ فیصل ،
پہلے عرب خلاء باز اور ٹورازم اتھارٹی کے ہیڈ شہزادہ سلطان وغیرہ شامل ہیں۔ سعودی
عرب کے نئے بادشاہ کے دوسرے بیٹے 'سلطان بن سلمان' خلاء میں سفر کرنے والے
پہلے مسلمان اور عرب شخص ہیں۔ جنہوں نے جون 1985 میں سپیس شٹل میں سفر
کیا۔

شاید آپ کو یاد نہ ہو اسی لیے یاد دہانی کراتا چلو یہ وہی پرنس مقرن بن عبدالعزیز ہیں جو کہ 2007 میں پاکستان تشریف لائے تھے اور نواز شریف اور پرویز مشرف کے درمیان ہونے والے جلاوطنی کے معاہدے کا راز افشاں کیا تھا۔ انہوں نے یہ دورہ اس وقت کیا جب میاں نواز شریف کسی بھی معاہدے کے وجود کو تسلیم نہیں کر رہے تھے اور وطن واپسی کے لئے پر تول رہے تھے۔ اس وقت لبنانی سیاسی رہنما سعد الحریری بھی پرنس مقرن کے ہمراہ تشریف لائے اور دونوں نے اسلام آباد میں باقاعدہ پریس کانفرنس کرکے نواز شریف کو معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے دس سال جلاوطنی مکمل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس موقع پر وہ معاہدے کی خلاف ورزی پر خاصے ناخوش نظر آئے تھے ۔دلچسپ بات یہ ہے کہ اب وہ سعودی عرب کے اہم ترین عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔ ایسے میں سوال یہ اٹھایا جارہا ہے کہ ان حالات میں پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کا مستقبل کیا ہوگا؟

سوال جیسے مرضی اٹھتے رہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے حکام اور عوام ایک دوسرے سے دور نہیں ہو سکتے ۔ ہر مشکل گھڑی میں دونوں ممالک نے ایک دوسرے کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ مستقبل میں بھی دونوں ممالک ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہونگے ۔انشاء اللہ

اوبامہ کے دورہ بھارت پر واویلہ کیوں؟

امریکی صدر بھارت کا دورہ مکمل کرکے واپس جاچکے ہیں مگر امریکی صدر کا دورہ بھارت پر تبصروں کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ میڈیا پر صبح شام ہمیں نئے نئے تبصروے سننے کو ملتے ہیں۔امریکی صدر نے دورہ بھارت کرکے بھارتی حکومت کو اونچے خواب دکھانے کی کوشش کی۔ بھارت امریکی صدر کے دورے کے بعد ایشائی خطے میں اپنے آپ کو اونچی اڑان میں لے جانے کی ناکام کوشش کررہا ہے۔امریکی صدر نے اپنے بیانات کے ذریعے بھارت کو اپنا بہترین دوست قرار دیکر یہ ثابت کردیا کہ وہ پاکستان کو دوست نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا ہے تو بالکل اسی طرح جیسے " ہر ہاتھ ملانے والا دوست نہیں ہوتا" کے مترادف۔امریکی صدر نے اپنے دورے کے دوران نئی دہلی میں نوجوانوں کی ایک میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "بھارت اور امریکہ صرف فطری شراکت دار نہیں۔ میرا ماننا ہے کہ امریکہ بھارت کا بہترین پارٹنر بن سکتا ہے۔" امریکہ لوگوں کو غربت سے نکالنے، صنعتی اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں مزید ترقی اور ماحولیاتی تبدیلی کے خلاف سرگرمیوں میں بھارت سے شراکت داری کا خواہاں ہے۔بقول اوبامہ بھارت خطے میں تبدیلی کا نمائندہ ہو سکتا ہے، خاص طور پر بچوں کو بیماریوں سے بچاؤ کی دوا 'ویکسینیشن' دینے کی ضرورت کو اجاگر کرکے ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

صدر اوباما نے بھارت کے لیے امریکی قرضہ جات اور سرمایہ کاری کے مد میں چار ارب ڈالر دینے کا وعدہ کیا۔ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی دو بڑی جمہوریتوں کے مابین تجارتی شعبے میں ابھی بہت سے مواقع موجود ہیں جن سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ 26 جنوری کو بھارت کے یوم جمہوریہ کی تقریب میں وہ بطور مہمان شریک ہوئے ۔ وہ پہلے امریکی صدر ہیں جو اس تقریب میں شریک ہوئے۔اوبامہ نے یوم جمہوریہ تو بڑے شوق سے دیکھا مگر یوم سیاہ نہیں دیکھا جو کشمیری عوام نے منایا۔کیا کشمیری عوام کا احتجاج امریکی صدر کو نظر نہیں آیا ؟آتا بھی کیسے اس کو کونسی مسلمانوں کے دکھ سے دلچسپی ہے۔ وہ انسانی حقوق کا نعرہ صرف غیر مسلموں کے لیے بلند کر رہے ہیں۔

امریکی صدر کے بیانات سے صاف محسوس ہو رہا ہے کہ امریکہ اور بھارت کے تعلقات نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔بھارت امریکہ تعلقات پر مختلف تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کے مل جانے سے پاک بھارت تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔کوئی کہہ رہا ہے کہ امریکہ پاکستان پر بھارت کو فوقیت دے رہا ہے۔ کسی نے اپنے تبصرے میں کہا کہ امریکی صدر کا پاکستان نہ آنا پاکستان کی سفارتی پالیسی کی ناکامی ہے۔ بحر حال ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنی اپنی سمجھ اور سوچ کے مطابق اس دورے پر تبصرہ کرے۔ مگر یک بات تو آپ کو ماننا پڑے گی

کہ امریکہ پاکستان کا دوست نہ تھا اور نہ کبھی بن سکتا ہے۔ امریکہ ہمیشہ اپنے مفاد کی خاطر پاکستان کا ساتھ دیتا ہے۔ اگر ہمارے حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ پاکستان کا دوست ہے تو پھر کوئی ہمیں اس سوال کا جواب دے سکتا ہے کہ حالیہ دورہ بھارت میں امریکی صدر نے کشمیر کے ایشو پر کوئی ایک الفاظ کیوں نہیں بولا؟ کسی جگہ پر اس نے یہ بیان دیا کہ کشمیر کا مسئلہ فوری حل کیا جائے یا کشمیری قیادت سے ملاقات کی ہو؟

اگر دیکھا جائے تو امریکہ صرف اور صرف ذاتی مقاصد کے لیے پاکستان کو استعمال کر رہا ہے۔ روس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے اس نے مسلمانوں کو استعمال کیا۔ افغانستان، عراق اور دوسرے اسلامی ممالک میں تو اس نے مسلمانوں سے جنگ لڑی مگر کشمیر کے حق کے لیے جنگ تو بڑی دور کی بات محبت کے دو الفاظ بھی ادا نہ کر سکے۔ اب افغانستان سے اپنی جان چھڑانے کے لیے پاکستان کو اپنا حلیف بنا رہا ہے ورنہ اس کو پاکستان سے اتنی ہمدردی نہیں۔ پاکستان سے جو ملک اس وقت دوستی نبھا رہا ہے وہ صرف چین ہے۔ اس دوستی کے پیچھے جو مقاصد ہیں اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔

امریکی صدر کا دورہ بھارت کی ایک اہم وجہ چین پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔ امریکہ اور دوسری عالمی طاقتیں یہ سمجھتی ہیں کہ بھارت کے ذریعے چین کا

گھیراؤ کیا جاسکتا ہے تو یہ امریکہ سمیت دوسری عالمی طاقتوں کی خام خیالی ہے۔اس خطے کا اہم ملک پاکستان ہے۔یہ امریکہ کی غلط فہمی ہے کہ وہ پاکستان کو سائیڈ پر کرکے خطے پر کنٹرول کرسکتا ہے۔بھارت کے ساتھ امریکی گٹھ جوڑ سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

پاکستان ایک ایٹمی طاقتور ملک ہے پاکستان کسی بھی ملک سے کمزور نہیں اور نہ ہی کوئی بھی بالخصوص بھارت پاکستان کو کمزور سمجھے۔امن قائم کرنے کیلئے اس خطے میں جو کردار پاکستان ادا کرسکتا ہے وہ بھارت نہیں کرسکتا۔

جہاں تک نیوکلیئر معاہدے کا تعلق ہے تو بھارت نے ہمیشہ اسکی خلاف ورزی کی ہے۔جبکہ پاکستان نے کبھی بھی عالمی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کی۔جس کی مثال مقبوضہ کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ ہے۔پاکستانی سرحدوں کی آئے دن کھلی خلاف ورزی، کراچی، بلوچستان میں بھارت کی خفیہ ایجنسی را کی مداخلت بھی شامل ہے۔جس کے ثبوت کئی بھارت کو دیے جاچکے ہیں۔پاکستان کو امریکہ اور بھارت سے زیادہ چین کی ضرورت ہے جو ہمارے ہر دکھ میں ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔جس نے ہماری دفاعی میدان میں بھرپور مدد کی۔

کشمیر سے صرف یکجہتی کافی نہیں

دنیا میں اکثر دن کسی نا کسی نام سے منسوب ہوتا ہے جیسے یکم مئی کو یوم مزدور کا نام دیا ہوا۔اسی طرح 5فروری کا دن کشمیری بھائیوں سے اظہار یک جہتی کا دن ہے۔ ہر سال پاکستان میں 5 فروری کو مختلف سیاسی پارٹیاں کشمیری عوام سے اظہار یکجہتی کے لیے تمام چھوٹے،بڑے شہروں میں جلسے جلوس، ریلیاں ، سیمینار اور بہت سے پروگرام تشکیل دیتی ہیں۔ کشمیر کی سرحد پر انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنائی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کرایا جاتا ہے کہ پاکستان کی عوام اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ تمام اخبارات میں مضامین اور سپیشل ایڈیشن شائع کیے جاتے ہیں اور ٹی وی چینلز پر کشمیر کے حوالے سے خصوصی شو اور ڈاکومینٹری پروگرام کے ساتھ ساتھ ٹاک شو بھی ہوتے ہیں۔ یوم یکجہتی کشمیر منانے کا سلسلہ ابھی چند سال پہلے شروع کیا گیا۔ شروع شروع میں چند مذہبی اور سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے طور پر یہ دن مناتی تھیں مگر بعد میں اس دن کو حکومتی سطح پر منانا شروع کر دیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوم یکجہتی کشمیر کیوں منایا جاتا ہے؟ اور گزشتہ چند سالوں میں اس دن کے حوالے سے جو سرگرمیاں ہوئیں ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے۔ اگر ہم اس دن پر ہم تفصیلی غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ

پاکستان کی سیاسی پارٹیوں نے اس دن کو اس لیے منانا شروع کیا کیونکہ وہ کشمیریوں سے وابستگی کو بنیاد بنا کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ سیاسی حمایت حاصل کی جائے۔ کشمیری عوام کی تاریخی جدوجہد جو کشمیر کی آزادی، خوشحالی اور ایک شاندار مستقبل کے لیے ہے۔ کشمیریوں کی تحریک آزادی ہے جس نے پاکستانی عوام کے دلوں میں کشمیریوں کے لیے زبردست ہمدردی، یکجہتی اور محبت کے جذبات پیدا کیے۔اس صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستانی سیاسی پارٹیوں نے اس دن کو منانا شروع کردیا جس کا یہ عمل آج بھی جاری و ساری ہے۔

دراصل جس وقت پاکستان اور بھارت کی تقسیم ہوئی اس وقت کشمیر پاکستان کے حصے میں شامل تھا مگر ہندو اور انگریزوں کی چالاکی اور بے ایمانی سے یہ کشمیر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل کردیا گیا۔ کشمیر کو حاصل کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان چار جنگیں بھی لڑی گئیں مگر اس کے باوجود کشمیر کا ابھی تک کوئی حل نہیں نکل سکا۔ کشمیر کی عوام پاکستان کے قیام سے لیکر آج تک پاکستان کو اپنا مسیحا سمجھتی ہیں۔پاکستان کے آزادی کے دن وہ بھی یوم آزادی مناتے ہیں مگر بھارت کے یوم آزادی کو آج بھی کشمیری عوام یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں اور اسی طرح پاکستان بھی کشمیر کو اپنی شہ رگ سمجھتا ہے۔ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں کشمیر میں کئی لاکھ کشمیری شہید ہو چکے ہیں اور اس سے زائد زخمی ہوئے۔ کشمیری عوام جانی و مالی قربانیوں کے باوجود

اپنے وہ مقاصد حاصل نہ کرپائے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ کشمیری عوام کی آزادی کی جدوجہد میں مزید جوش وجذبہ پروان اور تڑپ بڑھ رہی ہے۔ ہر عہد میں کشمیریوں نے اپنی تاریخی مزاحمت سے اپنی آزادی کی تڑپ کو عیاں کیا ہے۔ کشمیری عوام آج بھی ہندوستانی حکمران طبقے کے خلاف آواز بلند کیے ہوئے ہے۔ 1947 میں جب برصغیر کے عوام نے انگریزوں سے آزادی کی جدوجہد شروع کی تو انگریز سامراج ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور ہوگیا کیونکہ انگریز سامراج کو یہ محسوس ہوگیا تھا کہ اب برصغیر میں ایک نیا نظام قائم ہو کر رہے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ ہمارے نظام کے لیے خطرناک ثابت ہوگا اس لیے انگریزوں نے ہندوستان کو شعوری طور پر تقسیم کیا۔ اس وقت دنیا کے نقشے پر جو دو ریاستیں معرض وجود میں آئیں۔اس دوران لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے اور لاکھوں لوگ ہی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ اس تمام صورت حال سے کشمیر بھی متاثر ہوا اور آخر کار کشمیر تقسیم ہوگیا۔ کشمیری عوام کی ہمدردی پاکستان کے ساتھ تھیں اور ساتھ رہیں گی۔پاکستان اور بھارت کے درمیان جب بھی جنگ لڑی گئ اس کی وجہ لڑائی کشمیر ہے۔پاکستان کشمیر کو اپنی شہ رگ مانتا ہے اسی لیے پاکستانی عوام کی کشمیر سے دلی اور مذہبی وابستگی ہے۔اسی لیے شاعر نے کیا خوب کہا

یاران جہاں کشمیر کو کہتے ہیں جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نا ملے گی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح دن منانے سے کیا کشمیری عوام کی نجات ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ اگر ایسا ہونا ہوتا تو شاید بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔ کشمیری عوام سے 5 فروری کو یکجہتی منانے سے کشمیر آزاد نہیں ہوگا۔ اگر اسکی آزادی منظور ہے تو اس کے لیے عملی اقدام کرنا ہونگے۔ آج کوئی شخص کسی کے ایک فٹ جگہ پر قابض ہو جائے تو وہ لوگ مرنے مرانے تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر پاکستان کشمیر کو کیسے دشمنوں کو دے سکتا ہے؟ پچھلے کافی عرصہ سے کشمیر کے حل کے لیے ایک کشمیر کمیٹی بنائی ہوئی ہے اسکا کیا فائدہ؟ سوائے ملک کے خزانے پر بوجھ کے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے تجارت کرنی ہو تو چند ماہ میں ڈائیلاگ کرکے تجارت کے لیے سرحدیں کھول دی جاتی ہیں مگر کشمیر کے نام پر یہ حکمران خاموش اختیار کیے بیٹھیں ہیں۔ کشمیری عوام پر جو ظلم ہندوستانی حکمران ڈھا رہے ہیں اس کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ آج بھی کشمیر کے لوگ محمد بن قاسم کا انتظار کر رہے ہیں جو آئے اور ان کا آزادی دلائے۔ کشمیر کا سودا کوئی بھی مسلمان قبول نہیں کرسکتا کیونکہ ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں کشمیر کی آزادی کے لیے دی ہیں کیا ہم ان قربانیوں کو رائیگاں جانے دیں گے؟ کشمیر کی آزادی کے بغیر پاکستان کا بچہ بچہ بھارت کو کبھی اپنا دوست قبول نہیں کرے گا۔

یوم یکجہتی کشمیر یا کشمیر ڈے پر پاکستانی عوام کو یہ ضرور سوچنا ہو گا کہ

کشمیری عوام سے یکجہتی کی بنیاد اور طریقہ کار کیا ہو گا؟ کیا یکجہتی حکمران طبقے کے نقطہ نظر پر کی جانی چاہئے یا عوام کے؟ اس پر غور کریں کہ آج حکمران طبقہ دنیا کے کسی بھی ملک میں رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ بینک دولت بنا سکتا ہے۔ مگر عوام کے لیے قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں وہ اگر ایک شہر سے دوسرے شہر جانا چاہیں تو انہیں مطلوبہ سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ اگر عوام ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی بات کریں تو انہیں قومی' مذہبی' علاقائی اور لسانی تعصبات میں الجھا دیا جاتا ہے۔ جبکہ حکمران طبقہ تمام تر تعصبات سے بالاتر ہو کر پوری دنیا میں عیاشی کرتا پھرتا ہے۔ آج آزادی اور نجات کی ضرورت صرف کشمیری عوام کو نہیں پاکستانی عوام کو بھی ہے۔ کیونکہ غربت، بیروزگاری، بیماری، جہالت، دہشت گردی اور بنیادی ضروریات زندگی کی عدم دستیابی نے آج پاکستانی عوام کو قید کر رکھا ہے۔

آیئے اس کشمیر ڈے (یوم یکجہتی کشمیر) کے موقع پر ہم عہد کریں کہ ہم اپنے مسلم حکمرانوں کو کشمیر کے آزادی کے لیے مجبور کریں گے اور کشمیری بھائیوں کو ان کا حق دلائیں گے خواہ اس کے لیے ہمیں اپنی جانوں کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے اور بھارت کے ساتھ اس وقت تک تعلقات نہیں بنائیں گے جب تک وہ ہمارے کشمیر بھائیوں کو انکا حق نہیں دے دیتا۔ اگر ایسا نہ ہو پھر کشمیر کی آزادی کے دن تک پاکستان کے بچے بچے کی زبان پر ایک ہی نعرہ رہے گا'' کشمیر

کی آزادی تک، جنگ رہے گی جنگ رہے گی۔ بھارت کی بربادی تک، جنگ رہے گی
''جنگ رہے گی

ورلڈکپ ہمارا ہے

جیسے جیسے کرکٹ ورلڈکپ کی نزدیک آرہا ہے دنیا بھر میں ورلڈکپ کا بخار مزید چڑھتا جارہاہے۔ ہر طرف کرکٹ ورلڈکپ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ بچوں سے لیکر بوڑھوں تک ، عورتوں سے لیکر مردوں تک، سوشل میڈیا سے لے کر الیکڑانک میڈیا تک، ہر طرف جس کو دیکھو ورلڈکپ کے متعلق باتیں کرتا نظر آرہا ہے۔اتوار کے دن میں بھی اپنے بیتے دنوں کی یاد تازہ کرنے کے لیے کرکٹ کے گراونڈ میں پہنچ گیا۔ وہاں پر شاید کوئی کرکٹ میچ ہونے والا تھا کیونکہ وہاں پر عوام کا کافی رش تھا۔ میں بھی وہاں پر موجود پلیئرز سے گپ شپ کرنے لگا۔ اس کے بعد میچ شروع ہوگیا اور میں ایک سائیڈ پر بیٹھ کر میچ دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں میری نظر ننھے منے بچوں پرپڑی جو اس میچ کو دیکھ کم رہے تھے اور شرارتیں زیادہ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بیٹا یہ بتاؤ اس بار کرکٹ ورلڈکپ کون جیتے گا؟ وہ اپنی توتلی زبان میں بولے'' ورلڈکپ ہمارا ہے''جب میں نے یہ سنا تو دل کو بہت اچھا لگا مگر جب ٹیم کی حالیہ کارکردگی تو دیکھا تو مایوسی کے بادل چھانے لگے۔

ورلڈکپ کے لیے جو خواہش بچوں نے کی اسی طرح کی خواہشات پاکستانی عوام کی

بھی ہے۔ ورلڈکپ میں جہاں کھلاڑیوں نے اپنازور دکھانا ہے وہاں پر ہی پوری قوم
اپنی ٹیم کے لیے خصوصی دعائیں کررہی ہے مگر افسوس ہماری کرکٹ کے
کرتادھرتا''شاید پاکستان میں ورلڈکپ لانا ہی نہیں چاہتے۔ پی سی بی نے جو ٹیم ''
ورلڈکپ کے لیے سلیکٹ کی ہے اس میں چند کھلاڑی اس قابل ہی نہیں کہ وہ ٹیم کا حصہ
بن سکیں مگر ہمارے سلیکٹر نے نہ جانے کیا سوچ کریا کسی مجبوری میں ان کو ٹیم میں جگہ
دے دی۔ کہیں سکندربخت والی بات ٹھیک تو نہیں کہ ''سلیکٹر کی سلیکشن کے بعد ایک
اور سلیکشن ہوتی ہے جس میں کرکٹ کے ناخداؤں کے بچوں کی پسند و ناپسند کو مد نظر
رکھا جاتا ہے۔'' پی سی بی نے جو ٹیم سلیکٹ اس میں ٹیم کی قیادت مصباح الحق کے
حوالے کی گئی ہے جبکہ دیگر کھلاڑیوں میں محمد حفیظ،احمد شہزاد، یونس خان، عمر اکمل،
حارث سہیل، صہیب مقصود، سرفراز احمد، یاسر شاہ، شاہد آفریدی، وہاب ریاض،
احسان عادل، سہیل خان، محمد عرفان اور جنید خان کو شامل کیا گیاہے۔ جنید خان ان
فٹ ہوکر ٹیم سے باہر ہوگئے ہیں اور پھر ان کی جگہ بلاول بھٹی کو ٹیم میں شامل کیا
جس نے آتے ہی پاکستان کا نام روشن کردیا اور ایک ورلڈریکارڈ پاکستان کے نام
کرادیا۔جو شاید ''بھٹی ''کے لیے باعث اعزاز ہو مگر پاکستانیوں کے باعث شرم ہے۔
سلیکشن پر تو بہت سے تبصرہ نگاروں اور کرکٹرز نے تنقید کی ہے مگر میں یہاں پر تنقید تو
نہیں کررہا مگر ٹیم کی حالیہ کارکردگی سے عوام کی طرح میں بھی

پریشان ضرور ہوں۔ ہماری ٹیم پہلے نیوزی لینڈ کی پریذیڈنٹ الیون سے مسلسل دو میچ ہاری اسکے بعد نیوزی لینڈ کی ٹیم نے بھی دو میچوں میں شکست دیکر پاکستانی ٹیم کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ دیکھا جائے تو پاکستان کی ٹیم اتنی کمزور بھی نہیں مگر ہماری ٹیم اور اس کے ناخداؤں نے پہلے ہی ہمت ہار لی یا پھر عوامی رد عمل سے بچنے کے لیے پہلے سے ہی اپنی ہار کا رونا شروع کر دیا ہے۔ مجھے اپنی ٹیم کے قائد اور چیئرمین پی سی بی سے اتفاق نہیں کیونکہ چند دن پہلے میں نے مصباح الحق اور پی سی بی چیئرمین شہریار کا بیان پڑھا جس میں انہوں نے اپنی ٹیم کو کمزور بتایا ہے۔جب ہمارے ٹیم کے سپہ سالار ہی امید چھوڑ دیں تو پھر باقی کھلاڑیوں کا کیا حال ہوگا۔ مگر اس پوزیشن میں ہمارے کھلاڑی بھی پیچھے نہیں رہے وہ بھی وقتاً فوقتاً اپنی تیاری پر خود انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔آل راؤنڈر شاہد آفریدی کا کہنا ہے کہ ورلڈ کپ کی جس طرح تیاری ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ تیاری کس نے کرنی تھی عوام نے یا کھلاڑیوں نے؟ پی سی بی کے ٹھیکدار جو ماہانہ لاکھوں روپے ہڑپ کر رہے ہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ جہاں تک ہمارا تجزیہ ہے ٹیم کافی بیلنس ہے سوائے فاسٹ بولنگ کے اور اگر پی سی بی چاہے تو وہ بھی مضبوط ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کیا یہ 2011 کے ورلڈ کپ ٹیم سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ پچھلے ورلڈ کپ

میں شاہد آفریدی کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت ہماری ٹیم نے سیمی فائنل تک رسائی حاصل کی مگر بدقسمتی یا حکمرانوں کی نااہلی کی وجہ سے بھارت سے سیمی فائنل میں شکست کھائی۔ پاکستانی سائیڈ میں سوائے سہیل خان، احسان عادل اور راحت علی کے علاوہ تمام کھلاڑی اچھے ہیں۔

اس ورلڈکپ میں کیا سارا دباؤ محمد عرفان اور وہاب ریاض پر ہوگایا کیا اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کے لیے احسان عادل اور سہیل خان تیار ہوں گے؟ احسان عادل کو ایک روزہ بین الاقوامی مقابلوں میں کھیلے ہوئے ڈیڑھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے جبکہ 30 سالہ سہیل خان نے تو تین سالوں سے پاکستان کی نمائندگی نہیں کی۔ راحت علی نے تو صرف ایک ون ڈے انٹرنیشنل میچ کھیلا ہے۔ کیا ایسے باؤلر پاکستان کو گرین وکٹ پر میچ ونر بنا سکتے ہیں؟ اگر شہریار اپنی انا کا خول اتار دیں تو پھر سہیل تنویر ان تینوں باؤلر سے کئی درجہ اچھے ہیں۔ عمر گل پر بھی چانس لیا جاسکتا ہے۔ اب جب سعید اجمل کو آئی سی سی نے کلئیر کردیا تو پھر ہمارے چیئرمین صاحب کیوں فرمارہے ہیں کہ سعید اجمل ورلڈکپ نہیں کھیل سکتا۔ اگر پی سی بی ہمت کرے تو سعید اجمل ورلڈکپ میں اپنا رول ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اب تازہ ترین خبر ہے کہ محمد حفیظ بھی بغیر کھیلے ورلڈکپ کی دوڑ سے باہر ہوگئے ہیں۔ ان کی جگہ ناصر جمشید کو شامل کرلیا گیا ہے۔

پاکستان کی کارکردگی تو وارم اپ میچ سے کھل گئی۔ وہ ہی ہوا جس کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں صرف عرفان نے ہی پرفارمنس دی باقی سب زیرو رہے۔ دعا دیں صہیب مقصود کو جس نے پاکستان کی لاج رکھ لی ورنہ ہمارے ٹاپ آرڈر نے تو میچ ہروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ عوام کو نہیں معلوم کہ پی سی بی اور ہمارے کھلاڑیوں کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے مگر اس وقت ہر کوئی ورلڈکپ کے بخار میں مبتلا ہے۔ ہرپاکستانی کی خواہش ہے کہ پاکستان یہ ورلڈکپ جیتے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے کھلاڑیوں کو ہمت و حوصلہ دے اور وہ ورلڈکپ لیکر وطن واپس آئیں۔ آمین

فروری" شیطانی فعل کا عالمی دن 14"

ویلنٹائن ڈے غیر مسلموں کی ایک گہری سازش ہے جو مسلمان نوجوان لڑکے لڑکیوں کو گمراہ کرنے کے لیے منایا جاتا ہے۔ ہر سال 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے پوری دنیا میں بڑی دھوم دھام سے یہ دن منایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کے لیے تو یہ تہوار برا نہیں ہوگا مگر مسلمانوں کے لیے یہ بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی کا تہوار ہے۔ کوئی بھی مسلمان نہیں چاہتا کہ اس کی بہن بیٹی کسی نامحرم کو پھول یا تحائف پیش کرے۔ ہمارے مسلمانوں کا کچھ مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو لبرل مسلمان بھی کہلانا پسند کرتے ہیں ان کا اس تہوار کے بارے میں فرمان ہے کہ " لازمی نہیں کہ کوئی گرل فرینڈ اپنے بوائے فرینڈ کو ہی یہ دن وِش کرے بلکہ ایک بیٹی اپنے باپ کو اور کوئی بہن اپنے بھائی کو بھی وِش کر سکتی ہے مگر شاید ان لوگوں نے اس کی ہسٹری نہیں پڑھی۔ اگر پڑھی ہوتا تو وہ اس طرح کا جواب نہ دیتے۔

ایسے لبرل مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے یہ تو جان لیں کہ یہ دن کیوں اور کس کی یاد میں منایا جاتا ہے یا اس دن کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ اس تہوار کی حقیقت کیا ہے؟ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کا منانا جائز ہے یا

ناجائز اور اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کبھی مسلمانوں نے بالخصوص نوجوانوں نے سوچا ہے کہ ہم کن کے نقش قدم پر چل رہے ہیں؟

اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پادری تیسری صدی عیسوی کے آخر میں رومانی بادشاہ کے زیر حکومت رہتا تھا۔ کسی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ نے پادری کو جیل میں بند کر دیا۔ جیل میں جیل کے چوکیدار کی لڑکی سے اس کی علیک سلیک ہو گئی اور وہ اس کا عاشق بن بیٹھا یہاں تک کہ اس لڑکی نے نصرانیت قبول کر لی۔ وہ لڑکی ایک سرخ گلاب کا پھول لے کر اس کے پاس آتی تھی۔ جب بادشاہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو اس نے پادری کو پھانسی کا حکم دے دیا۔ پادری کو جب یہ پتا چلا تو اس نے سوچا کہ آخری لمحات اپنی معشوقہ کے ساتھ گزارے۔ چنانچہ اس نے اس کے پاس ایک کارڈ بھیجا جس پر لکھا تھا "مخلص ویلنٹائن کی طرف سے" پھر اس پادری کو 14 فروری کے دن پھانسی دے دی گئی۔ بس اس دن کے بعد سے یورپ میں ہر سال اس تاریخ کو لڑکوں کی طرف سے لڑکیوں کو کارڈ بھیجنے کا رواج چل نکلا۔ آج پوری دنیا میں اس دن کو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑے زور و شور سے مناتے ہیں۔ اس موقع پر کارڈ اور خاص طور سرخ گلاب کے پھول پیش کیے جاتے ہیں اور مختلف رنگین محفلیں سجائی جاتی ہیں۔

افسوس کہ مسلمان معاشرہ بھی اس سے بے ہودہ حرکات سے محفوظ نہ رہ سکا حالانکہ یہ ایک خالص غیر مسلم عقیدہ ہے جس میں ایک کافر نصرانی شخصیت کی یادگار منائی جاتی ہے۔اسلام میں ویلنٹائن ڈے منانا، سرخ گلاب کا پھول یا کوئی اس نوعیت سے تحفہ تحائف دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن جب ہم مسلمان یہ دن مناتے ہیں تو کافر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مذہب میں مسلمان بھی شریک ہو رہے ہیں ۔کیا آپ نے کبھی اسلامی تہواروں میں غیر مسلموں کو اس زوروشور سے شامل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔

شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں موقف کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں یہود و نصاریٰ) کی قدم بقدم پیروی کروگے ،اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل) ہونگے تو تم لوگ اس میں بھی داخل ہونے کی کوشش کروگے ،آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ پہلی قوم سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟آپ نے فرمایا پھر اور کون؟'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کے کچھ لوگ ہر برے اور خلاف شرع کام میں یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے اور بغیر سوچ سمجھے ان کی تقلید میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ غلیظ سے غلیظ کام میں بھی وہ ان منحوس وملعون قوموں کے نقش قدم کو اپنائیں گے۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ 14 فروری کو یہ دن منانا ہمارے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس دن سے ہمارے دین کا کوئی تعلق نہیں۔ جبکہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے پھر بھی ہم اس کو منائیں تو یہ ہماری بدبختی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک طرف ہم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کی باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم یہودیوں کے طور طریقوں پر عمل کر رہے ہیں۔

اسلام میں عورت کا نامحرم کو دیکھنا بھی منع ہے حتیٰ کہ کزنز سے پردے کا حکم ہے اور مرد کے لیے حکم ہے کہ ایک نظر کے بعد دوبارہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھنا بھی گناہ ہے (حضرت علیؓ)

آج کل ہماری نئی نسل اس بے ہودہ رسم کی پیروی کرتے ہوئے ناواقفوں کو پھول اور کارڈ پیش کرتے ہیں۔ ہوٹلیں بک کر جاتی ہیں۔ شراب کے ساتھ فحش ڈانس تک کیے جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد ایک دوسرے کو کارڈ اور پھول پیش کیے جاتے ہیں۔ اس بے ہودہ حرکتوں پر لڑائی جھگڑے تک ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں برسوں سے کافی لوگ مارے جا چکے ہیں۔ آخر ہم مسلمان کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے ان فضول کاموں سے اسلام کی کتنی بدنامی ہوتی ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے متعلق کیا سوچتے ہونگے کہ ان کا کیسا مذہب ہے جس کی یہ پیروی تو کرتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ ہمیں چاہیے کہ نا صرف خود بلکہ دوسروں لوگوں کو بھی اس غیر اخلاقی

بے ہودہ اور فحش حرکات سے روکیں۔ محبت کے لیے کوئی دن مخصوص نہیں یہ دن، صرف عیاش لوگوں نے مخصوص کیا ہوا ہے۔

صرف پاک بھارت میچ ورلڈ کپ نہیں

کھیل کو کھیل ہی رہنا چاہئے اس کو جنگ یا جنون نہیں بنانا چاہئے اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کو میدان کوئی بھی ہو اس میں فتح ایک کی ہوتی ہے اور اسپورٹس مین اسپرٹ یہ ہوتی ہے کہ انسان فتح کے لئے اپنی پوری جان لڑا دیتا ہے لیکن شکست ہونے کی صورت میں اس کو بھی خوشدلی سے قبول کرلینی چاہیے۔یوں تو ورلڈ کپ کے تمام میچ ہی اپنی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں کہیں نہ کہیں سنسنی پائی جاتی ہے۔ تاہم پاک بھارت میچ میں جس قدر سنسنی اور جوش و جذبہ دیکھنے کو ملتا ہے وہ کسی اور میچ میں نہیں۔اِس کی ایک بڑی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ کرکٹ جیسے کھیل کو دیکھنے والوں کی تعداد پوری دنیا کے مقابلے میں پاکستان اور بھارت میں زیادہ ہے

اب اگر جوش و جذبے میں کچھ کمی باقی رہ جاتی ہے تو اُس کو پورا کرنے کے لیے دونوں ممالک کا میڈیا بھی بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان ایک کھینچاؤ اور جنگ کی سی صورتحال کو پیدا کردی جاتی ہے۔ جہاں پر شائقین کو ایک دوسرے کے خلاف نازیبا اور نفرت انگیز الفاظ استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔میڈیا پر ماہرین کرکٹ اور ایسے افراد کو لا کر بیٹھا دیا جاتا ہے

کہ جو ایک دوسرے کے لئے خیر کے جملے تو درکنار بلکہ ایسا ماحول پیدا کردیتے ہیں کہ بس جیت کے سوا دوسرا آپشن ہے ہی نہیں۔ دونوں ممالک کے ٹی وی پروگرامات شائقین کرکٹ میں ایسا جذبہ پیدا کردیتے ہیں کہ انکی یہ سوچ وہ نہیں رہتی جو کھیل سے جڑی ہوتی ہے۔ سب یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ فقط ایک کھیل ہے اور اس کو کھیل کی حد تک ہی دیکھا جانا چاہیے۔ کھیل ذہنی تناؤ کو کم کرنے اور صحت مندانہ سرگرمیوں کے لئے کھیلے جاتے ہیں لیکن میڈیا مافیا نے پاک بھارت میچ کو ایک جنگ کی صورت دیدی اور ایسا ماحول بنا دیا کہ گویا کہ پاکستان اور بھارت کی جنگ چھڑ گئی ہے۔

اب ہمیں بھی اپنی شکست کو خوش دلی سے قبول کرلینا چاہئے اور اپنی ٹیم کو برا کہنے یا ان پر تنقید کرنے کے بجائے ان کا حوصلہ بلند کرنا چاہیے۔ میچ میں اگر غلطیاں نہ ہوں تو پھر کوئی بھی ٹیم ہار کا مزا نہیں چکھ سکتی۔ جہاں تک اس میچ کا تعلق ہے تو اس میں پاکستان کرکٹ ٹیم مینجمنٹ اور کھلاڑیوں سے کئی غلطیاں سرزرد ہوئی۔ پہلی بات تو یہ کہ پاکستانی مینجمنٹ کو یونس خان سے اوپننگ نہیں کرانی چاہیے تھی، اس کا جو نمبر ہے اس پر کھلانا چاہیے تھا۔ اگر ان کی یہ سوچ تھی کہ اگر پہلی گیند پر اوپنر آؤٹ ہوجاتا ہے تو تب بھی یونس نے بیٹنگ کرنا ہوتی ہے تو یہ بہت غلط سوچ تھی کیونکہ کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ مسلسل دو یا تین بالز پر کھلاڑی آؤٹ ہوجاتے ہیں تو کیا ٹوڈاؤن یا

تھری ڈاؤن سے اوپننگ کرالینی چاہیے؟ اتنے بڑے میچ میں تجربے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ میچ دونوں ملکوں کے لیے جنگ بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہمارے دوسرے بیٹسمینوں نے اس میچ کوٹی ٹونٹی سمجھ لیا تو جو بغیر دیکھے چھکے چوکے لگانے کی ٹھان کر آئے تھے۔ وکٹ پر کھڑے ہو کر پہلے وکٹ کا جائزہ تو لو یہ کس طرح کھیل رہی ہے؟

دوسری جانب ہماری ٹیم کی فیلڈنگ انتہائی ناقص رہی، ویرات کوہلی کے کیچ ڈراپ ہونے کی وجہ سے اس نے گراؤنڈ کے چاروں طرف ایسے سٹروک کھیلے جیسے گیند فٹ بال ہو۔ کپتان کی پلاننگ پر کافی انگلیاں اٹھ رہی تھیں۔ عرفان کا جو میڈیا نے ہوا چلائی ہوئی تھی اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ سہیل خان جس کی ٹیم کی جگہ بھی نہیں تھی اس نے پاکستان کی عزت رکھ لی ورنہ ایک بار تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بھارت دو یا تین وکٹوں پر سکور کا پہاڑ کھڑا کردے گا مگر پھر بھی پاکستان باؤلنگ نے بھارت جیسی مضبوط بیٹنگ لائن کو 300 تک محدود کر کے ثابت کر دیا کہ ہماری باؤلنگ بری نہیں ہے۔

پاکستان بھارت کے میچ کے بعد میڈیا نے اپنے تبصروں میں بڑی بڑی باتیں کی مگر انہوں نے آئی سی سی پر کوئی انگلی نہیں اٹھائی۔ ایک بات جو سب نے دیکھی کہ ابھی ورلڈکپ کو شروع ہوئے دو دن ہوئے ہیں اور دو دنوں میں ایمپائرز نے دو

بہت بڑی غلطی کیں ہیں جس کا ازالہ اب ممکن نہیں۔ اس ایونٹ میں ایمپائروں نے جو غلطیاں کی ہیں اس پر کوئی تنقید نہیں کر رہا۔ پہلے دن ڈی ویلئیر کو غلط آؤٹ دیا اور آج عمر اکمل کو۔ تھرڈ ایمپائر جو ویڈیو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے وہ بھی غلطی کرے تو پھر آئی سی سی کا اللہ حافظ ہے۔ آئی سی سی کے معافی مانگنے سے وہ غلطی پوری نہیں ہو جاتی اس کے لیے بھی قانون ہونا چاہیے کہ جو ایمپائر غلط فیصلہ کرے اسے فوری ورلڈکپ کے باقی میچوں سے ہٹا دیا جائے اور اسکی جگہ دوسرے ایمپائرز کو تعینات کیا جائے تاکہ اسے بھی اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔

خیر ابھی تو پاکستان کی ابتدائی میچ تھا ابھی بہت لمبا سفر باقی ہے اگر پاکستان جوش کی بجائے ہوش سے کھیلے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ورلڈکپ کا نام پاک بھارت میچ نہیں ہے۔ بقول عمران خان کہ بھارت کے خلاف میچ میں قومی ٹیم کی پلاننگ ناکافی تھی لیکن ٹیم کو اس ہار سے دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ پاکستان کی جانب سے آج کی شکست کا درست تجزیہ کیا جائے تو آئندہ میچز میں اس ناکامی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ آج کے میچ میں ٹیم کی جانب سے ٹیلنٹ کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا لیکن میگا ایونٹ کے باقی میچز بھی انتہائی اہم ہیں اور ان کے لیے بہتری کی ضرورت ہے۔ ایک میچ میں خراب پرفارم کرنے والے کو ٹیم سے نہیں نکالنا چاہیئے اس لیے اگر ٹیم مینجمنٹ یونس خان کو ڈراپ

کرتی ہے تو اس کا یہ فیصلہ غلط ہو گا۔ پاکستان ٹیم کے پاس باؤلنگ اٹیک مضبوط ہے۔ اگر بلے باز اچھا پرفارم کر دیں تو محمد عرفان، وہاب ریاض اور سہیل خان جیسے باؤلر بہترین دفاع کر سکتے ہیں۔

پاکستانی قوم سے یہی کہوں گا کہ کھیل کو صرف کھیل سمجھو۔ اسکو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ جو جذبات ہمارے ملک کے لیے ہوتے ہیں وہی جذبات ان کھلاڑیوں کے ہوتے ہیں مگر کھیل میں ہار جیت تو ہوتی ہے۔ آخر میں پاکستانی ٹیم کے لیے میں تو یہی کہوں گا کہ تم جیتو یا ہارو ہمیں تم سے پیار ہے۔

شکست ہمارا مقدر کیوں؟

چند دوستوں کے ہمراہ ایک ہوٹل میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ہوٹل میں بڑی رونقیں تھیں۔ ہر کوئی باتوں میں مصروف تھا۔ زیادہ تر لوگ ورلڈکپ پر محو گفتگو تھے۔ ویسے بھی آج کل پوری دنیا میں کرکٹ ورلڈکپ کا چرچا ہے۔ ویسے بھی سب سے زیادہ بزنس ورلڈکپ پر ہو رہا ہے کیونکہ ورلڈکپ کے ہر میچ پر کروڑوں کا جوا کھیلا جا رہا ہے۔ لکھ پی ککھ پتی بن رہے ہیں اور ککھ پتی لکھ پتی بن رہے ہیں۔ ہماری ٹیبل کے قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک گروپ میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور میرے پاس آیا اور سلام دعا کرنے کے بعد مجھے کہنے لگا کہ برادر کچھ دیر ہماری ٹیبل پر تشریف لا سکتے ہیں؟ میں نے وجہ پوچھی تو بولا ہمارے ''باباجی'' آپ سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا ابھی تو میں دوستوں کو ہمراہ کھانا کھانے لگا ہوں اس کے بعد آپ کے ''باباجی'' سے ضرور ملاقات کرونگا۔ وہ اپنی ٹیبل پر جا کر بیٹھ گیا اور ہم کھانا کھانے لگے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں ان کی ٹیبل پر گیا تو وہاں چند نوجوانوں کے ساتھ ایک بزرگ بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام دعا کی اور پھر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

باباجی نے مجھ سے پنجابی میں سوال جواب شروع کر دیے جو اردو میں کچھ یوں

تھے۔بیٹا جی آپ اخبار میں لکھتے ہوں ؟ میں نے کہا جی بابا جی۔ بولے ایک پیغام میرا بھی حکومت تک پہنچا دے۔ میں بولا جی آپ حکم کرے اور بتائیں آپ کا کیا پیغام ہے؟ اس نے کہا'' پاکستان میں پہلے کونسی ایسی خوشحالی ہے جس پر ہم جشن منائیں ۔ہر طرف اپنی اپنی افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ ہر کوئی اپنے مفاد کی جنگ لڑ رہا ہے۔ حکمران اپنی کرسی بچانے اور اپوزیشن کرسی اپنی بنانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ عوام دو ٹائم کی روٹی کے لیے مر رہی ہے۔ مختلف محکموں میں بیٹھے ہوئے لوگ رشوت لینے کے عوام کو مجبور کر رہے ہیں اور اب پاکستانی کرکٹ ٹیم ہمارے دلوں کو بغاوت پر مجبور کر رہی ہے''۔ میں نے کہا بابا جی باقی سب باتیں تو چلو ٹھیک ہے مگر یہ پاکستانی ٹیم آپ کو کونسی بغاوت پر مجبور کر رہی ہے؟ انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا کہ بیٹا کھیل انسان کو دماغی طور پر فریش کرنے کے لیے کھیلا جاتا ہے اور جب پورا پاکستان اس وقت کرکٹ کے بخار میں مبتلا ہے تو ٹیم کی کارکردگی صفر ہو تو دل تو بغاوت کرے گا نا۔ میں نے بزرگوں کرکٹ ایک ہے اور اس میں ہارجیت ہوتی رہتی ہے اگر پاکستان ہار گیا تو کوئی بات نہیں ویسٹ ایڈنز اچھا کھیلی تو اس لیے وہ جیت گئی۔انہوں نے فرمایا کہ ہارجیت کی بات تو ٹھیک ہے مگر کھیل تو معیار کے مطابق کھیلا جائے۔ ویسٹ انڈیز کو آئرلینڈ جیسی ٹیم نے شکست دے دی تو کیا پاکستان آئرلینڈ سے بھی بری ٹیم ہے؟ انہوں نے کہا پاکستان کے باؤلر نے باولنگ ایسے کی جیسے وہ گیند کو زمین پر نہیں آسمان پر پہچانا چاہتے ہیں۔ ہمارے کوچ جو خود یار کرڈ کے

ماسٹر ہے انہوں نے کیا سہیل خان اور وہاب ریاض کو یہ نا بتایا کہ آخری آوور میں
ہر گینڈ باؤنسر یا شارٹ پیچ نہیں ہوتی بلکہ یارک کی جاتی ہیں۔ اسکے بعد فیلڈنگ کوچ
رکھنے کے باوجود ایسی فیلڈنگ کرنی ہو تو پھر اس کوچ پر اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت
ہے۔ مثال ہے مشہور ہے (Pick the catch and win the match) پھر جو
پیٹنگ ہوئی اس نے تو کلب کرکٹ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ کلب کرکٹ کے بچے بھی کبھی
ایک رنز پر چار آوٹ نہیں ہوئے ہوتے۔ میں نے پوچھا باباجی آپ کو کرکٹ کے
بارے میں اتنا کچھ معلوم ہے تو انہوں نے کہا بیٹا میں نے کرکٹ کھیلی نہیں مگر کرکٹ
دیکھ دیکھ کر اور تبصرے سن سن کر اتنا کچھ جان چکا ہوں ۔ کرکٹ کے تبصرہ نگاروں نے
اب ہر پاکستانی کو کرکٹر بنادیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے میڈیا نے تبصرہ نگاروں کی کوئی حد نہیں رکھی۔ وہ لوگ بھی
تبصرہ کرتے نظر آرہے ہیں جو اپنے دور میں ٹیم جگہ بنانے میں ناکام رہتے تھے یا پھر
ایک یا دو میچوں تک کھیلنے تک محدود رہتے تھے۔جب ایسے لوگ تبصرہ کر سکتے ہیں تو پھر
وہ باباجی کیوں نہیں کر سکتے جن کے بقول کہ وہ کرکٹ میچ کسی بھی ملک کا ہو وہ.بڑے
شوق سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب پاکستان میچ ہارتا ہے تو باباجی کا دل دکھتا ہے۔

باباجی کو میں کیسے بتاتا کہ دل تمھارا ہی نہیں میرا بھی بہت دکھ رہا ہے۔

صبح تین بجے سے یہ میچ دیکھنا شروع کیا، لوڈشیڈنگ ہونے کی صورت میں نیٹ پر میچ دیکھا اور جب پاکستان کی شکست قریب دیکھی تو پھر وہ مجھے پتا ہے یا پھر میرے رب کو پتا ہے کہ میرے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ جیسے ساری عوام نے پاکستانی ٹیم کو گالیاں، ٹیم مینجمنٹ کو برا بھلا اور اپنے ٹی وی توڑ کر دل کی بھڑاس نکالی وہ سب میں نہیں کر سکتا۔ البتہ اپنے قلم کے ذریعے میں ضرور اپنے دل کا غبار نکال سکتا ہوں۔

پاکستانی ٹیم نے اپنے کھیل سے یہ ثابت کر دیا کہ ان میں اختلاف ضرور ہیں۔ خواہ وہ مینجمنٹ اور کھلاڑیوں کے درمیان ہیں یا کپتان اور کھلاڑیوں کے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر صدر پاکستان کو فوری طور پر ایکشن لینا چاہیے اور جو کھلاڑی یا مینجمنٹ کا آدمی شامل ہو اس پر فوری طور پر تاحیات پابندی لگائی جائے۔ کرکٹ کی تاریخ میں اس سے بڑا ایونٹ کوئی اور نہیں۔ اگر اس ایونٹ میں آکر انہوں نے یہ کرنا ہے پھر ایسی کرکٹ کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اگر ان میں اختلاف نہیں تو پھر شکست ہمارا مقدر کیوں؟

قاتل ٹرین

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اس نے دنیا سے جانا بھی لازمی ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے۔ دنیا میں آنے کی ترتیب ہے مگر جانے کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ جب کوئی پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں خواہ ایک سانس لے یا کئی سال جی لے مگر اس کو یہ دنیا چھوڑ کر جانا ہوگا۔ موت کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔ انسان کو موت بھی مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ اس دنیا میں بہت کم لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ بس اللہ کی چیز تھی جو اس نے واپس لے لی ورنہ ہر موت کا بہانہ تیار ہوتا ہے کہ فلاں کو ہارٹ اٹیک ہوگیا تو کوئی ایکسیڈنٹ سے مارا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم سب مرنے والے کی موت کو کسی نہ کسی بہانے کا سبب بنا دیتے ہیں۔

کئی بار بم بلاسٹ میں ایک ہی خاندان کے کئی افراد کو شہید ہوتے سنا ہے۔ ایک ہی خاندان کے بہت سے افراد کو ایکسیڈنٹ میں بھی جاں بحق ہوتے دیکھا اور سنا بھی ہے ۔ انسان کی زندگی میں بہت سے حادثات پیش آتے ہیں اور ان حادثات میں کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جو ہمیں سبق دے جاتے ہیں مگر ہم پھر بھی ان سے

سبق حاصل نہیں کرتے۔ حادثات سے بچاؤ کی تدابیر بھی موجود ہوتی ہیں مگر ہم پھر بھی وہی حادثات دوبارہ دہرا جاتے ہیں۔ کچھ حادثات ایسے ہوتے ہیں کہ جس کو چاہتے ہوئے بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ ایسے ہی ایک حادثے نے مجھے جنجھوڑ کر رکھ دیا اور مجھے یہ دل سوز آرٹیکل لکھنے پر مجبور کیا۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ سوموار کے دن چار پانچ بجے کے دوران رینالہ خورد سے ایک نیوز آئی کہ دو معصوم بچے ٹرین کی زد میں آکر شہید ہو گئے۔ روز مرہ نیوز کی طرح اس نیوز کو بھی اپنے آن لائن نیوز نیٹ ورک پر اپ ڈیٹ کرا دیا۔ حسب معمول میں پانچ بجے آفس سے باہر نکل آیا اور جب میں رات کو گھر آ رہا تھا تو مجھے اطلاع ملی کہ جاوید کے بھانجے کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے جاوید کو فون کیا تو وہ اور اسکی فیملی اس وقت تک جمبر سے رینالہ پہنچ چکی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ صرف میرا بھانجا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اُس کی کزن بھی وفات پا چکی ہے۔ جب میں نے انتقال کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ دونوں بچے ٹرین کی زد میں آکر جاں بحق ہو گئے ہیں۔ جس نیوز کو میں روز مرہ نیوز کی طرح پبلش کروا کر آیا ہوں وہ نیوز اصل میں ان بچوں کی تھیں۔ جب میں نے اس سے جنازے کا ٹائم معلوم کیا تو پتا چلا ابھی تو ان دونوں بن کھلے معصوم پھولوں کے باپ ہی نہیں آئے۔ بچے کا باپ ملتان گیا ہوا تھا اور بچی کا باپ اسلام آباد۔ وہ آئیں گے تو پھر جنازے کا ٹائم فائنل ہو گا۔

پھر مجھے اطلاع ملی کہ ان کا جنازہ اگلے دن صبح دس بجے جعفر سٹیڈیم میں ادا کیا جائے گا۔ میں بھی جنازے میں شرکت کے لیے رینالہ چلا گیا۔جب میں پہنچا تو تھوڑی ہی دیر بعد جنازہ اٹھا لیا گیا۔ جس چیز سے میں ڈر رہا تھا اور اس کا برملا اظہار میں نے جاوید سے کر بھی دیا تھا کہ میں سیدھا جنازگاہ پہنچ جاتا ہوں مگر انھوں نے کہا نہیں تم پہلے گھر آؤ۔ اب اس کو کیا بتاتا کہ میں گھر کیوں نہیں آنا چاہتا کیونکہ جس وقت میت کو اٹھایا جاتا ہے وہ رقت آمیز لمحات میرے دل کو بہت بوجھل کر جاتے ہیں۔وہ لمحات مجھے نہ صرف آبدیدہ کر جاتے ہیں بلکہ ان لمحات کے اثرات کئی دن میرے دل پر رہتے ہیں۔ لیکن میں اس کے کہنے پر گھر پہنچ گیا۔جس وقت جنازوں کو اٹھایا گیا اس منظر کو میں اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بچوں کے عزیز و اقارب کے علاوہ وہاں پر موجود خواتین و حضرات کی آنکھیں نم تھیں۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار ایک گھر سے ایک ساتھ دو جنازے اٹھتے دیکھ رہا تھا۔اس سے پہلے صرف میڈیا کے ذریعے ہی سنتا تھا کہ فلاں جگہ پر ایک ساتھ اتنے جنازے اٹھے ۔

جس وقت میں جنازے کے ساتھ جا رہا تھا اس وقت میرے ذہن میں اس بچے (مقیت الرحمٰن) کی فلم ایسے چل رہی تھی جیسے میں کوئی ٹی وی دیکھ رہا ہو۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تو وہ مجھ سے مل کر گیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ ملاقات اس

سے آخری ملاقات تھی۔ اگر میں اس کی باتیں لکھنے بیٹھ جاؤں تو کئی صفحات بھر سکتا ہوں۔ تقریباً اڑھائی سالہ یہ مقیط الرحمٰن جس انداز میں باتیں کرتا تھا میں بیان نہیں کرسکتا۔ اپنی توتلی زبان سے جب باتیں کرتا تھا اس کا انداز بہت دل لبھاتا تھا۔ میں ان بچوں کو مالک حقیقی کے حوالے تو کر آیا مگر اس کے بعد جو میری اپنی حالت ہوئی وہ میں جانتا ہوں یا میرا رب۔ میں سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کا نظام بھی کیا ہے ؟ انسان کو ایک ترتیب سے دنیا میں لاتا ہے مگر جب واپس بلاتا ہے تو اسکی کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ ابھی وہ بچے جو گود میں کھیلانے کے قابل تھے ان کو اتنی جلدی اپنے پاس واپس بلا لیا۔ جب ہم سب کو ان کی وفات پر اتنا دکھ ہو رہا ہے تو ان کے ماں باپ اور دیگر عزیز و اقارب کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی ؟

ٹرین کے یہ حادثات آئے روز کہیں نہ کہیں ہوتے رہتے ہیں مگر حکومت کو چاہیے کہ ایسے حادثات سے بچاؤ کے لیے عملی اقدامات کرے۔ جب آرمی سکول میں دہشت گردی کا واقعہ پیش آیا تو حکومت نے تمام سکولوں کو سخت اقدامات کرنے پر مجبور کر دیا۔ پرائیویٹ سکول ہو یا گورنمنٹ ہر ایک میں سیکورٹی لازمی قرار دے دی۔ حکومت نے گورنمنٹ سکولوں میں سی سی کیمرے تک نصب کرا دیے مگر ٹرین کے حادثات کی روک تھام کے لیے کیوں کوئی اقدام نہیں اٹھا رہی۔ اگر حکومت چاہیے تو ایسے حادثات کی روک تھام کر سکتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ جن

آبادی میں سے ریلوے ٹریک گزر رہی ہے وہاں پر جنگلے لگائے تاکہ دوبارہ کسی ماں کی گود نہ اجڑے، کسی بہن کا بھائی جدا نہ ہو۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ دکھ اس کو ہی ہوتا ہے جس کو چوٹ لگتی ہے مگر دوسرے کا دکھ بانٹنا بھی ثواب کا کام ہے۔اسی لیے حکومت کو صرف اپنے لیے ہی نہیں سوچنا چاہیے بلکہ اپنے دوسرے بہن بھائیوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

سینٹ الیکشن میں بکاؤ کون؟

لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان ترقی پذیر ملک ہے جبکہ میں کہتا ہوں کہ پاکستان تو ترقی یافتہ ملکوں سے بھی کہیں آگے نکل چکا ہے۔ کہنے کو تو ہم لوگ غیر ملکی امداد پر چل رہے ہیں لیکن یہ سفید جھوٹ ہے کیونکہ جس ملک کے سیاستدان سینٹ کے الیکشن میں سیٹ کے لیے صرف ایک ووٹ کی خاطر کروڑوں روپے دے سکتے ہیں تو بھلا وہ ملک دوسرے ممالک کی امداد پر کیسے چل سکتا ہے؟ یہ بات بالکل درست ہے کہ پاکستان کی عوام غریب اور مسائل سے دوچار ہے جبکہ پاکستان کے سیاستدان جو عوام سے ہمدردی کا نعرہ لگاتے ہیں، الحمد اللہ یہ سب عوام کی لوٹی ہوئی دولت سے مالامال ہیں۔ عوام یہ پڑھ اور سن کر ہنستی ہے کہ فلاں سیاستدان کی کوئی جائیداد نہیں یا اس کی جائیداد میں صرف ایک رہائشی گھر ہے۔ ہمارے لیے یہ اس دن کا سب سے مزاحیہ لطیفہ ہوتا ہے۔ اس دور میں جب یونین کونسل کا الیکشن لڑنے کا خرچہ عام آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔ جبکہ ایم این اے یا ایم پی اے کے الیکشن میں لوگ بڑی بڑی گاڑیاں اور بڑے بڑے قافلے استعمال کرتے ہیں پھر اپنے مخالف کو شکست دینے کے لیے ووٹ خریدنے کے لیے پیسے دینے پڑے تو اس بھی دریغ نہیں کرتے۔ بھلا ہم کیسے یقین کرلیں کے اُس ایم این اے کے پاس گھر یا جائیداد نام کی کوئی چیز نہیں۔

حالیہ سینٹ الیکشن میں سرعام میڈیا کے اوپر اسی قسم کا چرچہ رہا ہے کہ سینٹ کے الیکشن میں ووٹ کے لیے کروڑوں روپے تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ ہر سیاستدان ہارس ٹریڈنگ کا رونا رو رہا ہے مگر یہ نہیں پتہ کہ ہارس ٹریڈنگ کر کون رہا ہے۔ کون بک رہا ہے اور کون خرید رہا ہے؟ سوال یہ ہے کہ اتنی رقم ان تقسیم کرنے والوں کے پاس آئی کہاں سے؟ اگر یہ رقم فلاحی کاموں کے لیے فنڈ کی آڑ میں دی گئی تو پھر اتنے عرصہ سے ان سیاستدانوں نے عوام کے حق پر کیوں ڈاکہ ڈالے رکھا؟ کیا یہ فلاحی کام اب ہی ان لوگوں کو نظر آئے ہیں؟ پچھلے کئی سال سے ان کو کیوں نظر انداز کیے رکھا؟ عوام بے چاری اپنے مسائل کے لیے روتی پھر رہی ہے اور یہ سیاستدان صرف زبانی کلامی خرچ کر رہے ہیں۔

پاکستان کے سیاستدان جتنا زیادہ اپنا خرچہ بڑھائیں گے اس کا اتنا ہی زیادہ نقصان عوام کو اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ وہ خرچ عوام کو ٹیکس کی مد برداشت کرنا پڑتا ہے۔ آپ خود دیکھ لیں پاکستان کے شہروں میں بجلی تو صرف 14 سے 16 گھنٹے تک نہیں ہوتی مگر بجلی کا بل 24 گھنٹے کی بجلی سے بھی کہیں زیادہ آتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر آمدن کی طرف نظر ڈالی جائے تو پاکستان کے ملازمین کے تنخواہ میں اضافہ سال میں ایک بار ہوتا ہے اور وہ بھی 10 سے 15 فیصد تک اور وہ بھی بنیادی پے سکیل پر جبکہ استعمال کی چیزوں میں اضافہ ہر ماہ کیا

جاتا ہے اور اگر اس کی سال کے آخر میں ایوریج نکالیں تو یہ سالانہ اضافہ 50 سے 60 فیصد تک بنتا ہے۔اس سے اندازہ لگالیں کہ اخراجات میں زیادہ اضافہ ہوا یا آمدن میں ؟

اس وقت سینٹ الیکشن کے لیے سیاسی پارٹی بڑی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیکج کررہی ہیں۔ سیاستدان صبح شام ایک دوسرے سے ملاقاتوں میں مصروف ہیں۔ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اتحاد بن رہے ہیں۔ کل تک ایک دوسرے کے خلاف بولنے والی جماعت ایم کیو ایم اور پی پی نے درمیانی راہ (سمجھدار کے لیے اشارہ کافی) نکال کر اپنے اپنے دو،دو سینٹر بلا مقابلہ منتخب بھی کرا لیے ہیں۔ اب کوئی ان جماعتوں سے پوچھے کل تک تو سندھ حکومت چھوڑ کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ تیار کر رکھے تھے اور آج ایک دوسرے کے گلے لگ کر اپنا الو سیدھا کرلیا۔

پاکستان کی آبادی تو کروڑوں پر مشتمل ہے اس سے کرپشن ختم کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں مگر یہ سیاستدان پہلے اپنے اندر سے تو کرپشن ختم کرلیں جو ایک ووٹ کے لیے کروڑوں روپے کا سودا کرتے ہیں۔ یہ انگلیوں پر گنتی کے ممبرز ہوتے ہیں مگر پھر بھی کرپشن کا رونا رویا جارہا ہے۔ جو سیاستدان اپنے اندر کی کرپشن ختم نہیں کر سکتے وہ ملک کے اندر کیسے کرپشن ختم کر سکتے ہیں؟

اے حکمرانو ذرا سوچو ! عوام تو ہر حال میں تمھارے ساتھ چلتی ہے اور تمھارے دکھائے ہوئے خوابوں کو حقیقت سمجھ بیٹھتی ہے اور ایک نئی امید لگا کر تمھارے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی ہے مگر تم لوگ ہمیشہ اس کے ساتھ دھوکہ کر جاتے ہو یہاں تک کہ جب ملک پر کوئی برا وقت آیا تو اس عوام نے دل کھول کر تمھارا ساتھ دیا۔ قرض اتارو ملک سنوارو پروگرام ہو یا شوکت خانم کینسر ہسپتال کی تعمیر، سیلاب زدگان کی مدد ہو یا زلزلہ زدگان کا دکھ، پاکستان کی عوام نے دل کھول کر اس میں نہ صرف چندہ دیا بلکہ ہماری ماں بہنوں نے اپنے زیور تک ان کو دے دیے۔

کیا یہ حکمران کبھی عوام کی طرف سچے دل سے سوچیں گے؟ کیا عوام کی پریشانیاں حکمران سمجھ سکیں گے؟ کیا یہ سیاستدان عوام کے دلوں میں اپنا اعتبار، بھروسہ اور اعتماد پیدا کر سکیں گے؟ کیونکہ اب تو سیاست کا مطلب ہر شخص جھوٹ سمجھتا ہے بلکہ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرتا ہے تو دوسرا شخص اس سے کہتا ہے کہ یہ سیاسی بیان تو نہیں؟اس بات سے آپ اندازہ لگالیں کہ سیاست کو لوگ کس طرح سمجھتے ہیں؟ میں تو یہ ہی دعا کروں گا کہ اللہ پاکستان کے حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ اپنی عوام کے حالات کو سمجھ سکیں اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر ان کی خدمت کر سکیں۔

خواتین کا عالمی دن" بس نام کے لیے"

8 مارچ کو پاکستان سمیت پوری دنیا میں خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس دن کے منانے کا بنیادی مقصد نہ صرف خواتین کو ان کے بنیادی حقوق کے بارے میں آگاہی دینا بلکہ ان کی معاشرتی اہمیت کو بھی اجاگر کرنا ہے مگر افسوس اس دن صرف ہم لوگ میڈیا کی حد تک باتیں کر کے رہ جاتے ہیں۔کچھ این جی اوز ریلی اور سیمینار کروا کر سمجھتی ہیں کہ شاید انہوں نے عورتوں کے حقوق دلوا دیے ہیں جبکہ وہ صرف میڈیا پر آنے کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔

یوں تو عورت روز اول سے ہے اور اس کو صنف نازک کا نام ملا۔ صنف نازک ہونے کے باوجود عورت کا ظرف سمندر سے بھی زیادہ ہے۔ عورت بڑی سے بڑی مشکل کا سامنا صبر و تحمل سے کرتی ہے۔زمانہ جاہلیت میں عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورت کا دائرہ کار صرف گھر تک محدود تھا۔ بیوی کا مقام ایک غلام سے زیادہ نہ تھا۔ عورت کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی ۔ الغرض عورت انسانیت کے درجے سے بھی بہت دور تھی۔ پھر اسی تاریک دور میں اسلام روشنی کی کرن بن کر آیا اور عورت کو معاشرے میں ہر لحاظ سے باعزت مقام دیا۔

سب سے پہلے عورت کو ماں کے روپ میں بلند ترین درجہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کی قدر بہت زیادہ دی ہے کیونکہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ ماں ایک ایسی ہستی جس کے متعلق بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔اس کے بعد بہن اور بیٹی کا مقدس رشتہ بنا کر ایک اعلیٰ مرتبہ دیا۔ بیٹی کو باعث رحمت قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیا جاتا تھا اور لڑکیوں کا گھر میں ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ اسلام میں ایک واقعہ یوں ہے کہ ''ایک آدمی حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا اور رونے لگا تو رسول اکرم ﷺ کے پوچھنے پر اس آدمی نے بتایا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ایسا بھی کیا ہوا؟ تو اس آدمی نے کہا میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جو معافی کے قابل نہیں ۔ پھر بتایا کہ میرے گھر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور اب وہ پانچ سال کی ہوگئی ۔ ایک دن باہر کھیل رہی تھی تو لوگوں نے مجھ سے کہا تو کیسا بے غیرت ہے کہ بیٹی کو رکھا ہوا ہے۔ جس سے مجھے بہت غصہ آیا اور میں اپنی بیٹی کو لیکر جنگل میں چلا گیا۔ راستے میں ننھی سے بچی نے مجھ سے پوچھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ جب میں جنگل میں پہنچ گیا تو میں نے ایک گڑھا کھودا۔ جب میں گڑھے سے مٹی نکال رہا تھا تو مٹی میرے کپڑوں پر گر گئی تو وہ میرے کپڑے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے صاف کرنے لگی اور میرا پسینہ بھی صاف کرتی رہی مگر مجھے اس پر رحم نہیں آیا اور میں

نے بچی کو گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی ڈالنا شروع کردی۔ بچی چلاتی رہی ، روتی رہی مگر پھر بھی میرے دل میں رحم نہیں آیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بدنصیب شخص تو یہاں سے چلا جا کیونکہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

بڑے افسوس کی بات ہے اس دور میں بھی بہت سے لوگ لڑکیوں کو باعث شرم سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کا ہونا احساس کمتری اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ ہے ہمارے اسلام کی تعلیم جو ہمیں اور ہماری سوچ کو بھی نہیں بدل سکی؟ بہت سے لوگ بیٹیوں کو رحمت کی بجائے زحمت سمجھتے ہیں۔ عورت کی مثال موم بتی کی سی ہے جو خود تو جلتی ہے مگر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ بیوی کے روپ میں چراغ خانہ ہے جو کہ پورے گھر کو روشن رکھتی ہے۔ بیٹی وہ ہستی ہے جو ماں ، باپ اور بھائی کی خدمت میں پیش پیش رہتی ہے۔ خود بھوک پیاس برداشت کرتی ہے مگر پہلے گھر کے دوسرے افراد کا خیال رکھتی ہے۔

کیا اس لیے ہی اسلام نے عورت کے حقوق متعین کیے تھے ۔ جن کی پاسداری تو بہت دور ہمارے معاشرے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہمارے ضمیر اتنے بے حس ہوگئے ہیں کہ ہماری تہذیب عورت کو صرف نام کے حقوق دیے جارہے ہیں۔ ''عورت کے حقوق ''ایک عام سے جملہ ہے۔ اگر کسی بھی شخص یا حکمران

کو عورت کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اسی جملے پر گھنٹوں تقریر کردیتے ہیں مگر عملی طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

آج عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرتی ہے۔ استاد بن کر قوم کی رہنمائی کرتی ہے اور کبھی سائنسی تجربے میں رہنمائی کرتی ہے۔ یوں تعلیمی میدان میں بھی آگے ہے مگر اس جدید دور میں بھی کچھ گاؤں اور دیہات کے لوگوں میں عورت کی پڑھائی کو معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ ہمارے دین میں تعلیم کے بارے میں یہ ہے ''علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے'' جب اسلام نے عورت کو حق تعلیم دیا ہے تو ہمارا معاشرہ کیوں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں تعلیم سے محروم ہیں۔

اسلام نے عورت کو جو تعلیم کی جو اجازت دی اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔ عورت کو تعلیم ضرور دلوانی چاہیے کیونکہ اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ اپنے گھر اس دنیا میں جنت بنا دے گی۔ گھر میں بگاڑ پیدا نہیں ہوگا، بچوں کی پرورش اچھے طریقے سے ہوگی۔ مگر عورت کو بھی چاہیے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں نبھائے۔

مفاہمت کی سیاست یا پھر۔۔۔

پاکستان میں سیاست کا کھیل بھی نرالا ہے۔ کھیلنا بھی ضروری، ملنا بھی ضرور اور پھر لڑنا بھی ضرور۔ پاکستان میں اتنے ترقیاتی کام نہیں ہوئے ہونگے جتنی سیاسی پارٹیاں وجود میں آچکی ہیں۔ جس کا جب دل چاہا اپنی پارٹی بنائی اور الیکشن میں حصہ لے لیا۔ قیام پاکستان سے آج تک پاکستان میں مختلف سیاستدانوں نے حکمرانی کی مگر کسی بھی پارٹی کو آج تک عوام نے مخلص نہیں پایا۔ جو ایک بار اقتدار میں آگیا اس پر عوام نے دوبارہ اعتماد نہیں کیا۔ پاکستان کی تاریخ میں کسی پارٹی نے مسلسل دوبار حکومت نہیں کی اور اگر کی ہے تو وہ ڈنڈے کے زور پر۔ سیاست وہ کھیل ہے جو ہیرو کو زیرو اور زیرو کو ہیرو بنا دیتا ہے۔ اس کھیل میں کوئی بھی سیاستدان ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔ الیکشن شفاف ہو یا نہ ہو ہارنے والی جماعتیں اس کو سو فیصد غیر شفاف بنا دیتی ہیں۔ ہارنے والی جماعت نے جیتنے والی جماعت پر دھاندلی کا الزام لگا کر الیکشن کو مشکوک بنا دیا۔ الیکشن پر اربوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ جب دھاندلی کا رونا رویا جاتا ہے تو پھر اقتدار میں آنے والی جماعت کے مینڈیٹ کو مشکوک بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہمارے سیاستدان بھی بادشاہ بندے ہیں ان کو عزت اور بے عزت میں کوئی خاص فرق

محسوس نہیں ہوتا۔ان کو سیاست میں حلیف اور حریف میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کبھی حریف حلیف بن جاتے ہیں اور کبھی حلیف حریف ۔کل تک میڈیا کے سامنے ایک سیاسی جماعت دوسری جماعت کو کرپٹ اور لوٹ مار کرنے والی جماعت کہہ رہی ہوتی ہے۔اس پر ایک سو ایک الزام لگا کر اس کو عوام دشمن کہا جاتا ہے مگر اپنے مفاد کی خاطر جلد ہی وہ جماعت مومن بن جاتی ہے اور پھر اپنے مفاد کی خاطر ایک ہونے کو ملکی مفاد کا نام دیکر عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

جیسے میں پہلے ذکر کرچکا ہوں کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی بھرمار ہے مگر آج تک مرکز میں زیادہ تر اقتدار کے مزے مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی نے چکھے ہیں۔ہاں البتہ صوبائی سطح پر مختلف پارٹیاں بدل بدل کر باری لیتی رہی ہیں ۔ اقتدار میں آنے سے پہلے تمام سیاستدان عوام کو سنہرے خواب دکھاتے ہیں۔۔بڑے بلند و بانگ دعوے کیا جاتے ہیں مگر اقتدار کا نشہ چڑھتے ہی یہ لوگ سب کچھ بھول بھال جاتے ہیں۔ انہیں اتنا خوف خدا بھی نہیں ہوتا کہ کل کو جب پھر دوبارہ عوام کے سامنے جائیں گے تو کس منہ سے جائیں گے۔

حالیہ سینٹ الیکشن میں جو کچھ ہوا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہارس ٹریڈنگ کی باتیں ہوئیں۔ ایک دوسرے کو ممبرز خریدنے کے طعنے دیے گئے۔ مفادات کی خاطر ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا گیا۔ دعوتیں کھلائیں گئیں۔

صدارتی آرڈیننس جاری کیے گئے۔ الیکشن کا ٹائم بڑھایا گیا اور نہ جانے کیا کچھ کیا مگر ان سب سرگرمیوں کو "ملکی مفاد کی خاطر" کا نام دیا گیا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ اس میں کتنا ملکی مفاد ہے اور کتنا ذاتی؟

خان صاحب تو جنرل الیکشن کی طرح سینٹ الیکشن کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ خان صاحب کا حق بھی بنتا ہے کہ وہ شک کریں کیونکہ جس طرح فاٹا کے ممبرز کو سینٹ کے الیکشن سے دور کیا گیا ہے اس وجہ سے شک جائز بنتا ہے مگر خان صاحب کے پی کے میں جو آٹھ بجے تک پولنگ چلی اس پر دوسروں کا شک بھی جائز ہے۔

بحر حال جو کچھ بھی ہوا سینٹ الیکشن اپنے انجام کو پہنچ گیا اور اب وقت آ گیا سینٹ کے بگ باس بننے کا۔ شروع شروع میں تو ہر جماعت نے ادھر اُدھر ہاتھ پیر مارے مگر پھر نہ جانے کون سی گیڈر سنگھی سامنے آئی کہ جس نے یکدم تمام جماعتوں کو ایک نام پر متفق کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس کو زرداری کی چال کہا تو کسی نے اس کو مفاد کی سیاست کا نام دیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اب ہمارے سیاستدان بھی بالغ نظر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان تمام جماعتوں نے جس نام پر اتفاق کیا وہ نام رضا ربانی کا ہے۔ رضا ربانی بہت پرانے اور منجھے ہوئے سیاستدان ہیں۔ ان کا شمار پیپلز پارٹی کے سینئر اور مخلص ترین ممبرز میں ہوتا ہے۔ شاید

کسی کو یاد ہو یا نہ ہو رضا ربانی وہ ہستی ہے جس نے 21 ویں آئینی ترمیم اور آرمی ایکٹ کی متفقہ منظوری کے بعد اپنے ردعمل میں کہا کہ جتنے وہ آج شرمندہ ہیں اتنا پہلے کبھی نہیں ہوئے۔انھوں نے کہا مجھے اس سینیٹ میں تقریباً 10 سے 12 سال ہو چکے ہیں لیکن جتنا شرمندہ میں آج ہوں شاید اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔'رندھی ہوئی آواز میں رضا ربانی بمشکل تین جملے ہی ادا کر پائے اور ان کا آخری جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ان کا کہنا تھا کہ 'یہ ووٹ پارٹی کی امانت تھی جو میں نے ادا کر دی، میں نے آج اپنے ضمیر کے خلاف۔۔۔'اس کے بعد رضا ربانی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے اور تقریر مکمل کیے بغیر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔رضا ربانی نے ہمیشہ صاف ستھری سیاست کی۔ انہوں نے کبھی منافقت سے کام نہیں لیا۔ شاید یہی وجہ کہ ان کے اس کردار کی وجہ سے تمام جماعتوں نے ان کو سینٹ کا بگ باس بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

دونوں بھائیوں (نوازاور زرداری) کی اس مفاہمتی سیاست سے تانگہ پارٹیوں کی سیاست بہت پیچھے چلی گئی۔ جولوگ پیٹ بھرنے کا سوچ رہے تھے وہ بھوکے ہی رہ گئے۔ ان دو نوں بھائیوں نے جہاں سینٹ میں مل بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تو لگے ہاتھوں ایک اور فیصلہ کرلیں۔ بقول امیر جماعت اسلامی سراج الحق کے کہ ڈپٹی چیئرمین کے لیے پی ٹی آئی سے امیدوار لیا جائے۔ میاں صاحب اور زرداری صاحب تحریک انصاف سے ڈپٹی چیئرمین نامزد کرکے وہ ثابت کردیں کہ یہ مفادی نہیں بلکہ مفاہمتی سیاست کے علمبردار ہیں۔ اس طرح خانصاحب بھی شاید سوچنے پر

مجبور ہو جائیں کہ مخالفت برائے مخالفت کی اب ضرورت نہیں رہی۔اس طرح سیاستدانوں کے مل جانے سے عوام بھی سکھ کا سانس لیں گے اور ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ ہمارا ملک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی بھی کرے گا۔ اللہ کرے کہ جو لوگ اسوقت کی سیاست پر منفی سوچ رہیں وہ حقیقت نہ بنے اور اب ہمارے حکمران خواہ وہ کسی جماعت سے ہوں بس ملک اور اپنے عوام کے لیے کام کریں۔

سانحہ کوٹ رادھا کشن سے سانحہ یوحنا آباد تک

اتوار کے دن جس وقت کوارٹر فائنل کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے پاکستان آور آئرلینڈ ایک دوسرے کوزیر کرنے کی کوشش میں مصروف تھے اسی دن دوسری طرف دہشت گرد بھی اپنی حکمت عملی بنانے میں مصروف تھے۔ قیام پاکستان سے لیکر آج تک ملک دشمن قوتوں کو پاکستان کی کوئی خوشی قبول نہیں۔ جس وقت پاکستان آئرلینڈ کو شکست دینے کے قریب تھا اسی لمحے دشمن وطن نے اپنی چال چل دی۔ ایک طرف پاکستان کے مختلف شہروں میں پاکستان کی جیت کا جشن منایا جارہا تھا تو دوسری طرف لاہور کے علاقے یوحنا آباد میں صف ماتم بچھا ہوا تھا۔

واقعہ کچھ یوں ہے لاہور کے علاقے (یوحنا آباد) میں یکے بعد دیگر دو دھماکے ہوئے۔ دھماکوں کے وقت کیتھڈرل اور کرائسٹ چرچ میں 500 سو سے زائد افراد چرچ میں موجود تھے۔ اتوار ہونے کی وجہ سے چرچ میں معمول کی عبادت جاری تھی کہ اسی دوران دو مشکوک افراد نے زبردستی چرچ میں داخل ہونے کی کوشش کی۔

سیکیورٹی گارڈز نے دونوں کو روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے خود کو دھماکے سے اڑا لیا۔ دھماکے کے بعد ہر طرف بھگڈڑ مچ گئی۔ دھماکے کے بعد سیکیورٹی اہلکاروں نے علاقے کو گھیرے میں لیا۔ سیکیورٹی اہلکاروں نے جائے وقوعہ سے

ایک مشکوک شخص کو بھی حراست میں لے لیا۔ نامعلوم شخص نے پہلے فائرنگ کی اور اس کے بعد خود کو دھماکے سے اڑا لیا۔اس کے بعد ریسکیو ٹیموں نے زخمیوں کو فوری طور پر اسپتال منتقل کیا۔

یہ واقعہ اتنا افسوسناک ہے کہ اس پر جتنا بھی غم و غصہ کا اظہار کریں کم ہے۔ تمام مسلمان دکھ کی اس گھڑی میں مسیحی برادری کے ساتھ برابر کے شریک ہیں ۔در حقیقت دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ یہ پاکستان کی دشمنی میں کسی بھی فرقے اور مذہب کے لوگوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ دہشت گردوں نے مساجد، مدرسے اور نہ ہی چرچ چھوڑے ۔ان کو جہاں موقع ملا انہوں نے ملک دشمنی کا واضح ثبوت پیش کیا۔ بد قسمتی سے دہشت گروں نے اس بار مسلمان اور مسیحی برادری کو آپس میں لڑانے کی ناکام کوشش کی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک دشمن قوتیں کبھی فرقہ واریت تو کبھی مذہب کے نام پر لڑانے کی پہلے بھی ناپاک کوشش کرتی رہی ہیں۔

پاکستان میں دھماکے تو کافی عرصہ سے ہو رہے ہیں اور ان دھماکوں میں ہم نے بہت سی جانوں کا قیمتی نقصان اور صدمہ اٹھایا مگر یوحنا آباد دھماکوں کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس نے ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ انسانیت کے ساتھ ایسا بھیانک سلوک کیا کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ آج تک دھماکوں کے وقت

یا پکڑے جانے کے ڈر سے ہشت گردوں کو خود کو بم سے اڑاتے یا سیکورٹی اہلکاروں کے ہاتھوں مارے گئے تو سنا تھا مگر پہلی بار دیکھا کہ مظاہرین نے دہشت گردوں کے نام پر دو لوگوں کو پکڑ کر زندہ جلا دیا۔ یوحنا آباد میں دو لوگوں کو پکڑ کر زندہ جلانے کا واقعہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سوشل میڈیا پر ہر رنگ کی تصویر موجود ہے۔ انسان کھڑے ہو کر دوسرے انسان کو زندہ جلتے نہ صرف دیکھ رہا ہے بلکہ اس کی ویڈیو اور تصاویر بنا رہا ہے۔

ابھی ضلع قصور کے شہر کوٹ رہادا کشن میں ہونے والا واقعہ لوگوں کے ذہین سے نکلا نہیں ہے۔ آج بھی اُس شہر میں عوام پولیس سے چھپتی پھر رہی ہے۔ جو لوگ شک کی بنیاد پر پکڑے گئے آج تک ان کی ضمانت نہیں ہوئی۔ توہین رسالت کے شک کی بنیاد پر جلائے جانے والی شمع اور اس کے شوہر کے واقعے پر ہر مسلمان نے آواز بلند کی۔ مسیحی برادری کے شانہ بشانہ ہر جگہ احتجاج کیا۔ ابھی اس واقعے کی دھول بیٹھی نہیں تھی کہ آج پھر دو انسانوں کو زندہ جلا دیا۔ جن میں سے ایک شخص کی پہچان بھی ہو گئی ہے۔ ڈی این اے ٹیسٹ نے ثابت کر دیا کہ زندہ جلایا جانے والا وہ نوجوان ضلع قصور کے شہر للیانی کا رہائشی ہے۔ جس کا نام محمد نعیم ہے اور وہ شیشے کا کاروبار کرتا ہے۔ بدقسمتی سے وہ اس دن یوحنا آباد کسی کے ہاں شیشے کا کام کرنے گیا تھا۔ دھماکے ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنا کام بند کر کے واپس اپنے گھر آ رہا تھا کہ اس دوران مظاہرین نے اس کو پکڑ لیا

اور پھر اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ لکھتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔

ایک سوال ہے جس نے شکوک و شبہات کو جنم دیا وہ یہ ہے کہ دھماکے کے بعد جب اس جگہ پر پولیس پہنچ گئی تو مشتعل افراد نے نعیم کو اتنا زدو کوب کرنے کے بعد نظرِ آتش کیسے کر دیا؟ پولیس کی موجودگی میں سرِ عام مین روڈ پر دو اشخاص کو نظرِ آتش کر دیا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اُن جلتے ہوؤں کی وڈیو اور تصاویر بنانے میں مصروف ہیں پھر پولیس تماشائی بنی دور کیوں کھڑی رہی ؟

دور حاضر میں جہاں ملک میں مہنگائی کا رونا رویا جارہا ہے ہر چیز مہنگی ہے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں۔ کچھ لوگ اس واقعے کو سانحہ کوٹ رھادا کشن کا ردعمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سانحہ کوئی بھی ہے مگر ہمارا ملک اس بات متحمل نہیں ہوسکتا کہ کوئی بھی شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اگر خدانخواستہ یہ سانحہ کوٹ رھادا کشن سانحہ سے ملادیا تو ملک بھر ایک نئ آگ پھیل جائے گی۔ حکومت پاکستان کو فوری طور پر مذہب سے بالاتر ہو کر اس واقعے میں ملوث افراد کو کیفے کردار تک پہچانا چاہیے۔

ایک بات جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ اگر عوام کسی بھی غم سے نڈھال ہو کر یا مشتعل ہو کر حکومتی املاک کا نقصان کرتے ہیں تو وہ دراصل ہمارا اپنا نقصان ہے کیونکہ پاکستانی ہر شے عوام کے ٹیکسوں سے بنی ہے خواہ وہ ہوائی اڈے ہوں

بس اسٹاپ، یا ریلوے اسٹیشن یا حکومتی عمارات دراصل ہم خود اپنا نقصان کرتے ہیں، عین ویسے ہی جیسے گھر کا چراغ گھر کو آگ لگا دے۔ ہمیں پر امن مظاہرے کرنا چاہیئں اور یہ ہمارا حق بھی ہے۔

23 مارچ "جب پہلی اینٹ رکھی گئی"

23 مارچ وہ دن ہے جب قیام پاکستان کی پہلی اینٹ رکھی گئی۔ مسلم لیگ نے پاکستان کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی کیونکہ قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں ہندو اور مسلم۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں اسلام کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان حالات نے مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس سے پہلے مسلمان کانگرس پارٹی کے ساتھ چل رہے تھے مگر پھر انہوں نے ایک الگ پارٹی بنائی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے تن من کی بازی لگا دی۔ الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کسی بھی چیز کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ماوؤں نے اپنے بیٹوں کی جانوں کا نظرانہ پیش کیا۔ بہنوں نے بھائی کی قربانیاں دیں اور بیویوں نے اپنے سہاگ تک لٹا دیے۔ سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا "بن کے رہے گا پاکستان، لیکر رہیں گے پاکستان

23 مارچ قومی دن ہے۔ 75 سال قبل مسلمانانِ برصیغر نے اپنی نمائندہ قومی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ" کے تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم محسن اور محبوب ترین رہنما" حضرت قائدا عظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک تاریخی قرارداد

منظوری ۔اس قرار داد میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کرکے مسلمان اکثریت پر مشتمل علاقوں میں آزاد خود مختار ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا اگرچہ قرار داد لاہور میں لفظ پاکستان کا استعمال نہیں کیا گیا تھا مگر پھر بھی اس قرار داد کو قرار داد پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چوہدری رحمت علی نے 1933 میں اپنے "Now or Never" پمفلٹ میں اس کیلئے پاکستان کا نام تجویز کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ دوستوں اور دشمنوں دونوں نے ہی قرار داد لاہور کو قرار داد پاکستان کا نام دے کر اپنے اپنے نظریہ کے مطابق اس کی حمایت اور مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی اس قرار داد کی منظوری کے صرف سات سال ،دو ماہ اور گیارہ دن بعد 3 جون 1947ء کے تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان کرکے قیام پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرلیا گیااور 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی نظریاتی ریاست معرض وجود میں آ گئی۔

آج تجدید عہد کا دن ہے اور سوچنے کا بھی دن ہے کہ جس ملک کی 23 مارچ 1940 کو بنیاد رکھی کیا یہ وہی پاکستان ہے؟ جو جذبہ اس وقت کے لیڈروں میں تھا کیا وہ جذبہ آج کے لیڈروں میں ہے؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصیغر جنوبی ایشیاء میں پاکستان کا قیام مسلمانوں کی قومی فتح ہے۔انگریز سامراج کے دواقتدار میں مسلمانوں پر قیامت خیز مظالم ڈھائے گئے اور ان کو سیاسی ،معاشی

معاشریت، تعلیمی، قانونی اور مذہبی حقوق سے محروم کرنے اور پسماندہ تر بنانے کیلئے، ہر مذموم کوشش اور کاروائی کی گئی۔ قرارداد لاہور کی منظوری کے ساتھ ہی مسلمانوں برصیغر حتمی طور پر اپنی منزل مقصود اور اپنے نصب العین کا تعین کرکے آزاد مسلم ریاست کے قیام کا فیصلہ کرلیا تھا۔ انگریزوں کیلئے برصغیر کی تقسیم اس کے عالمی مفادات کے منافی تھی جبکہ ہندوؤں نے اس مطالبہ کی شدید ترین مخالفت کی۔ گاندھی کی سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جنہوں نے محض ہندومت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا ایک قوم قرار نہیں دیئے جاسکتے تھے۔ گاندھی نے کہا کہ اس کے وجود کے تو دو ٹکڑے ہوسکتے ہیں لیکن وہ ہندوستان کے دو ٹکڑے نہیں ہونے دے گا۔ مختصر یہ کہ ہندوؤں، انگریزوں اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

قائداعظم نے مطالبہ پاکستان کے مخالفین کے اعتراضات کا بڑے مدبرانہ، بےباکانہ اور جرات مندانہ انداز میں جواب دیا۔ قائداعظم نے فرمایا: "قدرت نے ہندوستان کو پہلے ہی تقسیم رر کھا ہے ہندوستان کے طبعی نقشہ پر مسلم انڈیا اور ہندوانڈیا پہلے سے موجود ہیں۔ وہ ملک کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ وہ قوم کہاں ہے جسے تقسیم کیا جارہا ہے؟ مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ قوم کی ہر تعریف کے اعتبار سے ایک قوم ہیں مرکزی قومی حکومت کہاں ہے جس کے اختیار کی

خلاف ورزی کی جارہی ہے؟اگر ہندوستان نے سارا ہندوستان حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس سارے سے محروم ہوجائینگے لیکن وہ مسلمانوں کیلئے اگر ایک تہائی پر رضا مند ہوجائیں تو انہیں وہ تہائی مل جائے گا مسلمان پاکستان کا مطالبہ ہندوستان سے نہیں کررہے ہیں کیونکہ پورا ہندوستان کبھی بھی ہندوؤں کے قبضہ میں نہیں رہا ہے یہ مسلمان تھے جنھوں نے ہندوستان فتح کی اور اس پر سات سو سال حکمرانی کی یہ انگریز تھے جنھوں نے ہندوستان مسلمانوں سے چھین لیا تھا مسلمانوں کا مطالبہ انگریزوں سے تھا جن کے قبضہ میں ہندوستان ہے یہ کہنا سراسر حماقت ہوگی کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے ۔"

مختصر یہ کہ ہندوؤں نے مطالبہ پاکستان کی شدید مخالفت کی اور انگریزوں نے اپنے عالمی مفادات پیش نظر ہندوستان کی سیاسی وحدت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ۔مسلمانوں نے حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت وراہنمائی میں بے مثال قربانیاں دیں اور قائد اعظم نے مطالبہ پاکستان کو عملی جامہ پہنانے اور دو قومی نظریہ کو روشناس کروانے کے لیے برصغیر کے چپے چپے کا دورہ کیا سیاسی کارکنوں صحافیوں وکلاء، طلباء وخواتین سمیت ہر ایک نے تحریک پاکستان میں قربانیاں دے کر اپنا تاریخی کردار ادا کیا۔آخرکار وہ مبارک گھڑی آ پہنچی جب 14 اگست 1947 کا مطالبہ پاکستان کا خواب حقیقت میں بدل گیا اور دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی نظریاتی اسلامی ریاست معرض وجود میں

آ گئی اگرچہ انگریزوں نے ایک سازش کے تحت پاکستان کو غیر محفوظ اور کمزور بنانے کی ہر مجرمانہ کاروائی کی تھی مگر ناگزیر حالات میں مسلمانوں نے ٹوٹے پھوٹے پاکستان کو قبول کر کے انگریز اور ہندو سامراج سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

پاکستان کو بنے الحمد اللہ 75 سال مکمل ہونے والے ہیں اور اللہ نے چاہا تو یہ قیامت تک قائم رہے گا۔ قیام پاکستان سے آج تک غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف ہیں اور وہ پاکستان کو ختم کرنے کے در پر ہیں۔ جس میں وہ کچھ کامیاب بھی ہوئے کیونکہ پاکستان کے ایک حصے کشمیر پر انڈیا قابض ہے اور دوسرے انھوں نے اپنی مکارانہ چال چل کر پاکستان کے ایک حصے کو بنگلہ دیش کی صورت میں الگ وطن بنوا دیا۔ آج پھر کچھ دشمن طاقتیں اور غدار وطن پاکستان کو دولخت کرنے کے در پر ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان مستحکم ہو۔ وہ اپنی مکارنہ چالاکی سے ملک میں اندرون خانہ انتشار پھیلا رہے ہیں۔ وہ کبھی فرقہ واریت اور کبھی دھماکے کر کے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔

آیئے 23 مارچ کے دن تمام مسلمان یہ عہد کریں کہ پاکستان کی ہر حال میں حفاظت کریں گے اور اسکے ساتھ ساتھ بھارت سے کشمیر کو بھی آزاد کرائیں گے۔ اس کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کریں گے۔ دشمن وطن کو منہ توڑ جواب دیں گے۔ غدار وطن کو ختم کر کے یک جان ہونے کا ثبوت دیں گے۔ اپنے قائد محمد علی جناح

کے دیئے ہوئے اس وطن عزیز کو خوشحال بنائیں گے۔ اپنے ملک کے دشمنوں کو نیست و نابود کریں گے۔ انشاء اللہ

مظلوم کسان، انتظامیہ بنی حیوان

الحمداللہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا یہ ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ اسلام نے تمام انسانوں کو برابر کے حقوق دیے ہیں مگر افسوس ہم نے ان میں فرق ڈال دیا ہے۔
آج امیر غریب کا فرق وہ فرق ہے جس نے انسان کی انسانیت کو ذلیل کر رکھا ہے۔ آج امیر کے لیے سب کچھ ہے اور غریب کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔ اگر غریب کا کوئی ہے وہ بس اس کا خدا ہے۔ آج حسب عادت میں ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ ایک بریکنگ نیوز آئی۔ نیوز کچھ یوں تھی کہ لاہور پریس کلب کے سامنے کسان بھائیوں کے احتجاجی مظاہرے پر پولیس کا لاٹھی چارج اور کریک ڈاؤن ۔ سو سے زائد کسانوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ ذرائع کے مطابق یہ کسان ناصر باغ جا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے تھے مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی پولیس کے گلوبٹوں نے انہیں گھیر لیا۔
جب میں نے یہ نیوز دیکھی تو میرے ذہن میں ایک خیال نے جنم لیااور مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ہم کیسے مسلمان ہیں جو اپنے بھائیوں سے دُھرا سلوک کر رہے ہیں۔
کیاہم سب مسلمان نہیں ؟کیاپاکستان کے قوانین سب کے لیے یکساں نہیں ؟کیا ہمارے قانون میں کوئی امتیاز رکھا گیا ہے؟ اگر قانون پر عمل کرانا ہے تو وہ صرف غریبوں سے کرانا ہے؟کیاامیر لوگ اس قانون سے بالاتر ہیں؟ ابھی

زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب ہمارے دارالحکومت اسلام آباد میں قادری صاحب اور خانصاحب نے دھرنا دیا تھا۔ اس دھرنے میں پولیس کی موجودگی میں پارلیمنٹ اور پی ٹی وی پر حملہ ہوا اور کسی پولیس والے کی مجال نہیں تھی کہ وہ ان پر ہاتھ اٹھاتی اور آج ان غریب کسانوں پر یہ پولیس والے ایسے جھپٹے جیسے کئی دن کا بھوکا شکاری اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ کیا سیاستدان مظاہرہ یا دھرنا دے تو جائز اور غریب اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرے تو ناجائز۔ ویسے ہم جمہوریت پسند لوگ ہیں اور ہمارے ملک میں جمہوری حکومت قائم ہے مگر یہ کیسی جمہوریت ہے کہ جہاں اپنا حق مانگنا جرم سمجھا جائے۔

اگر ہم ایک نظر پاکستان پر ڈالیں تو پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ پاکستان کی معیشت میں زراعت کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے کل آبادی کا تقریباً 72 فیصد لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں جن کا ذریعہ آمدنی زراعت پر ہے پاکستان کی برآمدات میں ایک بڑا حصہ زراعت کا ہے پاکستان کی سرزمین بڑی زرخیز ہے پانچ دریاؤں کی سرزمین ہونے اور نہروں کے وسیع نظام کی وجہ سے پاکستان کی زمینیں سونا اگلتی ہیں۔ زراعت سے ہی ملک غذائی ضروریات میں خود کفیل ہوتا ہے اگر کسی ملک کی غذائی ضروریات ملک کے اندر پوری ہو رہی ہو تو وہ ملک شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر ملک میں زراعت مضبوط بنیادوں پو استوار نہ ہو تو پھر زرعی اجناس دوسرے ملکوں سے درآمد کرنا پڑتی ہیں۔

الحمد للہ پاکستان غذا کی فراہمی میں خود کفیل ہے۔

پاکستان کی زرعی معیشت میں ہاری اور کسان ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح صنعتی شعبے میں مزدور کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ لیکن یہ دونوں طبقات معاشی بدحالی اور وڈیروں، صنعتکاروں کے مظالم کا شکار ہیں۔پاکستان زرعی ملک ہونے کے باوجود مربوط زرعی پالیسی تاحال وضع نہ کر سکا۔ 60 فیصد پانی آج بھی ضائع ہو رہا ہے۔افسوس یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک اس پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے کوئی خاص اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔

زرعی اعتبار سے پاکستان کا صوبہ پنجاب سب سے زیادہ زرخیز ہے اور تقریباً پورے ملک کو زرعی اجناس پورا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ پنجاب میں کسانوں کے ساتھ آئے روز زیادتی کی جارہی ہے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں کسان بھائی احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔ابھی چند دن پہلے میں ایک بارات میں وہاڑی گیا ہوا تھا جب واپسی ہوئی تو ہمیں اطلاع ملی کی ساہیوال بائی پاس پر کسانوں نے روڈ بلاک کیا ہوا ہے۔جب ہم وہاں پہنچے تو اس وقت تک پولیس نے روڈ کو کھلوادیا گیا تھا۔ جب ساہیوال سے نکلے تو پھر اوکاڑہ بائی پاس بھی کسانوں نے بند کیا ہوا تھا۔ٹریفک کی کافی لمبی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔ کئی گھنٹوں بعد ہم وہاں سے نکلے۔ اب ذہن میں بار بار وہ سین آرہا تھا اس وقت بھی سننے میں آیا کہ ادھر بھی پولیس نے کسانوں پر ڈنڈوں کی

برسات کی تھی۔کیا یہ کسان بس ڈنڈوں کے قابل ہیں؟

کسان ہمارے اس زرعی ملک کی شان ہیں۔ یہ ہمارے لیے دن رات ایک کرکے غذائی اجناس پورا کرتے ہیں۔ کبھی ان حکمرانوں نے سوچا ہے کہ ہم ان کو کیا سہولیات دے رہے ہیں؟ اگر کسان کے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے اور انکم دیکھی جائے وہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ سارا فائدہ تو یہ آڑھتی اور منشی لے جاتے ہیں۔ کسان تو صرف دووقت کی روٹی بمشکل پوری کرپاتا ہے۔ وہ کسان جو دن رات، بارش،آندھی وطوفان اورخوشی ہو یا غمی ہر حال میں اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے مگراس کے بدلے میں ہم کیا دے رہے ہیں وہ آپ سب کو پتہ ہے۔

حکمران پاکستان کو چاہیے کہ وہ کسان بھائیوں کوزیادہ سے زیادہ سہولتیں دے تاکہ ان کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ٹریکٹر سے لیکر کھادوں تک، بجلی سے لیکرزرعی آلات تک کسانوں کو بلاسود آسان اقساط پر مہیا کریں۔ زمیندار اور کسان میں واضح فرق ہے۔ زمین تو ہر پیسے والا شخص خرید سکتا ہے مگروہ کسان والا محنت طلب کام نہیں کرسکتا۔ کسان بھائی پاکستان کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کسان بھائی کپاس، گنے کی پیداوار نہ کریں تو یہ بڑے۔بڑے صنعت کار بھوکے مرجائیں ان کے انڈسٹریز اور فیکٹریاں بند ہوجائیں گی جس سے ملک کی معیشت بری طرح متاثر ہوگی۔

جھوٹوں کا عالمی دن

اپریل فول کا مطلب ہے کہ لوگوں سے جھوٹ بول کر ان بیوقوف بنایا جائے۔ اس جھوٹ سے خواہ ان کا کتنا بڑا نقصان ہو جائے مگر جھوٹ بولنے والے کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس دن کو ہمارے پاکستان میں بھی بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے جبکہ جھوٹ بولنا اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے۔ ہم مسلمانوں نے اپریل فول منانا اپنے اوپر فرض کرلیا ہے اور ہر سال اس کو نہایت ہی جوش وخروش سے مناتے ہیں اور پھر اپنی جھوٹ کی کامیابیوں پر بڑے فخر کرتے ہوئے اپنے شکار کی بے بسی کو یاد کرکے محفلوں میں سناتے ہیں۔ آج اپریل فول کا یہ فتنہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو تباہ کرنے کا سبب بن رہا ہے جسے وہ غیر مسلموں کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ بول کر اپنے عزیز واقارب کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپریل فول کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ اسکا اندازہ درج ذیل چند حکایتوں سے ہو سکتا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان کہاں کھڑے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی حکایت مبنی بر حقیقت ہے یا حقیقت سے کسی قدر قریب بھی ہے تب بھی اپریل فول منانا گویا خود کو طمانچہ رسید کرنے کے مترادف ہے۔

قدیم تہذیبوں کے زمانے میں نئے سال کا آغاز یکم اپریل یا اسکے قرب وجوار کی

تاریخوں میں منایا جاتا تھا۔ 1582ء میں پوپ جورج ہشتم نے پرانے جولین کیلنڈر کی جگہ ایک نئے جورجین کیلنڈر کے بنانے کا حکم دیا جس کی رو سے نئے سال کا آغاز یکم اپریل کی بجائے یکم جنوری سے شروع ہونا قرار پایا۔ اس سال فرانس نے نیا جورجین کیلنڈر اختیار کرتے ہوئے نئے سال کا آغاز یکم جنوری سے کیا۔ متضاد روایات کے مطابق یا تو ایک کثیر تعداد میں عوام الناس نے اس نئے کیلنڈر کو مسترد کر دیا یا اس نئے کیلنڈر کی تبدیلی کی اطلاع بروقت دور دراز کے علاقے کے لوگوں تک نہ پہنچ سکی جس کی بناء پر وہ نیا سال پرانے کیلنڈر کے مطابق ہی یعنی یکم اپریل کو مناتے رہے۔ اس موقع پر جدت پسندوں نے قدامت پسندوں کا مذاق اڑانے کے لیے یکم اپریل کو انہیں بے وقوف بنانے اور جھوٹی باتوں پر انکا یقین پختہ کرنے کے لیے انہیں جھوٹے پیغامات اور نئے سال کی ایسی تقریبات کے دعوت نامے بھیجنا شروع کر دئے جنہیں سرے سے منعقد ہونا ہی نہیں تھا۔ اسطرح یہ رسم سارے یورپ میں یکم اپریل کو جھوٹ بول کر لوگوں کو بیوقوف بنانے کے حوالے سے پھیل گئی۔

اس سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ مسلمانوں کے دورِ اسپین سے متعلق ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اسپین میں تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی، اس دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کو شکست دینے اور اسلام کی جڑوں کو اسپین سے اکھاڑ پھینکنے کی بہت کوششیں کیں مگر ان کو اپنی کسی بھی کوشش میں

کامیابی نصیب نہ ہوئی۔انہوں نے اپنی مسلسل ناکامیوں اور مسلمانوں کی طاقت اور قوت کے اسباب جاننے کے لیے اسپین میں اپنے جاسوسوں کو بھیجنا شروع کردیا تاکہ وہ مسلمانوں کے ناقابل شکست ہونے کا راز پا سکیں۔انہوں نے اپنے آقاوں کو یہ رپورٹ دی کہ مسلمانوں میں تقویٰ موجود ہے اور وہ قرآن اور سنت کی مکمل اتباع کرتے ہیں اور حرام اور منکرات سے بچتے ہیں اس لیے وہ ناقابل شکست ہیں۔جب انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کا راز پا لیا تو اپنی ساری ذہنی قوت اس بات پر خرچ کردی کہ کسی طریقے سے مسلمانوں کو انکی اس روحانی طاقت سے محروم کردیا جائے، اس کے لیے انہوں نے یہ حکمتِ عملی بنائی کی کہ شراب اور سگریٹ کی مفت ترسیل اسپین کو شروع کردی، انکی یہ ترکیب کامیاب رہی اور ان کے استعمال کی وجہ سے مسلمانوں میں اخلاقی کمزوریاں نمایاں ہونے لگیں خصوصاً مسلمانوں کی نوجوان نسل اس سازش کا سب سے زیادہ شکار ہوئی۔ مسلمان اخلاقی تنزلی کا شکار ہو کر کمزور پڑ گئے اور عیسائیوں کو انکے دیرینہ خواب کی تعبیر مسلمانوں کی اسپین سے بے دخلی کی صورت میں مل گئی، اسپین میں مسلمانوں کی طاقت کے آخری سرچشمے یعنی غرناطہ کا عیسائی افواج کے ہاتھوں زوال یکم اپریل کو ہوا اس لیے وہ اس دن کو اسپین کو مسلمانوں سے آزادی کا دن قرار دیتے ہیں اور چونکہ انکے خیال میں مسلمانوں کو شکست انکی چالاکی اور دھوکہ دہی کے نتیجے میں ہوئی تھی اس لیے وہ یکم اپریل کو فول ڈے کے طور پر مناتے ہیں۔

ہم مسلمان غیر مسلموں کی تقلید جلدی کرنا شروع کردیتے ہیں اور اس بات کی تحقیق بھی نہیں کرتے کہ یہ اسلام کے مطابق ہے یہ اس کے خلاف۔ اپریل فول منانے کی صورت میں بہت سے حادثات بھی پیش آتے ہیں۔ لوگوں میں سے کتنے ہیں جن کو ان کے لڑکے یا بیوی یا دوست کی وفات کے بارے میں خبر دی گئی تو تکلیف وصدمہ کی تاب نہ لاکر انتقال کرگئے، اور کتنے ہیں جن کو نوکری کے چھوٹنے یا آگ لگنے یا انکے اہل وعیال کا ایکسیڈنٹ ہونے کی خبر دی گئی تو وہ مختلف تکالیف وپریشانیوں سے دوچار ہوئے اور بعض لوگوں سے جھوٹ سے یہ کہا گیا کہ انکی بیوی فلاں آدمی کے ساتھ دیکھی گئی تو یہ چیز اس کے قتل یا طلاق کا سبب بن گئی۔ اسی طرح بہت سارے واقعات وحادثات ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ سب کے سب جھوٹ کا پلندہ ہیں جنہیں عقل و نقل حرام ٹھراتی ہے اور مذاق کرنے والے ان سارے ناقابل تلافی نقصانات کا کسی طور پر بھی کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کے لیے ان غیر شرعی اور غیر اسلامی رسوم و رواج کو منانے کے حوالے سے یہ بات یقینا سخت تشویشناک ہونی چاہیے کہ یہ غیر اسلامی ہیں اور اسلام کی عظیم تعلیمات اور اخلاقی اقدار کے منافی ہیں۔

جھوٹ نفاق کی نشانی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ سچ بولے یا خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے اس شخص پر خصوصی طور پر لعنت فرمائی ہے جو جھوٹ بول کر لوگوں ہنساتا ہے۔ آج کل لوگ مزاح کے نام پر انتہائی جھوٹ گھڑتے ہیں اور لوگوں کو جھوٹے لطائف سنا کر ہنساتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے ان اقوال مبارکہ کی روشنی میں اپریل فول جیسی جھوٹی رسوم وروایات کو اپنانے اور ان کا حصہ بن کر لمحاتی مسرت حاصل کرنے والے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ ایسا کرکے وہ غیر مسلم معاشرے کے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں جس کی رو سے لوگوں کو ہنسانے، گدگدانے اور انکی تفریح طبع کا سامان فراہم کرنے کے لیے جھوٹ بولنا انکے نزدیک جائز ہے۔

اسلام کے مطابق مسلمانوں کے لیے اپریل فول یا اس سے مشابہت رکھنے والے کسی بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی تہوار کا منانا ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی تعلیمات پر چلنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پڑھو پنجاب، بڑھو پنجاب

30 مارچ کو ایوان اقبال میں وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے سکولز ریفارمز روڈمیپ کے نئے مرحلے "پڑھو پنجاب، بڑھو پنجاب" کا آغاز ایک پروقار تقریب میں کیا۔ اس پروگرام میں 2018 تک صوبہ پنجاب کے ہر بچے و بچی کے سکول داخلے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ نئے مرحلے کے تحت سکولوں میں زیر تعلیم طلبا و طالبات کو امتحانی سوالات کے 85 فیصد درست جوابات دینا ہوں گے جس سے معیاری تعلیم کے فروغ میں مدد ملے گی اور طلبا و طالبات کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ شہباز شریف نے نہ صرف خود بلکہ حکومت پنجاب کے وزراء، چیف سیکرٹری، سیکرٹریز، مختلف محکموں کے سربراہان، کمشنرز، ڈی سی اوز، ڈی پی اوز کو ایک ایک جب کہ ای ڈی اوز، ڈی ای اوز، ڈپٹی ڈی ای اوز اور اے ای اوز کو دو دو سکول اپنانے (Adopt) کو کہا۔ وزیر اعلیٰ نے لاہور کے دیہی علاقے میں ایک سکول Adopt کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس سکول کے معاملات کی نہ صرف نگرانی کریں گے بلکہ گاہے بگاہے سکول کا دورہ بھی کریں گے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب تعلیمی میدان میں پچھلے دور حکومت میں بھی کافی سرگرم رہے۔ ان سے پہلے پرویز الٰہی کے دور میں بھی تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی۔ ہمارے

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی کا واحد راستہ ہے اور ملک کی ترقی میں تعلیم کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

ایوان اقبال لاہور میں ''پڑھو پنجاب، بڑھو پنجاب'' کی افتتاحی تقریب میں کروڑوں روپے خرچ کیے گئے۔ جو تقریب غریب عوام کے مفاد کے لیے منعقد کی جارہی تھی اس تقریب میں غریبوں کی نمائندگی کے لیے قومی وصوبائی وزراء، ارکان قومی وصوبائی اسمبلی، ڈیفڈ کے خصوصی نمائندے سر مائیکل باربر، ڈونرز اداروں کے نمائندے، یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز، تعلیمی اداروں کے سربراہان، دانشوروں، کالم نگاروں، ماہرین تعلیم، اساتذہ، والدین اور طلبا وطالبات کی بڑی تعداد کو مدعو کیا گیا تھا۔

یقینااس تقریب میں صوبے کے دور وقریب سے تشریف لانے والے تمام اعلیٰ افسران بھی اس بھوکی ننگی قوم کے بجٹ کے خرچے پر تشریف لائے ہوں گے۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پنجاب کے خادم اعلیٰ نے کہا کہ '' آج تعلیمی شعبے میں انقلاب برپا کرنے کے حوالے سے ایک اہم اور غیر معمولی دن ہے۔ آج ہمیں اس بات کا عزم کرنا ہے کہ 2018 کے تعلیمی اہداف کے حصول کیلئے محنت، دیانت اور لگن کے ساتھ کام کریں گے۔

خادم اعلیٰ تشریف تو عام سکولوں کی تقریب میں شرکت کے لیے لائے لیکن تعریف

دانش سکولوں کی کرتے رہے۔ انہوں نے کہا تعلیمی اداروں اور مدارس کے نصاب میں بردباری، برداشت، محبت اور اخوت کے جذبات پر مبنی اضافی مضامین شامل کئے جا رہے ہیں جو یقینا انتہا پسندی کے رجحانات کے خاتمے میں معاون ثابت ہوں گے۔ آج انتہاپسندی، قومی وسائل کو لوٹنے والوں کے ہاتھ روکنے، تعلیم کو عام کرنے میں رکاوٹ ڈالنے والوں اور امیر اور غریب کے درمیان خلیج ختم کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

میاں صاحب آپ کے جذبات بہت نیک ہیں لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ کہیں قائد اعظم کی طرح آپ کی جیب میں بھی کھوٹے سکے تو نہیں؟ کیا آپ کی بیوروکریسی اور افسر شاہی اساتذہ کو ان کے جائز حقوق ہی وقت پر دیتی ہے؟ کیا ٹرانسفر اور ریشنالائزیشن کا عمل شفاف ہوتا ہے؟ کیا تمام تعلیمی اداروں کو سہولیات فراہم کی گئی ہیں؟ اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ سینکڑوں طلبا کے لیے اداروں میں صرف ایک استاد جب کہ چند طلبا کے لیے دو دو اور تین تین استاد۔ ستم بالائے ستم محکمہ تعلیم کے تمام افسران ان اداروں کو وزٹ کرتے ہیں لیکن۔۔۔۔ منہ کھائے اور آنکھ شرمائے۔ اس لیے سب چلتا ہے۔

مغرب جس سے ہم شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہاں سب سے زیادہ عزت استاد کو دی جاتی ہے لیکن ہمارا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ ہم استادوں کی تذلیل کرتے

ہیں۔ پولیو کے قطرے، مردم شماری، ووٹ بنانا غرض کون سا کام اس پرائمری استاد نے نہیں کرنا جس نے ملک و قوم کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے پرائمری لیول کی نوخیز کلیوں کا تناور درخت بنانا تھا۔

ستم بالائے ستم ہم آج تک اپنے بارے میں یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکے کہ ہمارا میڈیم کون سا ہے؟ آئے روز نت نئے تجربات کی بھینٹ میری نسل چڑھتی ہے۔ کبھی انگلش میڈیم کبھی اردو میڈیم۔ درسی کتب کا مواد اور اساتذہ کو مہیا کی گئی ٹیچر گائیڈ کا آپس میں کوئی لنک نہیں۔ بچوں کو استاد کتاب پڑھائے اور ڈی ایس ڈی کے ناخدا سوالیہ پرچہ کہیں اور سے دیں۔ آئے روز تبدیل ہوتے نصاب نے طالب علموں کو نکما بنا دیا ہے۔ کتب کی پبلشنگ کا یہ حال ہے کہ نئی کلاسز شروع ہو جاتی ہیں مگر مارکیٹ میں وہ کتب میسر نہیں ہوتیں۔ ان سب کوتاہیوں کا ذمہ دار کون ہیں؟

میاں صاحب آپ تو تعلیمی پروگرام دیکر فارغ ہو جاتے ہیں مگر ان پروگرام کو چلانے والے اپنی من مانیاں کرتے ہیں۔ ابھی 31 مارچ کو پنجم اور ہشتم کا رزلٹ آؤٹ ہونا تھا مگر پنجاب ایگزامینیشن ایجوکیشن کی نااہلی کی وجہ سے یہ رزلٹ دن کی بجائے رات کو ڈکلئیر کیا گیا۔ اس سے پہلے اسی ایگزامینیشن کمیشن نے جس اہلیت کا مظاہرہ امتحان کے انعقاد میں کیا اس کا آپ کو ہم سے زیادہ

اندازہ ہے۔

اگر محکمہ تعلیم کی کارکردگی پر لکھنے بیٹھوں تو کئی کتب مرتب ہو سکتی ہیں۔ گورنمنٹ سکولوں کے لیے حکومت پنجاب ہر سہولت مہیا کر رہی ہے مگر دیہاتوں میں گورنمنٹ سکول آج بھی ویران پڑے ہیں۔

خادم اعلیٰ صاحب میں نے اس پہلے بھی کئی کالموں میں ملتان روڈ پر واقع ضلع قصور کے سب سے بڑے گاؤں جمبر کا ذکر کیا کہ وہاں پر لڑکیوں کے لیے صرف مڈل سکول ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ اکیلا گاؤں دو یونین کونسل بنایا گیا جس سے آپ یہاں کی آبادی اور ووٹ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس گاؤں کی بچیاں دربدر ٹھوکریں کھاتی پھریں۔ پرائیویٹ سکولوں کی فیس برداشت نہ کرنے کی وجہ سے بچیوں کو گھروں میں بٹھالیں۔ یا پھر گھنٹوں سڑکوں پر بس کے انتظار میں کھڑی رہیں۔ جمبر میں بوائز اور گرلز ہائیر سیکنڈری سکول کی منظوری پرویز الہی دور میں ہو چکی تھی اور کئی بار سروے ہونے کے باوجود ابھی تک سکول کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا۔ میاں صاحب آپ نے جب تعلیم کا علم اٹھایا ہے تو پھر شہروں سے زیادہ دیہاتوں پر توجہ مرکوز کریں۔ ورنہ بہت جلد قیامت کے روز ان بچوں کا ہاتھ ہو گا اور

گریبان آپ کا ہو گا۔

ہمیں حکومت پنجاب کی نیت پر کوئی شک نہیں وہ تعلیم کو گھر گھر پہنچانا چاہتی ہے مگر اس کے لیے نیچے والے عملے کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا۔ میاں صاحب استاد کے گرد سینکڑوں محکمے کے مانیٹر بھیجنے کی بجائے جتنے لوگ اور محکمے مانیٹرنگ پر لگا رہے ہیں انہی وسائل سے اساتذہ کی تعداد اور انفرا سٹرکچر مہیا کریں۔ اس کے بعد احتساب کا عمل تیز اور سخت کر دیں لیکن خدارا استاد کو عزت دیں۔ اس کی عزت نفس کا بھی خیال رکھیں تب ہی پنجاب پڑھے گا اور بڑھے گا۔

بھٹو "تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد"

قیام پاکستان سے لیکر آج تک سیاست کے میدان میں بہت سے لوگ آئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرکے جاتے رہے۔ قائدا عظم کے بعد ذوالفقار بھٹو تھے جن کو عوامی سطح پر اتنی پذیرائی ملی اور ان کے بعد اب میاں نواز شریف ہیں جن کو عوام پسند کرتی ہے۔جس طرح میاں صاحب عوام کا درد دل میں رکھتے ہیں اسی طرح اپنے دوراقتدار میں بھٹو عوام کا خیال رکھتے تھے۔

ذوالفقار بھٹو5 جنوری 1928 ء کوصوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کانام شاہ نواز بھٹو تھا۔ذوالفقار علی بھٹو تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔آپکی مادری زبان سندھی تھی۔آپ کے والد سر شاہنواز خان بھٹواپنے دور میں حکومتی سطح پر ایک مقام رکھتے تھے اسی لیے اُس دور کی انگریز حکومت نے ان کی خدمات پر انہیں سر کے اعزاز سے نوازا تھا۔یاد رہے انگریز حکومت سر کاخطاب انہیں دیتی تھی جنکی خدمات اُن سے مشروط ہوں۔آپ کی والدہ کا نام خورشید بیگم تھا،آپ کے والد سندھ کے جاگیرداروں میں شامل ہوتے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرل سکول سے حاصل کی۔ ذوالفقار بھٹو کی پہلی شادی ابتدائی عمر ہی میں شیرین امیر بیگم نامی خاتون سے کردی تھی۔ جن سے انہوں نے جلد ہی علیحدگی اختیار کرلی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے 1947ء میں امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے سیاسیات کے مضمون میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ 1950 میں آکسفورڈ لا کالج برطانیہ میں داخلہ لیا اور 1953 ء میں وہاں سے لاء کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کچھ وقت تک سندھ مسلم لاء کالج میں لیکچرار رہے اور بعد ازاں کراچی میں کچھ عرصے کیلئے وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ اکتوبر 1958 میں ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ان کو پہلی دفعہ سیاست میں براہ راست حصہ لینے کا موقع ملا۔ اور اپنے سیاسی کیریر کا آغاز ایوب خان کابینہ میں توانائی کے وزیر کی حیثیت سے کیا۔ اسوقت ان کی عمر محض 30 سال تھی۔ بعد میں ان کو کامرس، اطلاعات و نشریات اور صنعتوں کی وزارتیں بھی دی گئیں۔ 1962 ء میں وزیر خارجہ کے منصب پر فائز ہوئے۔

جب ان کے جنرل ایوب خان کیساتھ معاہدہ تاشقند پر اختلافات پیدا ہوئے تو معاہدہ تاشقند پر دستخط کا انتظار کئے بغیر وطن واپس لوٹ آئے۔ تاشقند سے واپسی پر انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دیکر تاشقند معاہدے کے متعلق قوم کو مختلف فورمز اور پروگرامات کے ذریعے اسکے مضمرات سے آگاہ کیا۔ حکومت سے استعفیٰ کے بعد انہوں نے پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا۔ عوام کی زبردست

پذیرائی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسطرح انہوں نے 30 نومبر 1967ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے کے علاوہ انہوں نے پاکستانی عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیکر پورے ملک میں انقلابی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

ایوب خان آمریت سے بغاوت کے جرم میں انکو 12 نومبر 1968 کو گرفتار کر لیا گیا لیکن جنرل ایوب خان اپنے آمرانہ ہتھکنڈوں کے ذریعے ان کا سحر توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکے اور بالآخر 1969ء کی وہ گھڑی آن پہنچی جب جنرل ایوب خان کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ ایوب خان نے ایک بار پھر اپنے آمرانہ مزاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقتدار اپنے ہی وضع کردہ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے سپیکر کو سونپنے کی بجائے چیف آف آرمی سٹاف جنرل یحیٰی خان کے حوالے کر دیا۔ جنرل یحیٰی خان نے ملک میں دوسرا مارشل لاء لگا کر عام انتخابات کا اعلان کیا۔ پیپلز پارٹی نے 1970ء کے الیکشن میں ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں روٹی، کپڑا اور مکان کے منشور پر الیکشن میں حصہ لیا اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ اسطرح محض تین سال کے قلیل عرصے میں پیپلز پارٹی نے ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ جنرل یحیٰی خان کو فارغ کرکے انہوں نے بحیثیت

چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور بحیثیت صدر پاکستان حکومت خود سنبھالی۔اور 20 دسمبر 1971ء سے 13 اگست 1973ء تک صدر پاکستان کے عہدے پر فائز رہے۔ ء کا متفقہ آئین منظر عام پر آنے کے بعد انہوں نے عہدہ صدارت چھوڑ کر 197314 اگست 1973ء کو بحیثیت وزیر اعظم حکومتی اختیارات سنبھالے۔ 1976ء میں آپ نے جنرل ضیاء الحق کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا تو ہر سطح پر اس فیصلے پر تنقید کی گئی لیکن آپ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بعدازاں 5 جولائی 1977ء کو ملک میں تیسرا مارشل لاء نافذ کرکے ذوالفقار علی بھٹو کو جیل میں ڈال کر ان پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جسکے نتیجے میں آپ کو 4 اپریل 1979 کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

بھٹو نے اپنے اقتدار میں عوام کی فلاح کے بہت کام کیے۔ طالب علموں کے سٹوڈنٹ کارڈ ان کے دور میں بنائے گئے۔ذوالفقار علی بھٹو ایک نئ جدید سوچ کے مالک تھے وہ پاکستان کو بڑھتے ہوئے حالات اور وقت کے ساتھ لیکر چلنا چاہتے تھے اسی لیے انھوں نے ایک ایسی سیاسی جماعت بنائی جس کا منشور فلاح ہو اور عوامی خدمات پر مشتمل تھا۔ بھٹو نے بہت کم وقت میں پورے پاکستان کی عوام کا دل جیت لیا تھا۔ انہی کے دور حکومت میں پاکستان نے ایٹم بم کی تیاریاں شروع کردی تھیں ۔پاکستان اسٹیل مل اور دیگر ادارے بھی وجود میں آئے۔ بھٹو نے زراعت کو فروغ دینے کیلئے جدید زرعی آ لات کسانوں ، زمینداروں

کو مفت اور آسان اقسام میں زرعی قرضے فراہم کیے تاکہ کسان اور جاگیر داران جدید ٹیکنالوجی اور لون کی سہولت کو اختیار کرتے ہوئے زرعی اجناس کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں، اسی طرح صنعت و تجارت کی فروغ کیلئے بھی نئے پلان تیار کیئے اور برآمدات کو بڑھانے کیلئے پیداوار میں اضافہ کیا۔

بھٹو کے دور حکومت میں مزدور یونین کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ بھٹو غریب پرور ہونے کے ناطے وہ مزدور یونین کے حامی تھے۔ 1972ء میں بھٹو نے اولڈ ایج بینیویٹ اور پینشن کا سسٹم رائج کیا۔ 28 نومبر 1972ء کو پاکستان کا پہلا نیوکلیر پاور پلانٹ کراچی کا افتتاح کیا۔ 12 اپریل 1973ء کو پاکستان آئین میں ترامیم کیں۔ یکم جنوری 1974ء کو تمام بینکوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔

ذوالفقار بھٹو کے اس دور میں اور آج کے دور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ دور پیپلز پارٹی بھٹو کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کا نام اس کی وارثوں سے چلتا ہے بھٹو نام رکھ لینے سے بھٹو خاندان کے جراثیم نہیں آجاتے ہیں اور نہ ہی اس جیسی سوچ بن جاتی ہے ۔ذوالفقار بھٹو کے دور میں عوام کے لیے جان دی جارہی تھی اور آج عوام کی جان لی جارہی ہے۔ اس وقت عوام کو اسکے حقوق دیے

جارہے تھے اور آج ان کے حقوق پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ کیا آج کے حالات دیکھ ذوالفقار بھٹو کی روح تڑپتی نہیں ہوگی کہ یہ وہی پاکستان ہے ؟

چرچا ہے ہر سُو تیری محبت کا

پاکستان کی سیاست بھی انوکھی ہے۔اس سیاست کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا۔ جو ملا یہ اسی کی ہو گئی۔ آج کے دوست کل کو دشمن بن جاتے ہیں اور کل کے دشمن آج دوست بن گئے۔ سیاست وہ کھیل ہے جس کو ہر کوئی کھیلتا ہے مگر اس میں ہارنے والے کی بھی جیت ہوتی ہے اور جیتنے والے کی ہار کیونکہ اس میدان میں سب ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور ہار کر بھی ہار نہیں مانتے۔

جب سال 2014 کا آغاز ہوا تھا تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلام آباد میں دھرنا دینے والی سیاسی جماعت پاکستان تحریک انصاف ملک میں طویل ترین دھرنے کی تاریخ رقم کرے گے۔ گو کہ دھرنا جن وجوہات کی بنا پر شروع ہوا تھا وہ آج بھی موجود ہیں اور دھرنوں کے بظاہر اختتام کے بعد حکومت نے سکھ کا سانس لیا۔ پشاور کے المناک واقعے نے پاکستان کے سیاسی منظر نامے کی ہیئت کو ہی بدل کے رکھ دیا۔اُس سانحے کے بعد عمران خان نے جس ردعمل کا اظہار کیا، اس نے ان کے ”کھیلن کو چاند مانگنے والے ضدی لاڈلے“ کا تاثر بدل کر رکھ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگوں نے کہا تھا کہ عمران خان دھرنے سے جان چھڑانے کے لیے کسی بہانے کی تلاش میں تھے جو انہیں مل گیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ہر بات کا منفی جواب کیوں سوچتے ہیں۔ان کی سوچ منفی کیوں ہوتی ہے؟اگر عمران خان نے سانحہ پشاور کے بعد دھرنا ختم کردیا تو اس میں کونسی اچنبھے کی بات ہے۔ یہ ان کی مثبت سوچ تھی کیونکہ ایک تو یہ سانحہ پورے پاکستان کو غمگین کرگیا اور دوسرے اگر خدانخواستہ اس سانحہ کے بعد ایسا سانحہ اس دھرنے میں ہوگیا تو پھر نہ جانے کتنا نقصان اٹھانا پڑتا اور پھر نہ صرف سیاستدان بلکہ ہر شخص عمران خان کو برا بھلا کہتا دکھائی دیتا۔ میرے خیال میں عمران خان نے بھی ہر پاکستانی کی طرح اپنی سوچ کو مثبت رکھتے ہوئے دھرنا ختم کرنے کا اعلان کرکے ایک اچھا قدم اٹھایا کیونکہ اس دھرنے کے وجہ سے ہماری معیشت بری طرح متاثر ہورہی تھی۔ چین کے صدر نے بھی اپنا دورہ ہمارے ملکی حالات دیکھ کر کینسل کیا تھا جو ابھی تک pending پڑا ہوا ہے۔

جب دھرنے کے دوران پی ٹی آئی نے اسمبلیوں سے استعفے دیے تو بہت سے سیاستدانوں نے بڑی بڑی باتیں کی اور بہت سے سیاستدانوں نے حکومت کو استعفے منظور نہ کرنے کی درخواست بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً سات ماہ تک حکومت اور پی ٹی آئی میں الفاظوں کی جنگ ہوتی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ عمران خان نے دھرنوں کے دوران سیاسی میدان میں کافی ہلچل مچائے رکھے اور دوسرے

سیاستدانوں کی طرح بڑی بڑی بڑھکیں ماری مثلاً نواز شریف کے استعفے کے بغیر دھرنا ختم نہیں ہوگا، اسمبلی جعلیاں ہیں، چار حلقے کے جانچ پڑتال کے بغیر حکومت سے بات نہیں ہوگی، جوڈیشنل کمیشن بنانا اسوقت تک بیکار ہے جب تک میاں صاحب استعفیٰ نہ دیں۔
اس حقیقت سے انکار نہیں کہ سیاستدان بڑے بڑے دعوے کرنے کے قائل ہوتے ہیں اور جب تک یہ سیاستدان بڑھکیں نہ لگائیں شائد ان کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ جو لوگ خانصاحب پر تنقید کررہے ہیں ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ عمران خان بھی ایک سیاستدان ہیں۔ کیا پی پی کے دور میں خادم اعلیٰ نے کم بڑھکیں لگائیں تھیں؟ الیکشن میں کونسی جماعت ہے جس نے دعوے نہیں کیے؟ نواز شریف کی تقاریر سب کے سامنے ہیں کیا ان سب پر عمل ہوچکا ہے ؟
میں تو پہلے بھی اپنے کالم میں واضح لکھ چکا ہوں کہ تمام سیاستدان ایک ہیں ان کا مقصد عوام کو بہلا پھسلا کر اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے، ہے کوئی دور جس میں عوام خوشحال رہی ہو؟ ہر دور کو گزرے دور سے بدتر ہی سمجھا جاتا ہے۔ پی پی کے دور میں مشرف کے دور کو اچھا سمجھا جاتا تھا اور اب میاں صاحب کے دور میں زرداری دور کو بہتر جانا جارہا ہے۔

جب عمران خان اسمبلیوں میں نہیں آ رہے تھے تو ہر کوئی ان کو اسمبلیوں میں بلا رہا تھا اور اب جب آ گئے تو ہر کوئی ان پر طنز کے تیر چلا رہا ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق عمران خان نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسمبلیوں میں آنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ لوگ ابھی تک پی ٹی آئی والوں کو اتنا لمبا دھرنا دینے کے باوجود حاصل نہ حصول کا طعنہ دے رہے ہیں مگر اس فیصلے سے اور زیادہ انگلیاں اٹھنے لگی ہیں۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے۔ آخرکار ہمارے خان صاحب نے اسمبلیوں میں آ کر یہ ثابت کر دیا کہ موجودہ اسمبلیاں جعلی نہیں بلکہ عوام کے منتخب نمائندے ہی اس میں بیٹھے ہیں۔ خان صاحب کے فیصلے نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا کہ ''کسی مرد کی کامیابی کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے'' اور ہمیں امید ہے کہ اب خان صاحب کے قدم کامیابی چوم لے گی۔ ریحام بھابھی کے مشورے عمران خان کو اب کسی کے انگلی کے اشاروں پر ناچنے نہیں دیں گے کیونکہ اب ان کی انگلیاں ہی کافی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جو خان صاحب کو الٹے سیدھے مشورے دے رہے تھے وہ اب ہماری بھابھی سے جیلس ہونا بھی شروع ہوگئے ہونگے۔

خان صاحب یہ بات اب آپ کو ماننا پڑے گی کہ آپ ایک روایتی سیاستدان ہیں۔ نیا پاکستان ہو یا پرانا مگر سیاستدان سب ایک جیسے ہی ہیں۔ البتہ نواز شریف کی

خاموش سیاست کہیں نہ کہیں کام ضروری دکھا گئی۔ دوران دھرنا جاوید ہاشمی نے جو کچھ کہا اور کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور اب میں سمجھ رہا ہوں کہ خانصاحب کے اس فیصلے میں ایک اور سابقہ لیگی چوہدری سرور کا رول بھی کم نہیں ہوگا۔

ہماری تو دعا ہے کہ تمام سیاستدان ذاتی انا کو چھوڑ کر اپنے ملک کی ترقی کے لیے ایک ہوجائیں۔ عوام کی بھلائی کے لیے دن رات ایک کردیں۔ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے اور اگر ہمارے سیاستدان متحد ہوجائیں تو اسلامی ممالک میں کسی کو بری نظر سے دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔ آج ہماری کمزوریوں کی وجہ سے کفار ہمیں آپس میں لڑا کر اپنا مفاد پورا کر رہے ہیں۔

نسل در نسل دوستی کا نام پاک چین دوستی

چین کے صدر شی جن پنگ پیر 20 اپریل کو دو روزہ سرکاری دورے پر پاکستان پہنچیں گے۔یاد دھانی کراتا چلوں کہ گذشتہ سال اکتوبر میں چین کے صدر نے پاکستان کا دورہ کرنا تھا تاہم پاکستان کی سیاسی صورت حال میں کشیدگی کی وجہ سے انھیں اپنا دورہ ملتوی کرنا پڑا۔گذشتہ نو برسوں میں کسی بھی چینی صدر کا پاکستان کا یہ پہلا دورہ ہو گا۔چینی صدر کے دورے میں 46ارب ڈالر کے منصوبوں پر دستخط کا امکان ہے۔
پاک چین دوستی سمندر سے گہری اور ہمالیہ سے کہیں اونچی ہے۔ کوئی بھی ملک آج تک اس کی گہرائی اور اونچائی کی پیمائش نہیں کر سکا۔ چین ہمارا ہمسایہ ملک ہے جس کے ساتھ پاکستان کے دیرینہ تعلقات ہیں جو روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چین نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔
چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے جس کی آبادی تقریباً 130 کروڑ ہے۔ معاشی لحاظ سے یہ ملک امریکہ کے بعد دنیا کی مضبوط ترین ریاست ہے۔
پاکستان اور چین پڑوسی ہونے کے ناطے ہی ایک دوسرے کے قریب نہیں بلکہ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔اِقتصادی حجم کے لحاظ

سے آج چین پوری دنیا میں چوتھے درجے پر ہے۔ چین اقوام متحدہ کے بانی ممالک میں شامل ہے اس وجہ سے چین کو سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق بھی حاصل ہے۔

دو عشروں تک مغرب کی چین دشمنی کی وجہ سے اسے اقوام متحدہ میں اپنے جائز مقام سے محروم رہنا پڑا۔ 25 اکتوبر 1971 چین کی تاریخ میں ایک بہت بڑی اہمیت کا حامل دن ہے کیونکہ اس روز اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت کے ساتھ عالمی ادارے میں چین کی مراعات بحال کر دیں۔ چین کی اقوام متحدہ میں یہ غیر معمولی کامیابی دنیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک کے لئے بھی بہت اہمیت رکھتی تھی کیونکہ چین ہر فورم پر ترقی پذیر ممالک کے حقوق کے لئے آواز اٹھاتا رہا ہے۔

ایک مشہور اور قدیم چینی کہاوت ہے کہ خوراک انسان کی سب سے اولین ضرورت ہے۔ چین کے لوگ آج بھی اس مقولے پر عمل پیرا ہیں وہ خوراک کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ چین بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس کی بیشتر آبادی دیہی علاقوں میں رہتی ہے۔ زراعت کو شروع ہی سے چینی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

پاکستان کے ساتھ چین کے ساتھ تعلقات قیام پاکستان کے بعد ہی قائم ہوگئے تھے مگر اچھے تعلقات کی بنیاد کی پہلی اینٹ اس وقت رکھی گئی جب پاکستان نے 1950ء

میں تائیوان کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا۔ اس کے بعد 1962 میں چین بھارت جنگ، پاکستان اور چین کو اور قریب لے آئی جس کی وجہ ہندوستان پر دباؤ قائم رکھنا تھا۔ 1978 میں چین اور پاکستان کے درمیان پہلے اور اب تک کے واحد زمینی راستے قراقرم ہائی وے کا باقاعدہ افتتاح ہوا جس کے بعد دونوں ممالک کے درمیان تجارت اور رابطوں میں اضافہ ہوگیا۔

چین نے پاکستان کی ہر میدان میں مدد کی۔ دفاعی میدان میں چین نے پاکستان کو مکمل سپورٹ دی۔ دونوں ممالک کے درمیان فوجی تعاون کے اہم منصوبے جن میں 2001 میں الخالد ٹینک، 2007 میں لڑاکا طیارے ''جے ایف-17 تھنڈر'' 2008 میں ''ایف-22 پی'' فریگیٹ اور ''کے-8 قراقرم'' ایڈوانسڈ تربیتی طیاروں کی تیاری اور دفاعی میزائل پروگرام میں قریبی اشتراک شامل ہے۔ دونوں ممالک کی افواج کئی مشترکہ فوجی مشقیں بھی کرچکی ہیں جن میں سب سے اہم رواں سال ہونے والی فوجی مشق تھی جس کا مقصد انسدادِ دہشت گردی کے لیے باہمی تعاون کا فروغ قرار دیا گیا تھا۔ دفاعی تعاون کی انہی سمجھوتوں کی بدولت 2007 میں چین پاکستان کو ہتھیار فراہم کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا تھا۔

موجودہ دور حکومت میں دونوں ممالک کے یہ تعلقات مزید مضبوط ہوئے ہیں اور حکومتی کوششوں ہی کا نتیجہ ہے کہ چین نے پاکستان میں مختلف شعبوں میں 32

ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا عندیہ دیا جو بہت بڑی سرمایہ کاری ہے، دنیا کا کوئی اور ملک پاکستان میں اتنی بڑی سرمایہ کاری نہیں کر رہا۔ چینی انجینئرز اور ماہرین اس وقت پاکستان میں مختلف شعبوں کی ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان اور چین کی اس لازول دوستی پر سٹیٹ بینک نے 20 روپے کا یادگاری سکہ جاری کیا۔

دورہ پاکستان کینسل ہونے کی صورت میں چینی صدر نے بھارت کا دورہ کیا۔اس دورہ بھارت پر بہت سے لوگوں نے انگلیاں اٹھائیں۔کچھ لوگ سمجھ رہے تھے کہ چین بھارت کو پاکستان پر فوقیت دے رہا ہے مگر چینی حکمرانوں نے ہمیشہ پاکستان کو اہمیت دی اور باقی ممالک سے صرف تعلقات رکھے۔ چینی صدر کے اس دورے پر پوری دنیا کی نظر ہے ۔ پاک چین دوستی اب مزید مستحکم ہو گی۔ عوام پُر امید ہے کہ شاید چینی صدر کے دورے کے بعد پاکستان سے بجلی کا بحران ختم ہو جائے گا۔ ملک میں خوشحالی ہو گی۔ پاک چین عوام کو اس دوستی پر ناز ہے اور دعا ہے کہ یہ تعلقات روز بروز مزید مستحکم ہوں۔

وعدہ ہے تجھ سے محبت نبھانے کا

سعودی عرب صرف ایک عام ملک یا پاکستان کا ''دوست ملک'' ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کی مقدس سرزمین بھی ہے۔ اس سرزمین پر مسلمانوں کی دل و جان سے عزیز مقدس عبادت گاہ بیت اللہ اور روضہ رسول موجود ہے۔ یہ مقدس دھرتی مسلمانوں کے لئے مرکزِ ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ہو گا جو روضہ رسول اور بیت اللہ کی حفاظت پر اپنا سب کچھ قربان کرنا اپنے لئے باعث فخر نہ سمجھتا ہو۔ مکہ و مدینہ کی زیارت تو ہر ایک مسلمان کے لئے دُنیا کی سب سے عظیم سعادت ہے۔ جنھوں نے زیارت نہیں کی وہ زیارت کے لئے ترستے رہتے ہیں اور جو کر چکے ہیں وہ پھر زیارت کرنے کو تڑپتے ہیں۔

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات بہت گہرے اور مضبوط ہیں۔ زندگی کے نشیب وفراز میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہتے ہیں۔۔برے دنوں میں ایک دوسرے کا مداوا کرنا انکی عادت بن چکی ہے ۔ عالم اسلام کے تنازعات کے حل میں پاکستان کے ثالثی کے کردار نے بھی سعودی حکمرانوں کی نظروں میں اس کے قد کاٹھ میں اضافہ کیا۔ قدرتی وسائل سے مالا مال سعودی عرب نے پاکستان کی ہر مشکل میں بھرپور

مدد کی۔ پاکستان کو جب بھی کسی قدرتی آفت نے گھیرا تو سعودی عرب نے مصیبت زدہ پاکستانیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ 1965 کی پاک ، بھارت جنگ ہو یا افغان پناہ گزینوں کی بحالی کے لیے امداد۔ سیلاب زدگان ہوں یا زلزلے جیسی آفت ۔ سعودی عرب نے کسی محاذ پر بھی پاکستان کو تنہا نہیں چھوڑا۔

حرمین شریفین کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے، حرمین کے تحفظ کے سلسلہ میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ کفار کی شہ پر مسلم ممالک کے اندر فساد اور انارکی پیدا کرنے والے منافقین امت مسلمہ کے لئے شدید خطرہ بن چکے ہیں۔ یمن میں بغاوت ایران اور سعودی عرب کا مسئلہ نہیں اور نہ ہی یہ شیعہ سنی لڑائی ہے۔ صلیبی و یہودی سازش کے تحت اس مسئلہ کو الجھانے کی خوفناک سازشیں کر رہے ہیں۔ یمن مغربی ایشیاء میں واقع مشرق وسطی کا ایک مسلم ملک ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں سعودی عرب اور اومان، جنوب میں بحیرہ عرب ہے اور مغرب میں بحیرہ احمر واقع ہے۔ یمن کی آبادی 2 کروڑ سے زائد ہے جن میں سے بیشتر عربی بولتے

ہیں۔اسلامی ملک یمن کے حالات ہر مسلمان کیلئے انتہائی پریشانی کا باعث ہیں۔ یمن جزیرہ نما عرب اور اسلامی دُنیا کا ایک انتہائی اہم ملک ہے جسکی تاریخی لحاظ سے اپنی اہمیت ہے۔ یہاں کی ثقافت نہ صرف انتہائی قدیم ہے بلکہ اسلامی

تاریخ کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل بھی۔ یمن کی سعودی عرب کے ساتھ ایک طویل سرحد ہے جسکی بناپر دونوں ممالک کے قدیم سماجی اور ثقافتی تعلقات بھی ہیں۔ یمن رقبے کے لحاظ سے ایک بڑا ملک ہے مگر آبادی اتنی زیادہ نہیں ہے۔ ذرائع آمدورفت اور ترقی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت پسماندہ ملک ہے جسکی بناپر غربت پسماندگی اور جہالت بھی عروج پر ہے۔ ان دنوں حوثی باغیوں نے یمن میں بغاوت کاعلم بلند کیا ہوا ہے۔ جس کے خلاف سعودی حکومت نے آپریشن شروع کردیا ہے۔ ذرائع کے مطابق اس آپریشن میں سو سعودی جنگی جہازوں نے حصہ لے رہے ہیں۔ اس آپریشن کانام ہے۔ جس کا مفہوم ہے ''فیصلہ کن طوفان''۔اس آپریشن میں متحدہ (Dubbe) دبے عرب امارات، بحرین، مراکش اور اردن کے جنگی جہازوں نے حصہ لیا۔ اسکے علاوہ سوڈان اور اردن نے حملوں میں براہ راست حصہ لیاہے۔

اس تناظر میں پاکستان نے بھی پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلایااس اجلاس میں فیصلہ کرنا تھاکہ ہم سعودی حکومت کا ساتھ دیں یا غیر جانبدار رہیں؟ فیصلہ یہ آیا کہ ہمیں اس جنگ میں غیر جانبدارر ہنا چاہیے۔پاکستان کی سعودی عرب سے غیر جانبداری سمجھ سے بالاتر ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھاکہ پاکستان کھلم کھلا اعلان کرتاکہ ہم سعودی عرب کے ساتھ ہیں مگر یمن بھی ہمارا سلامی ملک ہے اس لیے اس مسئلے کوپہلے ڈائیلاگ کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر یمن کے

باغی ڈائیلاگ سے باز نہ آئے تو پھر ہم سعودی عرب کے شانہ بشانہ کھڑے ہونگے مگر حکومت کی جانب سے غیر جانبداری کا اعلان سب کے لیے حیران کن تھا۔ حقیت میں یہ لڑائی یمن اور سعودی عرب کی نہیں بلکہ یہ لڑائی تو باغیوں کے خلاف ہے۔ جس طرح پاکستان میں طالبان، افغانستان میں القاعدہ اور عراق میں داعش نے حکومت وقت کو وقت ڈالا ہوا ہے۔ افغانستان میں امریکہ جو آکر لڑ رہا ہے تو کیا وہ افغانستان سے جنگ کر رہا ہے؟ اسی طرح سعودی عرب بھی باغیوں کے خلاف یمنی حکومت کی مدد کر رہا ہے۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں اس سنگین مسئلے کو کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ شیعہ سنی کا نام دیکر اس مسئلے کو پاکستان میں بھڑکایا جا رہا ہے ۔ کچھ لوگوں کو یہاں تک کہتے سنا ہے کہ ہمارے ملک کو دوسروں کی جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ کیا یہ دوسروں کی لڑائی ہے۔ کیا عراق ، کویت اور افغانستان کی طرح یمن اور سعودی عرب میں بھی امریکہ کو لاکر بٹھا دیں تاکہ وہ سعودی عرب کے قدرتی وسائل پر قابض ہوجائے۔ آخر ہم مسلمان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی بجائے دوسروں کے سہارے کب زندہ رہیں گے ؟

ذرا سوچیے !کیا سعودی عرب جب ایٹمی دھماکوں کے رد عمل میں ہم پر پابندیاں

لگائی جارہی تھیں تو غیر جانبدار رہا۔ ہمیں مہنگائی سے بچانے اور ڈالر کے مقابلے میں ہماری کرنسی کو اوپر لانے کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر کسی شرط کے بنا ہمارے خزانے میں جمع کروانے والا ملک غیر جانبدار رہا؟ جب بھی ہم پر مشکل وقت آیا یہ رفیق غیر جانب دار نہیں رہا۔ پھر آج جب اس کو مدد کی ضرورت پڑی تو ہم کس طرح غیر جانبداری کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے سیاسی حالات جب بھی خراب ہوئے تو ہم فوراً ادھر کا رخ کرتے ہیں تو اس وقت ہم اپنی لڑائی خود کیوں نہیں لڑتے؟ سوچیے اور غور کیجیے کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا۔ بہر حال اس وقت جب سعودی عرب نے حملے نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یہ ہم سب مسلمانوں کے لیے خوش آئندہ بات ہے مگر اس سلسلے کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لیے تمام مسلمان ممالک کو مل کر کردار ادا کرنا ہوگا۔

بلی تھیلے سے باہر آ گئی

کراچی کا حلقہ این اے 246 میں ضمنی انتخابات کا چرچا کافی دنوں سے سنا جا رہا تھا۔ اس حلقے کو ایسے اہمیت دی جا رہی تھی جیسے یہ ایک سیٹ پر نہیں بلکہ پورے پاکستان میں الیکشن ہو رہا ہے۔ میڈیا پر ہر کوئی اس ضمنی الیکشن پر بات کرتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جوڈیشنل کمیشن بن چکا ہے۔ اس حلقے میں دھونس دھاندلی کے چانس نہ ممکن تھے۔ تحریک انصاف کی دھماکا خیز آمد نے اس ضمنی الیکشن کو اور پر کشش بنا دیا۔ اس حلقے میں حکومت کے ساتھ ساتھ الیکشن کمیشن نے بھی کافی نظر رکھی ہوئی تھی تاکہ کوئی بھی پارٹی ناانصافی یا دھاندلی کا الزام نہ لگا سکے۔ تجزیہ نگاروں نے تو پہلے ہی اپنا تجزیہ لکھ دیا تھا کہ سیٹ کون جیتے گا مگر ایم کیو ایم کے باغی نبیل گبول کے بیان کے بعد لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شاید نائن زیرو کے اس حلقے میں زبردستی ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ اسی لیے بہت سے لوگوں نے کہا تھا کہ اس سیٹ پر اپ سیٹ بھی ہو سکتا ہے۔ ایم کیو ایم کے خلاف صولت مرزا کے ویڈیو بیان نے پاکستان بھر میں ہلچل مچا دی تو دوسری طرف نبیل گبول متحدہ کو چھوڑ کر آزاد ہو گئے۔ انہی کی خالی کی ہوئی نشست پر انتخاب ہوا۔ اس حلقے کے متعلق نبیل گبول نے بیان دیا تھا کہ مجھے اس

حلقے میں کمپیین تک چلانے کی ضرورت نہیں پڑی، اپنے آپ ووٹ مل گئے۔

کراچی میں اس وقت بھتہ مافیہ، ٹارگٹ کلینگ اور دہشت گردی کے خلاف آپریشن جاری ہے اوراس میں زیادہ تر لوگ ایم کیو ایم کے زیر عتاب آئے ہوئے ہیں۔ پاکستان کی سیاست میں ہلچل مچانے والی جماعت تحریک انصاف نے سب سے پہلے اس حلقے میں جاکر کھڑاک کیا۔ جس کے بعد ایم کیوایم اور پی ٹی آئی میں ٹھن گئی۔ دونوں پارٹیوں کے کارکن ایک دوسرے کے آمنے سامنے بھی کھڑے ہوئے مگر بالغ نظر کی وجہ سے کسی بڑے تصادم سے بچ گئے۔

اس حلقے پر اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ حلقہ متحدہ قومی موومنٹ کا گڑھ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کا ہیڈ کوارٹر 90 بھی اسی حلقے میں واقع ہے۔ 1997کے الیکشن تک یہ حلقہ این اے 187 کہلاتا تھا۔2002 میں ملک بھر میں نئی حلقہ بندیاں کی گئی جس کے نتیجے میں کراچی سے قومی اسمبلی میں نشتوں کی تعداد 13 سے بڑھ کر 20 ہو گئی اور این اے 187 اور این اے 188کے کچھ علاقے مل کر این اے 246 کہلائے۔ موجودہ این اے 246 کا زیادہ ترعلاقہ سابقہ این اے 187 پر مشتمل ہے جس میں عزیزآباد، کریم آباد بھی شامل ہے۔

ایم کیوایم 1988 سے 1997 تک منعقد ہونے والے چارانتخابات میں سے تین میں

فاتح رہی ہے 1993 کے انتخابات میں ایم کیو ایم نے بائیکاٹ کیا تھا جبکہ 2002، اور 2013 میں ہونے والے انتخابات میں ایم کیوایم مسلسل فاتح رہی ہے۔ 2008 پیپلز پارٹی چھوڑ کر متحدہ قومی موومنٹ میں شمولیت اختیار کرنے والے سردار نبیل گبول کے استعفے کے باعث یہ نشست خالی ہو گئی اور اس پر ضمنی انتخابات کا انعقاد کرایا گیا۔ ضمنی انتخابات کے نمایاں امیدواروں متحدہ قومی موومنٹ کے کنور نوید جمیل، تحریک انصاف کے عمران اسمٰعیل اور جماعت اسلامی کے راشد نسیم ایک دوسرے کے مد مقابل تھے۔ان کے علاوہ کچھ آزاد امیدوار بھی میدان میں تھے مگر اصل مقابلہ بظاہر ان تینوں امیدواروں کے درمیان ہی تھا۔ہمارے تجزیے کے مطابق یہ سیٹ ایم کیوایم ہی جیتے گی مگر بہت سے دوستوں نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ایم کیوایم کااس وقت.براوقت چل رہاہے اور اس حلقے کی عوام شاید متحدہ کا ساتھ چھوڑ کر پی ٹی آئی یا جماعت اسلامی کا ساتھ دے گی۔ سوچنے کی بات ہے کہ خیبر پختونخواہ کے اتحادی کراچی میں ایک دوسرے کے مدمقابل کیوں کھڑے ہیں؟ اگر سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرتے تو کوئی ایک سی پارٹی اپنا امیدوار دستبردار کرا کے ایم کیو ایم کو ٹف ٹائم دی سکتی تھی مگران سیاستدانوں کی انا کی لکیر کو ختم کون کرتا؟

جیسے توقع کی جارہی تھی رزلٹ بھی اس طرح کا آیا اور کامیابی نے ایم کیو ایم کے قدم چومے۔ایم کیو ایم کا امیدوار پچانوے ہزار سے زائد ووٹ لیکر کامیاب ہو گیا اور تحریک انصاف نے بھی کافی محنت کی اور وہ بھی تقریباً پچیس ہزار ووٹ لے گئی البتہ جماعت اسلامی کو اپنی پوزیشن کا ضرور علم ہو گیا ہوگا کیونکہ ان کا امیدوار بہت عرصہ سے اس حلقے سے الیکشن لڑ رہا تھا مگر ووٹ وہ دس ہزار تک بھی نہ لے سکا۔جیت بے شک ایم کیو ایم کی ہوئی ہے مگر ایک بات قابل غور ہے کہ اس حلقے سے نبیل گبول ایک لاکھ آٹھ ہزار ووٹ لیکر کامیاب ہوئے مگر اس بار ایم کیو ایم کو اتنے کم ووٹ کیوں ملے؟ اس ضمنی الیکشن پر دھاندلی کا الزام بھی نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ جیسے ان امیدواروں نے کہا اس طرح سے اس الیکشن کو کروایا گیا۔ اگر اب بھی کسی کو دھاندلی کا رونا رونا ہے تو وہ پھر اس کی مرضی ہے۔

اس الیکشن کے بعد سب سیاسی جماعتوں کی نظر کنٹونمنٹ بورڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ رہی سہی کسر اب کنٹونمنٹ بورڈ انتخابات نے واضح کردی۔غیر حتمی اور غیر سرکاری نتائج کے مطابق ملک بھر کے 42 کنٹونمنٹ بورڈز کی 199 نشتوں میں مسلم لیگ ن چھا گئی۔ حکمران جماعت مسلم لیگ ن کے امیدواروں نے 67 نشتوں پر واضح برتری حاصل کی، صوبہ خیبر پختونخوا کی حکمران جماعت تحریک انصاف 43 نشتیں اپنے نام کر سکی،ایم کیو ایم نے 19 سیٹوں پر کامیابی حاصل کی جبکہ

پاکستان پیپلز پارٹی صرف 7 نشستیں لینے میں کامیاب ہوئی۔ جماعت اسلامی کے حصے میں 6 سیٹیں آئیں جبکہ عوامی نیشنل پارٹی 2 سیٹیں جیتنے میں کامیاب رہی۔ 55 نشستیں آزاد امیدواروں نے جیت لیں۔

اس الیکشن کے بعد ہر جماعت کی بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور سب کو معلوم ہوگیا کہ ان کی عوام میں کتنی قدر ہے، عوام کس پارٹی کو کتنا چاہتی ہے۔ لیکن اب ان جیتنے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ عوام کے لیے کچھ کریں۔

مزدور ہوں میں، کام ہے محنت میرا

یکم مئی وہ دن ہے جسے عالمی سطح پر مزدوروں کے دن نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس پاکستان سمیت دن دنیا بھر میں مزدوروں کے حقوق کے لیے ریلیاں، مظاہرے، سیمینار اور حکومتی سطح پر پروگرام مرتب کیے جاتے ہیں۔ مزدور یونین، این جی اوز اور سیاسی و سماجی تنظیمیں بھی اپنا کردار ادا کرنے یا پھر صرف نمبر گیم کرنے کے لیے میدان میں آتی ہیں۔اس دن ہر طرف مزدور کی بات ہو رہی ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے مزدور غربت کی چکی میں پس رہا ہے تو کوئی بولتا ہے کہ مزدور کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟

اس دن کو پاکستان میں بھی بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان کے تمام شہروں میں مزدوروں کے حقوق کے لیے ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔ سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں جس میں بڑے بڑے لیڈر تقاریر مزدوروں کی تقدیر پر رونا روتے ہیں۔ ستم کی بات تو یہ ہے کہ دن مزدوروں کا اور فائدہ امیر اٹھاتے ہیں۔ کبھی کسی این جی او یا سماجی تنظیم نے اس دن کے موقع پر کسی مزدور کو مہمان خصوصی بلایا ہے؟ دیکھا یہ گیا ہے کہ جب کوئی دن کسی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے تو پھر اس دن اس شخصیت کو ہر جگہ اہمیت حاصل ہوتی ہے ہر کوئی اس کے ناز

ونخرے برداشت کرتا ہے اور بلکہ یہاں تک بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ " چلو یار آج اس کا دن ہے" مگر ادھر آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ نام مزدوروں کا دن ہوتا ہے اور اہمیت امیروں کو دی جاتی ہے۔ یکم مئی کو جب بڑی بڑی ہوٹلوں اور اے سی ہالوں میں مزدوروں کے نام پر پروگرامز ہو رہے ہوتے ہیں تو اس پروگرامز میں غریب مزدور کو داخل بھی نہیں ہونے دیا جاتا۔ ہال میں بھی وہ داخل ہوں گے جن کا سٹینڈرڈ امیروں جیسا ہوگا۔ اگر سیمناروں میں بیٹھنے والے مزدور ہیں تو پھر اس دن فیکٹریوں، بھٹوں اور راج گیروں کے ساتھ مزدوری کر رہے ہیں وہ کون ہیں؟

مزدوروں کے عالمی دن پر پاکستان میں بتائیں کسی امیر کی فیکٹری یا پٹرول پمپ وغیرہ بند کیے گئے ہوں یا کسی نے اپنے گھر کی تعمیر رکوائی ہو کہ چلو آج ان کا دن ہے اور ان کو چھٹی کر دیں۔ ہو سکتا ہے شاید کچھ لوگ اس دن کی چھٹی کر بھی دیں مگر وہ مزدور کیا کرے گا جس کی شام کی روٹی اس دھیاڑی (ڈیلی ویجز) پر منحصر ہے اگر اس نے چھٹی کر لی تو وہ رات کو اپنے بچوں کو کیا کھلا کر سلائے گا؟

یکم مئی کو پاکستان بھر میں مزدور ہر روز کی طرح اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتے ہیں ان کو اس دن سے کوئی سروکار نہیں، بس اپنے بچوں کے لیے روزی کمانے سے غرض ہے۔ ویسے یکم مئی کو

ہر فورم پر مزدورں کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی بڑی باتیں کی جاتی ہیں، دعویٰ کیا جاتا ہے مگر ان پر کبھی عمل بھی ہوا ہے؟ ہر گز نہیں کیونکہ وہ باتیں صرف میڈیا کی زینت بننے کے لیے کی جاتی ہیں ۔ تاکہ دنیا دیکھ لے کہ پاکستان مزدوروں کے حقوق کے لیے کتنی تگ ودو کر رہا ہے؟

کبھی کسی حکومت نے ایسے اقدام اٹھائے ہیں کہ یکم مئی کے دن ان مزدوروں کو جو روزانہ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں (ڈیلی ویجز) حکومتی سطح پر کوئی وظیفہ دیکر ان کو چھٹی بھی دی گئی ہو کیونکہ یکم مئی ان کا دن ہے اور وہ اس دن اپنے فیملی کے ساتھ ہنسی خوشی گزار سکیں۔ ہمارے حکمرانوں کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ پاکستان کی ترقی میں سب سے بڑا کردار ان مزدور کا ہے ۔ مینار پاکستان سے لیکر پارلیمنٹ کی تعمیر تک ان مزدورں کی محنت کا ثمر ہے ۔ ان کی تعمیر میں ان میں بیٹھنے والوں کا کوئی حصہ نہیں، ایک کاغذ سے لیکر ایٹمی میزائل تک مزدوروں کی وجہ بنتا ہے۔

پارلیمنٹ میں بیٹھے ہوئے بتائیں کہ ان کے کیفے ٹیریا میں روٹی، سالن اور چائے کے ایک کپ کی کیا قیمت ہے؟ کیا ان کی قیمت ایک مزدور کی روٹی کے برابر ہے؟ مزدور کی روٹی کی قیمت پانچ روپے اور جبکہ پارلیمنٹ میں بیٹھنے والوں کی روٹی کی کیا قیمت ہے یہ سب کو پتا ہے۔ نعرے ہم مزدوروں کے حقوق کے

لگاتے ہیں اور فائدہ امیروں کو پہنچاتے ہیں۔ مزدوروں کے فنڈ کے نام پر کروڑوں روپے لیے جاتے ہیں اور مزدوروں پر اگر خرچ کرنے کی نوبت آجائے تو وہ بڑی مشکل سے ہزاروں میں ہوتی ہے۔

پاکستان میں بیروزگاری زیادہ ہونے کی وجہ سے مزدور کچھ نہ ملنے سے کچھ مل جانا بہتر ہے کی غرض سے ہر جگہ ایڈجسٹمنٹ کرلیتا ہے۔ اب تو فیکٹریوں میں ٹھیکہ داری نظام چل رہا ہے جس کا فائدہ بھی امیر اٹھا رہا ہے۔ وہ مل سے ٹھیکہ حکومت کی طرف سے منظور شدہ تنخواہ پر لیتا ہے مگر مزدور کا کم اجرت دیتا ہے۔ میرے اپنے ایریا میں کئی ایسی بڑی بڑی فیکٹریاں موجود ہیں جن کا شمار پاکستان کی نمبر 1 فیکٹریوں میں ہوتا ہے مگر اس میں ٹھیکہ داری نظام ہونے کی وجہ سے مزدور کا استحصال ہو رہا ہے۔ حکومت نے مزدوری کی مزدوری 12000 روپے مقرر کی ہوئی مگر ٹھیکہ دار مزدور کو آٹھ سے نو ہزار روپے دے رہا ہے اور غریب آدمی خاموشی سے اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ پالنے کے وہ اتنی کم تنخواہ پر کام کر رہا ہے۔

کیا ہماری حکومت کو نہیں معلوم کہ مزدوروں کے اتنے کم وسائل میں سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں؟ اس پاکستان میں حقیقت میں کسی کو کسی کی پرواہ نہیں اگر ہے تو صرف میڈیا کے سامنے دو چار لفظ بول کر اپنا نام روشن کرنے کی۔

میں تو آخر میں اپنے مزدور بھائیوں کے لیے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں بقول علامہ اقبال
کے

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

کب حل ہوگا بجلی کا بحران؟

گرمی کی شدت بڑھتے ہی ملک بھر میں بجلی کی لوڈشیڈنگ میں بھی انتہا کا اضافہ ہو گیا ہے اور بجلی کا شاٹ فال کئی ہزار میگا واٹ کی ریکارڈ سطح تک پہنچ گیا ہے جس کی وجہ سے ملک بھر میں گھنٹوں لوڈشیڈنگ جاری ہے۔ بجلی فراہم کرنے والے ادارے کے مطابق ملک میں بجلی کی پیداوار کم ہو کر دس ہزار میگا واٹ رہ گئی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں بجلی کی طلب سولہ ہزار میگا واٹ تک جا پہنچی ہے۔پیپکو حکام کا کہنا ہے کہ ملک کو اس وقت کئی ہزار میگا واٹ کے قریب بجلی کی کمی کا سامنا ہے۔ بجلی کی پیداوار میں کمی سے لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھ گیا ہے اور شہروں میں دس سے بارہ گھنٹوں جبکہ دیہی علاقوں میں سولہ سے بیں گھنٹوں تک لوڈشیڈنگ کی جارہی ہے۔لوڈشیڈنگ سے جہاں صنعتوں کو نقصان پہنچ رہا ہے وہیں عام تاجر بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور ان کا روزگار بھی خطرے میں پڑ گیا ہے۔

توانائی کے بحران نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور ملک میں ہر طرف روشنیاں گل ہورہی ہیں۔ صنعتی پیداوار' گھریلو زندگی اور سماجی ، معاشی اور دفتری معمولات درہم برہم ہوچکے ہیں۔ معاشی ترقی بے روزگاری میں اضافہ اور غربت کے پھیلاؤ میں بھی بجلی کی کمی اور اس کی قیمت میں اضافہ ایک اہم عنصر ہے۔ ملک کا شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جو اس بجلی کی قلت سے

۔متاثر نہ ہو

عوام کا رونا ہے کہ ایک طرف تو بجلی نہیں مل رہی لیکن بجلی کے بل میں کوئی کمی نہیں ہو رہی، الٹا اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس وقت جو بجلی عوام کو میسر کی جارہی ہے وہ نہ ہونے کے مترادف ہے۔ عام روٹین میں جو وولٹیج مہیا کیے جاتے ہیں وہ 220 یا اس سے زائد ہوتے ہیں مگر اس وقت جو وولٹیج عوام کو مل رہے ہیں وہ صرف 100 ہیں۔ جو گھریلو برقی آلات کو نہیں چلا سکتے ۔ لوگ ابتدائی گرمی میں پانی کی پہنچ سے دور ہیں کیونکہ 100 وولٹیج سے واٹر پمپ نہیں چلتے بلکہ سڑ جاتے ہیں اور عوام پانی کے لیے باہر نہروں یا نلکوں کا رخ کرتے ہیں۔ فریج کا چلنا تو ممکن ہی نہیں جبکہ بجلی کا بل اپنی آب و تاب کے ساتھ آ رہا ہے۔ بجلی ملے نہ ملے مگر بل ہر بار گھر کے دروازے پر پہنچ جاتا ہے۔

یہی نہیں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ملکی معیشت کو روزانہ اربوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ پہلے ہی ایک تو پاکستان کی چالیس فیصد آبادی کے پاس بجلی کے کنکشن موجود نہیں ہیں اور جس ساٹھ فیصد کے پاس کنکشن موجود ہیں انھیں ان کی ضروریات کے مطابق نہیں مل رہی۔ پاکستان کے دوست ممالک پاکستان کے اس توانائی کے بحران میں مدد کرنے کو تیار ہیں مگر نا جانے کیوں ہماری حکومت ران پیشکشوں سے فاہدہ نہیں اٹھا رہی۔

ملک میں موجود کوئلے کے بڑے ذخائر پر سرمایہ کاری کرکے اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ہم اپنے ملک کی ضرورت سے زیادہ بجلی پیدا کر سکتے ہیں لیکن ملٹی نیشنل آئل کمپنیوں نے اپنی مضبوط لابی کی وجہ سے گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں کوئلے کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کی تمام تجاویز اور منصوبہ بندیوں کو عملی جامہ نہیں پہنانے دیا اور یہ تمام منصوبے فائلوں تک ہی محدود رہے۔

ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو ملک توانائی کے بدترین بحران سے گزر رہا ہے اور لوگ گھنٹوں لوڈشیڈنگ کا عذاب جھیلنے پر مجبور ہیں وہاں سیاستدان اور واپڈا اہلکاروں کو کس خوشی میں بھاری بھر تنخواؤں کے ساتھ مفت بجلی کے یونٹ فراہم کئے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ خود تو مفت بجلی کے مزے اڑاتے ہیں لیکن ان کے بل کا بوجھ عوام پر ڈال دیا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان نے آج تک اس بات کا حساب کتاب تک نہیں رکھا کہ پورے پاکستان میں واپڈا اہلکار اور ہمارے سیاستدان کتنی بڑی تعداد میں یونٹ استعمال کرتے ہیں اور ان کا بل کس کھاتے میں جاتا ہے۔

اگر حکومت بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے اور عوام کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے ہنگامی بنیادوں پر بجلی کی پیداوار

بڑھانے کا کام شروع کیا جائے۔ میٹرو بس، لیپ ٹاپ، سولر اور ییلو کیپ سکیم سے کہیں زیادہ بجلی ضروری ہے۔ جہاں ان سکیموں پر اتنا خرچہ کیا جارہا ہے کہ اگر حکومت ان سب پراجیکٹ کی رقم کو یکجا کرکے بجلی کی پیداوار بڑھانے پر خرچ کرے تو ملک میں کچھ سکون کا سانس آ سکتا ہے۔ اس بجلی کی کمی کی وجہ سے عام آدمی سے لیکر صنعت تک متاثر ہو رہی ہیں۔ جس سے ملکی معشیت کا گراف ڈاؤن ہوتا جارہا ہے۔ بلومبرگ رپورٹ کے مطابق بے شک ملکی معشیت میں اضافہ ہوا ہے مگر جس طرح اب لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے اس سے لگتا ہے کہ یہ خوشی عارضی ثابت ہوگی۔

پاکستان کے اپنے سائنسدان ملکی کو بجلی کے بحران سے نکالنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر نہ جانے کیوں ہماری اپنی حکومت اپنی عوام کی مدد کے لیے تیار نہیں۔ اب جیسے جیسے گرمی کی شدت میں اضافہ ہوگا اتنا ہی عوام بلبلاتے ہوئے حکومت کے خلاف سڑکوں پر ہوگی۔ ابھی تو ابتداء ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ رمضان کی آمد بھی قریب ہے اور اگر میاں صاحبان کو عوام سے واقعی سچی محبت ہے تو فوری طور پر بجلی کی اس غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کا ایکشن لینا چاہیے اور عوام کو گرمی میں اس عذاب سے بچائے۔

میری ماں، میری جنت

آج کا کالم اس ہستی کے نام ہے جس کا اس دنیا میں کوئی نعم البدل نہیں۔ وہ ہستی جس کی آواز پر فرش سے عرش تک ہل جاتا ہے۔ یہ وہ ہستی جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے ایک ہی نام پکارتا ہے اور وہ ہے "ماں"۔ ماں کو عربی زبان میں اُم کہتے ہیں۔ اُم قرآن مجید میں 84 مرتبہ آیا ہے۔ اُم کی جمع اُمھات ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ آیا ہے۔ جب بچہ بولنا سیکھتا ہے تو آغاز میں اُم اُم وغیرہ کہتا ہے۔ دنیا میں سب سے بری نعمت ماں ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لیے خود تکلیف سہتی ہے۔ لیکن بچوں پر کوئی آنچ آنے نہیں دیتی ہے۔ جو ہمارے لیے ہر حال میں بہتر سوچتی ہے۔ ہمارے فائدے کی بات کہتی ہے۔

ماں کی تعریف کے لئے الفاظ ناکافی ہیں یہ ایک بے لوث رشتہ ہے جس کا کوئی متبادل نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی رشتے ہوتے ہیں اور ان میں جتنی بھی محبت ہو وہ اپنی محبت کی قیمت مانگتے ہیں۔ شوہر بیوی بچے بہن بھائی جو رشتے بھی دنیا میں ہیں اگر آپ انہیں پیار دیتے ہیں تو پیار ملتا ہے جتنا آپ دیں گے اتنا آپ واپس لیں گے مگر ماں کا رشتہ دنیا میں واحد ایک ایسا رشتہ ہے جو صرف آپ کو دیتا ہی دیتا ہے۔ اور اس کے بدلے آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔

حدیث نبویﷺ ہے ''ماں کے قدموں تلے جنت ہے''۔اس طرح ماں کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ یوں تو پہلے تین درجے ماں کے ہیں۔اور ایک درجہ باپ کا ہے وہ بھی ہر حال میں ہمیں سکون دیتے ہیں۔ماں خود گیلے بستر پر سوتی ہے اور بچے کو خشک بستر پر سلاتی ہے۔ماں وہ نعمت ہے جو کھو جائے تو خواہ دنیا کی ساری دولت خرچ کر ڈالو یہ دوبارہ کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔یہ وہ عظیم ہستی ہے جس کے بغیر دنیا میں ہر چیز بے رونق ہے۔

ماں کی ہستی اتنی بلند ہے کہ اگر سال کے 365 دن بھی اس کے نام کر دیئے جائیں تو اس کے احسانات کا شمار ممکن نہیں۔ اسی اہمیت کی بنا پر ماں کے احسانات کو ہر کوئی جانتا، سمجھتا اور اسے بیان کرتا ہے۔ خواہ وہ کوئی پڑھا لکھا افسر ہو یا کوئی انگوٹھا چھاپ ۔

پاکستان سمیت دنیا بھر میں ماؤں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یہ دن مئی کے مہینے میں دوسرے اتوار کو منایا جاتا ہے۔ ویسے تو ماں کی محبت کے اظہار کے لیے کوئی دن مخصوص نہیں مگر دنیاوی معاملات میں یہ دن مختص کیا گیا ہے۔

ماؤں کا عالمی دن'' سب سے پہلے 1870ء میں انسانی حقوق کی کارکن اور شاعرہ'

نے اپنی ماں کی یاد میں منایا۔ بعد ازاں 1907 میں (julia ward) جولیا وارڈ امریکی ریاست فلاڈیلفیا میں اینا جیروس نامی خاتون ٹیچر نے باقاعدہ طور پر اس دن کو اپنی ماں کی یاد میں منایا۔ اس دن اس نے ایک خصوصی تقریب کا انعقاد بھی کیا۔ جس میں اس نے اپنی ماں کے پسندیدہ پھول پیش کیے۔اینا کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی اور اس وقت کے امریکی صدر نے ماؤوں کے احترام میں مئی کے دوسرے اتوار کو نہ صرف "مدرزڈے" کے نام سے موسوم کیابلکہ اسے ہر سال قومی سطح پر منانے کا اعلان بھی کیا۔ یوں ایک بیٹی کی ماں کے لیے محبت کی طاقت نے اپنے آپ کو ملکی سطح پر منوایا۔ اس طرح ہر سال یہ دن منایا جانے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ کئی ممالک نے امریکا کی تقلید کی اور اسی دن کو ماؤوں کے دن کے طور پر منانے کے لیے چن لیا۔ مغربی معاشرے میں اس دن خصوصی طور پر ماں سے الگ رہنے والے لوگ اپنی ماؤوں سے ملنے جاتے ہیں۔ انہیں تحائف پیش کرتے ہیں۔ اولڈ ہاؤس منتقل کی جانے والی ماؤوں کے لیے یہ دن عید جیسا ہوتا ہے جب ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کی اولادیں انہیں پھول پیش کرتی ہیں۔

ماں کا مقام دیکھنا ہے تو آخرت کے متعلق پڑھو۔ دنیا میں آج بچہ ہو بچی اس کو باپ کے نام سے جانا جاتاہے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی بچے یا بچی کو ماں کے نام سے پکارے گا۔ مجھے اپنے والدین پر فخر ہے۔ میں جو کچھ ہوں ان کی

محبت کی بدولت ہوں۔ مجھے اپنی ماں کی قربانیوں پر فخر ہے جن کا میں کبھی بھی صلہ نہیں اتار سکتا۔ میری تمام لوگوں سے یہ ہی درخواست ہے اگر ان کی والدہ حیات ہے تو اپنی جنت کما لیجئے۔آخر میں اپنے ایک انتہائی محترم بھائی عباس تابش کا ایک شعر ماؤوں کے اس عالمی دن کے نام کرتا ہوں جس کی دو لائنوں میں سب کچھ سمٹا ہوا ہے۔ان دو لائنوں میں ماں کی وہ محبت بھری ہوئی ہیں جس کی اگر تشریح کرنے لگے تو کئی صفحات بھر سکتے ہیں۔

ایک مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے ایک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

اب آنکھوں میں آنسو نہیں رہے!

کراچی جیسے روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے آج اس روشنیوں کے شہر میں موت نے وہ رقص کیا جس سے دیکھ کر روح بھی کانپ گئی۔ سانحہ پشاور کے بعد آج کراچی میں بھی اسی طرح کا سین ایک بار پھر دھرایا گیا۔ روزمرہ معمول کی طرح اپنے سٹاپ سے بس میں سوار ہو کر جانے والے اسماعیلی کمیونٹی کو کیا علم تھا کہ وہ آج اپنی زندگی کے آخری سفر پر گامزن ہیں۔ سانحہ پشاور ابھی لوگوں کے ذہنوں سے نہیں نکلا کہ کراچی کے اس سانحے پر ہر آنکھ پھر نم ہو گئی۔

کراچی میں کل صبح سویرے قیامت صغریٰ برپا ہو گئی۔ سپر ہائی وے پر واقع الاظہر گارڈن سے اسماعیلی کمیونٹی کی بس تقریباً 65 افراد کو لے کر نکلی۔ عائشہ منزل تک پہنچنے کا عزم تھا لیکن صفورا چورنگی پر ہی اس بس کو موت نے گھیر لیا۔ موٹر سائیکلوں پر سوار دہشتگردوں نے پہلے بس کو روک کر ڈرائیور پر تشدد کیا اور پھر بس میں سوار افراد پر اندھادھند فائرنگ کر دی۔ زندگی بارود کی آگ میں جل کر بھسم ہو گئی۔ گولیاں تمام افراد کو لگیں تاہم تنتالیس افراد موقع پر ہی چل بسے۔ موت کے رقص نے زندگی کو بجھادیا، صرف دو خواتین گولیاں لگنے سے محفوظ رہیں، دہشتگرد فائرنگ کے بعد اطمینان سے فرار ہو گئے۔ بس

کو زخمیوں اور لاشوں سمیت صفورا چورنگی کے ہی واقع میمن میڈیکل کمپلیکس منتقل کیا گیا بس پوری خون سے لت پت اور گولیوں سے چھلنی تھی۔ جس کی ذمہ دار کالعدم تنظیم، نے قبول کرلی مگر ابھی اس حقیقت سے پردہ اٹھنا باقی ہے کہ واقعی یہ کام اس تنظیم کا ہے یا پھر اس تنظیم کی آڑ میں کسی اور نے یہ کام دکھایا ہے؟

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی، تجارتی، تعلیمی، مواصلاتی و اقتصادی مرکز ہے۔ اس کا شمار دنیا کے چند سب سے بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ بھی کراچی میں قائم ہے۔ 1947ء میں پاکستان کی آزادی کے وقت کراچی کو نوآموز مملکت کا دارالحکومت منتخب کیا گیا۔ اس کی وجہ سے شہر میں لاکھوں مہاجرین آباد ہوئے۔ پاکستان کا دارالحکومت اور بین الاقوامی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے شہر میں صنعتی سرگرمیاں دیگر شہروں سے قبل شروع ہو گئیں

کا نام دیا گیا ہے۔ 80 اور (Pakistan Mini) کراچی کو اسی وجہ سے منی پاکستان کی دہائیوں میں کراچی لسانی فسادات، تشدد اور دہشت گردی کا شکار رہا۔ بگڑتے 90 ہوئے حالات کو سنبھالنے کے لیے پاک فوج کو بھی کراچی میں مداخلت کرنا پڑی۔ اسی کراچی کو روشنیوں کا شہر سمجھا جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ سے

شرپسند عناصر نے کراچی کے حالات بہت زیادہ خراب کردیے ہیں۔ پہلے یہاں کبھی کبھار ڈکیتی اور دھماکے ہی کراچی کا حسن برباد کررہے تھے مگر اب تو ٹارگٹ کلنگ نے کراچی کی عوام کا دن کا سکون اور رات کا چین برباد کر دیا ہے۔ روزانہ کراچی میں اموات ہورہی ہیں مگر ان کا سدباب کرنے کے لیے کوئی نہیں۔ اس وقت کراچی کے کونے کونے میں موت کا رقص ہو رہا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کے وہ صبح اپنے آفس، سکول، کالج یا پھر بازار جانے کے بعد واپس گھر پہنچ پائے گا بھی کہ نہیں؟

کراچی جس میں آدھی آدھی رات تک لوگ پارکوں اور سڑکوں پر چلتے پھرتے نظر آتے تھے اب وہ موت کے خوف سے گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ اپنی جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ دشمنِ کراچی حکومت سندھ کو ہر روز لاشوں کا تحفہ دیتے ہیں مگر افسوس کہ حکومت سندھ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کراچی جو روشنیوں کا شہر ہے اس کے چراغ کیوں گل کیے جا رہے ہیں؟ ان کی حفاظت کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کون ہے جو ان کے دکھ کا مداوا کرے گا؟

اسماعیلی کمیونٹی کو دن دیہاڑے گولیوں سے بھون دینا اس بات کی غماری کرتا ہے کہ ملک میں امن وامان ڈرونا خواب بن چکا ہے۔ ایوان میں بیٹھ کر بھاری بھر

کم تنخواہیں اور مراعات لینے والوں کے نعرے ایسے جو کئی سالوں تک وفا ہوتے نظر نہیں آرہے۔امن قائم کرنا ہے تو باہمی بھائی چارے اورانسانی جانوں کی قدر بارے شعور اجاگر کرنا ہوگا۔دہشتگردی کی اس آگ میں کچھ شک نہیں کہ بیرونی ہاتھ ملوث ہو سکتا ہے۔ان کے خلاف ہمیں کھل کا سامنے آنا ہوگا لیکن یہ بات ہمیں قطعی نہیں بھولنا چاہئیں کہ یہ آگ ہماری اپنی لگائی ہوئی ہے۔رشوت ستانی، کمیشن وصول کرکے ہم اس نظام کو کس طرح شفاف بنا سکتے ہیں؟اب ہر واقعہ کے بعد نوٹس لینے اورپولیس افسران کو معطل کرکے معاملات نہیں سلجھیں گے۔سیاسی ومذہبی جماعتوں کے عسکری ونگ اور گروپوں کیخلاف بلاتاخیر کارروائیاں کرنا ہونگی۔مقدمات کے فیصلوں کیلئے کم از کم دورانیہ میں کرنا ہونگے۔کسی بھی منفی سرگرمی میں ملوث اہلکار وافسر کیخلاف سخت کارروائی کی جائے۔

جب تک ہم سب پاکستانی ملکر ان عناصر کے خلاف نہیں اٹھیں گے یہ مٹھی بھر شرپسند عناصر ہمیں اسی طرح ہر روز اذیت ناک موت دیتے رہیں گے۔ابھی بھی وقت ہے کہ ہر شخص دہشت پھیلانے والے عناصر کے خلاف یکجا ہو کر ان کو ان کے انجام تک پہنچائیں۔

بول" اب کیا ہوگا؟

پچھلے کئی ماہ سے میڈیا کی دنیا میں بول کا بہت بول بالا ہو رہا ہے۔ جس کو دیکھو بول کے گن گا رہا ہے۔ بڑے بڑے چینلز سے بڑے بڑے نام بول میں شامل ہو رہے ہیں۔ کامران خان، نصرت جاوید، افتخار احمد اور عاصمہ شیرازی جیسی ہستیوں نے سب سے پہلے بول کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے۔ روز ایک ایک صفحے کے اخبار میں اشتہار آرہے تھا کہ بول آرہا ہے۔ سوشل میڈیا پر بھی اس کی بڑی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ہر دوسرا شخص بول جوائن کرنے کے لیے تیار تھا۔ مجھے بھی ایک دوست نے کہا کہ خان صاحب آپ بھی بول جوائن کرلو بہت اچھا میڈیا نیٹ ورک آرہا ہے۔سب چینل کو مات دے گا۔ میں تو ابھی اس کو جوائن کرنے کا سوچ بھی نہ سکا کہ اچانک ایک دھماکا ہوا اور بس پھر کیا ؟ایسا لگا جیسے بول کی بولتی بند ہو رہی ہے۔

پچھلے چند دن سے ہر چینل پر ایک ہی موضوع زیر بحث تھا اور وہ موضوع تھا ایگزیکٹ کا۔ پہلے تو میں نے ایگزیکٹ کمپنی پر اتنی توجہ نہ دی کیونکہ میں سمجھا یہ بھی دو نمبر دھندا کرنے والا کوئی ادارہ ہے جو میڈیا نے پکڑ لیا اور اب اس پر واویلا ہو رہا ہوگا۔ پاکستان میں دو نمبر کام کرنے والوں کی کمی نہیں کیونکہ قائداعظم کی تصویر (رشوت کے نوٹ) کا احترام ملک عزیز کے طول و

عرض میں بہت زیادہ ہے۔ میرے سمیت آپ سب سنتے ہیں کہ فلاں محکمہ میں فلاں جاب اتنے لاکھ دے کر حاصل کی ہے۔ میرے خیال میں محکمہ تعلیم سب سے معتبر ادارہ ہے کیونکہ اس میں بھرتی ہونے والے اساتذہ نے ملک کے مستقبل کے نونہال تیار کرنے ہوتے ہیں مگر جب یہ لوگ اپنی ایک سیٹ حاصل کرنے کے لیے ہزاروں روپے دیں گے اور میرٹ پر کام نہیں ہوگا تو پھر ہمارا معاشرہ کیسے ترقی کر سکتا ہے؟ اب تو یہاں تک نوبت آ گئی کہ حکومت پنجاب نے اس محکمے میں سختی کی ہے اور میرٹ کو اولین ترجیح دی ہے تو راشی لوگ اب بھی پیسے لینے سے باز نہیں آ رہے وہ لوگوں سے پیسے لے لیتے اگر ان کا میرٹ پر نمبر آ جائے تو وہ ان کو پیسوں کو رزق حلال سمجھ کر رکھ لیتے ہیں اور اگر نہ آئے تو پھر کہتے ہیں کہ ''سوری سر سختی بڑی ہے آپ کا کام نہیں ہو سکا''۔

بات ہو رہی تھی ایگزیکٹ کی۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' کی رپورٹ کے مطابق ایگزیکٹ نے دنیا بھر میں جعلی ڈگریاں فروخت کر کے لاکھوں ڈالر کمائے ہیں۔ اس کمپنی نے ایسی ڈگریاں بھی جاری کیں، جن پر امریکی محکمہ خارجہ کے امتیازی نشانات اور وزیر خارجہ جان کیری تک کے دستخط موجود ہیں۔ مزید یہ کہ ایگزیکٹ 'کولمبیانا' اور 'بارکلے' جیسے ناموں سے مختلف جامعات کی ایسی 370 ویب سائٹس بھی چلا رہی ہے، جو جعلی تعلیمی اسناد جاری کرنے میں اس کمپنی کی مدد کرتی ہیں۔

امریکی اخبار کے اس اداریے کے بعد تو جیسے پاکستان میں بھونچال آگیا ہو۔ ہر کوئی اس کے خلاف آواز اٹھانے لگا۔ بات جعلی ڈگریوں تک کی ہوتی تو شاید میڈیا بھی اتنا شور نہ مچاتا۔ شور مچانے کی اصل وجہ کوئی اور تھی کیونکہ ایگزیکٹ بہت جلد ہی ''بول'' کے نام سے پاکستان کا سب سے بڑا ٹی وی چینل بھی شروع کرنے والی ہے۔ اس سلسلے میں جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ''بول'' نے بڑے پیانے پر بھرتیاں بھی کر رکھی ہیں اور ان میں پاکستانی صحافتی شعبے کے بڑے بڑے نام شامل ہیں۔

لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جو اتنا بھونچال اٹھ رہا ہے یہ سب ''بول'' کے مخالف اٹھا رہے ہیں کیونکہ میڈیا کے ٹھیکیدار نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی مقابلہ کرے۔ میرا سوال یہ نہیں کہ میڈیا کا ٹھیکیدار کون ہے یا کون نہیں۔ بات ہے جعلی ڈگریوں کی اور اس سے اربوں کھربوں روپے کمانے والوں کی اور پاکستان کو بدنام کرانے والوں کی۔ پاکستان میں کافی عرصہ سے مختلف شہروں میں ایگزیکٹ کے دفاتر قائم ہیں اور جو بڑی دیدہ دلیری سے یہ کام کر رہے تھے۔ کیا ہماری حکومت یا دوسرے ادارے سوئے ہوئے تھے جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی پلکوں کے نیچے کیا ہو رہا ہے۔ یہاں عام پبلک کے لیے تو حکم صادر کر دیے جاتے ہیں کہ اگر کوئی اپنا مکان یا دکان کرائے پر دے تو پہلے اس کی چھان بین کرے

اور یہاں تک حکم دیا گیا کہ تھانے میں اس کی معلومات درج کرائے اور ہمارے تمام سکیورٹی اداروں سمیت حکمران خود انٹرنیشنل سطح پر کام کرنے والوں سے بے خبر تھے یا پھر اس کے پس پردہ بھی کوئی ایان علی جیسی غیر مرئی طاقت تھی؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہماری عدلیہ نے کئی سیاستدانوں کو جعلی ڈگریاں ثابت ہونے پر نااہل قرار دیا مگر کبھی یہ نہیں پوچھا کہ یہ جعلی ڈگریاں کہاں سے حاصل کیں؟ اگر جس ادارے سے جعلی ڈگری حاصل کی اسکے ادارے کے خلاف ایکشن لیا جاتا تو اس طرح دو نمبر دھندا کرنے والوں کی نہ صرف حوصلہ شکنی ہوتی بلکہ ان سیاستدانوں کا مکروہ چہرہ بھی سامنے آ جاتا جو ایسے اداروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عدلیہ کے علاوہ ہمارے حکمرانوں نے بھی ان جعلی ڈگری بنانے والے اداروں کے خلاف کیوں کاروائی نہ کی؟ کیا سب قانون غریبوں کے لیے ہیں؟ قانون کی مثال دیکھنی ہے تو ایان علی کی لے لیں۔ غریب جیل ہو تو اس کو ایک سے دوسرا سوٹ پہننا نصیب نہیں ہوتا اور یہاں کرائم گرل ماڈل جیل سے ایسے آ رہی ہوتی ہیں جیسے کسی کیٹ واک میں۔ ڈریس، میک اپ، شوز اور بالوں کے سٹائل تک، کسی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

میڈیا چینل کے آنے یا نہ آنے سے عوام کو کوئی غرض نہیں اگر غرض ہے تو دو نمبر کام کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانے سے ہے۔ بول کی بولتی تو

شاید اب بند ہوتی نظر آ رہی ہے کیونکہ دوسرے چینلز سے پرواز کرکے بول کی چھتری پر بیٹھنے والوں نے اب اُدھر سے بھی اُڑائی (پرواز) ماردی ہے اور ابھی تک فضا میں ہی پرواز کر رہے ہیں اور دیکھنا ہے کہ یہ پرندے اب کس چھتری پر اترتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایگزیکٹ کے خلاف پاکستانی تاریخ کے مطابق ایسے ہی آہنی ہاتھوں سے نپٹا جائے گا جس طرح پہلے ''منڈا منڈا'' ڈال دیا جاتا رہا ہے؟ کیا بول لانچ ہو سکے گا یا نہیں؟ کیا بول کے معاملے میں دوسرے میڈیا چینلز کی بات درست ثابت ہوتی ہے کہ شعیب شیخ کی وضاحت کام آتی ہیں؟ گرد جلد چھٹنے والی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سب کے سامنے ہوگا۔

28 مئی "پاکستان کا نیا جنم"

مسلم لیگ اس پارٹی کا نام ہے جس نے قائداعظم کی قیادت میں انتھک کوششوں سے پاکستان کو بنایا اور مسلم لیگ ہی کے دور میں میاں نواز شریف کے دوٹوک فیصلے پر ایٹمی دھماکے کیے گئے۔ پاکستان بننے سے لیکر آج تک پاکستان کے دشمنوں کی نظریں پاکستان کو تباہ و برباد کرنے پر جمی ہوئی تھیں۔ اللہ بھلا کرے ذوالفقار بھٹو، میاں نواز شریف اور ڈاکٹر عبدالقدیر کا جس نے پاکستان کی طرف میلی آنکھ اٹھانے سے پہلے ہی پھوڑ ڈالی۔

28 مئی یوم تکبیر کے طور پر پاکستان میں منایا جاتا ہے اور 14 اگست 1947ء کے بعد یہ دوسرا قومی دن ہے کیونکہ 14 اگست کو پاکستان بنا تھا اور 28 مئی کو پاکستان نے اپنی بقا کی جنگ جیتی تھی۔ یہ دونوں دن پاکستان کے سب سے تاریخی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ اس تاریخ ساز دن منانے کا سہرا میاں محمد نواز شریف کو جاتا ہے جنھوں نے نہ صرف عالمی دباؤ کو مسترد کیا بلکہ اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن کے پانچ ٹیلی فون کال کرنے کے ساتھ ساتھ پانچ ارب ڈالر پیکج کی بھی آفر کی جس کو میاں صاحب نے ٹھکرا دیا۔ یہ لوگ یقیناً اس بات سے ناواقف تھے کہ پاکستان کو خریدا نہیں جا سکتا۔ 28 مئی 1998 کے روز سہ

پھر 3بج کر16 منٹ پر چاغی میں ایک بٹن دبا کر پاکستان کو عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بنا دیا۔ میاں محمد نواز شریف نے وطن عزیز کو ناقابل تسخیر بنانے کا یہ دلیرانہ قدم اٹھا کر مسلم ممالک کو بھی راہ دکھائی کہ وہ بھی ایک تاریخ ساز قدم اٹھا کر دنیا میں فخر سے سربلند کرلیں۔ یہ پاکستانی قوم کے خوابوں کی تعبیر کا دن ہے جب اللہ تعالٰی نے پاکستان کو دشمنِ وطن کے سامنے سپرپاور بنادیا جس کا کریڈٹ مسلم لیگ کو ہی نہیں بلکہ قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور انکی ٹیم کے علاوہ خصوصی طور پر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے۔ جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھی اور جس کی بدولت آج ہم سر اٹھا کر جی سکتے ہیں۔

پاکستان ایٹمی طاقت بنانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں ملازمت کر رہے تھے مگر اپنے سینے میں پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور کر دینے کی تڑپ رکھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ایک خط تحریر کیا تو بھٹو نے انہیں وطن واپس بلوالیا۔ 1975 میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں تیس ہزار ماہانہ کی تنخواہ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ بھٹو نے کھوٹہ لیبارٹری کا سنگ بنیاد رکھ دیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پہلی تنخواہ چھ مہینے بعد دی گئی جو صرف تین ہزار ماہانہ تھی۔ انہوں نے ملکی مفاد کیلئے قلیل تنخواہ پر کام جاری رکھا اور پاکستان کو ایٹمی طاقت

بنا کر دم لیا۔

جب میاں نواز شریف نے دھمکے کر دیے تو پھر انہوں نے اپنے ہی ملک کی عوام سے پوچھا کہ اب اس دن کو کس نام سے یاد رکھا جائے؟ اس کے جواب میں پاکستان بھر سے لوگوں نے مختلف نام تجویز کرکے حکومت پاکستان کو بھیجے۔ جن پر حکومت پاکستان نے بڑا غور کیا اور پھر جس نام کو تجویز کیا گیا وہ نام تھا ''یوم تکبیر'' اس نام کو تجویز کرنے والا کوئی سیاستدان نہیں اور نہ ہی کسی بڑے گھرانے سے اسکا تعلق ہے مگر جس کو اللہ چاہیے عزت دے۔ ایسا ہی انعام اس نوجوان کے حصہ میں آیا۔ جس نے نا صرف اپنا بلکہ اپنے گھر والوں کا نام بھی روشن کیا۔ جس طرح پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے تجویز کیا اسی طرح ایٹمی دھماکوں کی یاد منانے کا نام'' یوم تکبیر'' تجویز کرنے والے نوجوان کا نام مجتبیٰ رفیق ہے۔ جس کو میاں نواز شریف نے اپنی ہاتھ سے ایک لیٹر لکھا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک سند سے بھی نواز مگر افسوس کا مقام ہے کہ ایٹمی دھماکوں سے وابستہ دونوں ہیرو آج گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

حکومت کسی کی بھی ہو مگر ایٹمی دھماکوں میں ان دونوں کا رول اہم ہے اور حکومت کو چاہیے کہ وہ جب بھی 28 مئی (یوم تکبیر) منائے ان دونوں حضرات کو ضرور یاد رکھے۔

حکومت پاکستان کے ساتھ پوری پاکستانی قوم کی طاقت اور بہادر افواج بھی تھی

جس نے جتنے بھی دباؤ آئے ان کا باوقار انداز میں سامنا کیا اور قومی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مقروض اسلامی ملک کو بھی ایٹمی قوت بنادیا مگر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ جس وقت مشرف نے حکومت پر خون شب مارا تو اس وقت بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر فوج لگا دی تھی۔ یہ تو ہماری ایٹمی قوت ہی تھی جس نے بھارت کو حملے سے باز رکھا۔

امریکہ سنٹرل کمانڈ کے سابق کمانڈر جنرل زینی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے پاکستان کو "ایٹمی دھماکوں سے روکنے کیلئے صدر کلنٹن نے اعلیٰ سطحی وفد اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن اس وقت کے وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے اس وفد کو پاکستان کی سرزمین پر اترنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا تھا۔ سنٹرل کمانڈ کا بوئنگ 707 ٹمپا کے ہوائی اڈے پر تیار کھڑا تھا امریکیوں کے بار بار رابطے کے باوجود پاکستان کی طرف سے انکار جاری رہا۔ پاکستان میں امریکی وفد نے وزیراعظم نواز شریف سے متعدد ملاقاتیں کیں لیکن ایٹمی دھماکے نہ کرنے کی بات نہ منواسکے۔ امریکہ کے سنٹرل کمانڈ کے سابق کمانڈران چیف جنرل ابی زید نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان اور عراق سے زیادہ پاکستان اور سعودی عرب امریکہ کیلئے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ پاکستان کیساتھ ایٹم بم ہے اور سعودی عرب کیساتھ تیل کے ذخائر ہیں۔ اسرائیل کا ایٹمی پروگرام امریکہ اور اسکے

حواریوں کو نظر نہیں آتا شمالی کوریا ایٹمی دھماکہ کرے تو بھی تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے باوجود امریکہ اسکے ساتھ مزید ایٹمی تعاون کا معاہدہ کرتا ہے لیکن پاکستان اور ایران کا ایٹمی پروگرام امریکہ کا ہدف ہے کیونکہ یہ دونوں مسلم ممالک ہیں۔

آج جب پاکستان میں یوم تکبیر کے دن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے مگر عوام کو یہ دن مناتے ہوئے کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود امریکہ کے آگے جھکنے پر مجبور ہیں ۔امریکہ کھلم کھلا ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہا ہے ۔بار بار ڈرون حملے کر رہا ہے اور ہمارے ملک کے سربراہان ان ملکوں کے آگے بچھے پڑے ہیں۔ ان ہی ملکوں کے دورے کرکے یہ بات ثابت کرانا چاہتے ہیں کہ ہم تمھارے غلام ہیں۔

یہی وجہ ہے عوام اپنے ملک میں ہی اپنے آپ کو دوسرے ملکوں کا غلام یا امریکہ کے پٹھو سمجھ رہے ہیں۔ ملک ہمارا اور حکم امریکہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ آیئے آج کے دن اس بات کا عہد کریں کہ ہم کبھی کسی غیر مسلم طاقت کے سامنے سر نہیں جھکائیں گے۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی تو لگا سکتے ہیں مگر اس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ آج کے دن ہمارے سیاستدانوں کو بھی یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ آپس کے اختلافات بھلا کر ملک کی ترقی اور عوام کی خوشحالی

کے لیے ہر اقدام اٹھائیں گے۔ اللہ ہمارے پاکستان کو بد نظر اور دشمنوں کی مکارانہ چال
سے محفوظ رکھے۔ آمین

شبِ برات "فیصلوں کی رات"

شعبان کے مہینے کی پندرھویں رات کو شبِ برات کہا جاتا ہے شب کے معنی ہیں رات اور برات کے معنی قسمت کے۔ چونکہ اس رات مسلمان توبہ واستغفار کرکے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بے شمار مسلمان جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اس لیے اس رات کو شبِ برات کہتے ہیں۔اسے تقسیمِ امور کی رات بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس رات میں زندہ رہنے والے ، فوت ہونے والے اور حج کرنے والے سب کے ناموں کی فہرست تیار کی جاتی ہے اور جس کی تعمیل میں ذرا بھی کمی بیشی یا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا۔اِس شب کی بے شمار خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ زم زم کا پانی بڑھ جاتا ہے ، ہر اَمر و نہی کا فیصلہ ہوتا ہے ، بندوں کی عمر ، رزق ، حوادث ، مصائب و آلام ، خیر و شر ، رنج و غم ، فتح وشکست ، ذلت وعزت ، قحط سالی و فراوانی ، غرضیکہ کے تمام سال میں ہونے والے افعال اِس شب مبارکہ میں اُس محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو سونپے جاتے ہیں جس پر آئندہ سال عمل کرتے ہیں۔ یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امور تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں پھر اس شب میں ان کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ

امور بلاشبہ لوح محفوظ میں تحریر ہیں لیکن اس شب میں مذکورہ امور کی فہرست لوح محفوظ سے نقل کرکے ان فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام سونپا جاتا ہے
۔

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمایئے۔ ارشاد ہوا آئندہ سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ سب اس شب میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے لوگ آئندہ سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ بھی اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا مقررہ رزق اتارا جاتاہے۔چونکہ اس رات گذشتہ سال کے تمام اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے اور آئندہ سال ملنے والی زندگی اور رزق وغیرہ کے حساب کتاب کی رات ہے اس لیے اس رات میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنا رب کریم کی رحمتوں کے مستحق ہونے کا باعث ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔
یہ مغفرت کی رات بھی ہے۔ شبِ برات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے شمار لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو

اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے ساتھ زیادتی کریں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب آسمانِ دنیا پر اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے) زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

شبِ برات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شبِ بیداری کی اور دوسروں کو بھی شبِ بیداری کی تلقین فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ”ہے اکہ جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو شبِ بیداری کرو اور دن کو روزہ رکھو نیک و متقی لوگوں کا یہ حال ہے جو ہر رات شبِ بیداری کرتے ہیں اور تمام دن اطاعتِ الٰہی میں گزارتے ہیں جب کہ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بد نصیب ہیں جو اس مقدس رات میں فکر آخرت اور عبادت و دعا میں مشغول ہونے کی بجائے آتش بازی پٹاخے اور دیگر ناجائز امور میں مبتلا ہو کر اس مبارک رات کا تقدس

پامال کرتے ہیں۔ حالانکہ آتش بازی اور پٹاخے نہ صرف ان لوگوں اور ان کے بچوں کی جان کے لیے خطرہ ہیں بلکہ ارد گرد کے لوگوں کی جان کے لیے بھی خطرے کا باعث بنتے ہیں اور یہ شیطانی عمل ہے۔

شب.برات آرہی ہے۔ آہا ہم پٹاخے چلائیں گے، حلوے کھائیں گے۔ یہ وہ فقرے ہیں جو ہم نوجوانوں اور بچوں کی زبان سے سنتے ہیں مگر ایسے الفاظ بچے تو بچے کسی بڑے کی زبان سے بھی نہیں سنتے کہ کہ شب.برات آرہی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ کس کے حساب کتاب میں کیا لکھا جاتا ہے اور ہم اپنے رب سے معافی مانگے گے یا اس رات عبادت کریں گے۔ حتیٰ کہ مساجد میں بھی سارا دن چندہ جمع کیا جاتا ہے اور عشاء کے بعد مولوی صاحبان تقاریر کرکے اور مٹھائی تقسیم کرکے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ مساجد کو لائٹنگ کرکے سجایا جاتا ہے مگر اس میں عبادت کے لیے اجتماعی کام نہیں کیا جاتا ہے۔ جون کے ماہ ہر بندہ دنیاوی بجٹ کا منتظر ہوتا ہے کہ کس چیز میں اضافہ ہوا ہے اور کس میں کمی مگر اس بجٹ کی طرف کوئی نہیں سوچتا اور دیکھتا کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ کس کے کا ساتھ کیا ہوگا اور کیا ہونا ہے۔ دنیاوی بجٹ کی سارا سال تیاری کی جاتی ہے مگر اس بجٹ کی کوئی تیاری نہیں کرتا۔

ہمیں چاہیے کہ ایسے گناہ کے کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی

بچائیں اور بچوں کو سمجھائیں کہ ایسے لغو کاموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے ”اور فضول نہ اڑا بے شک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں“۔ (بنی اسرائیل)

یہ بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے، اٹھو! اے عاصیو اور دوڑو اپنے رب کی طرف کہ آج سرِ شام سے مغفرت کی ندائیں ہو رہی ہیں، منالو اپنے رب کو کہ یہ موقعہ ہے لُوٹ لو اِس رات کی عطائیں اور نوازشیں کہ پھر نہ جانے اگلے سال یہ موقعہ ملے نہ ملے، اُس کا فضل و کرم ہمیں اپنی پناہ میں لینے کیلئے بے چین ہے، اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اِس فضل و کرم سے کتنا اپنا دامن بھرتے ہیں۔ آیئے آج اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس خدائی رات میں اپنی اطاعت و عبادت اور توبہ و استغفار کی توفیق کے ساتھ اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا موقع عطا فرمائے اور ہم پر اپنی رحمت و عطا کے دروازے کھول دے (آمین)

روہنگیا میں خون کی ندیاں پر امت مسلمہ کی بے حسی کیوں؟

میں آج اپنا کالم ان مظلوم مسلمانوں کے نام کر رہا ہوں جن کو ”میانمار“، ”برما“ اور ” روہنگیا“ کے مسلمان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میانمار کا پرانا نام برما ہے۔ یہاں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر مدفون ہیں جو جنگ آزادی ہند کے ہیرو تھے۔ آج بہادر شاہ ظفر کی روح مسلم شہیدوں کی لاشوں کی بے حرمتی پر تڑپ رہی ہوگی۔ میانمار کے صدر کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ ناقابل برداشت ہے۔ وہ مظلوم مسلمانوں کے قاتلوں کا حامی اور ان کا پشت پناہ ہے۔ وہ بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کے ساتھ مسلمانوں کو ہی ملک سے نکالنے کا منصوبہ بنا رہا ہے مگر افسوس اس کے خلاف سیاسی یا سفارتی طور پر کوئی تیاری نظر نہیں آ رہی ہے۔ مسلمان برادری خاموشی کے ساتھ صرف تماشا دیکھ رہی ہے۔ کیا یہ مسلم تنظیموں کی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے دفتر اور میانمار کے سفارت خانے یا ہائی کمیشن میں جا کر اپنا احتجاج درج کرائیں۔

کہاں گئے وہ تنظیمیں جو اسلام کے لیے اپنا سب قربان کرنے کو تیار ہیں۔ کہاں سو گئے وہ ہمارے مذہبی جماعتوں کے لیڈر جو اسلام کا علم اٹھائے ایک دوسرے کو کافر ہونے کا طعنہ تو دے سکتے ہیں مگر اپنے رنگونی بھائیوں کی مدد کے لیے

آواز بلند نہیں کر سکتے۔ہاں یہ حقیقت ہے ہم لوگ شاید اس ملک کے نام سے واقف تک نہ ہوں مگر اس ملک کے نام کا گانا ضرور گایا سن سکتے ہیں۔گانے کے بول کچھ یوں ہیں۔

'' میرے پیا گئے رنگون وہاں سے کیا ہے ٹیلی فون کہ تیری یاد ستاتی ہے ''

تقسیم ہند کے وقت برطانوی حکومت نے میانمار (برما) کو ہندوستان کا ایک صوبہ بنایا تھا تو وہاں بڑی تعداد میں ہندوستان سے اہلکاران کو نظم و نسق سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ان اہلکاروں میں ایک بڑی تعداد مسلم اہلکاروں کی بھی تھی جنھوں نے میانمار کو اپنے خونِ جگر سے سینچا اور اسے برطانوی ہند کے دیگر صوبوں کے ہم پلہ بنا دیا۔میانمار میں اردو کی تعلیم و تدریس کا باضابطہ انتظام کیا گیا۔اردو صحافت شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے ماہنامے اور روزنامے شائع ہونے لگے۔برما کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن اس ملک میں فوجی انقلاب کے بعد حالات خراب ہونا شروع ہو گئے جس کے بعد اردو بولنے والا طبقہ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔دینی مدارس بند ہو گئے۔اردو روزناموں کی اشاعت بھی بند ہو گئی۔آج کل برما کے مسلمانوں پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی ہے۔

50ملین آبادی کے ملک برما (روہنگیا) میں مسلمانوں پر زندگی تنگ کی جارہی

ہے۔اس ملک میں 1.3 ملین مسلمان آباد ہیں جو خانہ بدوشی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ گزشتہ 20 برسوں سے عالمی پیمانے پر مسلمانوں پر مختلف ملکوں میں عرصہ حیات تنگ کیا جاتا رہا ہے۔بوسنیا، ہرزی گووینیا میں بے دریغ مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی ۔چیچنیا میں امام شامل کے پیروکاروں کی زندگی دوبھر ہو چکی ہے۔ مسلم بستیوں کو ولادمر پوتن کی فوجوں نے گولوں اور بارودوں سے تاراج کر دیا ہے۔ یہ وہی چیچنیا ہے جہاں کوہِ قاف ہے جس کی پریوں کی کہانیاں نانیاں اور دادیاں سنایا کرتی ہیں۔ کشمیر میں ہندو نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ افغانستان کو امریکہ نے غلام بنایا ہوا ہے۔ آجکل روہنگیا مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام اور ان کی لاشوں کو اجتماعی طور رندر آتش کیے جانے کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ میانمار کی فوجی حکومت کی وحشیانہ کارروائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور پولس اور فوج کی بربریت کے واقعات سامنے آنے لگے ہیں۔برما کی فوج نے حالیہ واردات میں ہیلی کاپڑوں سے ان روہنگیا مسلمانوں پر فائرنگ کی جو اپنی جانیں بچا کر سمندر کے راستے سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور افسوس کہ پوری دنیا جو انسانی ہمدردی کا جھوٹا راگ گاتی پھرتی ہے یہ منظر دیکھ رہی ہے۔امریکہ جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اس خالص انسانی مسئلے پر خاموش کیوں؟ کیوں کہ وہ تو مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا سے مسلمانوں

کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ظاہر ہے وہ کیوں میانمار کے دہشت گردوں کے گرد گھیرا کیوں تنگ کرے گا؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ عالم اسلام کے بیشتر ممالک کے حکمراں بھی خاموش ہیں۔ مسلم عوام تو میانمار کے مسلمانوں کے درد کو دل میں محسوس کرتے ہیں لیکن حکمرانوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں نے بھی ان مظلوموں کے آنسو پونچھنے کی سعی نہیں کی۔ اللہ جانتا ہے کہ کب مسلم ممالک کے حکمران اپنے اور ہمارے بارے میں سوچیں گے؟ آج کفار کسی بھی ملک میں ہوں وہ سب اکٹھے ہو رہے ہیں اور مسلمان ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔ وہ وقت کب آئے گا جب تمام مسلم ممالک ایک ہوں۔ کب عالم اسلام کی اپنی ایک فوج ہوگی جو دنیا بھر میں جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوگا اور وہ پہنچے گی۔ کیا کبھی وہ وقت آئے گا جس طرح امریکہ ہر ملک میں دخل اندازی (بالخصوص مسلم ممالک میں) اپنا فرض سمجھتا ہے اسی طرح امت مسلمہ کی افواج اپنے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی پہنچے گی؟

کیا آج کے دور میں مسلمان ہونا جرم ہے ؟ کیا ساری دنیا کے مسلمان دہشت گرد ہیں یا ظالم ہیں؟ اس حقیت سے کوئی انکاری نہیں کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان رہتا ہو وہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہے۔ ویسے تو پاکستان، سعودی عرب

سمیت بہت سے اسلامی ممالک دنیا کے نقشے پر قائم ہیں مگر سکھ کا سانس یہ مسلمان بھی نہیں لے رہے۔ مسلم ممالک میں اندرون خانہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کفار کی چال ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک کو ابھرنے نہ دے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے نہ دے۔ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے مگر جتنا یہ ملک دہشت گردی میں گھرا ہوا ہے اتنا شاید ہی کوئی ملک ہو؟ مسلمان پر دنیا بھر میں ظلم ڈھائے جارہے ہیں مگر آج بھی ہم لوگ کسی طارق بن زیاد یا محمد بن قاسم کے منتظر ہیں جو کفار کی آنکھوں کو نوچ کر مسلمانوں کا کلیجہ ٹھنڈا کرکے مگر ہم میں خود اتنی ہمت نہیں کہ ہم یکجا ہو کر دشمن اسلام کو نیست و نابود کردیں۔ کب آئے گا وہ دن جب دنیا بھر کے مسلمان ایک خاندان کی طرح اکٹھے ہوں گے؟ ایک بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو دوسرے بھائی کو تکلیف محسوس ہو۔ اگر یہ کام امت مسلمہ کے حکمران نہیں کر سکتے تو پھر عوام کو خود سوچنا ہوگا کہ ہم کس طرح اپنا دفاع کر سکتے ہیں؟

تڑپتے روہنگیا اور عالم اسلام کی بے حسی

کیا آج کے دور میں مسلمان ہونا جرم ہے ؟ کیا ساری دنیا کے مسلمان دہشت گرد ہیں یا ظالم ہیں؟ اس حقیقت سے کوئی انکاری نہیں کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان رہتا ہو وہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہے۔ ویسے تو پاکستان، سعودی عرب سمیت بہت سے اسلامی ممالک دنیا کے نقشے پر قائم ہیں مگر سکھ کا سانس یہ مسلمان بھی نہیں لے رہے۔ مسلم ممالک میں اندرون خانہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ کفار کی چال ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک کو ابھرنے نہ دے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے نہ دے۔ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے مگر جتنا یہ ملک دہشت گردی میں گھرا ہوا ہے اتنا شاید ہی کوئی ملک ہو؟ مسلمان پر دنیا بھر میں ظلم ڈھائے جارہے ہیں مگر آج بھی ہم لوگ کسی طارق بن زیاد یا محمد بن قاسم کے منتظر ہیں جو کفار کی آنکھوں کو نوچ کر مسلمانوں کا کلیجہ ٹھنڈا کر سکے۔ ویسے تو ہمارے سامنے بہت سے مسلم ممالک ہیں جہاں پر ظلم و ستم کیا جارہا ہے مگر ایک ملک ایسا ہے جو میڈیا کی نظر سے بہت دور ہے اور اس ملک کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان ایسی ہے کہ میرا قلم بھی بیان نہیں کر سکتا۔

جی میں آج اپنا کالم ان مظلوم مسلمانوں کے نام کر رہا ہوں جن کو ''میانمار''، ''

برما'' اور'' روہنگیا'' کے مسلمان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میانمار کا پرانا نام برما ہے۔ یہاں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر مدفون ہیں جو جنگ آزادی ہند کے ہیرو تھے۔آج بہادر شاہ ظفر کی روح مسلم شہیدوں کی لاشوں کی بے حرمتی پر تڑپ رہی ہوگی۔ میانمار کے صدر کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ نا قابل برداشت ہے۔ وہ مظلوم مسلمانوں کے قاتلوں کا حامی اور ان کا پشت پناہ ہے۔ وہ بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کے ساتھ مسلمانوں کو ہی ملک سے نکالنے کا منصوبہ بنا رہا ہے مگر افسوس اس کے خلاف سیاسی یا سفارتی طور پر کوئی تیاری نظر نہیں آ رہی ہے۔ مسلمان برادری خاموشی کے ساتھ صرف تماشا دیکھ رہی ہے۔کیا یہ مسلم تنظیموں کی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے دفتر اور میانمار کے سفارت خانے یا ہائی کمیشن میں جا کر اپنا احتجاج درج کرائیں۔
کہاں گئے وہ تنظیمیں جو اسلام کے لیے اپنا سب قربان کرنے کو تیار ہیں۔ کہاں سو گئے وہ ہمارے مذہبی جماعتوں کے لیڈر جو اسلام کا علم اٹھائے ایک دوسرے کو کافر ہونے کا طعنہ تو دے سکتے ہیں مگر اپنے رنگونی بھائیوں کی مدد کے لیے آواز بلند نہیں کر سکتے ۔ہاں یہ حقیقت ہے ہم لوگ شاید اس ملک کے نام سے واقف تک نہ ہوں مگر اس ملک کے نام کا گانا ضرور گایا سن سکتے ہیں۔گانے کے بول کچھ یوں ہیں۔
'' میرے پیا گئے رنگون وہاں سے کیا ہے ٹیلی فون کہ تیری یاد ستاتی ہے ''

تقسیم ہند کے وقت برطانوی حکومت نے میانمار (برما) کو ہندوستان کا ایک صوبہ بنایا تھا تو وہاں بڑی تعداد میں ہندوستان سے اہلکاران کو نظم و نسق سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان اہلکاروں میں ایک بڑی تعداد مسلم اہلکاروں کی بھی تھی جنھوں نے میانمار کو اپنے خونِ جگر سے سینچا اور اسے برطانوی ہند کے دیگر صوبوں کے ہم پلہ بنا دیا۔ میانمار میں اردو کی تعلیم وتدریس کا باضابطہ انتظام کیا گیا۔ اردو صحافت شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے ماہنامے اور روزنامے شائع ہونے لگے۔ برما کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن اس ملک میں فوجی انقلاب کے بعد حالات خراب ہونا شروع ہو گئے جس کے بعد اردو بولنے والا طبقہ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ دینی مدارس بند ہو گئے۔ اردو روزناموں کی اشاعت بھی بند ہو گئی۔ آج کل برما کے مسلمانوں پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی ہے۔

ملین آبادی کے ملک برما (روہنگیا) میں مسلمانوں پر زندگی تنگ کی جا رہی ہے۔ اس 50 ملک میں 1.3 ملین مسلمان آباد ہیں جو خانہ بدوشی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

گزشتہ 20 برسوں سے عالمی پیمانے پر مسلمانوں پر مختلف ملکوں میں عرصہ حیات

تنگ کیا جاتا رہا ہے۔بوسنیا، ہرزی گووینیا میں بے دریغ مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی
۔چیچنیا میں امام شامل کے پیروکاروں کی زندگی دوبھر ہوچکی ہے۔ مسلم بستیوں کو
ولادمر پوتن کی فوجوں نے گولوں اور باروودوں سے تاراج کر دیا ہے۔ یہ وہی چیچنیا ہے
جہاں کوہِ قاف ہے جس کی پریوں کی کہانیاں نانیاں اور دادیاں سنایا کرتی ہیں۔ کشمیر میں
ہندو نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کررکھا ہے۔ افغانستان کو امریکہ نے غلام بنایا ہوا ہے۔
آجکل روہنگیا مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام اوران کی لاشوں کو اجتماعی طور رندرآتش
کیے جانے کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ میانمار کی فوجی حکومت کی وحشیانہ کارروائیوں میں
اضافہ ہو رہا ہے اور پولس اور فوج کی بربریت کے واقعات سامنے آنے لگے ہیں۔برما
کی فوج نے حالیہ واردات میں ہیلی کاپڑوں سے ان روہنگیا مسلمانوں پر فائرنگ کی جو
اپنی جانیں بچاکر سمندر کے راستے سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور افسوس کہ
پوری دنیا جو انسانی ہمدردی کا جھوٹا راگ گاتی پھرتی ہے یہ منظر دیکھ رہی ہے۔امریکہ جو
ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے اس خالص انسانی مسئلے پر خاموش
کیوں؟ کیوں کہ وہ تو مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا سے
مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے مٹادیا جائے۔ظاہر ہے وہ کیوں میانمار کے دہشت گردوں کے
گرد گھیرا کیوں تنگ کرے گا؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ عالم اسلام کے بیشتر ممالک کے حکمراں بھی خاموش ہیں۔ مسلم عوام تو میانمار کے مسلمانوں کے درد کو دل میں محسوس کرتے ہیں لیکن حکمرانوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں نے بھی ان مظلوموں کے آنسو پونچھنے کی سعی نہیں کی۔ اللہ جانتا ہے کہ کب مسلم ممالک کے حکمران اپنے اور ہمارے بارے میں سوچیں گے؟ آج کفار کسی بھی ملک میں ہوں وہ سب اکٹھے ہو رہے ہیں اور مسلمان ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔ وہ وقت کب آئے گا جب تمام مسلم ممالک ایک ہوں۔ کب عالم اسلام کی اپنی ایک فوج ہوگی جو دنیا بھر میں جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوگا اور وہ پہنچے گی۔ کیا کبھی وہ وقت آئے گا جس طرح امریکہ ہر ملک میں دخل اندازی (بالخصوص مسلم ممالک میں) اپنا فرض سمجھتا ہے اسی طرح امت مسلمہ کی افواج اپنے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی پہنچے گی؟

پرائیویٹ تعلیمی اداروں سے اقلیتوں جیسا سلوک کیوں؟

تعلیم حاصل کرنے کا حق ہر ایک کو ہے۔ امیر ہو یا غریب، مسلم ہو غیر مسلم تعلیم کے لیے ان میں کسی قسم کے سرٹیفیکیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ ہمارے ہاں معیار تعلیم میں فرق ضرور ہے۔ یہاں پر امیر کے لیے تعلیم کچھ اور غریب کے لیے تعلیم اور۔ پاکستان میں تعلیم (Education) کی نگرانی وفاقی حکومت کی وزارت تعلیم اور صوبائی حکومتیں کرتی ہیں۔ وفاقی حکومت زیادہ تر تحقیق اور ترقی نصاب، تصدیق اور سرمایہ کاری میں مدد کرتی ہے۔ ملینیم گول اور آئین پاکستان کی شق A-25 کے مطابق ریاست 5 سے 16 سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی معیاری تعلیم فراہم کی پابند ہے۔ حکومت پاکستان تعلیم کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

چند روز پہلے لاہور ہائی کورٹ کے ایک سنگل بنچ نے حکم دیا تھا کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں سکول ایک ماہ سے زیادہ فیس پیشگی نہیں لے سکتے۔ فاضل عدالت عالیہ کی طرف سے عوامی مفاد میں کئے گئے اس فیصلے پر نظر ڈالیں تو یہ فیصلہ نجی شعبے کے تعلیمی اداروں کی انتظامیہ کے خلاف ہے۔ حکومت اور نجی شعبے کے اقدامات میں بظاہر ایک چیز قدر مشترک ہے کہ دونوں عوام کی جیبوں سے زیادہ سے زیادہ رقوم نکلوانے کے خواہاں ہیں۔ ہائی کورٹ کے سنگل بنچ نے نجی تعلیمی

اداروں کو ایک ماہ سے زائد کی فیسیں بیک وقت وصول کرنے سے روک دیا ہے۔ یہ فیصلہ بھی خوش آئند ہے اور لاکھوں عوام اس فیصلے سے خوش اور مستفید ہوں گے۔ تعلیمی ادارے کئی عرصوں سے گرمیوں کی چھٹیوں کی فیسیں پیشگی وصول کر لیتے ہیں۔ جن تعلیمی اداروں کی فیس ہزاروں میں ہے ان کے طلباء کیلئے تین ماہ کی فیس بیک وقت ادا کرنا ممکن نہیں لیکن یہ سلسلہ قہر درویش.برجان درویش اب تک کسی نہ کسی طرح جاری تھا نہیں بلکہ جاری ہے۔ طلباء اور والدین کی کوئی شنوائی نہ تھی جو بچے فیس ادا نہیں کر پاتے تھے ان کے نام کاٹ دیے جاتے تھے یا سکولوں سے نکال دئے جاتے تھے ۔یہی نہیں بہت سے سکولوں کی انتظامیہ اپنے ملازمین کو 31 مئی تک کنٹریکٹ پر ملازم رکھتی ہے اور انہیں چھٹیوں کے مہینوں کی تنخواہ نہیں دی جاتی۔ دوبارہ سکول کھلنے پر انہی اساتذہ کو نئے کنٹریکٹ لیٹر جاری کر دئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کا طریقہ ہے۔ویسے تو سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی تین ماہ کی فیسیں یکمشت وصول کی جاتی ہیں مگر ان کی فیسیں آٹے میں نمک کے برابر ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی اعتراض نہیں اٹھاتا۔بظاہر تو ہائی کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں اب وہاں بھی یہ سلسلہ رکنا چاہیے مگر کیونکہ ہائیکورٹ نے صرف پرائیویٹ اداروں کو فوکس کیا ہے اس لیے گورنمنٹ سکولوں کی طرف کسی توجہ نہیں ہوگی جبکہ وہ تو فیسیں وصول کر کے چھٹیاں بھی کر چکے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو ہائیکورٹ کا یہ فیصلہ بہت اچھا ہے اور بہت سے غریب لوگ جو تین ماہ کی فیس یکمشت نہیں دے سکتے تھے ان کا بوجھ کسی حدتک عدلیہ نے کم کرنے کی کوشش کی ہے مگر دوسری طرف کچھ سوالات پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی طرف سے بھی اٹھائے جارہے ہیں۔ بقول پرائیویٹ سکول مالکان کے کہ" تین ماہ کی فیس یکمشت وصول کرنا نجی تعلیمی اداروں کی مجبوری ہے کیونکہ اکثر تعلیمی ادارے کرائے کی عمارتوں میں ہوتے ہیں ۔ جن کا ہزاروں کے حساب سے کرایہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ سٹاف کی تنخواہیں، ٹیلی فون ، انٹرنیٹ، بجلی اور سوئی گیس کے بل وغیرہ بھی ادارے نے ادا کرنے ہوتے ہیں۔اچھا ہوتا کہ عدلیہ اپنے فیصلہ صادر کرتے وقت یہ حکم نامہ بھی جاری کردیتی کہ کوئی پرائیویٹ تعلیمی ادارہ یوٹیلیٹی بل اور بلڈنگ کا کرایہ بھی ادا نہ کرے مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ اگر یوٹیلیٹی بل ادا کرنے میں ایک بار لیٹ ہوجائیں تو اگلے ہی دن کنکشن کاٹنے کے لیے عملہ در پر کھڑا ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب ان اداروں کے پاس آمدن نہیں ہوگی تو وہ اخراجات کدھر سے کریں گے؟

حکومت گورنمنٹ سکولز کو تو ہر طرح سے سپورٹ کرتی ہے مگر یہ پرائیویٹ ادارے تو اپنی مدد آپ کے تحت چلتے ہیں۔انہیں تو کوئی سرکاری سطح سے فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ رجسٹریشن کی مد میں یہ سرکار کے ریونیو میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔حالیہ آرمی سکول میں ہونے والے حادثے کے بعد حکومت نے سیکورٹی گارڈز کی

تعیناتی اور سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب وغیرہ کا حکم پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو بھی کیا اور ساتھ میں یہ بھی حکم صادر کیا کہ یہ ادارے سکیورٹی کی مد میں کوئی اضافی فنڈ وصول نہ کریں اور نہ ہی سکیورٹی کے نام پر فیسوں میں اضافہ کر سکتے ہیں جبکہ دوسری طرف گورنمنٹ تعلیمی اداروں کو حکومتی فنڈز سے نا صرف چاردیواری، خار دار وائر بلکہ سی سی کیمرے تک خود نصب کر کے دیے۔

ہم لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر عدلیہ کو تھوڑا بہت ان پرائیویٹ اداروں کے مالکان کی طرف سوچنا چاہیے تھا کیونکہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی بلکہ ان میں فرق ہوتا ہے اس لیے جو پرائیویٹ ادارے لوٹ مار کر رہے ہیں ان کے خلاف قانون سازی کی جاتی اور باقی اداروں کو ریلیف دینا چاہیے تھا۔ اس حقیقت سے عدلیہ بھی انکاری نہیں کر سکتی کہ تعلیمی معیار کو اونچا کرنے میں پرائیویٹ اداروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ کسی بھی لیول کا رزلٹ دیکھ لیں نمایاں پوزیشن پرائیویٹ اداروں کے بچوں کی ہوتی ہے پھر کیوں انکے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟ جبکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ حکومت اپنے بجٹ میں گورنمنٹ سکولوں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سکولوں پر بھی دست شفقت رکھتے ہوئے بجٹ میں ان کا حصہ رکھتی تاکہ معیار تعلیم مزید بلند ہو۔

چائلڈ لیبر کا خاتمہ بہت ضروری

بچے پھول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے معصوم چہرے سورج کی پہلی کرن سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جو معاشرے کی ایک انتہائی معصوم اور حساس پرت ہوتے ہیں۔معاشرے کا ہر فرد بچوں سے پیار کرتا ہے۔ بچوں کی موجودگی سے گھروں میں رونق ہوتی ہے اور جنہیں پڑھ لکھ کر ملک کے مستقبل کا معمار بنا ہوتا ہے۔ یہی معصوم پھول ڈالی سے ٹوٹ کر گلیوں کی دھول بن جاتے ہیں۔ جس کی ایک صورت چائلڈ لیبر کی ہے۔

چائلڈ لیبر سے مراد نوعمر اور کم سن بچوں سے محنت مشقت اور ملازمت کرانا ہے۔ یعنی بچے کو اس کے حق تعلیم و تفریح سے محروم کرکے اس کو کم عمر میں ہی کام پر لگا دیا جائے۔ چائلڈ لیبر بچوں کے مسائل میں اہم ترین مسئلہ ہے۔ عالمی سطح پر چائلڈ لیبر کے اعداد و شمار بہت تشویشناک ہیں۔ انٹر نیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) نے اس بارے میں اپنی رپورٹ بتایا ہے کہ ''ایک اندازے کے مطابق چوبیں کروڑ ساٹھ لاکھ بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ پھر ان بچوں میں سے تقریبا تین چوتھائی (سترہ کروڑ دس لاکھ) سخت مشقت والے کام کرتے ہیں جیسے کہ کانوں میں کام کرنا، کیمیکلز کے ساتھ کام کرنا اور کھیتی باڑی نیز خطرناک قسم کی مشینری کے ساتھ کام کرنا۔

چائلڈ لیبر کے بہت سے اسباب ہیں جن کے وجہ سے والدین اپنی کم سن اولاد کو کام کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں عام طور وہ والدین جو بچوں کی تعلیم کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے یا کسی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں رہتے یا ان کی کمائی کم ہوتی ہے مگر زیادہ افراد کی کفالت ذمہ ہوتی ہے تو ایسے میں یہ والدین اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بعض اوقات والدین کی تعلیم اور شعور میں کمی بھی اس مسئلے کا سبب بنتی ہے۔ بعض لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد رزق کمانا ہوتا ہے۔ پس یہ والدین بچوں کو بچپن سے ہی کسی فیکٹری، کسی موٹر مکینک یا کسی اور ہنر مند کے پاس بطور شاگرد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ بچہ جلد روزگار کمانے کے قابل ہو سکے۔

آج کل سبزی فروٹ منڈیاں، چھپر ہوٹل، ورکشاپس سے لیکر مختلف انڈسٹریز تک چائلڈ لیبر کا گڑھ ہیں۔ سڑکوں پر گشت کرتے بچے جو حالات گردش کی بنیاد پر مارے مارے پھرنے پر مجبور ہیں۔ وہ معصوم بچے جن کے ہاتھوں میں کتابوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی ہے ان کے ہاتھوں میں یہ معاشرہ ورکشاپس کی صورت میں اوزار تھما دیتا ہے۔

ملک بھر میں قانونی پابندی کے باوجود چائلڈ لیبر کا خاتمہ نہیں ہوا۔ چودہ سال سے کم عمر بچوں سے نہ صرف غیر قانونی مشقت لی جاتی ہے بلکہ ان سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ معصوم پھول تو صرف شفقت کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو بچے زمانے کی کڑی دھوپ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ معاشرے کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں۔ انسانی حقوق کی نمائندہ تنظیم گلوبل فاؤنڈیشن کے مطابق چائلڈ لیبر کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا 20ہزار روپے جرمانہ اور ایک سال قید کی سزا کے باوجود بچوں سے غیر قانونی مشقت لی جاتی ہے۔

پاکستان میں 33% بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ ایک سروے کے مطابق پنجاب میں 2500 سے زائد بھٹوں پر پانچ سے بارہ سال عمر تک کے ایک لاکھ سے زائد بچے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ شہروں میں گھر کی صفائی اور چھوٹے موٹے کاموں کے لیے تقریباً تیس ہزار بچے مصروف ہیں۔ بس اڈوں ، سبزی ،فروٹ منڈیوں ، ہوٹلوں، ورکشاپوں اور دیگر صنعتیں تو چائلڈ لیبر کی خلاف ورزی کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ چائلڈ لیبر میں کام کرنے والے زیادہ بچے سکولوں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ کوئی تعلیم کے ڈر سے تو کوئی مارپیٹ اور بے رحمی کے خوف ۔ کچھ ایسے بھی بچے ہیں

جو والدین کے دباؤ سے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ بچے اچھی زندگی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ نفسیاتی طور پر جھگڑالو اور جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ یہ منفی طرز عمل معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ جو معاشرے کی تمام برائیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ معاشرے میں ڈکیتی اور چوری جیسے ناسور جرائم جنم لیتے ہیں۔

چائلڈ لیبر کے خاتمے کے اقدامات کئے جائیں تو ان سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

معاشرے کی سطح پر اگر ہر آدمی اپنے پڑوسی اور رشتہ داروں میں سے غریب افراد کی امداد کرے تو بھی بچوں کی مشقت کا خاتمہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہر غریب فرد کسی نہ کسی کا پڑوسی یا رشتہ دار ضرور ہوگا۔ حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ بے سہارا لوگوں کی کفالت کرے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی آدمی قرض یا بے سہارا بچے چھوڑے تو میں ان کا مولی (سرپرست) ہوں گا۔ یہ ذمہ داری آج کے مسلم حکمرانوں پر بھی ہے۔

اگر حکمران اپنے فرائض سرانجام دیں اور بیت المال اور سرکاری خزانے سے ایسے بے سہارہ خاندانوں کی مدد کریں جن کا کمانے والا کوئی نہ ہو تو چائلڈ لیبر کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

بین الاقوامی تنظیمات غریب ممالک پر چائلڈ لیبر کے باعث پابندیاں لگا کر ان کو مزید مشکلات سے دوچار کرنے کی بجائے ان ممالک کے غریب و مفلس افراد کی مدد کر کے ان کے مسائل کو حل کیا جائے۔ اگر معاشرہ، ملک اور بین الاقوامی برادری اپنے فرائض ادا کرے

۔تو اضطراری حالات میں چائلڈ لیبر کے معاملہ کو بھی مستقل طور پر حل کر سکتی ہیں افسوس حکومت چائلڈ لیبر کو کنٹرول کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ پاکستان میں سرعام چائلڈ لیبر کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ اشد ضروری ہے کہ اس سلسلے پر خاص توجہ دی جائے۔ ہمارا مستقبل ان بچوں میں پوشیدہ ہے اگر یہی تاریکی میں ڈوب گئے تو اس خیال سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان کا مستقبل تاریک ہوگا۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ چائلڈ لیبر کو کنٹرول کرنے کے لیے جلد از جلد اقدامات کرے تاکہ کوئی روشنی کی کرن نظر آئے۔ نہ صرف حکومت بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس مہم میں حصہ دار بننا ہوگا۔ ہمیں بچوں سے صرف تعلیم کا کام لینا چاہیے اگر کوئی مجبوری ہو تو جہاں تک ہو سکے ان کی مدد کر دے تاکہ وہ بھی خود کو اس معاشرے کا حصہ سمجھ کر مثبت ردعمل ظاہر کریں۔

مہدی حسن)اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا)

مہدی حسن پاکستان کا ہی نہیں بلکہ ایشیا کا ایک معتبر نام ہے۔گائیکی کی دنیا میں یہ نام اپنا مقام آپ رکھتا ہے۔۔برصغیر ایشیا میں مہدی حسن کا نام اوران کی آواز کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ بھارتی راجھستان کے ایک موسیقار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ 18 جولائی 1927 (بعض روایات کے مطابق انیس سو تیس) کو راجستھان کے علاقے لُونا میں پیدا ہوئے ۔انہوں نے موسیقی کی تربیت اپنے والد استاد عظیم خان اور اپنے چچا استاد اسماعیل خان سے حاصل کی، جو کلاسیکل موسیقار تھے۔ مہدی حسن آٹھ سال کی عمر میں کلاسیکی موسیقی میں اپنے آپ کو متعارف کروایا پہلی مرتبہ بچپن میں ہی میں دھُرپد میں پرفارم کیا۔ مہدی حسن بیس برس کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کرکے پاکستان آ گئے۔ ہجرت کے بعد شدید مالی مشکلات کی وجہ سے کلاسیکی موسیقی کیاس ممتاز گھرانے کے چشم وچراغ کو سائیکل مرمت کرنے کی ایک دکان میں مزدوری کرنا پڑی۔ بعد میں کام سیکھتے سیکھتے مہدی حسن کار مکینک اور ٹریکٹر مکینک بن گئے۔ اسکے باوجود مہدی حسن خان نے پہلوانی کا شوق اور سنگیت کی خاندانی روایت کو نہ چھوڑا اور روزانہ ریاض کرتے رہے۔مہدی حسن نے اس سفر کا باقاعدہ آغاز 1952 میں ریڈیو پاکستان کے کراچی سٹوڈیو سے کیا اس وقت سے لیکر آج تک وہ پچیس ہزار سے زیادہ فلمی

غیر فلمی گیت اور غزلیں گا چکے ہیں۔ گویا سُر کے سفر کی داستان کئی دہائیوں پر محیط ہے۔
مہدی حسن خان صاحب شریف النفس انسان تھے جو ہمیشہ جونیئر آرٹسٹوں سے محبت کرتے تھے۔ان کے حوالے سے یہ بات بھی نہایت مشہور تھی کہ جس نئے فنکار پر ان کی آواز کی ریکارڈنگ کی جاتی تھی وہ راتوں رات کامیاب فنکاروں کی فہرست میں آ کھڑا ہوتا تھا۔ پروڈیوسر مصنف اور موسیقار خورشید انور نے ذاتی فلم کا آغا فلم ''گھونگھٹ'' سے کیا تھا۔ اس کے ہیرو سنتوش کمار تھے۔ خورشید انور کی موسیقی میں جب مہدی حسن نے جو ''مجھ کو آواز دے کہاں ہے'' گایا تو لوگ سنتوش کمار کے دیوانے ہو گئے اور سنتوش اس فلم سے اتنے مشہور ہوئے کہ راتوں رات انہیں صف اول کا ہیروز شمار کیا جانے لگا۔
جب کامیڈی ہیروز کا دور تھااور رنگیلا ان ہیروز میں سرفہرست تھے چنانچے رنگیلا کو ہی فلم ''میری زندگی ہے نغمہ'' کے لئے کاسٹ کیا گیا۔ اس فلم کے ایک گیت '' اک حسن کی دیوی سے تجھے پیار ہوا تھا'' اتنا مشہور ہوا کہ اس گیت کی وجہ سے رنگیلا مکمل ہیرو کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔آج بھی یہ مہدی حسن کے سب سے زیادہ مشہور گانوں میں سرفہرست شمار ہوتا ہے۔

مہدی حسن کو ان کی فنی خدمات کے اعتراف میں صدارتی تمغہ حسن کارکردگی، تمغہ امتیاز اور ہلال امتیاز سے نوازا گیا۔ بھارت میں انہیں سہگل ایوارڈ جبکہ حکومت نیپال نے مہدی حسن کو گورکھا دکشنا بہو کا اعزاز دیا۔

بدھ 13 جون 2012 غزل کے بے تاج بادشاہ مہدی حسن خان اب اس جہانِ فانی میں نہیں رہے۔ گزشتہ کئی عرصے سے فالج میں مبتلا رہنے کے بعد وہ پچاسی سال کی عمر میں کراچی کے آغا خان اسپتال میں انتقال کر گئے۔ مہدی حسن کا اس افراتفری اور شور شرابے کی دنیا سے رخصت ہونا دراصل پاک و ہند سے شاعری اور سنگیت کی ایک روایت کے ختم ہونے کے برابر ہے۔ سنگیت کی دنیا میں کئی دہائیوں تک راج کرنے والے آخرکار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مہدی حسن کی موت نے اس جہاں سے ان کا جسمانی ناطہ تو توڑ دیا ہے لیکن ان کی گائی ہوئی غزلیں اور گیت انہیں ہمیشہ ان کے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ رکھیں گے۔ ان کی آواز کے بارے میں برصغیر کی عظیم گلوکارہ لتا منگیشکر سے بہتر شاید کسی نے کچھ کہا ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ 'مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے۔

مہدی حسن نے اپنے پیچھے کروڑوں پرستار چھوڑے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آج بھی ان کا مزار ویران ہے۔ نارتھ کراچی قبرستان کے گورکن کے مطابق کبھی کبھار

کوئی بھولا بھٹکا پرستار آتا ورنہ اکثر یہ ویران ہی ہوتا ہے۔ گائیکی کی دنیا میں سُر پھیلانے والے کو لوگ اتنی جلد بھول جائیں گے یہ یقین نہ تھا۔ دعا ہے کہ جس نے پاکستان کا جھنڈا پوری دنیا میں بلند کیا اللہ تعالٰی ان کو کروٹ کروٹ جنت میں جگہ دے ۔ آمین

بھارت کو سبق سکھانا پڑے گا!

میں تو پہلے بھی اپنے کالمز میں بھارت کی دشمنی پالیسیوں پر کافی بار لکھ چکا ہوں مگر نہ جانے کیوں ہمارے سابقہ اور موجودہ حکمران بھارت کے ساتھ دوستی کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ کفار کبھی ہمارا دوست نہیں ہو سکتا وہ تو اس سانپ کی مانند ہے جس کو جب موقع ملے ڈس لے۔ چند سال پہلے امن کی آشا کو بڑا فروغ دیا جارہا تھا ہمارے ایک ٹی وی چینل نے اپنے ''چینل'' پر امن کی آشا کا لوگو بھی بنا کر لگادیا تھا۔ آج میں اس چینل اور ان حکمرانوں سے سوال کرتا ہوں کہ جو بھارت سے دوستی کا خواب دیکھ رہے تھے اب مودی اور ان کے وزیر کے بیان کے بعد ان کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ اب بھی بھارت سے دوستی اور امن کی آشا کو فروغ دینے کے حامی ہیں؟

بھارتی وزیر اعظم نے بنگلہ دیش کے دورے پر جو بیان دیا ہے اس سے اقوام متحدہ (جس نے اقوام کو متحد نہ رکھنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے) کی آنکھیں کھل جانی چاہیں۔ پاکستان کو دولخت کرنے میں جو کردار بھارت نے ادا کیا اس کا اعتراف بھارتی وزیر اعظم کے برملا کرلیا ہے۔ اب کوئی شک نہیں کہ پاکستان کو توڑنے میں بھارت کا مین رول تھا۔ بھارت ویسے تو ہمارا ہمسایہ ملک ہے مگر بھارت نے

آج تک ہمارے وجود کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ دشمنی نبھانے میں بھارت پاکستان کے خلاف کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔حالیہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی میں ''را'' کا ہاتھ ملوث ہونے کے کئی ثبوت ملے ہیں۔

ن لیگ کی جب بھی حکومت آتی بھارت جارحیت پر اتر آتا ہے۔جب پہلے نواز شریف کی حکومت آئی تھی جب بھی کارگل کا واقعہ ہوا تھا اور بھارت کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔اب پھر ن لیگ کی حکومت ہے اس دن سے بھارت کی فوج ہر روز کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہمارے ملک کو نقصان پہنچا رہی ہے۔بھارتی حکمران سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح کی حرکت کرکے پاکستان کو ڈرایا جاسکتا ہے مگر یہ ان کی بھول ہے۔ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔ ہم عالمی برادری کو یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی کو ناجائز تنگ نہیں کرتا اور اگر کوئی تنگ کرے تو پھر وہ سبق سکھائے بغیر پیچھے نہیں ہٹتا۔تاریخ میں جتنی فتوحات کا ذکر ہے وہ سب مسلمانوں نے حاصل کی ہیں۔بھارت ہماری شرافت کو کمزوری سمجھ رہا ہے تو اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔

میں مانتا ہوں کہ ہم فرقہ واریت میں بٹے ہوئے ہیں، ہم دہشت گردوں میں پھنسے ہوئے ہیں، ہاں یہ بھی ٹھیک ہے کہ ہم پاکستانی ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں، یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ہم لوگ پیسے کی حوس میں چھوٹے بڑے کا

احترام بھول گئے ہیں،اس بات سے بھی انکاری نہیں کہ ہمارے سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف بولتے ہیں، ہم اپنے اداروں کا احترام بھی نہیں کرتے۔مگر گیڈر بھبھکی دینے والو! یہ بات اپنے دماغ می اچھی طرح بسا لو کہ جب بھی تم نے پاکستان پر حملہ کرنا تو دور کی بات.بری نظر سے دیکھا تو یہی پاکستانی قوم جو مختلف حصوں بٹی ہوئی ہے اپنے ملک کے لیے ایک بند مٹھی کی طرح اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط کھڑی ہوگی۔یہی بند مٹھی جب گھونسا بن کر تمھارے منہ پر پڑا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔اے شیو سینا کے کارندوں یاد رکھنا کہ ہم اپنے ملک میں کیسے بھی رہیں مگر تمہیں سبق ایسا پڑھائیں گے کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔

ہندو بنئے ہماری طاقت سے غافل نہیں ہیں۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں۔ ہماری فوج کو اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی اندازہ ہے کہ کس وقت کس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ تمھارے تو ایک وزیر نے.برما میں کوئی کاروائی نہ کرتے ہوئے بھی گیڈر بھبھکی دی ڈالی مگر ہمارے سپہ سالار (آرمی چیف) نے اپنی قوم کو اسی وقت واضح پیغام دے دیا کہ اے پاکستانیوں تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بھارت کے لیے تو میں ہی کافی ہوں۔ جس کے جواب میں بھارتی فوج نے بھی اصلیت سامنے رکھتے ہوئے اپنے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ پاکستان کو.برما نہ سمجھا جائے۔

ہمارے وزیر داخلہ، وزیر خارجہ نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ ''بھارت کو منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ ہمارے آرمی چیف کے بیان نے بھارت کی نیندیں اڑا دیں۔ دنیا مودی کو اپنی اوقات کا پتہ چل گیا ہوگا کیونکہ اگر (Most Wanted) کے نمبر 2 اشتہاری بھارت خطے میں امن کا خواہاں ہے اور اپنی خیر چاہتا ہے تو پھر اپنی اوقات سے باہر نہ نکلے۔ بھارت کی بھول ہے کہ وہ اسطرح کی حرکت کرکے پاکستان پر اپنی دھاک بٹھالے گا۔ پاکستان کا بچہ بچہ اپنے دھرتی کی حفاظت کرنا جانتا ہے اور بھارت بھی بخوبی جانتا کہ ہمارے کس میزائل پر کونسا ملک نشانے پر ہے۔

اے ہندوں بنیو! ذرا ہوش میں آؤ۔ ہماری پاکستانی فوج کے سامنے تمھاری دگنی فوج کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم تمھیں ایسا سبق دیں گے کہ ساری زندگی تم اور تمھاری آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی۔ ہماری دھرتی کے محافظ جن پر ہمیں ناز ہے اور ہماری عوام اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تمھاری اینٹ سے اینٹ بجادے گی۔ کیا وہ وقت تمھیں یاد نہیں پنگا No! جب تم اسلحہ چھوڑ کر دوڑ پڑے تھے۔ ہم اب بھی ان کو اتنا کہیں گے کہ بھارتیو You اے چنگا فار Not

رمضان میرے لیے ہے

رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالی اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اوراس ماہ میں اللہ تعالی نیکیوں کی سیل لگا دیتے ہیں۔اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ اس سیل سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟اگر دنیاوی چیز کی سیل لگ جائے تو ہر شخص اس طرف بھاگتا ہے اور ادھر سے ایک چیز کے بجائے کئی کئی چیزیں لے لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا مہمان اور اللہ کا محبوب مہینہ جس میں اللہ تعالی خود مسلمان کواجرو ثواب دیتے ہیں اس سے کون کون فائدہ اٹھاتا ہے؟

ماہ رمضان کا بابرکت مہینہ ایک بار پھر آنے والا ہے اور دنیاکے کسی بھی گوشہ میں جہاں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ کسی بھی ملک و مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ہر جگہ اور ہر طرف ان پر سعادت و برکت کی رحمت کا نزول شروع ہوجاتا ہے ۔روزے کے ساتھ قیام ، رکوع و سجود ،دعاؤں مناجات اورتلاوت قرآن پاک کے عملیات شروع ہوجاتے ہیں۔اس ماہ مبارک کی آمد کا یہی وہ مبارک دن تھاجب تقریبا" پندرہ سو سال قبل مسجد نبوی کے منبر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ خوش خبری سنائی تھی۔

لوگو ! خدا کا مہینہ برکت و رحمت اور مغفرت کے ساتھ تمہاری طرف آ رہا ہے وہ "
مہینہ جو خدا کے نزدیک بہترین مہینہ ہے جس کے ایام بہترین ایام جس کی راتیں بہترین
راتیں ہیں اور جس کی گھڑیاں بہترین گھڑیاں ہیں ، (اس مہینہ میں) تمہاری سانسیں
ذکر خدا میں پڑھی جانے والی تسبیح کا ثواب رکھتی ہیں تمہاری نیندیں عبادت ، اعمال
مقبول اور دعائیں مستجاب ہیں اپنے پروردگار کے سامنے سچی نیتوں اور پاکیزہ دلوں کے
ساتھ روزہ رکھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے وہ شخص
بڑا بدقسمت ہے جو اس عظیم مہینے میں خدا کی ان برکات سے بہرہ مند نہ ہوسکے"۔
اس مہینے کی بھوک اور پیاس کے ذریعے روز قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو ،
غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو بڑے کا احترام کرو اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش
آؤ ، زبان سے نامناسب باتیں کا پرہیز کرو، کان سے ناروا آوازیں سننے اور نگاہ ناجائز
چیزیں دیکھنے سے محفوظ رکھو ، یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، گناہوں سے توبہ و
استغفار کرو کیونکہ آخر سب انسان کو خدا کے پاس پلٹ کر واپس جانا ہے۔
رمضان المبارک میں نیکی کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ مومن انسان کے لئے
بھلائی کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی بابرکت مہینہ میں قرآنِ مجید

نازل ہوا۔ اس کا پہلا حصہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔" اسی ماہ کی پانچ خصوصیات کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے پانچ خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میری اُمت کو رمضان المبارک میں پانچ ایسی خصوصیات دی گئی ہیں جو پہلی کسی بھی امت کے حصہ میں نہیں آئیں:

☆ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔

☆ روز داروں کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ روزہ افطار کرلیں۔

☆ اللہ تعالیٰ روزانہ جنت کو مزین کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "میرے نیک بندوں سے عنقریب آزمائش ختم ہوگی اور وہ تیرے اندر داخل ہوں گے۔"

☆ شیاطین کو بند کردیا جاتا ہے، وہ عام دنوں کی طرح لوگوں کو گمراہ نہیں کرسکتے۔

☆ رات کے آخری پہر لوگوں کی بخشش کی جاتی ہے۔

روزہ ایک قدیم ترین عبادت ہے اور خدا نے کسی بھی اپنی امت کو اس نیکیوں بھری عبادت سے محروم نہیں رکھا ہے۔

روزہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کا وسیلہ ہے۔. روزہ حرام کردہ اشیاء کو ترک کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی کے حرام کردہ کاموں میں روزہ بچاؤ کا سبب بنتا ہے۔ روزہ، مساکین پر رحمت، مہربانی اور نرمی کرنے کا باعث ہے۔ اس لیے کہ جب روزہ دار کچھ وقت کے لیے بھوکا رہتا ہے تو پھر اسے اُس شخص کی حالت یاد آ جاتی ہے جسے ہر وقت ہی کھانا نصیب نہ ہوتا، تو وہ اس پر مہربانی اور رحم اور احسان کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، تو روزے کی بنا پر اس کی یہ گردش والی جگہیں تنگ پڑ جاتی ہیں جس سے وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں شیطان کا نفوذ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اللہ تعالی لاتعداد لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کردیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اگرچہ پورے رمضان میں ہی نیک اعمال کی مکمل کوشش کرنا چاہیے مگر آخری دس دنوں میں خصوصی طور پر اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اتنی عبادت کرتے تھے کہ اس طرح کسی اور دنوں میں نہیں کرتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ اآخری عشرہ میں راتوں

کو جاگتے اور عبادتِ الٰہی کے لئے کمر باندھ لیتے اور اہل خانہ کو بھی جگا لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انتہائی مختصر وقت کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ عنقریب ہی ہم خالق حقیقی کے حضور کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینے والے ہیں اس لئے ماہِ رمضان کے لئے مناسب تیاری کریں اور پورا مہینے میں بھرپور کوشش کرکے مالکِ ارض وسما کو خوش کرلیں۔

مسلمانو! اب پھر رمضان آپ کے در پر پہنچنے والا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ مسلمان جو اس ماہ کو پائے اور اس میں اپنے رب کو راضی نہ کرسکے۔ آؤ آج، ابھی، اسی وقت عہد کریں کہ ہم اس بابرکت ماہ میں خوب عبادت کریں گے، اپنے گناہوں کی بخشش کریں گے اور اپنے ملک وملت کے لیے خصوصی دعائیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں ان کی حفاظت فرمائے اور جو مسلمان آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں ان کو کامیاب وکامرانی نصیب کرے۔ آمین

باپ کی عظمت کو سلام

آج تک میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ زیادہ تر لوگ ماں کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور باپ کا کوئی نام نہیں لیتا جہاں ماں کے قدموں تلے اللہ نے جنت رکھی ہے وہاں باپ کو جنت کا دروازہ بھی بنایا ہے اور آپ سب جانتے ہیں جب تک دروازہ نہ کھلے آپ گھر میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ جہاں ماں کی اہمیت ہے وہاں "باپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ماں کا" باپ کا سب سے بڑا حق جو ہم آپ کوئی بھی کبھی بھی نہیں چکا سکتے وہ یہ کہ جب ہم آپ چھوٹے بچے ہوا کرتے تھے تب وہ دھوپ گرمی میں ہمارے لئے روزی کما کر لاتا اور ہم جو چیز مانگتے وہ پورا کرتا۔

ہماری روز بار روز نوجوان نسل خراب ہو رہی ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی جوان ایسے ہوتے ہیں جو شادی کے بعد ماں باپ کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں وہ اپنی بیوی کے حکم پر ماں اور باپ دنوں کو گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ایس لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس اکیلے باپ نے ان سب کو پال پوس کر بڑا کیا حتیٰ کہ ان کی شادی کی ۔ کیا یہ شادی اس دن کے لیے کی تھی کہ جب بہو گھر میں آئے گی تو ان کو (ساس سسر) گھر سے نکال کر باہر کھڑا کر دے۔ کتنے افسوس کی بات

ہے کہ ایک باپ چار بچوں کو پال سکتا ہے مگر چار بچے ایک ماں باپ کو پال نہیں سکتے ۔ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں وہ کل کو ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رکھیں اگر ہمارے والدین ہم سے ناراض ہو کر اس دنیا سے کوچ کر گئے تو ہم دنیا میں تو ذلیل ہونگے ہی مگر آخرت بھی نہیں ملیگی .اس لئے اپنے والدین کی قدر کریں . بیویاں دوست سب کچھ مل جاتے ہیں لیکن والدین دوبارہ نہیں ملیگے۔

انگریز ویسے تو کوئی نہ کوئی دن کسی نہ کسی نام سے مناتے رہتے ہیں، کبھی محبت کا عالمی دن تو کبھی درختوں کا عالمی دن، کبھی دریاؤں کا اور کبھی سمندروں کا۔ابھی پچھلے دنوں ماں کا عالمی دن منایا گیا اور اب 21 جون کو باپ کا عالمی دن منایا جارہا ہے۔ انگریزوں کے لیے یا غیر مسلموں کے لیے یہ دن منانا شاید اچھا ہو کیونکہ اس دن کے بہانے وہ لوگ ایک دن کے لیے اپنے ماں باپ سے دو میٹھے الفاظ بول لیتے ہیں اور انکے ساتھ ایک دن گزار لیتے ہیں۔ ویسے تو یہ لوگ والدین کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے ان کے لیے علیحدہ اولڈ ہاؤس بنائے ہوتے ہیں جہاں پر بوڑھے لوگوں کو رکھا جاتا ہے مگر مسلمان کیا سوچ کر یہ دن مناتے ہیں؟اسلام نے تو ماں باپ کے بارے میں جو حکم دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے۔

وقضی ربکالا تعبدواالا ایاہ وبالوالدین احسانا۔

تیرے پروردگار کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔

ایک جگہ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔اناشکرلی ولوالدیک الی المصیر۔

میرا اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ تمہاری بازگشت میری طرف ہے"۔"

اسلام تو بوڑھے والدین کو گھر نکالنا تو دور ان سے اُف تک نہ بولنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر ہمارے لیے تو ہر دن ماں باپ سے محبت کا دن ہوتا ہے۔

ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم انگریزوں کی نقل بہت جلد کرتے ہیں۔ان کا منایا جانے والا دن بغیر سوچ سمجھے ہم بھی منانا شروع کردیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس کا اسلام پر کیا اثر پڑے گا؟ماں یا باپ کا عالمی دن کوئی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں ہوا بلکہ یہ انگریزوں کی ایجاد ہے۔

امریکہ میں بیسویں صدی کے اوائل میں ماؤں کے عالمی دن کی کامیابی کے بعد والد کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے اس یوم کو منانے کا سلسلہ شروع ہوا تاہم اس کو عالمی سطح پر مقبولیت 1966ء میں اس وقت ملنا شروع ہوئی جب امریکی صدر لنڈن جونسن نے جون کے تیسرے اتوار کو فادر ڈے قرار دیا جبکہ 1972ء میں اسے امریکی قومی تعطیل قرار دیا گیا جس کے بعد سے ہر برس جون کا

تیسرا اتوار دنیا کے اٹھاون ممالک میں فادرز ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔
اگرچہ اس موقع پر والد کے ساتھ الفت و محبت اور ان کی خدمت کے جذبے کو بڑھانے کے عزم کو بھی دہرایا جاتا ہے۔ لیکن جتنے جوش و خروش سے دنیا بھر میں مدرز ڈے منایا جاتا ہے،اور جس شدت سے بچے ماں کے دن کا انتظار کرتے ہیں اور جیسے تحائف اس دن اولاد کی جانب سے والدہ کو ملتے ہیں وہ انتظار، ویسا جوش و خروش اور اُس طرح کے تحائف بہت کم باپوں کے حصے میں آتے ہیں، اس میں بھی بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں زیادہ محبت کا اظہار کرکے اس دن کو مناتی ہیں۔
ماں ہو یا باپ اسلام میں دونوں کا درجہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک الگ فطرت ہے کہ بیٹیاں باپ کو اور بیٹے ماں کو زیادہ پیار کرتے ہیں۔ انسان اپنے والد اور والدہ کی جتنی عزت کرتا ہے اسی نسبت سے وہ عزت اُس کے خالق کی عزت بھی شمار ہوتی ہے۔ جو شخص اُن کی عزت نہیں کرتا وہ گویا اللہ (جل جلالہٗ) کی بھی عزت اور احترام نہیں کرتا۔جو لوگ والدین کی قدر سے آگاہ ہیں اور انہیں حق تعالیٰ کی رحمت تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سب سے زیادہ خوش قسمت انسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔اور جو لوگ اُن کی دل آزاری کرکے اُن کی زندگیوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں وہ

ایسے بدبخت انسان ہیں جنہیں دربدر اور ذلیل ہونے کے لیے نامزد کیا جا چکا ہے۔
دعا ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت کرنے کی توفیق دے اور جن لوگوں کے ماں باپ دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

گرمی، لوڈشیڈنگ، رمضان، مسلمانوں کا ہے امتحان

امت مسلمہ کو مبارک ہو کہ ان کی زندگی میں ایک بار پھر ماہ صیام آگیا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کا شدت سے انتظار کرتے ہیں اور پھر بھرپور اہتمام کیساتھ روزے رکھتے ہیں۔بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کو اپنی زندگی میں پاتے تو ضرور ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ان کے نصیب میں نہ روزے ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس ماہ میں نیکیوں کی سیل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بلکہ اپنے لیے جہنم کی آگ مزیدبڑھاتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لیے خوشی کا مہینہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ ''ریان'' ہے جس میں سے صرف روزہ دار داخل ہونگے۔انسان ہی نہیں اس ماہ ہر جاندار، فرشتے اور جنات سب اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ وہ ان نیکیوں کے بہتے ہوئے سمندر میں نہا کر اپنی آخرت کو جہنم کی آگ سے بچالیں اور اپنے رب کو راضی کرکے جنت کے حقدار بن جائیں۔رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اور اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نیکیوں کا پہاڑ کھڑا کرا دیتے ہیں۔ اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ ان نیکیوں کے پہاڑ سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟

رمضان میں شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے مگر اس کے چیلے شائد کھلے رہتے ہیں۔ دنیا میں جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اس مہینے میں خصوصی رعایت دیتے ہیں مگر افسوس ایک ہمارا ملک ہے جہاں رمضان شروع ہوتے ہیں ہر چیز کی قلت پیدا کر دی جاتی ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء سے لیکر بجلی کی فراہمی تک نایاب ہو جاتی ہے۔ رمضان سے ایک دن پہلے شیڈول کے مطابق لوڈشیڈنگ ہو رہی ہوتی ہے مگر جیسے ہی روزہ دار نے پہلا روزہ رکھا اسی دن بجلی نے تو قسم کھالی آنے کی اور اگر آئی تو ایسے جیسے آٹے میں نمک۔

جہاں مسلمان اتنے ذوق و شوق سے روزے کا اہتمام کرتے ہیں ادھر لوڈشیڈنگ نے ان کے ارمانوں پر پانی پھیرا ہوا ہے۔ رمضان کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے حکومت پاکستان نے حکم صادر فرمایا تھا کہ رمضان المبارک میں لوڈشیڈنگ کم سے کم کی جائے اور سحر و افطار کے وقت تو بالکل بھی نہ کی جائے مگر ہمارے ملک میں یہ بات شروع سے چلی آ رہی ہے جس چیز سے منع کیا جائے وہ کام لازمی ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکومتی نمائندہ میڈیا پر آ کر یہ بول دے کہ فلاں کام نہیں ہوگا تو عوام کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کام ہر صورت ہونے والا ہے یا ہوگا۔ جس وقت یہ اعلان ہوا تو ہم سمجھ گئے کہ پچھلے دو سال کے رمضان کی طرح اس بار بھی

میاں صاحب کی حکومت میں بجلی کا بحران مسلمانوں پر شدت سے ڈھایا جائے گا۔یہاں تک کہ سحر وافطار اکثر اندھیرے میں ہی کرنا پڑیں گے۔سو وہ ہم کر رہے ہیں مگر حکومت اور واپڈا مزے میں ہے۔

میں نے ایک دو کالم حکومت کی اچھی کاوشوں پر لکھے تھے جس پر کچھ لوگوں کو اعتراض بھی تھا۔اب میرا حلقہ احباب اور قارئین مجھے سوشل میڈیا،ایس ایم ایس اور فون کال کے ذریعے ہر وقت مجھے احساس دلاتے ہیں کہ اب بھی لکھو میاں نواز شریف کے حق میں کالم۔اب لکھو کہ کہ لوڈشیڈنگ کا دورانیہ اور بڑھائیں کیوں کہ ابھی بھی ہم زندہ ہیں۔اور کرو میاں برادران کی تعریف تاکہ روزہ دار اگران کے لیے دعا نہ کرسکے تو کم از کم بددعا تو ضرور کریں۔

رات اتنی مختصر ہے کہ نماز تراویح پڑھتے ہوئے ساڑھے گیارہ بج جاتے ہیں اور پھر سحری کے لیے دو بجے اٹھنا پڑتا ہے۔اس طرح روزہ دار کی نیند پوری نہیں ہوتی اور اگر اب روزہ دار دن میں آرام کرنا چاہیے تو یہ لائٹ کم بخت نہیں کرنے دیتی۔بہت سے لوگوں کو لائٹ کا بہانہ بنا کر نماز پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کا سنا ہے۔وہ تو گناہ گار ہوں گے مگر اس میں کچھ حصہ حکمرانوں کا بھی ضروری ہوگا۔الیکشن کے دنوں میں ایک ہفتہ پورے ملک میں لائٹ فراہم کی جاسکتی ہے مگر اس بابرکت ماہ میں اور اتنی شدید گرمی کو دیکھتے ہوئے کیا

روزہ داروں کے لیے حکومت احساس نہیں کر سکتی؟

میاں صاحب آپ سے درخواست ہے کہ لوڈشیڈنگ پر تو آپ قابو نہیں پا سکتے کیونکہ آپ کے دور میں یہ تیسرا رمضان شریف آیا ہے اور ہر بار رمضان میں ہی عوام کو ذلیل و خوار کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کی حکومتی معیاد ختم ہو جائے مگر یہ لوڈشیڈنگ آپ ختم نہ کر سکیں۔ رمضان میں جس طرح دوسرے ممالک روزے داروں کا احترام کرتے ہیں اسی طرح آپ بھی زیادہ نہیں تھوڑا احترام کرلیں اور مہنگائی اور لوڈشیڈنگ پر ریلیف دے کر عوام کو مزید مرنے سے بچالیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ روزے میں لوڈشیڈنگ کی ستائی ہوئی عوام آپ کے خلاف اٹھ کھڑی ہو یا پھر کوئی دھرنے جیسا ماحول بن جائے۔ ہاں اگر آپ اپنی عوام کا کوئی فائدہ چاہتے ہیں تو پھر عوامی سہولت کے لیے شکایت سیل کے لیے مقامی آفیسرز کے موبائل نمبرز کے بجائے حکام بالا کے نمبرز مہیا کیے جائیں تاکہ ان کو بھی پتہ چل سکے کہ کس علاقے میں کس وقت لوڈشیڈنگ کی جا رہی ہے؟

منشیات کا دوسرا نام موت

دنیا بھر میں ہر سال 26 جون انسداد منشیات کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے، پاکستان سمیت ایشیا میں کروڑوں خاندان منشیات سے براہ راست متاثر ہو رہے ہیں۔ اس دن کو منانے کا مقصد منشیات کے استعمال کو روکنے کے لئے جامع حکمت عملی مرتب کرنا ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف پاکستان میں منشیات کی لعنت میں گرفتار افراد کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لیکن حکومت کے پاس اس حوالے سے کوئی ٹھوس اعداد و شمار نہیں۔ پاکستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد میں روز بروز اضافے کی بڑی وجہ معاشی ناہمواری کے علاوہ افغانستان میں پیدا ہونے والی منشیات اور ان کی بذریعہ پاکستان دنیا بھر میں سمگلنگ ہے۔

دنیا میں پانچ سو سے زائد ایسے مرکبات یا مفردات ہیں جنہیں بطور نشہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے معروف نام شراب، بھنگ، چرس، گانجا، افیون، سگریٹ، حقہ، کافی، قہوہ، کوکو، چائے اور افیون ہیں۔ اس وقت سب سے زیادہ جس چیز کا نشہ کیا جا رہا ہے وہ سگریٹ نوشی ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال 5.4 ملین افراد کی موت کی وجہ بالواسطہ یا بلا

واسطہ طور پر تمباکو نوشی ہی ہوتی ہے۔ ہر روز دنیا میں مرنے والے دس افراد میں سے ایک تمباکو نوشی کے باعث ہلاک ہوتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے صحت WHO کی رکن ریاستوں نے اس دن کی ابتدا 1987ء میں کی تھی۔ اس تمام عرصے میں مختلف ممالک میں تمباکو نوشی کے خلاف حوصلہ افزا اقدامات بھی اٹھائے گئے تاہم متعدد ممالک میں صورتحال اب بھی جوں کی توں ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے فریم ورک کنونشن آف ٹوبیکو کنٹرول کی منظور شدہ قرارداد کے تحت منایا جانے والا یہ دن مختلف ممالک کی حکومتوں کی توجہ عوامی مقامات پر تمباکو نوشی پر ممکنہ پابندی اور اس سے لاحق ہونے والی بیماریوں کے خلاف پیشگی اقدامات کے لیے توجہ مرکوز کرنے کا اعادہ کرتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں تمباکو نوشی کا استعمال کرنے والے افراد کی مجموعی تعداد ایک ارب سے زائد ہے۔ ادارے کے مطابق ہر سال تمباکو نوشی کرنے والے افراد کے ہمراہ رہنے والے چھ لاکھ افراد جو تمباکو نوش نہیں کرتے وہ بھی ہلاک ہوتے ہیں اور ان میں سے 28 فیصد تعداد بچوں کی ہے۔ آج سنگاپور میں دیگر ممالک کی نسبت سب سے کم لوگ یعنی تین فی صد آبادی تمباکو استعمال کرتی ہے۔ جبکہ عالمی تنظیم صحت کے مطابق روس میں تمباکو استعمال کرنے والوں کی تعداد انتہائی زیادہ ہے۔ تمباکو نوشی کرنے والے

ممالک میں یونان، سلووینیا، یوکرین، بلغاریہ، چیک جمہوریہ، مقدونیہ، روس، مالدووا، ہسپانیہ، بوسنیا و ہرزیگووینا سر فہرست ممالک ہیں۔ روس کی ایک تہائی بالغ آبادی تمباکو نوشی کی عادت میں مبتلا ہے۔ روس میں تمباکو نوشی سے مقابلے کے لیے ایک خصوصی منصوبہ تیار کیا جا چکا ہے جس کے مطابق ثقافتی اداروں، طبّی اداروں کے دفاتر، کھیلوں کے مراکز، ریل گاڑیوں اور طیاروں میں تمباکو نوشی پر پابندی عائد کی جائے گی۔ اس کے علاوہ سگریٹس پر عائد محصول میں اضافہ کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔

ماہرین کے مطابق پاکستان میں اٹھارہ سال سے زائد عمر کے بیس فی صد افراد تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ پاکستان میں تمباکو نوشی کا بڑھتا ہوا رجحان لوگوں کی بیماریوں میں شدید اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ تمباکو نوشی پر پابندیوں کے حوالے سے گرچہ ملک میں قوانین تو موجود ہیں لیکن ان پر عملدرآمد نہیں ہو رہا ہے۔ پاکستان میں تمباکو نوشی سگار، سگریٹ، بیڑی، پان، حقہ، نسوار، گٹکا اور شیشہ وغیرہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں قانونی طور پر ممانعت کے باوجود نوے فی صد دکاندار کم عمر بچون کو سگریٹ فروخت کر رہے ہیں۔ جبکہ بہت سے یورپی ممالک میں پبلک مقامات پر تمباکو نوشی منع ہے۔

ڈاکٹرز کے مطابق بہت سی مہلک بیماریوں کا باعث بننے والی تمباکو نوشی کو ترک کر کے بہت سے انسانوں کی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔ پاکستان میں پھیپھڑوں کے سرطان کے نوے فی صد مریضوں کی بیماری کی وجہ تمباکو نوشی ہوتی ہے۔ ایسے دو تہائی مریضوں کے مرض کی تشخیص عام طور پر اس وقت ہو پاتی ہے جب صورت حال بہت بگڑ چکی ہوتی ہے۔ تمباکو میں ہزاروں قسم کے کیمیکلز ہوتے ہیں ان میں چالیس سے ساٹھ کیمیائی مادے ایسے ہوتے ہیں جو مختلف قسم کے سرطان کا باعث بنتے ہیں۔ عام طور پر لوگ جہالت، سماجی تعلقات، فیشن یا ذہنی دباؤ کی وجہ سے سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ پاکستان میں عوامی مقامات پر سگریٹ نوشی منع ہے لیکن پھر بھی ہسپتالوں، دفتروں، وزرا کے کمروں، سیکرٹیریٹ، بسوں اور تعلیمی اداروں کے اندر کھلم کھلا تمباکو نوشی کی جاتی ہے اور قانون توڑنے والوں میں عام طور پر قانون کے محافظ بھی شامل ہوتے ہیں۔

بظاہر تو سگریٹ پیکٹوں پر لکھا ہوتا ہے "سگریٹ نوشی مضر صحت ہے" مگر اس کی فراہمی عام ہے۔ یہ باآسانی چھوٹے بڑے کی پہنچ میں ہوتی ہے۔ اس پر قابو پانے کے لیے درج ذیل اقدامات پر سختی سے عمل کرائے جائے۔ سگریٹوں پر عائد ٹیکسوں میں اضافہ کر کے، تمباکو نوشی کے خلاف باقاعدہ ابلاغی مہم چلا کر، تمباکو نوشی سے متعلقہ قوانین پر موثر عمل کر کے اور تمباکو نوش افراد کو نفسیاتی مدد فراہم کر کے ہی تمباکو نوشی کے رجحان میں کمی لائی جا سکتی ہے۔

اگر حکومت تمباکو نوشی پر کنٹرول کر لے تو پھر ہماری منشیات جیسی بیماری سے بھی جان چھوٹ سکتی ہے۔ نشے کی لعنت نے نوجوان نسل کو بہت زیادہ متاثر کیا ہوا ہے۔ایک نشئی پورے خاندان کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ وہ اپنے نشے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر چیز بیچنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر حکومت سنجیدہ ہو کر اور سختی سے تمباکو نوشی کی پابندی پر عمل کرائے تو ہمارا ملک اس سے بیماری سے کافی حد تک نجات پا سکتا ہے۔

رمضان "حضرت خدیجہ کی وفات کا دن 10"

دس رمضان المبارک کو تاریخ ایک تلخ اور ناگوار واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔آج کے دن دنیا سے ایک جانثار زوجہ اور مہربان ماں حضرت خدیجہ (س) کی وفات کا دن ہے۔آپ نے اسلام کے لئے بہت زیادہ زحمتیں برداشت کیں۔ مسلمانوں پر آپ کا بڑا احسان ہے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی پہلی بیوی تھیں جو کہ عرب اور اسلام کی نہایت با فضیلت خاتون تھیں۔آپ جاہلیت کے زمانے میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہ ، سخاوت ، حسن معاشرت ، ، صداقت اور شوہر کے نسبت وفا و محبت میں بے نظیر تھیں۔ اس زمانے میں آپ طاھرہ اور سیدالا نساء قریش کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ اور پھر اسلام میں جنت کی چار خواتین میں سے ایک قرار پائی اور آپ ہی کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کے سوا کوئی خاتون اس مقام کو نہ پہنچ سکی ہے۔

حضرت خدیجہ ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ سے پہلے ھند بن بناس تمیمی " ابوھالہ " اور اسکے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے نکاح میں تھی۔ دوسرے شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ کبری سلام اللہ علیہا نے اپنی درایت اور عقلمندی سے تجارت کو کافی فروغ دیا اور عرب کی امیر ترین عورت بن کر ابھریں اور

تجارت کے قافلوں کے قافلے شام وغیرہ بھیجا کرتی تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے چاچا حضرت ابو طالب کے کہنے پر حضرت خدیجہ (س) کے کاروبار میں شرکت کی اور حضرت خدیجہ (س) کو کافی منافع کما کردیا اور ان کے دل میں آنحضرت کے نسبت محبت پیدا ہوئی اور آخرکار دونوں کا آپس میں نکاح ہوا۔

حضرت خدیجہ کبری (س) کے پیغمبر اسلام (ص) سے چھے فرزند دو بیٹے قاسم اور عبداللہ جو کہ طیب اور طاھر کے نام سے معروف ہیں اور بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور حضرت فاطمہ زہراء تھے۔ ان فرزندان میں حضرت فاطمہ زہراء (س) بعثت کے بعد پیدا ہوئی اور وحی کی فضا میں آنکھیں کھولی ہیں۔

حضرت خدیجہ کبری (س) کو حضور اکرم ﷺ سے خاص محبت تھی اور جب آنحضرت مبعوث بہ رسالت ہوئے تو اپنا سارا سرمایہ آنحضرت کے اختیار میں دیا تاکہ اسلام کے کام آجائے۔ حضرت خدیجہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور اس راہ میں قریش کی طرف سے ڈھائے جانے والے مصائب تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کئے۔ جب تک زندہ تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے دل کا سکون تھی اور شعب ابی طالب میں جلاوطنی کے شدید ترین دور میں آنحضرت کا ساتھ نہ چھوڑا اور تمام وجود کے ساتھ انکی حمایت کرتی رہیں۔

پیغبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت خدیجہ (س) کے بارے میں فرمایا: خدا

کی قسم میرے پروردگار نے خدیجہ سے بہتر کسی کو نصیب نہ کیا کیونکہ جب لوگ کفر میں تھے اس نے مجھ پر ایمان لایا، جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے، وہ میری تصدیق کررہی تھی؛ جب لوگوں نے مجھے محروم کیا اس نے اپنا سارا سرمایہ میرے اختیار میں رکھا۔ خدا نے اسکے ذریعہ مجھے اولاد عطا کی جبکہ دوسری بیویوں سے یہ کچھ نصیب نہ ہوا۔

حضرت خدیجہ نے پینسٹھ برس کی عمر میں وفات ہوئی اس وقت آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پانچ برس کی تھیں۔ جب حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات ہوئی تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پریشان تھیں اور اپنے پدر بزرگوار کے گرد گریہ وزاری کے ساتھ چکر لگا کر اپنے والد سے ماں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں، حضرت فاطمہ اتنی زیادہ پریشان تھیں کہ جبرائیل پیغمبر اکرم (ص) پر نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے رسول فاطمہ کو سلام پہنچادیجئے اور کہہ دیجئے کہ آپ کی والدہ بہشت میں ہیں۔

حضرت خدیجہ کی قبر مکہ میں قبرستان حضرت ابوطالب میں ہے جس میں حضرت عبدالمطلب حضرت ابوطالب اور حضرت عبد مناف بھی دفن ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کم مدت میں دو عظیم حامی ابوطالب (ع) اور خدیجہ کبری (س) کو کھو بیٹھے اور اس وجہ سے کافی غمگین تھے۔ اور اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) نام دیا گیا۔

تیری پرواز سے جلتا ہے زمانہ

معدنی وسائل سے مالامال بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا اور اہم صوبہ ہے۔ جو پاکستان کے 44 فیصد رقبے پر مشتمل ہے۔ اس کی آبادی ایک اندازے کے مطابق 90 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔ اس کے شمال میں افغانستان، جنوب میں بحیرہ عرب، مشرق میں پنجاب اور مغرب میں ایران واقع ہے۔

آثار قدیمہ کی دریافتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوچستان میں پتھروں کے دور میں بھی آبادی تھی۔ پاکستان کا ساحلی علاقہ زیادہ تر بلوچستان پر مشتمل ہے۔ قیام پاکستان کے وقت یہ مشرقی بنگال، سندھ، پنجاب اور صوبہ خیبر پختون خواہ کی طرح برطانوی راج کا باقاعدہ حصہ نہیں تھا بلکہ 1947 تک بلوچستان، قلات، خاران، مکران اور لسبیلہ کی ریاستوں پر مشتمل تھا جن پر برطانوی نمائندے نگران تھا۔ قلات کی ریاست سب سے بڑی ریاست تھی اس کے حکمران خان آف قلات میر احمد یار خان نے قیام پاکستان سے دو روز قبل اپنی ریاست کی مکمل آزادی کا اعلان کیا۔

جب پاکستان قائم ہوا تو پاکستان نے ریاست قلات کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا جس

میں اس کی خود مختاری اور سالمیت کو تسلیم کیا گیا۔ تاہم قلات پارلیمان کے دونوں ا یوانوں نے 1947 میں آزادی کا دعوی کر دیا تھا اور احمد یار خان نے بعد میں تسلیم کیا کہ انہیں پاکستان کی طرف سے شمولیت کا مطالبہ تسلیم کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اس وقت سے صوبے میں کئی علیحدگی پسند گروپ پاکستانی حکومت کے خلاف مسلح تحریک چلا رہے ہیں۔ بلوچستان کے قوم پرستوں اور حکومت پاکستان کے درمیان بلوچستان ایک دیرینہ مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ 1947ء میں قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان کی فوج کو قلات ڈویژن میں اپنی چھاؤنی قائم کرنا پڑی کیونکہ قلات کے عوام نے خان آف قلات کے پاکستان سے الحاق کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بلوچستان میں سب سے پہلی تحریک پرنس کریم آغا خان نے 1948 میں شروع کی۔ آج بھی آغا خان فاؤنڈیشن مختلف منصوبوں کی صورت میں بلوچستان میں مصروف عمل ہے۔ 1963 سے لے کر 1969ء تک بلوچ رہنما شیر محمد بجارانی مری نے پاکستان کے خلاف گوریلا جدوجہد شروع کی جس کا احاطہ 45 ہزار مربع میل کے علاقے پر پھیل گیا بعد میں اس جدوجہد میں مینگل، مری اور بگٹی قبائل بھی شامل ہو گئے۔ مقصد محض بلوچستان کے علاقے سوئی سے دریافت ہونے والی گیس کے ذخائر سے ہونیوالی آمدنی میں شراکت تھی۔ گوریلا جدوجہد میں ریلوے ٹریکس تباہ کئے گئے اور وفاقی حکومت کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ 1969ء میں بلوچ شدت

پسندوں اور حکومت پاکستان کے درمیان فائر بندی کا معاہدہ عمل میں آگیا۔
1970ء میں جنرل یحییٰ خان نے بلوچستان کو پاکستان کا چوتھا صوبہ قرار دے دیا۔ بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی بلوچستان اور کے پی کے کی حکومتوں کو ختم کرکے مارشل لاء نافذ کردیا۔اس موقع پر نواب خیر بخش مری نے دوبارہ پاکستان کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کردیا جس میں مینگل قبائل بھی شریک ہو گئے۔حکومت پاکستان نے 1973ء میں ان قوم پرستوں اور شدت پسندوں کیخلاف فوجی آپریشن کا فیصلہ کیا اور جس میں بلوچ باشندوں کی خاصی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔
1977ء میں ضیاالحق کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پاکستان میں معاشی حالات بہتر ہوئے کیونکہ فوج نے حکومت سنبھال لی۔2001ء میں افغانستان پر حملے کے بعد خیبر پختوانخواہ اور فاٹا کے علاقے میں بے چینی پھیلی تو اسکے اثرات بلوچستان تک پہنچے۔
2005ء میں ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک اور تحریک چلائی گئی۔ نواب اکبر بگٹی اور بالاچ مری نے حکومت پاکستان کو پندرہ نکاتی مطالبہ پیش کردیا۔ مطالبات میں صوبے کے وسائل پر اختیارات اور فوجی چھاؤنیاں بند کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ایک مسلح جدوجہد میں پاکستانی فوج کے جنرل ضمیر ڈار اور بریگیڈئر نواز ہلاک ہو گئے جس کے بعد پاکستان آرمی نے بگٹی قبائل کے شدت پسندوں کے خلاف بھرپور آپریشن شروع کیا۔

2006ء میں بگٹی قبیلہ کے سربراہ اور بلوچستان کے سابق وزیراعلیٰ نواب محمد اکبر خان بگٹی کو ہلاک کر دیا گیا۔جب 2009ء میں چند بلوچ رہنماؤں کی لاشیں ایک سڑک پر پائی گئیں جو گولیوں سے چھلنی تھیں۔ بلوچوں کا خیال ہے اس قتل میں پاکستان کی فوج ملوث ہے۔ نواب اکبر بگٹی کے پوتے براہمداغ بگٹی نے بلوچستان کی آزادی کیلئے بھارت سے مسلح جدوجہد میں مدد مانگی۔

پی پی کے دور میں بلوچستان کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے گئے اسی لیے بلوچستان عوام میں احساس محرومی اور بڑھ گیا۔ اس کے بعد 2013 میں ن لیگ کی حکومت برسراقتدار آئی تو صوبہ بلوچستان میں ن لیگ نے نیشنل پارٹی اور دیگر جماعتوں سے ملکر حکومت بنائی اور وزیراعلیٰ کا تاج مالک بلوچ کے سر پر رکھا۔ اس کے بعد وفاقی اور صوبائی حکومت نے مل کر بلوچستان کے لیے ایک جامع پالیسی مرتب کی۔

حکومت پاکستان کے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے صوبہ بھر میں کاروائیاں کی اور کافی حد تک نہ صرف کامیابی حاصل کی بلکہ بھارت کا مکروہ چہرہ بھی بے نقاب کیا۔حکومتی اداروں کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت سب کے سامنے ہے جب فراری کیمپ میں وزیراعلیٰ بلوچستان کے سامنے علیحدگی پسند بلوچوں نے ہتھیار

ڈال دیے۔ وطن پاکستان کے دشمن عناصر بلوچستان کی بہتر ہوتی ہوئی صورتحال پر نا خوش ہیں۔ حکومت کے بلوچستان کے لیے اٹھائے گئے اقدامات سے بلوچ کافی خوش ہیں۔ حکومت پاکستان کی طرف سے گوادر پورٹ پر سرمایہ کاری کرنے سے بلوچوں میں کافی اعتماد بحال ہوا ہے۔ گوادر بندرگاہ کو ملک کے دیگر شہروں سے ملانے کے لیے بلوچستان میں سڑکوں کا جال بچھایا جارہا ہے۔ حکومت کی طرف سے ترقیاتی اقدام کرنے پر بلوچوں میں احساس محرومی کم ہوتا جارہا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بلوچ لبریشن فرنٹ اور تنظیم لشکر کے 100 سے زائد جنگجو نے نہ صرف ہتھیار ڈال دیے بلکہ پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی بلند کر دیے۔

میاں نواز شریف نے ذاتی طور پر بلوچستان مسائل حل کرنے اور اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کرنے لیے قدم اٹھائے ہیں۔ میاں صاحب نے بلوچستان اسمبلی کے ممبرز کو ترقیاتی کاموں کے متعلق بتایا کہ گوادر کو وسطی اشیا کے ساتھ ملانے کے لیے موٹروے تعمیر ہو رہی ہے۔ جس کا چھ سو پچاس کلومیٹر کا گوادر سے چمن کا حصہ 2016 میں مکمل ہو جائے گا۔ پشاور سے طورخم اور جلال آباد موٹروے زیر تعمیر ہے۔ کوئٹہ کو باقی پاکستانی شہروں سے سڑکوں کے ذریعے جوڑا جائے گا۔ موجودہ حکومت کو جہاں دہشت گردی کے خاتمہ لیے سخت سے سخت اقدام کرنا پڑ رہے ہیں ادھر بلوچستان میں ترقیاتی کاموں کے ذریعے ان زخموں پر مرہم رکھنے کا کام

بھی جاری ہے تاکہ ان کو بھی قومی دھارے میں شامل ہونے کا احساس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اب بلوچستان کے حالات روز بروز بہتر ہوتے جا رہے ہیں۔

اعتکاف" محبت خداوندی"

اللہ تعالیٰ نے تین اقسام کی مخلوق پیدا کی ہیں۔نوری، ناری اور خاکی یعنی فرشتے، جن اورانسان ۔ خاکی ہونے کے باوجود انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے اور اس کے جسم کو مٹی سے بنایا گیاجب کہ روح امر ربی ہے جو آسمان سے آیا ہے۔ جسم کی ضروریات کا تمام سامان زمین سے لیا گیا۔ تمام تر اناج غلّہ پھل اور پھول زمین سے اگائے جبکہ روح کی غذا کا اہتمام آسمانوں سے ہوتا ہے۔ انسان سال کے گیارہ ماہ اپنی جسمانی ضرورتوں کو اس کائنات میں پیدا ہونے والی اشیاء سے پورا کرتے ہیں اور اپنے جسم کو تندرست و توانا رکھتے ہیں۔مگر روح کی غذائی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہمیں پورے سال میں ایک مہینہ ہی میسّر آتا ہے جو رمضان المبارک کا ہے۔جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے گئے تھے۔

اسی ماہِ میں قرآن کریم نازل ہوااور جس کے ذریعے انسانیت کو ہدایت ملی اور انسان کا ہدایت یافتہ ہونا ہی دراصل روح کی تندرستی ہے۔اس مہینے کو تربیت کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ سب ایک ہی وقت پر سحری کا خاتمہ کرکے نماز

پڑھنے کے ساتھ عبادات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔اور سورج غروب ہوتے ہی ایک وقت پر روزہ افطار کرتے ہیں۔اس ماہ میں صبر کی تربیت بھی دی جاتی ہے کہ بقیہ گیارہ مہینوں میں کس طرح صبر کیا جائے۔

رمضان المبارک رحمت کا مہینہ بھی ہے۔پورے سال میں مسلمان ارادی اور غیر ارادی طور پر گناہوں کے پہاڑ بنا لیتے ہیں لیکن جب رمضان میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تو پھر سارے مسلمان عشرہ رحمت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

ماہ رمضان کا دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے جس میں ہمیں اپنے ربِ کائنات سے مغفرت مانگنی چاہیئے کہ وہ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور گناہوں کو معاف کرے۔

تیسرا اور آخری عشرہ دوزخ سے نجات کا ہے جس میں نجات مانگنے والوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے دی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ گناہ کے خلاف ایک ڈھال ہے لہذا روزہ دار کو چاہیئے کہ وہ نہ تو فحش کلامی کرے اور نہ ہی جاہلوں جیسا کام ،اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اسے گالی دے تو اس کو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ایک اور حدیث کے مطابق رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے

ہیں اور شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ سارا سال جنت کو سجایا جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے ان گنت فضائل ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ قیامت کے دن روزہ دار جنت کے ایک دروازے ریان سے داخل ہونگے جس میں کوئی دوسرا داخل نہیں ہوسکے گا۔ آواز دی جائے گی کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے اُن کے سوا کوئی اور اس دروازے سے داخل نہیں ہوگا اور روزے داروں کے داخلے کے بعد اسے بند کردیا جائے گا۔

رمضان کے تیسرے اور آخری عشرے میں اعتکاف جیسی فضیلت بھی شامل ہے۔ اس عشرے میں مسلمان اعتکاف کرتے ہیں ۔ اعتکاف کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے انتہائی قریب ہوتے ہیں۔ اعتکاف کا مقصد اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا ہے۔ اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ یعنی بیسویں روزہ کے سورج غروب ہونے سے قبل کسی ایسی مسجد میں جہاں جماعت پنجگانہ کا اہتمام ہوتا ہو، نیت کرکے عید کا چاند نظر آنے تک مسجد میں رہنے والی ایک خاص عبادت کا نام ہے۔ جسے اعتکاف کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ ان ایام میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اس لئے ہر بستی میں کم از کم ایک آدمی کو ضرور اعتکاف میں بیٹھنا چاہیئے ورنہ تمام بستی ، شہر یا گاؤں گناہگار رہے۔

حدیث پاک میں اعتکاف کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے لئے نیکیاں اتنی لکھی جاتی ہیں جتنی کرنے والے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اعتکاف کا مقصد اللہ تعالی کی ذات پاک کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا ہے۔ انسان اپنے قلب کو دنیاوی چیزوں سے علیحدہ کرے اور اپنے نفس کو اپنے مولی کے سپرد کرکے اس کی چوکھٹ پر ندامت کے آنسوؤں اور بخشش کی طلب کے لئے گر پڑے۔ اعتکاف میں ہر وقت عبادت کی مشغولیت یعنی سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے عبادت شمار ہوتی ہے۔ اعتکاف سے جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا خوب موقع میسر آتا ہے اس لئے ہر وقت انتظار صلوۃ کا ثواب شمار ہوتا رہتا ہے۔

البتہ جو لوگ دیہات سے جمعہ پڑھنے کے لئے قصبات میں جمعہ والی بڑی مساجد میں آیا کرتے ہیں وہ اپنے گاؤں میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں۔ مگر وہ دوسرے شہر میں حالت اعتکاف میں نماز جمعہ ادا کے لئے نہ جائیں ضرورت طبعی اور شرعی کے بغیر مسجد اعتکاف سے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلنا بھی اعتکاف توڑ دیتا ہے۔ چاہے یہ نکلنا بھول کر ہی کیوں نہ ہو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اعتکاف میں بھول نہیں۔ اعتکاف میں فضول اور غیر ضروری باتیں نہ کرے ہر وقت تلاوت اور عبادت میں اپنے آپ کو مشغول رکھیں۔ ہر مسلمان کو عام دنوں میں جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو نیت اعتکاف کر لینا چاہیے تاکہ نماز پڑھنے کے

ثواب کے ساتھ ساتھ ایک اور عبادت کا مفت ثواب ملتا رہے اور مسجد کا تقدس بھی بحال رہے جو عموما بغیر نیت اعتکاف ہماری غیر ضروری باتوں سے مجروح ہوتا ہے جس سے ہم لوگ غافل ہیں اور سستی کر جاتے ہیں اور گناہگار ہوتے ہیں۔

عورت بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں نماز کی ادائیگی کی پہلے سے مقرر شدہ جگہ نہ ہو تو ایک جگہ مقرر کرکے اعتکاف کی نیت کرکے اعتکاف میں بیٹھ جائے۔ اللہ تعالی ہمیں رمضان المبارک کی ان با برکت اور رحمت کی گھڑیوں میں عمل صالح کی توفیق عنایت فرمائے۔ روزہ، تلاوت قرآن پاک، لیلتہ القدر، تراویح اور اعتکاف کی عبادات کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رحمت و شان کے مطابق ہم گناہگاروں کے صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرما کر اپنا خصوصی فضل و کرم نازل فرمائے (آمین)

شب قدر "تمام راتوں کی سردار رات"

رمضان المبارک کی راتوں میں ایک رات شب قدر کہلاتی ہے۔ جو بہت ہی برکت اور
خیر کی رات ہے۔قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا
ہے۔ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس
رات کی عبادت نصیب ہوجائے۔ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے
اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزاردیا۔حضرت انسؓ
سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر اللہ تعالٰی نے میری امت کو عطا فرمائی ہے
اس سے پہلی امتوں کو نہیں۔

اس کے بارے میں مختلف روایات ہے کہ اس انعام کا کیا سبب ہے بعض احادیث میں
وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت زیادہ ہوتی
ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک عمال میں ان کی
برابری کرنا چاہیں تو ناممکن ہے اس سے اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو رنج ہوا۔ اس کی
تلافی میں یہ رات رحمت ہوئی ۔ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں نصیب ہوجائیں تو
گویا اس نے آٹھ سو تینتیس برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ عبات میں گزار دیا۔ (سبحان
اللہ) کتنا بڑا انعام ہے مسلمانوں کے لیے کیا اب بھی ہم اپنے گناہوں کو بخشوا نہیں
سکتے۔ پورا سال ہم سو کر گزارتے ہیں صرف ایک رات جاگ کر

عبادت نہیں کر سکتے؟

یوں تو ہم اپنے دنیاوی کاموں اور ٹیلی ویژن کے سامنے نہ جانے کتنی راتیں گزارتے ہیں اور اپنے اعمال نامہ میں گناہوں کا اضافہ کرلیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس رات کو اپنے لیے خدا کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلیں اور عبادت میں گزاریں تاکہ ہمارے اعمال میں نیکیوں کا وزن بڑھ جائے اور سچے دل کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کریں تاکہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ وکبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر آپ کو یاد رہے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

ایک روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہمارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ ساری خیر سے محروم رہ گیا اور اسکی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے“ اس محرومی سے مراد جو اس قدر بڑی رحمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ایک ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات بھر جاگتا ہے اگر اسی (80) برس کی عبادت کی خاطر ایک رات جاگ لے تو کیا مشکل ہے؟ اصل میں انسان کے دل میں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اگر ذرا سا بھی خوف خدا کو دل میں لا کر عبادت کی جائے

اور سامنے انعام کو رکھا جائے تو ایک رات کیا سینکڑوں راتیں بھی جاگی جا سکتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث بالا کے مطابق شب قدر کو اکیسویں (21)، تئیسویں (23) ، پچیسویں (25) ، ستائیسویں (27) اور انتیسویں (29) راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت عبادہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس رات میں جاگے اور عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں اور جس شخص کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہیں اسکے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں“ اس رات کی علامتوں میں یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے۔ صاف شفاف نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں انوار کی کثرت کی وجہ سے چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے۔ نیز اسکی علامتوں میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد صبح کو

آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔

مشائخ نے کہا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتیٰ کہ درخت زمین پر گرجاتے ہیں۔ مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور لشفیہ سے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دعا مانگوں ؟ حضور اکرم ﷺ نے دعا بتلائی ۔ جس کا ترجمہ ہے ”اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے والے کو۔ پس معاف فرما دے مجھ سے بھی۔“

یہ صرف دعا دنیاوی نہیں بلکہ دنیاوآخرت کو مدنظر رکھ کر ایک نہایت جامع دعا ہے۔ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔اس رات دعاؤں میں مشغول رہنا اور نماز،تلاوت، مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہنا بہترین ہے۔

مگر آج کے مسلمانوں میں اسلام اور عبادت کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے وہ مسلمان جو پورا سال آرام سے نیند کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں کیا ایک رات خُدا کی مرضی سے اس عظیم ہستی کی عبادت میں گزار نہیں سکتے جس نے انسان کو

پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے مگر افسوس کے ہم اپنی پیدائش کا مقصد ہی بھول چکے ہیں۔ ہم نیند کو تو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کتنا بڑا خزانہ ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں۔ اس رات میں چاہے کتنا ہی گناہ گار شخص ہو اگر سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل وزبان سے توبہ کر لے تو اللہ اسکے تمام گناہ معاف فرمادے گا اور اس پر رحمتوں کا نزول ہوگا۔ شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف میں سے ایک تحفہ ہے۔

غریبوں کی مدد، فرض ہمارا

اسلام تمام مذاہب کا سردار مذہب ہے۔ اسلام نے دکھ اور سکھ میں انسانیت کی مدد کرنے کا درس دیا ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس کی بدولت مہاجر اور انصار بھائی بھائی بنے تھے۔ اسلام میں ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کی مدد کرنا فرض ہے جو اس سے باغی ہوگا قیامت کے اس کی اللہ کے ہاں سخت پکڑ ہوگی۔ دکھی انسانیت کی مدد کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ سعادت ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتی اور جسکے نصیب ہوتی ہے وہ اپنے لیے جنت میں گھر تعمیر کررہا ہوتا ہے۔ پاکستان میں کوئی بھی آفت آئے سیلاب ہو یا زلزلہ ،جنگ ہو یا دہشت گردی ایسے پریشان کن حالات میں لوگوں کو مدد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر دیکھا گیا بہت سے لوگ دور کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور رکچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کفن سر سے باندھ کر میدان میں نکل آتے ہیں۔ پریشانی اور غم کے موقع پر کسی کا ساتھ دینے پر اللہ تعالٰی بہت خوش ہوتے ہیں۔اللہ تعالٰی انسان کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔ کسی کو زیادہ مال و دولت دے دیتا ہے تو کسی کو تنگدستی میں رکھ کر۔ اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے رب کے اس متحان میں کس طرح کامیاب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر ایک

کے مال میں دوسرے کا حصہ رکھا ہوا ہے۔ امیر اور غریب دونوں کے مال میں حصہ ہوتا ہے فرق صرف استعمال کرنے کا ہے کہ وہ اس حق کو کس نظر سے استعمال کر رہا ہے۔ جو خدمت انسانی ہمدردی و تعاون اور دوسروں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں رضائے الٰہی کے لیے خرچ کر رہے ہیں تو ان پر آسمان سے رحمتوں اور برکتوں کی بارشیں برستی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے

”جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس چاہے بڑھا کر دے، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے“

اور اگر وہ دنیا کے لیے کر رہا ہے تو پھر اس کو دنیا میں بھی بڑے سخی کا نام مل جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ہی اپنا انعام پا لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کچھ نہیں۔

ویسے تو ہمارے ملک میں بہت سے لوگوں سمیت مختلف این جی اوز نے فلاحی کاموں کا علم بلند کیا ہوا ہے۔ جو ملک بھر میں دکھ کی گھڑی میں اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں کی مدد کرتی ہیں ”فلاح انسانیت فاؤنڈیشن“ ایک ایسی تنظیم کا نام ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہ برتی۔ اللہ کے فضل سے فلاح انسانیت فاؤنڈیشن بہبود انسانی اور رفاہ عامہ کے کئی ایک

منصوبہ جات کا آغاز کر چکی ہے۔ جس کی نمایاں خصوصیات کچھ یوں ہیں۔

اس فاؤنڈیشن نے العزیز ہسپتال مریدکے، خدیجۃ الکبریٰ ویلفیئر ہسپتال گوجرانوالہ، عائشہ ہسپتال حیدرآباد اور دی ماڈرن ہسپتال کراچی میں بنانے کے علاوہ اپنے محدود وسائل کے ساتھ پسماندہ علاقوں میں فلٹر کلینک، میڈیکل سنٹر اور فرسٹ ایڈ سنٹر قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ فری میڈیکل کیمپس، بلڈ ڈونر، ایمبولینس سروس، سیو ویژن جیسے پروجیکٹس پر کام کر رہی ہے۔

اس تنظیم نے میڈیکل کے ساتھ ساتھ واٹر پرجیکٹ بھی شروع کر رکھا ہے جہاں صاف پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فراہمی لباس و بستر پروگرام، افطار الصائم اور ریسکیو سروسز، تھرپارکر کے متاثرین کے لیے امداد جیسے پروگرامز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔ سیلاب زدگان کے لیے 2014 میں بہت محنت کی۔ فلاح انسانیت فاؤنڈیشن نے ریسکیو ٹیموں کو متحرک کیا، ماہر تیراک، غوطہ خور، بوٹ آپریٹر علاقوں میں متعین کیے، جو دن اور رات فرق کے بغیر لکڑی کے تختوں، ڈرموں، پلاسٹک کی بوتلوں اور سپیڈ بوٹس کی مدد سے طوفانی لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے چھتوں پر پناہ لیے ہوئے اور پانی میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالتے رہے۔ پانی کے سفر کے ساتھ ساتھ یہ ٹیمیں اپنی جگہ تبدیل کرتی رہیں۔ اس فلاحی تنظیم نے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا سے باہر بھی انسانیت کے ناطے

فلاحی کام کیے۔

ایسی تنظیموں کا انحصار مخیّر حضرات کی مدد پر ہوتا ہے جو ان کی وقتاً فوقتاً ڈونیشن دیتے رہتے ہیں۔ الحمداللہ رمضان کا مہینہ جارہاہے۔ اس ماہ میں ہر شخص صدقہ و فطر اور زکوۃ دیتا ہے۔ یہ صدقہ و خیرات برکت کشادگی اللہ کی رحمتوں اور اس کے وعدوں کی تکمیل کا سبب بن جاتا ہے۔ اور یہی وہ صاحب ایمان ہیں جن کے لیے فرشتے روز اترتے ہیں اور ان کے حق میں اللہ سے دعا گو ہوتے ہیں۔

تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر'' دے اور اُس کے لئے بہترین اجر ہے''۔[الحدید 11

مسلمان کو فرض بنتا ہے کہ وہ دکھ اور سکھ دونوں میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دے۔اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسے فلاحی کاموں میں مالی اور جسمانی حصہ لینے کی توفیق دے تاکہ ہم بھی اپنے رب العزت کے سامنے جاکر سرخرو ہو سکیں کہ ہم نے دنیا میں رہ کر تیری رضا کی خاطر، تیری خوشنودی کی خاطر اپنا فرض پورا کیا۔

سیلاب کے زیر عتاب لوگ

برسات کا موسم شروع ہوتے ہی پاکستان میں سیلابوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔جس سے ہر بار ملک بھر جانی نقصان کے ساتھ ساتھ کروڑوں روپوں کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ختم ہوتے ہی پاکستان میں مون سون بارشوں نے اپنا گھر بسا لیا۔ بارش پہلے رحمت اور بعد میں زحمت بن گئی ۔ بارشوں کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقوں میں برف پگھلنے سے دریاؤں میں طغیانی آ گئی دوسری طرف ہمارے ازلی دشمن بھارت نے بھی دریاؤں میں پانی چھوڑ دیا۔ اس وقت پاکستا ن میں ہر طرف سے سیلاب کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ پنجاب، سندھ اور گلگت میں سیلاب نے تباہی مچا ہوئی ہے۔ سیلاب نے ایک بار پھر عوام کو دربدری کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ قدرتی آفات کے باعث بہت سے افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد کا اندازہ لگانا ابھی ممکن نہیں۔ فصلیں تباہ اور بہت سے جانور سیلاب کی نظر ہو گئے۔

آپریشن ضرب عضب کی وجہ سے ہمارے ملک میں بہت سے لوگ زیر عتاب ہیں۔ ابھی ضرب عضب کے متاثرین کی بحالی کا کام مکمل نہیں ہوا اور اللہ تعالی نے ہمیں ایک اور آزمائش میں ڈال دیا۔ ہماری آزمائش تو جیسی ہو گی وہ تو ہے مگر ہمارے فوجی

بھائیوں کو اب ایک اور محاذ پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔پاکستان ویسے تو مسائلوں کی وجہ سے پہلے ہی مسائلستان بنا ہوا ہے مگر اب اس وقت ملک میں اہم ترین مسئلہ سیلاب کا ہے۔پاکستان میں ہر سال سیلاب آتا ہے اور اس میں ہم اپنا بہت زیادہ نقصان کراتے ہیں۔ جہاں حکومت کو اس سیلاب سے بچنے کے لیے اقدامات کرنے چاہییں وہاں ہم کو بھی اپنی مدد آپ کے تحت بھی کچھ کرنا چاہیے ناکہ آنکھیں بند کرکے سیلاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

میں نے بہت سے علاقوں میں سیلابی نہروں کو ختم کرکے زرعی رقبے میں شامل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ جو نہریں سیلاب کے لیے بنائی گئی تھیں ان کو لوگوں نے اپنے استعمال میں لے لیا ہے۔ یہی نہیں دریاؤوں کے قریب خشک جگہوں پر لوگوں نے نہ صرف کاشتکاری شروع کردی بلکہ اپنے رہائشی گھر بنالئے ہیں۔جب ہم لوگ سیلابی نہروں یا دریاؤوں پر اپنی موت کا سامان خود رکھ رہے ہیں تو اس میں حکومت یا انتظامیہ کا کیا قصور؟جب ہمارا دشمن دریاؤوں میں پانی چھوڑتا ہے تو وہ کبھی نہیں بتاتا کہ پانی کب اور کس وقت چھوڑا جائے گا؟جب پانی پاکستان میں داخل ہوجاتا ہے تو پھر حکومت اس پانی سے عوام کو بچانے کے لیے سیلابی نہروں کے ذریعے ادھر اُدھر کرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیلابی نہریں تو زرعی رقبے میں شامل ہوچکی ہیں۔جس کی وجہ سے پانی ان سیلابی نہروں کی بجائے دیہاتوں میں پھیل جاتا ہے۔ اصولاً تو جب کوئی زمیندار سیلابی

نہروں کو اپنی زمین میں شامل کرتا ہے تو ہمیں خود ان کو روکنا چاہیے مگر ہم لوگ اس وقت خاموش تماشائی بن جاتے ہیں اور پھر بعد میں سارا ملبہ انتظامیہ پر ڈال دیتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کے مطابق قدرتی آفات سے پہلے انتظامات پر جہاں ایک ڈالر خرچ آتا ہے، وہاں آفات کے بعد کئی ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قبل از آفات انتظامات نہ کرنے سے خرچہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور جانی نقصان اس کے علاوہ ہوتا ہے۔ مگر کیا کہنے ہماری حکومتوں کے۔ تاریخ گواہ ہے کے پاکستان میں ممکنہ خطرات کے پیش نظر کبھی بھی کوئی انتظامات دیکھنے کو نہیں ملے۔
ہمارے ملک میں ایک اور چیز بھی عام ہے، وہ ہے کچی آبادیاں، جس کو عوام اپنا حق سمجھتی ہے اور انتظامیہ بھی اس قسم کے تجاوزات کی جانب توجہ نہیں دیتی۔ میرے اپنے شہر سے گزرنے والی بی ایس لنک نہر کے کنارے عوام نے ناجائز قبضہ کرکے مکانات تعمیر کیے ہوئے ہیں۔ اگر اب خدانخواستہ پانی کی سطح اس نہر میں زیادہ ہوجائے اور کوئی جانی یا مالی نقصان ہوجائے اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ پھر وہی آلاپ رآگنا کہ حکومت نے کچھ نہیں کیا مگر خدارا پہلے یہ تو سوچئے کہ تم نے جو کام کیا ہوا ہے کیا وہ ٹھیک ہے؟

جہاں ہماری اپنی غلطیاں یا کمزوریاں ہیں وہاں حکومت بھی اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نہیں نبھارہی۔ تمام ترقی یافتہ ممالک میں ممکنہ خطرات کے پیش نظر پیشگی انتظامات کیے جاتے ہیں جبکہ ہمارے پاس پیشنگوئی کے باوجود کوئی انتظامات دیکھنے کو نہیں ملتے۔ سیلابی تباہ کاریوں کے بعد بجائے اس کے کہ کمزوریوں اور غلطیوں سے سبق سکھ کر مستقبل میں ایسی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے کوئی پالیسی بنائی جائے، ہمارے سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف الزامات کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔

جب تک ہمارے ملک میں قوانین سنجیدگی سے نہیں بنیں گے، اور ان پر عملدرآمد نہیں ہوگا، ہم ہر دفعہ ایسے ہی نقصانات کا سامنا کرتے رہیں گے۔ یاد رکھیں سیلاب متاثرین کو حکومت سے زیادہ ہماری ضرورت ہوتی ہے کیونکہ حکومت کی مدد سیلاب متاثرین کے لیے نا ہونے کے برابر ہے۔ مگر جو مدد ہم لوگ اپنی مدد آپ کے تحت بروقت کر سکتے ہیں وہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین

پاکستان میں بھارتی دلیش بھگت

رمضان کے وسط سے ذاتی مصروفیات کی وجہ سے دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا نہ ہونے کے برابر تھا۔ اچانک بڑے بھائی کا فون آیا کہ یار بچے گوجرانوالہ ''چڑے'' کھانے جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں تم بھی چلو۔ مسلسل بارش نے عام لوگوں کی طرح مجھے بھی دوڑیں لگوا رکھی تھیں لیکن میں نے فوری فیصلہ کرتے ہوئے سوچا کہ چلو اتوار ہے اور چھٹی بھی ہے ٹینشن ریلیز کریں اور انجوائے کر آتے ہیں۔ تین بجے کے قریب گھر سے نکلے اور تقریباً ساڑھے چار بجے کاموں کی حاجی ریاض کے '' وائز کالج'' پہنچے ۔ وہاں پر موجود امانت بٹ ، نعیم اور عبدالرشید نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں اپنے آفس میں براجمان کرایا۔ خاطر تواضع ابھی جاری تھی کہ میری نظر سامنے دیوار پر لگی ایل سی ڈی پر پڑی۔ جہاں پر الطاف حسین کی تقریر پر شور و شرابا جاری تھی۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ دو اگست کو الطاف حسین نے امریکا کے شہر ڈیلاس میں ایم کیو ایم کے سالانہ کنونشن سے ٹیلی فون پر خطاب کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کچھ یوں کہا کہ پاکستان کے لیے سب سے بڑا خطرہ دہشت گردی ہے۔ وزارت داخلہ نے جن تنظیموں پر پابندی لگائی وہ آج بھی سرگرم ہیں۔ انھوں نے مہاجر صوبہ بنا

نے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ بھارت خود بزدل اور ڈرپوک ملک ہے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو پاکستان کی سرزمین پر مہاجروں کا خون نہیں ہونے دیتے۔ الطاف حسین نے اپنے کارکنوں کو ہدایت کہ امریکی اخباروں کو خط لکھیں اور پاکستان کی اصل صورتحال سے آگاہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ کارکنان اقوام متحدہ، وائٹ ہاؤس اور نیٹو کے سامنے احتجاج کریں اور کراچی میں فوج بھیجنے کا مطالبہ کریں۔ الطاف حسین نے مزید کہا کہ ان پر منی لانڈرنگ کا الزام غلط ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی تقریر پر پابندی لگادی گئی تو آڈیو کیسٹ کے ذریعے ان کی تقریر ساتھیوں تک پہنچائی جائے اور اگر وہ مارے جائیں تو کارکنان تحریک جاری رکھیں اور ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو عزت کی زندگی دلائیں۔

جہاں ٹی وی پر الطاف حسین کی تقریر پر بحث و مباحثہ ہو رہا تھا ادھر دوسری طرف جہاں ہم اپنی باتوں میں محو تھے ادھر ہماری موضوع بھی یکسر تبدیل ہو کر ادھر ہو گیا۔ ہر شخص اپنی اپنی ذہانت کے مطابق اپنا اپنا تبصرہ کر رہا تھا۔ ان تبصروں میں مجھے اپنے ایک دوست کی بات بہت پسند آئی جو انہوں نے الطاف بھائی کے بارے میں کہی۔ بقول اس دوست کے الطاف بھائی جب تقریر کرتا ہے تو وہ ''ٹن'' ہوتا ہے اور وہ نشے میں بہت زیادہ حد سے گزر جاتا ہے اور اس کو نہیں پتا کہ وہ کیا بول رہا ہے مگر جب اس کا وہ نشہ اترتا ہے تو پھر فوراً ہاتھ جوڑ کر قوم سے اور اداروں سے معافی مانگ لیتا ہے۔

میرے اور دوسرے تجزیہ نگاروں کے مطابق الطاف حسین کی تقریر کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوئی۔ ہر بار الطاف حسین بازاری نہیں بلکہ ملک دشمنوں کی طرح زبان استعمال کرتے ہیں اور جب ان کی تقریر پر تنقید ہوتی ہے تو پھر خود ہی وہ اپنے آپ کو ملک کا سب سے بڑا خیر خواہ بھی ثابت کر دیتے ہیں۔ 2014 کے سے پاکستان کے حالات بہت زیادہ تبدیل ہو گئے ہیں۔ خاص کر جب سے دھرنا پروگرام ختم ہوا ہے اس کے بعد سے ملکی حالات میں کافی بہتری آئی ہے۔ پاکستان آرمی چیف ضرب عضب شروع کرکے دہشت گردوں اور ملک دشمن عناصر کا قلعہ قمع کر دیا ہے۔ کراچی جہاں ذرا ذرا سی بات پر ہنگامے اور ہڑتال ہو جاتی تھی اب رینجر نے آرمی چیف کی مدد سے کافی کنٹرول کر لیا ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ الطاف حسین کو پاکستان کا امن منظور نہیں۔ وہ برطانیہ میں بیٹھ کر سمجھ رہے ہیں کہ اب بھی وہی وقت ہے جب الطاف حسین کے منہ سے الفاظ نکلتے اور کراچی کا امن تباہ و برباد کرکے رکھ دیا جاتا تھا۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ سو سال بعد کوڑی کی بھی سنی جاتی ہے۔ اور اب تو ہماری فوج جس نے پاکستان کو امن کا گہوارہ بنانے کا علم بلند کر رکھا ہے اس کے سامنے انڈیا سمیت جو بھی غدار وطن سامنے آئے گا اس کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیا جائے گا۔

الطاف حسین کی تقریر کی طرح ایک بار کسی اور نے بھی بھارتی ٹینکوں پر بیٹھ

کر پاکستان آنے کا خواب دیکھا تھا مگر اس کی یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ ہم پاکستانی عوام آپس میں جتنا مرضی لڑ مڑ لیں مگر غدار وطن اور بھارت کے لیے ہم سب ایک بند مٹھی کی طرح ہیں۔ ہمارے سیاستدان آپس میں جتنی مرضی ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ لیں مگر جو سیاستدان ہمارے ازلی دشمن کی جھولی میں بیٹھ کر ہمیں دھمکیاں دے گا وہ پھر پاکستان تو کیا پاکستان کی سرحد پر اپنی میت بھی نہیں لا سکتا۔

آج ہمارے حکمرانوں سمیت تمام سیاستدان الطاف حسین کی اس تقریر پر تنقید کر رہے ہیں۔ کوئی غدار بول رہا ہے تو کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ انڈیا کی زبان بول رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہر بار کی طرح چند سیاستدان میڈیا پر آ کر الطاف پر تنقید کر کے پھر سو جائیں گے۔ ہمارے سیاستدانوں میں ملی یگانگت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمارے معزز ترین ادارے کو برا بھلا کہتا ہے، کبھی انڈیا کو مداخلت کرنے کا پیغام دیتا ہے تو کبھی نیٹو کو بلاتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو ہم پاکستانی شہری کا درجہ دے سکتے ہیں؟ کیا اس کو پاکستان میں سیاست کرنے کا حق دیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ ہمارے ملک میں حکمرانی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

پاکستانی عوام حکومت پاکستان اور بالخصوص آرمی چیف سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس

قسم کی بے ہودہ تقریر نشر کرنے پر تمام چینلز پر پابندی لگائی جائے اور الطاف حسین کی کسی بھی سرگرمی کا میڈیا پر تذکرہ نہ کیا جائے۔ الطاف کے خلاف جتنے حالیہ مقدمات پاکستان کے تھانوں میں درج ہو چکے ہیں ان سب کو یکجا کرکے عدالت عظمیٰ اس کو پاکستان لانے کا حکم صادر کرے۔حکومت.برطانوی حکومت سے دوٹوک الفاظ میں بات کرے اور اس کو بتائے کہ وہ اپنے ملک کے باشندے کو پاکستان میں مداخلت سے باز رکھے۔

مجھے اپنے میڈیا کے دوستوں سے بھی عرض کرنا ہے کہ خدارا اسلام اور ملک دشمن عناصر کو بالکل کوریج نے دیں اگر خبر نشر بھی ہو جائے تو اللہ کا واسطہ ان پر مباحثہ نہ کروائیں ۔حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کریں۔ کسی بھی بکاؤ اور غدار پر بات کرکے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

قصور، غیرت کا جنازہ

دنیا میں جہاں بن بیاہی مائیں عام ہوں اور ہم جنس پرستی کا پرچار ہو تو ایسے میں پاکستان بھی اس بے حیائی کی لپیٹ میں مکمل طور پر آیا ہوا ہے۔اس بے حیائی کو پھیلانے میں جہاں غیر ملکی امداد اور این جی اوز سمیت گورنمنٹ کا کردار ہے اس سے کہیں زیادہ ہمارا اپنا کردار ہے۔ ہر بات کا الزام صرف حکومت یا انتظامیہ کو ٹھہرانا اچھا نہیں ہوتا ۔ اس وقت شہر سے دیہاتوں تک کیبل نیٹ ورک کا بول بالا ہے۔ جب سے یہ نیٹ ورک دیہاتوں میں پہنچا ہے اس نے تو ہر طرف بے حیائی کی اندھیر مچا رکھی ہے۔ ہر وقت کیبل پر فحش ڈرامے ، بے ہودہ فلمیں اور مجرے کے نام پر سر عام گند پھیلایا جارہا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی اب تو ہر چینل نے مارننگ شو کے نام سے ایسا پروگرام شروع کیا ہے کہ جس کی گفتگو سن کر انسان کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ یہ شو فیملی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور تو اور رمضان میں یہی لوگ دین سمجھانے آ جاتے ہیں۔ شائد کچھ لوگوں کو ایسی گفتگو اچھی لگتی ہو مگر معاشرے اور بالخصوص مسلمان ملک ہونے کے ناطے ہمیں زیب نہیں دیتی۔

اس میں ایک اہم رول ہمارے سیلولر نیٹ ورک کا بھی ہے جس نے مختلف پیکج شروع

کرکے پوری قوم کو غلط ڈگر پر ڈال دیا۔ نو عمر بچے بچیوں سے لے کر بڑے لوگ تک پیکج لگا کے گھنٹوں مصروف رہتے ہیں۔ غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے جاری اعدو د شمار کے مطابق پاکستان میں پولیس کی مایوس کن کارد گی جہاں دوسرے جرائم میں اضافے کا سبب بن رہی ہے وہاں بچوں سے جنسی زیادتی کے واقعات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک بھر میں روزانہ بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ جنسی تشدد کے واقعات پنجاب اور سندھ میں ہوئے۔

مجھے قلم اٹھانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ آج کل پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ضلع قصور کا نام گردش کر رہا ہے۔ اگر یہ نام کسی اچھائی کی وجہ سے ہوتا تو میرا بھی سر فخر سے بلند ہوتا کیونکہ میرا تعلق بھی اسی ضلع سے ہے مگر افسوس، دلی دکھ اور شرمندگی کا باعث میرے لیے بھی اتنا ہے جتنا ضلع کے دوسرے لوگوں کے لیے۔ جس وقت یہ نیوز بریک ہوئی اس واقعے کو روزمرہ معمول کے مطابق سمجھ کر اگنور کر دیا گیا مگر کسی کو کیا پتہ تھا کہ یہ واقع مسلمان ہونے کے ناطے تمام پاکستانیوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام پیدا کر دے گا۔ سانحہ پشاور پر تو ہم سب خون کے آنسو رو رہے تھے مگر اس واقعے کے بعد قصور کے لوگوں کی زبانوں پر تالے لگانے کی کوشش کی گئی۔

واقع کچھ یوں ہے کہ قصور کے نواحی گاؤں حسین خاں والا میں بچوں سے زیادتی

کے متعدد واقعات سامنے آنے پر متاثرہ بچوں کے لواحقین اور اہل علاقہ میں شدید اشتعال پیدا ہوگیا۔ چار اگست کو بچوں کے لواحقین کی جانب سے بچوں سے جنسی تشدد کے واقعات کیخلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ متاثرین ٹولیوں کے صورت میں پل دولے والا کے قریب جمع ہو گئے جہاں پولیس اور مظاہرین کا آمنا سامنا ہوگیا۔ جھڑپ کے دوران پولیس کے دو ڈی ایس پی، تین ایس ایچ اوز اور سترہ اہلکاروں سمیت اکتیس افراد زخمی ہوگئے۔ متاثرین کا کہنا تھا کہ پولیس ملزمان کے ساتھ ملی بھگت کرکے کیس کو کمزور کر رہی ہے۔ ڈی سی او، ڈی پی او اور دیگر نے مظاہرین کے نمائندوں سے مذاکرات کئے جس میں ایس ایچ او گنڈا سنگھ کو فوری طور پر معطل کرنے اور مقدمات میں نامزد ملزمان کے خلاف موثر کارروائی اور میرٹ پر تفتیش کرنے کے معاہدہ پر مظاہرین پرامن منتشر ہوگئے۔

میڈیا نے جب اس واقع کو عوام کے سامنے رکھا تو پھر پتہ چلا کہ بچوں سے جنسی تشدد کے واقعات پچھلے کئی سال سے ہورہے ہیں مگر والدین اپنی بدنامی کے ڈر سے زبان نہیں کھول رہے تھے۔ حسین خانوالہ میں سکول جانیوالی لڑکیوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ گینگ بچوں کے گھر والوں کو بلیک میل کرکے بھتہ بھی وصول کرتا رہا۔ متاثرین میں سے ایک والد نے بتایا کہ اپنے چودہ سالہ بیٹے کی ویڈیو کو ختم کرانے کی لئے زیور بیچ کر بلیک میلرز کو ساٹھ ہزار روپے ادا کئے۔ ایک خاتون کے مطابق ملزمان نے دو ہزار گیارہ میں اس کے بیٹے

کی ویڈیو بنائی وہ چار سال سے ملزمان کو رقم ادا کر رہی ہے۔ایک اور متاثرہ بچے کی ماں نے ایک سال قبل گنڈا سنگھ والا پولیس سے رابطہ کیا مگر اسے خاموش کرا دیا گیا۔ذرائع کے مطابق مبینہ طور پر بیس سے پچیس افراد کے گروپ نے گذشتہ برس کے دوران جنسی ہراساں کئے جانے کے معاملے میں بچوں کی چار سو کے قریب نازیبا ویڈیوز بھی بنا لی تھیں۔ متاثرہ بچوں کے لواحقین نے الزام عائد کیا کہ ملزمان گھناؤنے عمل کی ویڈیو بنا کر برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں فروخت کرتے ہیں۔انکا کہنا ہے کہ مقامی ایم پی اے کے دباؤ پر پولیس نے پچاس لاکھ روپے رشوت کے عوض مرکزی مشتبہ شخص کو رہا کر دیا ہے اور مقامی سیاستدان متاثرہ افراد پر مقدمات واپس لینے کا دباؤ بھی ڈال رہے ہیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے ایسے واقعات سے سب مسلمانوں کا سر شرم سے جھک گیا۔کیا ہمارا مذہب ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا ہم مسلمان اتنے بے غیرت اور گھٹیا ہو گئے کہ ہم اپنے پھولوں کو اپنے ہاتھوں سے مسل رہے ہیں؟ کوئی اور ہمارے یا اسلام کے خلاف حرکت کرے تو وہ توہین اسلام کا مرتکب ہوتا ہے اور ہم خود یہ کام کریں تو باعث فخر سمجھیں۔ میں دو دن سے میڈیا پر اپنے ضلع میں ہونے والے سیاسی ڈرامے بھی دیکھ رہا ہوں۔ کوئی متاثرین کے گھر جا کر سیاسی سکورنگ کر رہا ہے تو کوئی میڈیا پر ہوائی فائر کہ ہم اسمبلیوں میں آواز اٹھائیں گے، تو کوئی سر عام ملزمان کو پھانسی دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اگر ہم سب لوگ اس واقعے پر واقعی دل سے شرمندہ ہیں تو پھر دیر کس چیز کی؟ متاثرین نے آپ کو سارے ثبوت دے دیے۔ ویڈیو آپ لوگوں نے دیکھ لی پھر اب اس کیس کو طول دینے کی ضرورت کیا ہے؟ ایسے ملزمان کو تو آناً فاناً سزا دیکر باعث عبرت بنائیں مگر کچھ تو راز ہے جس کی پردہ داری کی جارہی ہے۔

متاثرہ لوگوں نے شائد اسی لیے حکومت سے نہیں بلکہ آرمی چیف سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جنسی تشدد میں شامل افراد کو سخت سے سخت سزا دیں۔ متاثرین جنسی تشدد کے ساتھ ہر مکتب فکر کے لوگوں نے آواز بلند کی ۔کالم نگاروں کی طرف سے جب ہم نے آواز اٹھائی تو اس آواز میں تمام قلمکاروں نے بھرپور ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ ملک بھر سے کالم نگاروں نے ہمیں فون کرکے اپنا ساتھ دینا کا کہا۔ سینئر کالم نگار مجیب الرحمٰن شامی ، نئی بات کے ایڈیٹوریل انچارج حافظ شفیق الرحمٰن نے بھی اس مہم میں ہمارا ہر طرح سے ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

کالم نگاروں نے حکومت پاکستان سے مطالبہ ہے کہ اس واقعے کو سیاسی رنگ نہ دیا جائے بلکہ جنسی تشدد میں ملوث تمام افراد کو فی الفور سزائیں دی جائے تاکہ متاثرین کو انصاف مل سکے اس لیے ہی نہیں بلکہ اسلام کا جھنڈا فخر سے بلند ہوسکے ۔ ان کو سزا ملنے سے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جنسی تشدد میں کمی نہیں بلکہ خاتمہ ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ کیبل نیٹ ورک پر بھی سختی سے

پابندی لگائی جائے کہ وہ فحش فلمیں اور گانے نہ چلائیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر سر عام فحش فلمیں اور گانے چلانے والوں کو بھی سزا دینے کا اعلان کیا جائے۔

یہ سب کچھ شاید اس وجہ سے بھی ہے کہ اسلامی پاکستان میں اسلامی سزائیں نافذ نہیں بلکہ اسلام کو صرف ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ تمام دل سوز گفتگو اپنی جگہ لیکن میرا دل خوف زدہ ہے کہ پاکستان میں ایان علی کی باعزت جیل سے واپسی کی طرح یہ معاملہ بھی ٹھپ ہو جائے گا کیونکہ یہ بد کردار لوگ خواہ کسی بھی لبادے میں ہوں ہم جیسے سادہ لوح کلکاور بے وقوف عوامی ریلے کو راہ میں ملنے والے ان کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے جو بھونکتے ہیں اور یہ ''گداگر'' شاہانہ انداز میں اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔

غلامی کی عادی قوم کو آزادی کا دن مبارک

14 اگست پاکستان کا آزادی کا دن ہے۔ یہ آزادی کادن (Independenc day) انتہائی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب پاکستان 1947 ء میں برطانیہ اور ہندوؤں سے آزاد ہو کر معرض وجود میں آیا۔ 14 اگست کا قومی تہوار پاکستان میں سرکاری اور عوامی سطح پر بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ تمام پاکستانی اس روز اپنا قومی پرچم فضاء میں بلند کرتے ہوئے اپنے قومی محسنوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ پورے ملک میں ہر طرف سبز ہلالی جھنڈیاں اور پاکستانی پرچم لہراتے ہیں۔ شام میں جشن چراغاں منایا جاتا ہے۔

14 اگست 1947ء کو جب آزادی کی دولت نصیب ہوئی اس وقت رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ تھا۔ اس وقت ہم ذات پات، علاقے اور لسانی گروہوں کی بجائے ایک ملت تھے جو کلمہ طیبہ کی بنیاد پر اکٹھے تھے۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر برصغیر کے مسلمان ایک ہوئے جس کے باعث ہمیں الگ وطن ملا۔ لیکن آج وہ جذبہ ہم کو میسر نہیں۔ ہم نے اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا اور صوبائیت، لسانیت اور قومیت کے علم بردار بن گئے ہیں۔ کل ہم نے اللہ سے وعدہ کیا کہ ہمیں ایک الگ

خطہ زمین مل جائے تو ہم اس میں اسلام کے مطابق قانون سازی کریں گے اور اسلامی قوانین کا نفاذ کریں گے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

مگر آج ہم اپنے اللہ ، رسول، کتاب کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کے فرمان کو فراموش کر چکے ہیں۔ آج ہم اسلامی اصولوں کی بجائے یہودی کے بنائے ہوئے اصولوں کے تابع ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں نے صرف اللہ کے نام کی خاطر اپنا گھر بار، جائیدادیں چھوڑیں، ہزاروں لوگ شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ جب لوگ ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو یہاں پر موجود مسلمان بھائیوں نے ان کو آگے بڑھ کر نہ صرف گلے لگایا بلکہ ان کے زخموں پر مرہم بھی رکھا۔

پاکستانی قوم کو 68 واں یومِ آزادی مبارک ہو۔ لیکن یوم آزادی منانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیں کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ کیا بحیثیت ملک ہم آزاد ہیں کہ

اپنی خارجہ پالیسی خود بنا سکیں؟ کیا ہماری پارلیمنٹ اتنی آزاد ہے کہ وہ قیامِ پاکستان اور اسلام کے مطابق قانون سازی کر سکے؟ کیا ہماری افواج اتنی آزاد اور خود مختار ہیں کہ وہ اپنی سرحدوں کی حدود میں گھس کر شہریوں کو قتل کرنے والے ڈرون طیاروں کو تباہ کر سکے؟ قائد کے اس وطن کی خاطر میں تو یہ اشعار ہی پیش کر سکتا ہوں جن میں سب کچھ عیاں ہے۔

بے باکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاجاتا ہے مومن

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ " اوراللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو" لیکن بدقسمتی سے ہم نے چھوڑی تو صرف اللہ کی رسی اور دنیا کی تمام رسیاں اور علم کو تھام لیاہے۔ آج ہم تفرقے میں نہیں بہت سے "تفرقوں" میں بٹے ہوئے ہیں۔ آج ہم ایک مسلمان ہونے کے بجائے وہابی ، دیوبندی ، بریلوی، شیعہ اور سنی کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور یہی نہیں ان مسالک میں بھی اپنے اپنے مفادات کی خاطر تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔ پھر انہیں فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ کیا اسلام ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہے؟ مگر ہم اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے

اپنے پاکستان (جو تمام دنیا کے لیے اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے اور واقعتاً ہے بھی) میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بجائے کافروں کا طرز عمل اپنا رہے ہیں۔ قائد کے اس دیس میں طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت دہشت گردی کی جارہی ہے، ٹارگٹ کلنگ ہورہی ہے، ایک دوسرے کی املاک کو نقصان پہنچایا جارہا ہے۔بقول شاعر

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے ذاتوں کے نسب کے
اگتے ہیں تہِ سایہ گل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اس کا نہیں کوئی
اس کے تنِ خستہ پہ تو اب دانت ہیں سب کے

14 اگست کے دن پاکستان بھر میں مختلف مقامات پر تقریبات ہوتی ہیں۔اس دن کا آغاز توپوں کی سلامی سے کیا جاتا ہے۔ صدر پاکستان وزیر اعظم ،قومی صوبائی وزراء بیوروکریٹ اور تعلیمی اداروں کے سربراہان قومی پرچم بلند کرتے ہوئے اس بات کا، عہد کرتے ہیں کہ ہم اس پرچم کی طرح اس وطن عزیز کو بھی عروج وترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں گے۔مگر یہ عہد صرف زبانی کلامی ہوتا ہے اس عہد پر عمل نہیں ہوتا۔آج پاکستان کو قائم ہوئے 67برس ہوگئے ہیں مگر آج کل جو دور گزر رہا ہے وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔

ان تقاریب کے علاوہ نہ صرف صدارتی اور پارلیمانی عمارات پر قومی پرچم لہرایا جاتا ہے بلکہ پورے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری عمارات پر بھی سبز ہلالی پرچم پوری آب و تاب سے لہرایا جاتا ہے۔ جشن آزادی کی ریلیاں نکالی جاتی ہیں۔یوم آزادی کے موقع پر ریڈیواور ٹیلی ویژن پر خصوصی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں ۔ ملی نغمے پیش کیے جاتے ہیں۔اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔پاکستان کے لیے قربانیاں دینے والے نظر نہیں آتے اور ناچ گانے والوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

عوام اپنے حکمرانوں ، سیاستدانوں، بیوروکریٹوں، علماء اکرام، تاجروں، صنعتکاروں اور اساتذہ سے '' قائدا عظم کا پاکستان '' مانگتی ہے۔ جہاں فیصلے ملک کے مفاد میں ہوتے ہوں۔ جہاں میرٹ کو ہر دوسرے عمل پر ترجیح حاصل ہو۔ جہاں قانون کی پابندی امیر غریب کے لئے یکساں ہو۔ جہاں اسلام کے مطابق زندگی گزاری جائے اور اسلامی قوانین اپنائے جائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ہمارے سمیت حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ پاکستان کو اسطرح کا پاکستان بنادے جس کا خواب ہمارے قائد نے دیکھا تھا۔ جہاں پر صرف اور صرف اسلام کی حکمرانی ہواور ہر طرف خوشحالی وترقی ہو۔دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی پاکستان کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے ۔ آمین

گُل جو مرجھا گیا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

رات بارہ بجے کے قریب موبائل فون پر ایک دوست کا ایس ایم ایس آیا۔ گہری نیند میں ہونے کی وجہ سے اس کو پڑھا نہیں اور صبح اٹھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ جنرل (ر) حمید گل انتقال فرما گئے ہیں۔ پڑھ کر دل کو بہت دکھ پہنچا کیونکہ ایک تو وہ پاک وطن کا قیمتی سرمایہ تھے دوسرے یہ سب کے لیے حیران کن غمگین نیوز تھی۔ ذہن میں جنرل صاحب کی تصاویر گردش کرنے لگی۔ کبھی کسی اخبار کی تو کبھی کسی ٹی وی شو میں بیٹھے ہوئے کی۔ میں نے ٹی وی آن کیا اور دیکھا کہ ابھی تک ٹی وی چینل پر جنرل صاحب کی زندگی پر رپورٹ چلائی جا رہی ہیں۔

سابق سربراہ آئی ایس آئی اور معروف دفاعی تجزیہ نگار جنرل (ر) حمید گل گزشتہ روز برین ہیمرج کے باعث انتقال کر گئے۔ ان کا انتقال مری میں ہوا جہاں وہ اپنے اہلخانہ کے ہمراہ مقیم تھے۔ انھیں رات نو بج کر پندرہ منٹ پر دماغ میں تکلیف کے باعث سی ایم ایچ لیجایا گیا جہاں وہ جانبر نہ ہو سکے اور خالق

حقیقی سے جا ملے۔ جنرل صاحب کو بلڈ پریشر کی وجہ سے سر درد کی شکایت رہتی تھی۔ خاندانی ذرائع کے مطابق وہ ٹی وی دیکھ رہے تھے کہ ایک دم اٹھے اور دوسرے صوفے پر چلے گئے۔ انھوں نے گھر والوں کو بلایا۔ انھوں نے بتایا کہ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے اس کے بعد وہ لیٹ گئے اور ان کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ فوری طور پر سی ایم ایچ مری لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے بچانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر ان کا وقت آن پہنچا تھا اور وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

مرحوم جنرل حمید گل 20 نومبر 1936 کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی تعلق سوات سے تھا۔ اکتوبر 1956 میں فوج میں کمیشن ملا۔ بھارت سے 1965 کی جنگ میں چونڈہ کے محاذ پر ٹینک کمانڈر تھے۔ انہوں نے 1971 کی جنگ میں بھی حصہ لیا۔ 1972 سے 1976 تک بٹالین کمانڈر بھی رہے۔ 1978 میں بریگیڈئر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ 1980 میں فرسٹ آرمرڈ ڈویژن ملتان کور کے کمانڈر کے عہدے پر ترقی پائی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں ڈی جی ملٹری آپریشن کے طور پر جی ایچ کیو بھیجا گیا۔ ضیاء الحق نے اختر عبدالرحمان کے بعد حمید گل کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنایا۔ 1987 سے 1989 تک ڈی جی آئی ایس آئی رہے۔ انہیں مئی 1989 میں سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے ڈی جی آئی ایس آئی کے عہدے سے ہٹا کر کور کمانڈر ملتان مقرر کر دیا۔ بطور کور کمانڈر ملتان انہوں نے ضرب مومن کے نام سے نومبر دسمبر 1989 میں ملکی تاریخ کی سب سے بڑی فوجی مشقیں کرائیں۔ اس وقت

کے آرمی چیف جنرل آصف نواز سے اختلافات کی وجہ سے 1992 میں فوج سے ریٹائرڈ ہوگئے۔ حمید گل کو ستارہ امتیاز، ستارہ بسالت اور ہلال امتیاز سے نوازا گیا تھا۔ دفاعی امور پر وہ خاصی دسترس رکھتے تھے۔ افغان روس جنگ میں کافی شہرت پائی۔

بینظیر بھٹو سے ان کی ڈھکی چھپی دشمنی ریٹائرمنٹ کے بعد کھلی۔ حتیٰ کہ جب بینظیر بھٹو نے اکتوبر دو ہزار سات میں نو برس کی خود ساختہ جلا وطنی کے بعد واپس آنے کا اعلان کیا تو کراچی آمد سے دو روز پہلے انہوں نے جنرل مشرف کے نام خط میں خبردار کیا اور جن لوگوں سے انہیں اپنی جان کے خطرے کا اظہار کیا ان میں جنرل حمید گل کا نام بھی شامل تھا۔

جنرل (ر) حمید گل کے جنرل پرویز مشرف کے ساتھ بھی اچھے تعلقات رہے تاہم ان کی امریکہ کے حوالے سے پالیسیوں کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مشرف سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کیلئے تحریک میں بھی بڑھ - چڑھ کر حصہ لیا۔

سبکدوشی کے بعد سے تادمِ مرگ وہ عالمی اسلامی جہاد کے پرزور حمایتی رہے۔ افغان مجاہدین کو صلاح مشورے دیتے رہے۔ ان کے بقول نائن الیون کی ذمہ داری اسامہ بن لادن پر نہیں ڈالی جاسکتی بلکہ مسلمان دنیا کو تازہ غلام بنانے کے

لیے یہ اندرونی سازش تھی۔اسی وجہ سے امریکہ نے بھی جنرل صاحب کو اپنی ہٹ لسٹ میں رکھا۔

حمید گل آخری دن تک چاق وچوبند و متحرک رہے۔ سیاسی سکینڈلوں سے بھرپور مگر ذاتی سکینڈلز سے پاک زندگی گزاری۔ وہ اناسی برس کی عمر میں بھی دیکھنے میں ساٹھ پینسٹھ برس سے زیادہ کے نہیں لگتے تھے۔حمید گل ایک محب وطن انسان تھے۔اپنی تمام زندگی وہ پاکستان اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے رہے۔ان کی وفات پر آج پاکستان کا ہر شہری افسردہ ہے۔کالم نگاروں کی جانب سے میں ان کے برخوردار عبداللہ گل اور ان کے اہل خانہ سے دلی تعزیت کرتا ہوں اور اپنے رب الکریم سے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنرل صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین،آخر میں جنرل صاحب کے لیے اتنا ہی کہوں گا

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

حجاب عورت کا زیور

ہر سال 4 ستمبر کو دنیا بھر میں ''عالمی یوم حجاب'' منایا جاتا ہے۔ یہ دن فرانس میں حجاب پر پابندی کے بعد لندن میں ایک کانفرنس کے موقع پر عالم اسلام کے ممتاز راہنماؤں نے طے کیا تھا۔ 2004 سے پوری دنیا میں اس دن کو منایا جاتا ہے۔ بظاہر حجاب مسلمان عورتوں کے لیے ضروری ہے کیونکہ پردے کا حکم صرف اسلام نے دیا ہے۔ لیکن اب تو مسلمان خواتین کو دیکھ کر بہت سے غیر مسلم خواتین بھی حجاب کا استعمال کرتی ہیں۔اس دن عورت اس بات کا نہ صرف اعلان کرتی ہے بلکہ عہد کرتی ہے کہ حجاب مسلمانوں کی نشانی ہے اس کا مکمل پاس کرے گی۔ حجاب مسلمان عورت کا فخر بھی ہے اور حق بھی۔ یہ حجاب ہمارا وقار بھی ہے جو ہمیں کردار کی مضبوطی عطا کرتا ہے۔ سورۃ الاحزاب ارشاد ہے:

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جاہلیت کی پہلی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

دنیا کا کوئی مذہب خواتین کو وہ مقام عطا نہیں کرتا جو اسلام کرتا ہے ہمیں بطور مسلمان فخر کرنا چاہیے کہ ہم نبی کی امت میں سے ہیں۔اسلام میں جتنے

حقوق خواتین کو دیے ہیں اتنے حقوق کسی مذہب میں نہیں۔ ہندو تو اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یہ اسلام ہی ہے جو عورت کو اس جائز اور اصل مقام دیتا ہے۔ جتنی عزت اسلام عورت کو دیتا اتنا عزت کوئی اور نہیں دے سکتا جس کی مثال سب کے سامنے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت بھی ماں (عورت) کے قدموں تلے رکھ دی۔

اس وقت دنیا میں حجاب مخالفت تحریکیں زور و شور سے چل رہی ہیں اس لئے مسلمانوں کو اس مسئلے کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔ حجاب عورت کا پردہ نہیں بلکہ مسلمان خواتین کی حیا کا دوسرا نام ہے۔ آجکل کے دور میں مغربی عورت کو دیکھ کر ہمارے ہاں بہت سی خواتین رشک کرتی دکھائی دیتی ہیں حالانکہ وہاں کی عورت اس وقت سب سے زیادہ پریشانی کا شکار ہے کیونکہ ان کو اپنے معاشرے میں اتنا مقام حاصل نہیں ہوتا جتنا مسلم خواتین کو حاصل ہے۔ وہاں کی عورت کو جب اسلام میں خواتین کے حقوق کا علم ہوتا ہے تو وہ اسلام کی جانب مائل ہوتی ہے جب وہ اسلام قبول کرتی ہے تو سب سے پہلے وہ برقعہ اوڑھتی ہے یا حجاب /اسکارف پہنتی ہے اور یوں وہ خود کو محفوظ تصور کرتی ہے۔

اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہے کہ حجاب عورت کا گہنا ہے۔ صرف برقعہ پہن لینا ہی حجاب نہیں ہے نظر کا آنکھوں کا، آواز کا بھی حجاب ہوتا ہے۔

عبایا،برقعہ پر زرق برق کام کروانا، لیسیں لگوانا کہاں کا حجاب ہے؟ حجاب اوڑھنا ہے تو اسلام کے تقاضوں کے مطابق اوڑھیں۔

آجکل مسلم ممالک میں اسکارف کو فیشن اور ٹرینڈ بنایا جا رہا ہے کچھ لڑکیاں اسکارف یا حجاب اس قسم کا لے رہی ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سب سے پہلے نظر ان پر پڑتی ہے۔پردہ فیشن نہیں بلکہ اپنے آپ کو غیر محرم کی نظر سے بچانا مقصد ہوتا ہے۔آج کل چوری اور ڈاکے ڈالنے کیلئے بھی حجاب کا استعمال ہو رہا ہے جو کہ اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے۔ اسلام نے زندگی گزارنے کے جو اصول وضوابط دیے ان ہی میں حجاب بھی ہے۔اسلام عورت کو مرد کے ساتھ ضرورت کے مطابق معروفیات کرنے کی اجازت دیتاہے۔

عورت کی اصل جگہ اس کا گھرہے۔گھرسے باہر ضرورت کے تحت جا سکتی ہیں لیکن یہ عارضی حالت ہوگی۔ عورت اپنی فطرت کے مطابق گھرمیں رہنا پسند کرتی ہے۔گھرمیں رہ کرعورت فطری زندگی گزارتی ہے۔گھرمیں رہنے سے عورت غلط کاموں میں مصروف نہیں ہوتی۔گھرمیں رہنے سے عورت معاش کی مشقتوں سے بچتی ہے کیونکہ اسلام نے اسے عورت کافرض قرار نہیں دیا۔یہ عورت پر غیر ضروری بوجھ ہے۔گھرمیں عورت وہ کام کرتی ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے اسے پیدا کیا یعنی بچوں کی پرورش اور تربیت کاکام۔گھرمیں عورت شوہراور بچوں کی خوشیوں کے لیے کوشش کرتی ہے۔یوں گھرپرسکون بنتے ہیں۔اسلام نے عورت کو نامحرموں سے حجاب کرنے کا حکم دیاہے۔اللہ

تعالیٰ کاارشاد ہے:

ترجمہ:اے نبی ! اپنی بیویوں اوراپنی بیٹیوں اور مومنہ عورتوں سے آپ کہہ دیں اپنے اوپراپنی چادرکاکچھ حصہ لٹکالیا کریں۔یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں، چنانچہ ستائی نہ جائیں۔اوراللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا،بڑارحم کرنے والا ہے۔

آج کل بہت سے ممالک میں حجاب پر پابندی لگائی جارہی ہے اس کی اصل وجہ اسلام دشمنی ہے لیکن ہم ان کو تو بعد میں کچھ کہیں گے پہلے اپنے گھر میں ہی دیکھ لیں یہاں پر بھی حجاب پر تنقید اور اعتراض کیا جارہاہے۔اسلام دشمن عناصر لبرل مسلمان کے نام پر مسلم ممالک میں بے حیائی کا پھیلانا چاہتے ہیں۔دعاہے کہ دنیا بھر میں مسلم خواتین اپنے اسلام کے مطابق پردے کو فروغ دیں اور اسلام دشمن طاقتوں کو بے حیائی پھیلانے میں شکست دیں۔

6 ستمبر "بھارتیوں کو سبق سکھانے کا دن"

قوموں کی زندگی میں امتحان اور انقلاب آتے رہتے ہیں۔ بہادر قومیں ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں۔ آزمائشوں کی تپتی بھٹیوں سے نکل کر قومیں کندن بنتی ہیں۔ ایسا ہی ایک امتحان اور کڑی آزمائش سے ہماری قوم کو 6 ستمبر 1965 کو گزرنا پڑا۔ قیام پاکستان سے آج تک ہنود و یہود نے پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور ہندوستان نے اس نوزائیدہ ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع نہیں دیا۔ پاکستان کے خلاف سازشوں کے جال بننا شروع کر دیے۔ کبھی نہری پانی روک کر تو کبھی مسلم ریاستوں پر چڑھائی کر کے۔ قیام پاکستان کے وقت ہمارے حصے کا اسلحہ اور پیسہ بھی پورا نہیں دیا مگر " جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے "۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہر آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق دی۔

ہندو بنیے کی سب سے بڑی سازش کشمیر پر غاصبانہ قبضہ تھا۔ مسلم اکثریت کی حامل اس ریاست پر ہندوؤں کا جب کوئی حربہ استعمال نہ ہوا اور ہر سطح پر ناکامی ہوئی تو اس دشمنی میں ہندو بین الاقوامی سرحدوں کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے اپنی فوج لاہور کی سرحد پر لے آیا اور اعلان جنگ کئے بغیر 5 اور 6 ستمبر کی درمیانی رات کو حملہ کر دیا۔ دشمن وطن کا خیال تھا کہ مسلم

پاکستان نیند کی آغوش میں ہوگا اور وہ باآسانی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوجائے گا۔ اسے کیا معلوم کہ مسلمانوں اپنے رب سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے راتوں کو جاگتا ہے۔ اسی لیے پاکستانی قوم سوئی ہونے کی بجائے ہوشیار اور چاک وچوبند پائی کیوں کہ ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں۔

ہمارا دشمن اپنی فوج کی زیادہ تعداد اور اسلحے کے غرور میں تھا اور مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار اپنے رب العزت پر بھروسا کیے ہوئے تھے۔ دشمن نے کئی محاذ کھول دیے تھے۔ چونڈہ (سیالکوٹ) کے مقام پر جنگ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ لڑی جارہی تھی۔ دشمن نے چھ سو سے زائد ٹینکوں کو اس محاذ میں دھکیل دیا۔ اللہ کی مدد سے ہمارے شیر دل جوانوں نے چونڈہ کے مقام کو دشمنوں کے ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔ شہر اقبال نے ایک اور نئی تاریخ رقم کردی جہاں ہمارے فوجی جوان جسم سے بارود باندھتے اور ٹینکوں کے نیچے لیٹ کر انہیں تباہ کردیتے اور شہید ہو کر اپنی اپنی مستقل زندگی پارہے تھے۔

بھارتی فوجیوں نے پُرامن اور نہتے بے گناہ پاکستانیوں پر اندھادھند بمباری کرکے آگ برسائی۔ انڈیا کے میڈیا اور بی بی سی لندن نے تو یہاں تک گمراہ کن خبر چلادی کہ بھارت نے لاہور پر قبضہ کرلیا ہے مگر پاکستان کے نڈر اور غیور فوجی جوانوں نے اپنے ملک کو دنیا بھر میں بہادر ملک کے نام سے

متعارف کرایا۔ 6 ستمبر سے 23 ستمبر تک جاری رہنے والی اس جنگ میں پاک فضائیہ، بری فوج، بحریہ اور پاکستانی قوم کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس ہوا۔ ہماری غیور قوم نے ایسی ضرب لگائی کہ ہندو بنیا اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی درخواست کرنے لگا۔

ہماری مٹھی بھر فوج کے غازیوں اور شہداء نے بدر و حنین کی یاد تازہ کرتے ہوئے بھارتی فوج کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ہمارے شہادت کے جذبے سے سرشار فوجیوں نے دشمن کے ایسے پرخچے اڑائے کہ وہ مورچے، سامان اور اسلحہ چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ اس دوران ہماری فوج نے دشمن کے 1600 مربع میل پر قبضہ کرلیا تھا۔ میجر راجا عزیز بھٹی واہگہ اٹاری کے محاذ پر چھے روز تک بھارت کے ٹینکوں اور توپوں کے پرخچے اڑاتا رہا۔ اسے کھانے اور آرام کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیوں کہ جنت کے باغات میں حوریں اس کے استقبال کے لیے بے چین تھیں۔ اس جوان کے سینئر آفیسر نے اسے کہا بھی کہ " راجا صاحب آپ تھک گئے ہیں آپ آرام فرمالیں اور آپ کی جگہ کسی دوسرے جوان کو متعین کردیتے ہیں "مگر راجا عزیز بھٹی شہید کی خاک وطن سے محبت نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ آخرکار اسی محاذ پر کاندھے پر گولا لگنے سے جام شہادت نوش فرمائی۔ شاعر نے ایسے ہی جوانوں کے لیے کیا خوب کہا ہے

تمھی سے اے مجاہدو! جہان کا ثبات ہے

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

1965ء کی جنگ میں ہماری فضائیہ نے بری فوج کی طرح فضا میں بھی حکمرانی کی۔ ہندوستانی ائیر فورس کے 117 طیارے زمیں بوس کیے۔ پٹھان کوٹ، جام پور، ہلواڑہ اور دیگر ہوائی اڈے روزانہ پاکستانی طیاروں کے گولوں کا نشانہ بنتے۔ ہمارے ہیرو ایم ایم عالم نے اپنے طیارے سے بیک وقت چھ طیاروں کو نشانہ بنا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جو آج تک قائم ہے۔ بری اور فضائیہ فوج کی طرح ہماری بحریہ بھی پیچھے نہیں رہی۔ بحریہ فوج نے اپنے ساحلوں اور سمندروں کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ''دوارکا'' کے اہم قلعے کے تباہ کرکے ہندوستان کی کمر توڑ دی۔

6 ستمبر 1965 کو پاکستانی قوم نے جس جرات مندانہ انداز میں اپنے وطن پاکستان کا دفاع کیا اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اسی کی یاد میں ہر سال 6 ستمبر کو یوم دفاع منایا جاتا ہے۔ اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یوم دفاع کے حوالے سے خصوصی پروگرام اور ملی نغمے پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنے فوجی جوانوں کی قبروں پر سلامی پیش کی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ 6 ستمبر ہمیں اپنے وطن کی حفاظت کی یاد دلاتا ہے۔ اس روز ہم اپنے وطن کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں اور اپنے ملک کی سلامتی کی دعائیں مانگتے ہیں۔

آیئے آج ہم پھر اپنے وطن کی حفاظت کی قسم کھا کر عہد کریں کہ اب ہندوستان ، امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ ساتھ دہشت گردوں سے بھی اپنے ملک کو بچائیں گے۔ ہمارے ملک کی طرف جو بھی میلی آنکھ اٹھائے گا ہم اس کو نیست نابود کرکے دم لیں گے۔

مختلف لبادوں میں قوم کو تباہ کرنے والی سازشوں سے خود کو بچائیں۔ اپنے وطن کی حفاظت کی خاطر ملک کا بچہ بچہ اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہیں۔اس یوم دفاع کے موقع پر میری تمام سیاستدانوں، بیوروکریٹس، علماء کرام،اساتذہ، صنعت کاراور بالخصوص طلبہ اور نوجوانوں سے اپیل ہے کہ اپنے ملک کی خاطر اپنے درمیان موجود دراڑوں کو ختم کردیں اور اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کریں۔ (آمین

پریاں والا بابا

انسان اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہر حد کو کراس کر جاتا ہے۔ بہت سے لوگ تو اپنے مذہب کو بھی اپنی خواہشات پر قربان کر دیتے ہیں۔ ان کی ایک ہی سوچ ہوتی ہے کہ ہماری خواہش پوری ہو جائے۔ خواہشات تو ہر انسان کے دل میں ہوتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ انسان کی تمام تمنائیں پوری ہوں۔ جب انسان کی تمنائیں پوری نہیں ہوتی تو پھر وہ ان کو پورا کرنا کے لیے ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ اس کے لیے اس کو کیسی عامل بابا، جنات والا بابا، پریوں والا بابا اور بہت سے گمراہ کرنے والے بابوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

پاکستان میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے۔بڑے شہروں میں ایسے جعلی عامل لوگ بڑی چھوٹی داڑھیاں رکھے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن کا کام لوگوں کو اپنے دام میں پھنسا کر ہزاروں لاکھوں روپے اینٹھنا اور خواتین کو بلیک میل کر کے انکے ساتھ زیادتی کے واقعات بھی اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔ اخبارات میں ان بابوں کے اشتہارات دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ کیا یہ واقعی یہ اتنا کماتے ہونگے جتنے کے اشتہار دیتے ہیں۔

آپ جب بھی اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی نظر سے کچھ اس طرح کے اشتہارات اکثر نظر سے گزرتے ہونگے ۔ مثلا: شہنشاہِ جنات، روحانی عامل، ہر مسئلے کا حل صرف چند گھنٹوں میں، دکھی

بہن بھائیوں کے نام اہم پیغام، محبوب آپ کے قدموں میں، من پسند شادی، طلاق کا مسئلہ، رشتوں کی بندش، سفر میں رکاوٹ، دشمن کو زیر کرنا، گھریلو ناچاقی وغیرہ وغیرہ ایک سچی اور ذاتی تجربے پر مبنی ایک سٹوری آپ کو سناتا ہوں۔کافی عرصہ سے میرے بہنوئی پاؤں کے جوڑوں میں درد کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔انہیں کسی نے بتایا کہ وہ خانیوال کے قریب ایک چک میں پریاں والا بابا ہے جو روحانی علاج کرتا ہے جس سے چند دن میں آرام آجاتا ہے۔ڈاکٹروں سے تو بھائی صاحب نے کافی علاج کرالیا اور اس کا آخری علاج یہی بتایا گیا کہ آپریشن ہوگا۔ بھائی صاحب نے بھی سوچا کہ چلو اس ''پریاں والے بابے'' سے میں علاج کرالوں۔انہوں نے اس باباجی کا ایڈریس لیا اور کراچی سے خانیوال پہنچ گئے۔ باباجی نے پہلے ہی دن ایک گھٹنے کا روحانی آپریشن کردیا اور آٹھ دن بعد دوبارہ آنے کا حکم صادر کردیا ساتھ میں ایک پیکٹ دے دیا کی یہ دوائی کھائیں۔ بھائی صاحب دوائی وغیرہ لیکر ہمارے ہاں پہنچ گئے۔انہوں نے اپنی ساری کہانی ہمیں سنائی۔ مجھے بھی تجسس ہوا کہ ایسے عامل سے میں بھی ملوں جو چند سو روپوں میں ہر قسم کا علاج کردیتا ہے اور لوگ ہزاروں روپے خرچ کرچکے کرکے بھی تکلیف میں رہتے ہیں۔ میں نے بھی اگلی باری بھائی جان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔

میں تحقیق کی غرض سے بھائی جان کے ساتھ چل دیا کیونکہ پہلی بار لاہور سے جانا تھا اسی لیے راستے کا صحیح علم بھائی جان کو بھی نہیں تھا۔ ہم باباجی کی رسید پر درج ایڈریس کے مطابق براستہ کچا کھوہ چوک جمال پہنچ گئے۔ (پاکستان بھر سے آنے والوں کے لیے باباجی نے اپنے لیٹر پیڈ پر روٹ بھی لکھے ہوئے ہیں) راستے میں ایک دو جگہ پر ہم نے لوگوں سے باباجی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ راستہ بتایا ۔ان کی مسکراہٹ سے مجھے کچھ شک ہونے لگا کہ کوئی چکر ضرور ہے۔ تجسس اور بڑھ گیا کہ جاکر دیکھیں تو صحیح اصلیت کیا ہے؟ ایڈریس پوچھتے پوچھاتے ہم لوگ گیارہ بجے کے قریب کے دربار عالیہ پر پہنچ گئے۔ اجنبی ہونے کے ناطے لوگوں سے معلومات لینا شروع کردی ۔ میں نے ایک مرید سے سوال کیا باباجی کس ٹائم مریض چیک کرنا شروع کریں گے تو اس نے بڑے جوشیلے انداز میں بتایا کہ آپ کو نہیں پتا زوال کے ٹائم پریاں آتی ہیں اور پھر وہ مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ میں نے ٹھیک ہے جناب۔ اس شخص نے باباجی کی تعریف میں پل باندھنے شروع کردیا اور پاکستان کا کوئی شہر نہیں چھوڑا جہاں سے باباجی کے پاس لوگ نہ آئے ہوں۔

میں نے دیکھا باباجی کے کمرے کے سامنے ایک نوجوان کچھ رسید اور لیٹر پیڈ لیکر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ ہسپتالوں کی طرح نمبرنگ کرکے مریضوں کو رسید دے رہا تھا۔ البتہ جن کا آپریشن ہونا تھا ان کا باقاعدہ ایک فارم بنا ہوا جس

پر وہ مریض کے ساتھ آنے والے یا مریض خود کا شناختی کارڈ لیکر سارا ڈیٹا اس پر لکھتا۔ ہسپتالوں کی طرح آپریشن سے پہلے اجازت نامہ بھی درج تھا)۔ ٹھیک بارہ بجے بابا جی) نے مریضوں کو چیک کرنا شروع کر دیا۔ ہمارا نمبر آنے میں کافی دیر تھی اس لیے میں اس نوجوان کے پاس بیٹھ گیا جو جو نمبرنگ کر رہا تھااور اس سے معلومات لینا شروع کر دی۔

بقول نوجوان کے کہ ہم سب بھائی اور باپ بابا جی کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں۔ بابا جی کا والد بابا جی کے ساتھ اندر کمرے میں مریضوں کو چیک کراتا ہے۔ ایک بھائی دوائی والے پیکٹ دیتا ہے (مرض کچھ بھی ہو پیکٹ وہ ایک ہی سب کو دیا جاتا ہے جس کی قیمت 1050روپے ہے)

وہ خود نوجوان نمبرنگ کی ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ بابا جی اپنے دربار کے علاوہ لاہور سبزہ زار) ساہیوال میں بھی مہینے کے ایک دن آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بابا) جی کو اپنے گھر سپیشل لیکر جانا چاہتا ہے تو پھر بابا جی کو دوائی کے علاوہ گاڑی کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے کیونکہ بابا جی کسی اور کی گاڑی میں نہیں جا سکتے۔ معلومات لیتے ہوئے میر ی نظر دیوار پر پڑی جہاں مریضوں کی چیکنگ کا ٹائم 9 بجے لکھا ہوا تھا۔ میں نے جب اس کے متعلق پوچھا تو اس نوجوان نے بتایا کہ یہ ٹائم رمضان میں ہوتا ہے۔ میں یہ سن کر

حیران ہوگیا کہ مرید نے تو بتایا کہ زوال کے ٹائم پریاں آتی ہیں اور یہ نو بجے پریاں کو آنا کچھ سمجھ سے باہر تھا۔

کچھ وقت کے بعد ہماری باری آگئی تو میں بھی بابا جی دیدار کرنے اندر چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں بابا جی نے عورتوں کی طرح برقع پہنا ہوا ہے۔ بس ان کے ہاتھ اور آنکھیں باہر نظر آ رہی تھیں۔ ہاتھ مردوں کی طرح جن میں بڑی بڑی انگوٹھیاں پہنی ہوئیں تھیں۔ انگوٹھیاں بظاہر سونے کی لگ رہی تھی باقی آج کل رولڈ گولڈ ایسا چل رہا ہے کہ پہچاننا) مشکل ہے) آنکھوں میں بڑے بڑے ڈورے ڈالے ہوئے تھے۔ بابا جی نے پہلے مریض کو چیک کیا اور پھر میری طرف دیکھا۔ میں مسلسل بابا جی کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ علاج کرنے کا کیسا انداز ہے؟ بابا جی نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ دوسر پیر کا آپریشن آج ہی ہوگا۔ ہم باہر آگئے اور ہمارے بعد ایک دو مریض اور گئے اس کے بعد آپریشن کرنا شروع کر دیا۔

بابا جی خود دروازے پر آتے مریض کو اندر لیکر جاتے اور ایک منٹ سے پہلے آپریشن کرکے مریض کو باہر بھیج دیتے تھے۔ اس آپریشن کرانے والوں میں ہمارا آخری نمبر تھا جو 37 واں تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے میں تمام آپریشن مکمل ہوگئے۔ میں دیکھ کر حیران ہوگیا کہ دو گھنٹے میں بابا جی تقریباً پچاس ہزار

روپے کما لیے کیونکہ 37 مریضوں کا آپریشن کیا تو انکے 1050 روپے کے حساب سے روپے تو یہ بن گئے اور بہت سے مریضوں کو دوائی دیکر پھر دوبارہ بلایا تھا۔38850 جو بندہ ایک دن کا پچاس ہزار کماتا ہو تو اس کی ماہانہ انکم کتنی ہو گی؟

دوائی لیکر ہم گھر آ گئے اور بابا جی کے حکم کے مطابق پندرہ دن بعد آپریشن کے ٹانکے وہ فون پر کراچی جا کر کٹوالیں۔ یہ بتاتا چلوں کہ بابا جی کو جب بتایا کہ پہلے پاؤں کے آپریشن کرنے کے باوجود کوئی فرق نہیں تو انھوں نے کہا کوئی پریشانی کی بات نہیں پندرہ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا مگر تاحال بھائی جان اس مرض میں مبتلا ہیں اور فیملی والے اکثر ان کا مذاق بناتے ہیں کہ اور پریاں والے بابا جی سے علاج کراؤ۔

سوال یہ ہے کہ ہم لوگ کب تک ایسے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے؟ کب تک ہم ایسے بابوں پر پیسوں کی برسات کرتے رہیں گے۔ جو اللہ کے نیک لوگ اور بزرگ ہوتے ہیں وہ کبھی پیسوں کی خاطر ایسا کام نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ کی رضا اور انسانی خدمت سمجھ پر علاج کرتے ہیں۔ یہ ڈھونگی لوگ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حقیقی لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی چھان بین کرے جو عوام کو گمراہ کررے ہیں۔

قائداعظم تجھے سلام

لاالہ اللہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لئے دولت اور منصب کو پیروں تلے روند کر لندن سے انڈیا آنے والے اور ہمیں ایک آزاد قوم کی حیثیت دلانے والے شخص کا نام قائداعظم ہے۔آپ کو" بابائے قوم" بھی کہا جاتا ہے۔آپ 25 دسمبر 1876 کو کراچی میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام پونجا جناح تھا۔آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔آپ نے باقاعدہ تعلیم کراچی مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے انگلستان چلے گئے۔وہاں جاکرآپ نے ملازمت کی اور پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لے لیا۔ 1896 میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔اس وقت آپ نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔انڈیا واپس آنے کے بعد آپ نے ممبئی میں وکالت شروع کی اور جلد ہی بہت نام کمایا۔برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے ہوئی جو آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پاگئیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے نہ صرف تاریخ کا دھارا بدلا بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے وہ قائد تھے جن کی قیادت

میں پاکستان نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی۔آپ کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے ابتدا میں آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے ۔کانگرس سے اختلافات کی وجہ سے آپ نے اس پارٹی کو چھوڑ دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر چودہ نکات پیش کئے۔ مسلم لیڈروں سے اختلافات کی وجہ سے آپ برطانیہ چلے گئے۔علامہ اقبال کی کوششوں کی وجہ سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔1946 کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی بیشتر نشستوں میں کامیابی حاصل کی۔

ہندوستان واپسی کے بعد قائدِ اعظم نے ممبئی میں قیام کیا۔آپ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان چاہتے تھے۔ان کی نظر میں آزادی کا صحیح راستہ قانونی اور آئینی ہتھیاروں کو استعمال کرنا تھا۔اس ہی دوران میں آل انڈیا مسلم لیگ ایک اہم جماعت بن کر سیاسی افق پر ابھرنے لگی۔ 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان پیش ہوئی جہاں سے پاکستان کی آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔1940کے بعد قائدِ اعظم تپ دق کا شکار ہوئے۔صرف ان کی بہن اور ان کے چند قریبی لوگ ان کی حالت سے واقف تھے۔آپ کی انتھک محنت اس وقت رنگ لائی جب 14اگست 1947 کو دنیاکے کے نقشے پر پاکستان بن کر ابھرا۔آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اسی لیے آپ کو مستحکم پاکستان بنانے کے لیے دن رات ایک کرنا پڑا۔ بدقسمتی سے آپ قیام پاکستان کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہ سکے اور 11 ستمبر 1948 کو دنیائے فانی

سے کوچ کرکے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ایک حیرت انگیز اور قابل غور پہلو پر غور کیجئے۔ آپ ذرا غور کریں اور تھوڑی سی تحقیق کریں تو آپ خود حیرت زدہ ہو جائیں گے۔ قائداعظم کا انتقال 11 ستمبر 1948 کو ہوا۔ سے لیکر آج تک پاکستان کا یوم آزادی، قائد اعظم کا یوم ولادت اور قائداعظم 1948 کا یوم وفات ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اسکی وضاحت کے لئے آپ کو موجودہ سال کی مثال دیتا ہوں۔ پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست بروز جمعہ تھا۔ قائد اعظم کا یوم وفات 11 ستمبر بروز جمعہ ہے اور اب قائداعظم کا یوم پیدائش 25 دسمبر بھی جمعہ کو آرہا ہے۔ آپ غور کریں کہ قائداعظم اور پاکستان ایک دوسرے کے لئے کس طرح لازم و ملزوم ہیں اور ہر سال قائداعظم کا یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم پاکستان مختلف مہینے ہونے کے باوجود ایک ہی دن ہوتا ہے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد سے آج تک ہماری عوام قائداعظم جیسا رہنما تلاش کررہی ہے کیونکہ قائداعظم ہمیں پاکستان تو دے گئے مگر اپنا جانشین نہ دیکر جاسکے۔ پاکستان کو بنے کئی سال گزر گئے مگر ہم اس دن سے آج تک ہم اس پاکستان کو تلاش کررہے جس کا خواب قائداعظم نے دیکھا تھا۔ ہم قائد کے فرمان تو ضرور پڑھتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک کے

جو حالات ہیں ان کو دیکھ کر تو ہمارے قائد کی روح بھی کانپ رہی ہوگی۔ کہنے کو تو ہمارا ملک آزاد ہے مگر یہاں پر آج بھی انگریزوں بنائے ہوئے اصول چل رہے ہیں۔ ہماری معشیت آج بھی ان کی غلام ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں کے تابع ہیں۔

اس وقت عوام کو اپنے قائد کی یاد شدت سے آتی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پاکستان بحرانوں سے نکل سکتا ہے تو صرف قائد اعظم کے افکار اور ان کے طریق سیاست پر عمل پیرا ہو کر۔ عوام محسوس کرتے ہیں کہ سیاسی قائدین میں اصولوں کی پاسداری میں قائد اعظم جیسی استقامت ہونی چاہیئے۔ اپنے مفادات کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ حکمرانوں کے گفتار اور کردار میں تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ افسوس ہم جس طرف نگاہ اٹھاتے ہیں ایسا کردار بہت کم نظر آتا ہے۔۔ ہمارے آج کے قائدین کے بیانات اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر مصلحتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

قائدین کے ان رویوں نے ہی پاکستان کو بحرانوں میں دھکیل دیا ہے۔ عوام سوچتی ہیں کہ آج جس پاکستان میں وہ سانس لے رہے ہیں وہ قائد اعظم کا پاکستان ہرگز نہیں ہے کیونکہ جہاں جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ کرپشن کا زور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ میرٹ کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ مظلوم کو انصاف نہیں ملتا

جہاں لوگ لسانیت، فرقہ پرستی کے حصہ میں تقسیم ہیں۔ جہاں غریب کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنا مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔۔ بے روزگاری کی وجہ سے لوگ ڈکیتی اور چوری جیسے گناہ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جہاں ہر کوئی ملکی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔

عوام اپنے موجودہ اور سابقہ حکمرانوں سے، اپنے ان سیاستدانوں سے جو اقتدار کے خواب دیکھ رہے ہیں، اپنے بیوروکریٹوں سے، اپنے علماء سے، اپنے تاجروں سے، اپنے قانون دانوں سے ،اپنے صنعتکاروں سے اور اپنے اساتذہ سے صرف '' قائد اعظم کا پاکستان'' مانگتے ہیں۔ جہاں ہمارے سیاستدان فیصلے ملک کے مفاد میں کرتے ہوں۔ جہاں میرٹ کو ترجیح حاصل ہو، جہاں قانون امیر غریب کے لئے یکساں ہو۔ قائد اعظم نے پاکستان کے نظام میں مغربی جمہوریت کی کئی بار نفی فرمائی۔ قائد اعظم کی تقاریر اٹھا کر دیکھ لیں ہمیں ہر بیان میں اسلام اور قرآنی نظام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آج قائد اعظم محمد علی جناح ہم میں نہیں لیکن ان کی تعلیمات ان کی فکر ان کی سوچ ان کے طرز زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ قائد نے ہمیں یہ آزاد ملک اس لئے دیا کہ ہم اس ملک میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

ستمبر قائد اعظم کی برسی کے لیے ایک خصوصی تحریر all

ہم اپنے خون سے چراغ جلائیں گے

پاک فوج نے جب ضرب عضب شروع کیا ہے ملک میں امن و امان قائم ہونا شروع ہوگیا۔ پاک فوج کے جوان اور ان کے بچے اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کرکے پاکستان میں امن قائم کررہے ہیں۔ کچھ لوگ سوچ رہیں ہونگے کہ پاک فوج کے جوانوں کی بات تو ٹھیک ہے مگر یہ بچے کہاں سے آگئے تو قارئین کے علم کے لیے بتادوں کہ آرمی سکول کا واقعہ ابھی آپ بھولے نہیں ہونگے۔ آرمی سکول پر حملہ کوئی سکول پر حملہ نہیں تھا بلکہ یہ حملہ پاک فوج ان سپہ سالاروں کے لیے کیا جو اس وقت ضرب عضب میں پیش پیش ہیں۔ یہ ان کو سبق سکھانے کے لیے ان کے بچوں کو شہید کیا۔ اس لیے ان بچوں کو کا ذکر نہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔

چند دن پہلے پشاور ایک بار پھر دہشت گردوں کے نشانے پر آیا۔ آرمی پبلک سکول کا واقعہ ابھی تک ہمارے ذہینوں سے نہیں نکلا اور ایک بار پھر ملک دشمن قوتوں نے پاک فضائیہ کیمپ پر دھاوا بول دیا۔ وطن دشمن لوگ شاید پاک فوج کی قوت سے غافل ہیں، احمقوں کی جنت میں رہتے یا پھر ان کو کتے کی موت مرنے کا زیادہ شوق ہے۔

پاک فوج کا ہر جوان موت کو اپنے سر کا تاج سمجھتا ہے، وہ اپنی جان

تو دے سکتا ہے مگر اپنے وطن کی مٹی سے غداری نہیں کر سکتا۔ اس وقت ملک میں بہت سے را کے ایجنٹ، اسلام دشمن عناصر کو پاکستان میں امن پسند نہیں ۔ وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں دہشت گردی جارہی تاکہ پاکستان ترقی نہ کرسکے۔ کبھی وہ دہشگردی اور کبھی سیاسی لڑائی لڑا کر پاکستان کو تنزلی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں۔

واقعہ کچھ یوں ہیں کہ پشاور کے علاقے بڈھ بیر میں جمعہ کے دن کچھ ملک دشمن اور پاک فوج مخالف عناصر نے فضائیہ کیمپ پر حملہ کیا۔ جس میں پندرہ، سولہ افراد نے جام شہادت حاصل کی۔ جس طرح چاروں طرف سے دہشتگردوں نے حملہ کیا اس سے بہت زیادہ نقصان ہونا تھا مگر صدقے جاؤں اس سپوت کے جس نے اپنی جاں جان آفریں کے سپرد کرکے شہادت کا رتبہ تو پالیا مگر دہشگردوں کے عزائم کو چکناچور کردیا۔ جی وہ جوان کیپٹن اسفندیار بخاری ہے جس نے اپنے دستے کی قیادت کرتے ہوئے بہادری کی نئی مثال قائم کردی۔ قوم کے اس بہادر سپوت نے دہشتگردوں کو بیس کے اندر جانے سے نہ صرف روکا بلکہ مسلسل سیسہ پلائی دیوار بنے رہے۔ کیپٹن اسفندیار بخاری ملک دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے اور جام شہادت نوش کر گئے، انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے دہشتگردوں کے عزائم ناکام بنادیے۔

حملے میں شہید ہونے والے پاک فوج کے کیپٹن اسفند یار بخاری کا تعلق اٹک سے ہے۔
وہ 14 اگست 1988 کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں سے حاصل کی اور ایف
ایس سی بخاری کالج سے کرنے کے بعد بطور لیفٹیننٹ پاک فوج میں بھرتی ہو گئے۔ تعلیمی
سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے
تھے۔ کیپٹن اسفند یار کالج میں بیالوجی کلب کے صدر اور کالج کی میگزین کے ایسوسی ایٹ
ممبر بھی رہے چکے ہیں اسکے علاوہ بخاری کالج کی شطرنج ٹیم کے کپتان بھی رہے ہیں۔
اسفند یار بخاری پنجاب انڈر 19 ہاکی ٹیم کے لیے بھی کھیلتے رہے۔ انہوں نے پاک فوج
میں بھی نمایاں کارکردگی دکھاتے ہوئے اعزاز شمشیر سے بھی حاصل کیا۔ 2008 میں
آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے کاکول اکیڈمی میں انہیں بہترین کارکردگی پر
اعزازی شمشیر دیا۔

کیپٹن اسفند یار شہید کے والد ڈاکٹر فیاض بخاری معروف پیتھالوجسٹ اور پی ایم اے کے
سابق صدر ہیں۔ ان کے ماموں ڈاکٹر سید تنویر گیلانی آئی اسپیشلسٹ ہیں۔ ان کے
بڑے بھائی شہریار بخاری لندن میں پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے
چھوٹے بھائی احسان بخاری آرمی میڈیکل کالج میں سال آخر کے طالب علم ہیں۔ کیپٹن
صاحب کی ایک ماہ قبل ہی شادی ہوئی تھی اور وہ 7 ستمبر کوایک ماہ چھٹیاں گزارنے کے
بعد ڈیوٹی پر گئے تھے۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اپنے خاندان میں خوشیاں بکھیرنے والا
یہ جوان آخری بار گھر سے جارہا ہے۔ وہ

بیوی کا جس کا عروسی لباس ابھی میلا نہ ہوا وہ شہید کی بیوہ کہلائی گی۔

کیپٹن اسفندیار کا جسد خاکی جب قومی پرچم میں لپیٹ کر ان کے آبائی علاقے چھوئی روڈ پر واقع گھر منتقل کیا گیا تو رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے، شہریوں کی بڑی تعداد شہید کیپٹن کا دیدار کرنے کے لیے امڈ آئی جب کہ شہید کے والد نے بیٹے کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ شہید کیپٹن کے والد نے کہا کہ انہیں اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ انکی شدید خواہش تھی کہ اسفندیار ڈاکٹر بنے مگر وہ فوجی وردی پہننا چاہتا تھا جس پر بیٹے کی ضد کے سامنے اپنی خواہش قربان کردی۔ انہوں نے کہا کہ ان کا بیٹا ہر میدان میں جیتتا رہا ہے اور آج شدت پسندوں کیساتھ بھی مقابلے میں اس نے میدان مار لیا ہے۔

آج ایک بار پھر ایک اور جوان نے نئی داستاں رقم کردی۔ پاکستان کی تاریخ بھری ہوئی ہے ایسے فوجی جوانوں کے کارناموں سے۔ جس طرح اسفندیار نے اپنے کیمپ کی حفاظت کرتے ہوئے شہادت حاصل کی اس پر حکومت پاکستان کو چاہیے کہ ان نشان حیدر یا تمغہ جرات سے نوازے۔ میں اپنے کالم نگاروں کی طرف سے شہید وطن کو سلام پیش کرتا ہوں اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ دکھ کی اس گھڑی میں برابر شریک ہو۔

"اسلام کا پانچواں رکن "حج

حج اسلام کے 5 ارکان کا آخری رکن ہے۔ تمام عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے جس میں مسلمان سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں قائم اللہ کے گھر کی زیارت کرتے ہیں۔ حج اسلامی سال کے آخری مہینے ذوالحج میں ہوتا ہے۔

14 اکتوبر 2010 میری زندگی کا سب سے خوبصورت اور یادگار دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے در پر حاضری کا موقع نصیب کیا تھا۔ پی آئی اے کی فلائٹ کے ذریعے میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے یہ بھی فخر ہے کہ میرے رب نے مجھ سے یہ فریضہ جوانی کے دور میں ادا کروادیا۔ چالیس دن کا یہ پریڈ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ حضرت محمد ﷺ کے در پر چالیس نمازوں کا دورانیہ تو ایسے گزرا جیسے کوئی خواب دیکھا ہو۔ حج کے دوران حجاج کرام کو مختلف مراحل سے طے کرنا ہوتے ہیں۔ جن سے گزر کر انسان ایسا بن جاتا ہے جیسے ابھی جنم لیا ہے اور تمام گناہوں سے پاک ہے۔

8 ذی الحجہ سے حج کے ارکان شروع ہوجاتے ہیں۔ 8 ذی الحجہ کا سورج طلوع ہونے کے بعد احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ سے منیٰ کیلئے روانہ ہونا ہے۔ حج کے

لیے احرام خانہ کعبہ کی حدود میں کسی بھی جگہ سے باندھا جا سکتا ہے۔لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ لَبَّیکَ لاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالمُلکَ، لاشَرِیکَ لَکَ نیت کرکے اور تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ پر احرام کی وہ ساری پابندیاں عائد ہوگئیں جو عمرہ ادا کرتے وقت احرام باندھنے پر تھیں۔ اب تمام حجاج کو منٰی جانا ہے۔ منٰی کے لیے انتظامیہ آپ کو رات سے ہی لے جانا شروع کردے گی۔ منٰی میں قیام کے دوران آپ نے کوئی خاص عمل نہیں کرنا ہے۔ بس ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور 9 ذی الحجہ کی فجر کی نماز منٰی میں ادا کرنا ہے۔ 9 ذی الحجہ کی صبح سورج نکلنے کے بعد منٰی سے میدان عرفات جانا ہے۔ میدان عرفات وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن اللہ تعالٰی اپنا تخت سجائیں گے اور جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آج مغفرت کا دن ہے۔ آج یوم عرفہ ہے۔

میدان عرفات میں 9 ذی الحجہ کی دوپہر سے غروب آفتاب تک میدان عرفات میں قیام کرنا ہے۔ کچھ دیر کا قیام حج کا رکن اعظم ہے جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ 9 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع ہو جاتی ہیں، منٰی اور عرفات دونوں جگہ فرض نمازوں کے بعد ایک بار بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھیں۔ اَللّٰہُ اَکبَر اَللّٰہُ اَکبَر، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر، اَللّٰہُ اَکبَر وَلِلّٰہِ الحَمد۔ 9 ذی الحجہ کی فجر سے 10 ذی الحجہ تک فرض نماز کے بعد پہلے تکبیر تشریق اور پھر تلبیہ پڑھیں چونکہ تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کیساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے باقی

ایام میں صرف تکبیر تشریق پڑھیں۔وقوفِ عرفات کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔اس لئے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر وقوف میں مصروف ہو جائیں۔ سایہ کے بجائے دھوپ میں وقوف کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر کسی بیماری کا خدشہ ہو تو آپ سایہ میں اور خیمہ میں بھی وقوف کر سکتے ہیں۔ اگر پورا وقت کھڑے رہنا مشکل ہو تو جتنی دیر کھڑے رہنے کی سکت ہو کھڑے رہیے۔ ضرورت ہو تو وقوف کے وقت بیٹھنا بلکہ لیٹنا بھی جائز ہے۔ غروب آفتاب کے بعد آج کے دن کے لیے حکم ہے مغرب اور عشا کی نمازایک ساتھ مزدلفہ میں ادا کی جائے۔اب تمام حجاج کرام عرفات سے مزدلفہ کیلئے روانہ ہونگے۔ لاکھوں انسانوں کی یہ بستی مزدلفہ کے پہاڑوں پر کھلے آسمان کے تلے سجے گی۔مزدلفہ میں رات ٹھہرنیوالے حجاج کے لیے یہ رات شب قدر سے بھی افضل ہے اس لئے اس رات کی عظمت اور قدر و قیمت کو یاد رکھیئے۔ یہ رات جاگ کراور رب خداوندی کی عبادت میں گزاری جائے اور اگر کوئی آرام کرنا چاہیے تو وہ منع نہیں ہے۔ مزدلفہ کے وقوف کا وقت صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے تک رہتا ہے۔ مزدلفہ سے منٰی روانگی سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ منٰی جا کر شیطان کو کنکریاں مارنا ہے اس کا انتظام یہاں مزدلفہ سے کرنا ہے۔ تمام حجاج کرام ستر کنکریاں ایک تھیلی میں رکھ لیں۔ جب 10 ذی الحجہ کی صبح کا اجالا آسمان پر پھیلنے لگتا ہے تو انسانوں کا یہ سمندر ایک بار پھر منٰی کی طرف کوچ کرتا ہے۔ ہر طرف آدم ہی آدم نظر آتا ہے۔

دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہے۔ رمی کیساتھ تکبیر کہنا مسنون ہے۔ رمی کے بعد پہلے قربانی کیجئے پھر حلق کرواکر احرام کھول دیجئیے۔ اب حجاج اکرام سلے ہوئے کپڑے پہن سکتے ہیں، خوشبو لگا سکتے ہیں اور احرام کی حالت میں ممنوع جملہ امور انجام دے سکتے ہیں۔ اسکے بعد کعبہ کا طواف کریں۔ یہ طواف حج کا رکن اور فرض ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور حجامت کے بعد سلے ہوئے کپڑوں میں کیا جاتا ہے۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی ہوگا۔ الحمد للہ دسویں ذی الحجہ کے سارے کام انجام پا گئے۔ اب حجاج صاحبان مکمل طور پر احرام کی پابندیوں سے فارغ ہو گئے ہیں۔ فارغ ہو کر آپ پھر منٰی چلے جائیں۔ طواف زیارت کے بعد دو رات اور دو دن منٰی میں قیام کرنا ہے۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ہے اور آج رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے۔ اپنے خیمے یا مسجد میں ظہر کی نماز ادا کریں اور پھر رمی کے لئے نکل جائیں۔ راستہ میں سب سے پہلے جمرہ اولی ''چھوٹا شیطان'' آئیگا۔ اس پر سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد آگے چلیں جمرہ وسطٰی '' درمیانی شیطان'' پر آئیں اور اسی طرح سات کنکریاں اسکو بھی ماریں جس طرح ''جمرہ اولی'' پر ماری تھیں۔ اس کے بعد جمرہ عقبہ ''بڑے شیطان'' پر آئیں۔ اسی طرح سات کنکریاں اس کو بھی ماریں، جس طرح پہلے دو شیاطین کو ماری تھیں۔ اس طرح حج کے تمام ارکان ادا ہو گئے ہیں اور حج کی سعادت نصیب ہو گئی ہے۔ اب صرف طوافِ وداع کرنا باقی رہ

گیا ہے۔جب مکہ معظّمہ سے وطن واپس ہونیکا ارادہ ہو تو طواف وداع ادا کیا جاتا ہے۔ یہ طواف مکہ سے باہر رہنے والے پر واجب ہے۔بیت اللہ سے جدائی پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیجئے۔

یہ وہ سفر ہے جس کی ہر مسلم کی خواہش ہوتی ہے۔یہ میری زندگی کا سب سے حسین اور نہ بھولنے والا سفر ہے۔ اللہ تعالی ہر مسلمان کو ایسا سفر کرنے کی توفیق دے۔ آمین

سنت ابراہیمؑ ادا کیجئے !

ہم بچپن سے یہ محاورہ سنتے آرہے ہیں کہ "نیکی کر دریا میں ڈال" مگر یہاں تو اس کے برعکس ہوتا ہے۔سب سے پہلے تو آج کے اس نفسا نفسی کے عالم میں کسی انسان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ کسی وہ غریب کی مدد کر سکے اور اگر کوئی انسان کسی کی مدد کر بھی دے تو چندافراد ہیں جو اس محاورے پر پورا اترتے ہیں ورنہ زیادہ تر لوگ تو دریا میں ڈالنے کی بجائے دنیا کے سمندر میں چیخ چیخ کر سب کو بتاتے ہیں اور جس شخص نے مدد مانگی ہوتی ہے وہ ساری زندگی ایسے لوگوں کے سامنے شرمندہ ہوتا رہتا ہے۔وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر تو بھوکا مرنا منظور ہے مگر ایسے لوگوں سے مدد کبھی نہ مانگے۔

جس چیز نے مجھے یہ کالم لکھنے پر مجبور کیا اور جو حقیقت پر مبنی بھی ہے وہ میں اپنے اس کالم کے ذریعے اپنے قارئین سے شئیر کرنا چاہتا ہوں ۔ ہو سکتا ہے شاید میرے اس کالم کی بدولت بہت سے گمراہ لوگ اپنی سوچ کو بدل کر راہ راست پر آ جائیں۔ عید الضحیٰ کے دن جن لوگوں پر قربانی واجب ہوتی ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق قربانی کا فرض ادا کرتے ہیں۔قربانی سنت ابراہیم بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جاتی تھی۔ ہر کوئی صاحب استطاعت شخص سنت

ابراہیم کو پورا کرنے کے لیے قربانی کا جانور خریدتا ہے اور پھر دس ذوالحج کو اس کو ذبح کرکے اس سنت کو ادا کرتا ہے۔

آج کل کے اس دور میں سنت ابراہیمی کو بھی دنیا داری کے طریقے سے ادا کیا جارہا ہے۔ قربانی کا فرض دیکھا دیکھی کی بنا پر ادا کیا جارہا ہے۔ ہر شخص اپنے عزیز واقارب اور محلے داروں کو نیچا دکھانے کے لیے جانور مہنگے سے مہنگا خریدتا ہے۔ان کو شش ہوتی ہے کہ ہمارا جانور زیادہ مہنگا ہوتاکہ رشتے داروں اور محلے داروں میں ہمارا نام سب سے اونچا ہو۔کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مہنگا جانور نہیں خرید سکتے اس لیے وہ عید سے ایک دن پہلے جانور لے کر آتے ہیں اور عید والے دن قربان کرتے ہیں۔ جو لوگ مہنگا جانور خرید کرلاتے ہیں وہ ہر روز اُس جانور کو پورے محلے میں گھوماتے پھرتے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ انھوں نے کتنا مہنگا جانور قربانی کے لیے خریدا ہے؟

جب کہ اسلام میں جانور کی قیمتی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی سروکار نہیں اگر آپ نے ہزار کا جانور لیا ہے یا10 لاکھ کا اس کا سنت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں۔ قربانی تو 10 نیت پر ہوتی ہے۔ اگر آپ نے وہ جانور دنیا دکھاوے کے لیے لیا ہے تو اس کا اجر بھی دنیا ہی ملے گیا کیونکہ آپ کا اور آپ کے جانور کا چرچا پورے محلے میں ہورہا ہوتا ہے اور ہر کوئی آپ کی بڑائی کررہا ہے اور

یہی کچھ ایسے لوگ چاہتے ہیں۔ اللہ کو تو آپ کی نیت سے غرض ہے اس کے جانور کی خوبصورتی یا وزن سے نہیں۔ جس غریب نے اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق جانور خریدا خواہ وہ پانچ ہزار کا ہی کیوں نا ہو اللہ کو تو اس کی وہ قربانی قبول ہے۔
اکثر اسلامی تہواروں پر بچوں کی خواہش ہوتی ہیں کہ وہ اس کو اچھی طرح منا سکیں۔ انہیں اپنے گھریلو مالی حالات کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ بضد ہوتے ہیں کہ ان کی خواہش کو پورا کیا جائے مگر غربت ان کے آڑے آجاتی ہے۔ میڈیا کے ذریعے یہ خبر عام ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے بچوں کی خواہشات پوری نہ ہونے پر خودکشی کرلی۔ اگر صاحب حیثیت لوگ بیش قیمت جانور خریدنے کی بجائے ایسے غریب لوگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کم قیمت پر جانور خرید کر ان غرباء کو بھی خوشیوں میں شامل کرلیں تو سنت بھی ادا ہو جائے گی اور غرباء کی خوشیاں بھی دوبالا ہو جائیں گی۔
دنیا دار قربانی کرنے والوں کی سوچ ادھر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ جب قربانی کے بعد گوشت کی تقسیم کی باری آتی ہے تو اس میں بھی اللہ کی بجائے دنیا داری کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اچھا اچھا گوشت اپنے فریزر میں رکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد جب باہر گوشت تقسیم کرنے کی باری آتی ہے تو اس میں سے

بھی جو کچھ اچھا گوشت ہوتا ہے وہ اپنے خاص دوستوں کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ بعد میں جو ہڈی۔ چربی اور بچا کچا گوشت رہ جاتا ہے وہ دو چار غریبوں میں تقسیم کر کے اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام کے مطابق قربانی کرنے کے بعد گوشت کے تین حصہ کیے جاتے ہیں۔ ایک اپنے لیے، ایک رشتہ داروں کے لیے اور ایک غریبوں کے لیے (اگر کمی پیشی ہو تو تصدیق کر دیجئے گا)۔

عید کے بعد یہ باتیں بھی سننے کو ملتی ہیں کہ ہم نے فلاح کے گھر اتنا گوشت بھیجا تھا اس کے مقابلے میں انہوں نے بہت تھوڑا گوشت بھیجا ہے آئندہ ہم بھی کم گوشت بھیجیں گے اور جو حصہ غریبوں کے لیے ہوتا ہے یعنی جو اس کے اصل حقدار ہوتے ہیں ان کو ہم دروازے سے دھتکار دیتے ہیں۔ اور پھر عید کے بعد ایک دو ماہ تک خوب گوشت کھاتے ہیں۔

کیا سنت ابراہیمی اس کا نام ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اچھی چیز پسند ہیں مگر ہم آج قربانی میں سے اچھا گوشت اپنے لیے محفوظ کر لیتے ہیں اور جو ناپسندیدہ ہو وہ غریب غرباء میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اسلام میں ایسا کہاں لکھا ہے کہ قربانی میں اچھی چیز اپنے لیے اور ناپسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں دے دو۔

اللہ تعالی ہمیں سچی اور اچھی نیت سے قربانی کرنے اور اس کا گوشت حق داروں میں تقسیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بلدیاتی انتخابات ناممکن تو نہیں؟

دنیائے سیاست میں حضرت عمر فاروقؓ سے بڑا سیاستدان کوئی نہیں۔ حضرت عمرؓ فاروق نے نظام حکومت کی ابتدا تقسیم کار پر رکھی۔ ملک کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کیا۔ایک طرف خلیفہ دوم کا دور اور دوسری طرف ہمارا طرز سیاست ،جہاں اختیارات محدود ہاتھوں میں رہ گئے ہیں۔ امراء اور غربا میں بہت بڑا خلیج حائل ہے۔امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب غریب تر،بدقسمتی یہ کہ اس اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کا ایک متفقہ آئین بھی ہے، قانون بھی ہے، محکمہ جات بھی قائم ہیں،مسائل کا گلہ دبانے کے لیے مجاز افسران بھی ہیں، جرائم کی روک تھام، عوامی شکایات کے ازالے اور عوامی حقوق کے تحفظ کے لیے ادارے اور منتخب نمائندے بھی موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ملک میں کچھ نہیں ہو رہا۔ عوامی مسائل جوں کے توں برقرار ہیں۔اس نظام سے عوام کو کوئی ریلیف نہیں مل رہا۔ کیوں نہیں مل رہا؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں مگر اس کی سب سے بڑی وجہ اختیارات کی نچلی سطح پر عدم منتقلی ہے۔ مرکز صوبوں اور صوبے اضلاع کو اختیارات منتقل نہیں کر رہے۔

بلدیاتی انتخابات اور ان کے نتیجے میں بننے والے ادارے دنیا کی کئی جمہوریتوں میں ترقی کے ضامن رہے ہیں۔ مختلف ممالک میں مقامی سطح پر ترقیاتی کام یہی بلدیاتی ادارے کر رہے ہیں اور پارلیمنٹ صرف ملکی سطح کے پالیسی

معاملات اور قانون سازی کے کام انجام دیتی ہے۔پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں اکثر جمہوری حکومتیں بلدیاتی انتخابات سے گریزاں رہی ہیں۔ گذشتہ جمہوری حکومت نے جان بوجھ کر بلدیاتی انتخابات نہیں کروائے۔ اس کی وجہ شاید قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب نمائندوں کو خوف ہے کہ کہیں اس عمل سے ان کے اختیارات چھین نہ لیے جائیں۔اس کے برعکس اکثر بلدیاتی انتخابات فوجی حکومتوں نے ہی منعقد کروائے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فوجی آمر نے اپنی سہولت اور مفاد کے لیے نت نئے بلدیاتی نمونوں کو متعارف کروایا

عدالتِ عظمیٰ کے اصرار پر بظاہر اب پورے ملک میں بتدریج بلدیاتی انتخابات کروائے جا رہے ہیں۔ بلوچستان اور پختونخواہ میں بلدیاتی الیکشن ہو چکے ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں مرحلہ وار پروگرام مرتب کر دیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں میں کاغذات جمع کرادیے گئے ہیں۔چند شہروں اور دیہاتوں میں الیکشن کی گہما گہمی شروع ہو گئی ہے۔ گلیاں اور بازار رنگ برنگے فلیکسوں سے سجنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہوٹلوں اور چوراہوں پر سیاسی گفتگو بھی جاری ہے۔ الیکشن دشمنی میں قتل و غارت کا بازار گرم ہونا شروع ہو گیا۔ ایک دوسرے کو دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ یہاں تک بھی سنا ہے کہ سیاسی پارٹیوں نے اپنے امیدواروں سے حلف نامے تک لے لیے ہیں۔

اس بار بلدیاتی الیکشن پارٹی بنیادوں پر ہو رہے ہیں اس لیے سیاسی پارٹیوں کا

بنک بیلنس بھی کافی اَپ ہو رہا ہے کیونکہ یونین کی بنیاد پر ہونے والے الیکشن میں بھی چیئرمین اور وائس چیئرمین سے پارٹی ٹکٹ دینے کے لیے لاکھوں روپے بٹورے جا رہے ہیں۔

جہاں اس الیکشن کا عوامی سطح پر بہت فائدہ ہے اتنا ہی دوسری طرف نقصان بھی ہے۔

فائدہ تو یہ ہے کہ چلو چھوٹے موٹے کام یونین سطح پر ہو جاتے ہیں اور عوام کو ذلیل و خوار نہیں ہونا پڑتا۔ یونین لیول پر جو کام ایڈمنسٹریٹر سے کرانا ہوتا تھا ور اس کی تلاش میں مارے مارے پھرنے سے بہتر ہے اب چیئرمین یا وائس چیئرمین کونسل میں موجود ہونگے اور ان کے ذریعے کام ہو جائے گا۔ ترقیاتی کاموں میں بھی یونین چیئرمین کو اپنے علاقے کا پتہ ہوتا ہے اس لیے جہاں کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ادھر وہ کام کروا دیتا ہے۔ (اگر کرانا چاہتے ہوں تو)

بات رہ گئی نقصان کی تو سب سے پہلے تو مقامی الیکشن ہونے کی وجہ سے لڑائی جھگڑے کا زیادہ ہوتے ہیں۔ ووٹ نہ دینے پر ایک دوسرے سے تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ مرنا جینا، خوشی غمی میں آنا جانا ختم ہو جاتا ہے۔

ویسے بھی اس بار بلدیاتی الیکشن کے لیے جو حلقہ بندیاں کی گئی ہیں وہ زیادہ

تر ایم این ایز اور ایم پی ایز کی خواہشات تو مد نظر رکھ کر کی گئی ہیں۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ وہ گاؤں جو ایک تھا اس کو دو حصوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ وارڈز کو بلاک میں تبدیل کرکے اس کو بہت بڑا بنا دیا گیا ہے۔ البتہ وارڈ سسٹم کو ختم کرکے بلاک بنا کر ان بلاک کی تعداد بھی کم کر دی گئی ہے،۔

یہ سب مسئلے مسائل ایک طرف اندرون خانہ سنا جا رہا ہے کہ ہو سکتا ہے بلدیاتی الیکشن ایک بار پھر لیٹ کر دیے جائیں گے۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق محرم الحرام کو ایشو بنا کر الیکشن ملتوی کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر یہ الیکشن ملتوی ہوئے تو ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا بلکہ پہلے بھی ملتوی ہو چکے ہیں۔ اس سے پہلے ملتوی ہونے والے الیکشن میں بھی کاغذات نامزدگی جمع کرا دیے گئے تھے جس کا مالی فائدہ بھی حکومت کو ہوا تھا کیونکہ جن امیدواروں نے کاغذات جمع کرائے تھے ان میں سے کتنے امیدواروں کو دوبارہ پارٹی کا ٹکٹ نہیں ملا اور کچھ امیدوار وفات بھی پا چکے ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ ابھی تک بہت کم حلقوں میں الیکشن کی ہلچل ہے ورنہ بہت علاقوں میں ابھی تک خاموشی کی فضا برقرار ہے۔

اگر سپریم کورٹ، الیکشن کمیشن اور حکومت بلدیاتی انتخابات کرانے میں سنجیدہ ہے تو پھر عوام کو بیوقوف نہ بنایا جائے اور نہ ہی الیکشن کی فضا بنا کر خاندانوں میں تفریق ڈلوائی جائے۔ قومی و صوبائی الیکشن کی نسبت ان

الیکشن میں دشمنیاں زیادہ بڑھتی ہیں کیونکہ ایک ہی خاندان ،برادری سے کئی کئی امیدوار کھڑے ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ برادری یا خاندان دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور جس کا اختتام لڑائی پر ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے پرامن الیکشن ہوں۔لوگ الیکشن کو صرف الیکشن سمجھیں ذاتی لڑائی نہ بنائیں۔

نواز شریف کا جنرل اسمبلی سے خطاب

کل رات اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف نے ایک جاندار خطاب کیا۔ان کے خطاب سے پہلے ہی میڈیا کی بدولت چند نکات منظر عام پر آ گئے تھے جن پر میاں صاحب نے تقریر کرنا تھی۔نواز شریف کی تقریر کے نکات آنے کے بعد بھارت کے ایوانوں میں ہلچل سی مچ گئی کیونکہ چور کی داڑھی میں تنکا کے مترادف بھارت کو اقوام متحدہ میں تمام سربراہوں کی موجودگی میں شرمندگی اٹھانا پڑنی تھی ۔پھر بھی میاں صاحب نے بھارت کی ہٹ دھرمی کے باوجود ایک بار پھر اس کی کچھ عزت رکھ لی اور ان کو مذاکرات کی ایک بار پھر دعوت دے دی۔

وزیراعظم نواز شریف نے جنرل اسمبلی کے 70 ویں اجلاس سے پاکستان کے وقت کے مطابق رات ساڑھے نو بجے خطاب کیا۔ وزیراعظم پاکستان کا مختصر مگر جامع خطاب سترہ منٹ جاری رہا۔وزیر اعظم نے کہا کہ آج سے 70 سال قبل اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، اقوام متحدہ دنیا میں تباہ جنگوں کے بعد صورتحال بہتر بنانے کیلئے بنائی گئی تھی، دنیا میں دہشتگردی پھیل رہی ہے، اقوام متحدہ نے مشکلات کے باوجود دنیا بھر کے مسائل حل کرنے کے لیے کام کیا۔ پاکستان اقوام متحدہ میں جامع اصلاحات کی حمایت کرتا ہے۔

وزیراعظم پاکستان نے کہا ہے کہ پاکستان سیکیورٹی کونسل میں اصلاحات کا حامی ہے۔ سلامتی کونسل طاقت ور ملکوں کا توسیعی کلب نہیں بنایا جانا چاہیے۔ کشمیر کے مسئلے پر دوٹوک الفاظ میں کہا کہ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی حمایت کرتے ہیں۔ کشمیر بنیادی مسئلہ ہے جسکا حل لازمی ہونا چاہیے۔ مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لیے کشمیری عوام کی شمولیت ناگزیر ہے۔ ہمارا ہمسایہ (بھارت) پاکستان اور خطے میں امن نہیں چاہتا، سرحدی کشیدگی روکنے کے لیے اقوام متحدہ کے مبصرین کومزید مضبوط بنانا چاہیے۔ لائن آف کنٹرول پر سرحدی خلاف ورزیاں خطے میں کشیدگی بڑھارہی ہیں، ہمیں اور ہمارے ہمسائیہ کو سمجھنا چاہیے کہ ہمارا مشترکہ دشمن غربت ہے۔

نواز شریف نے دہشت گردی پر اقوام متحدہ کو واضح الفاظ میں بتایا کہ ہم ایک ذمے دار جوہری ملک ہیں، پاکستان دہشتگردی سے سب سے زیادہ متاثرہ ملک ہے، آپریشن ضرب عضب دہشتگردی کیخلاف اب تک کا سب سے بڑا آپریشن ہے، آپریشن ضرب عضب اس وقت ختم ہوگا جب ہم اپنے مقاصد حاصل کرلیں گے، ہر شکل میں دہشتگردی کے خلاف لڑینگے، ہمارے دستے دہشتگردوں کیخلاف سب سے بڑے آپریشن ضرب عضب میں مصروف ہیں، ہم نے دہشتگردی کیخلاف سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں، دہشتگردی کی ہر قسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف نے امت مسلمہ کے مسئلے پر بھی دوٹوک بات کی ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کیخلاف ناانصافیوں کو ختم کرنا ہوگا،کچھ ملکوں نے عوام کے حق خودارادیت کو کچل رکھا ہے، فلسطین کاالمیہ بہت بڑھ چکا ہے، ہم دنیا سے دہشتگردی کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں ۔پرامن ہمسائیگی کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔اقوام متحدہ کی 70 ویں سالگرہ پر ہمیں دنیاکے نئے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے، درپیش چیلنجز سے نمٹنے کیلئے اقوام متحدہ کو استعمال کرنا چاہیے ۔ان کا کہنا تھا کہ داعش کی شکل میں دنیاکوایک نئی دہشت گردی کاسامنا ہے، داعش جیسی تنظیمیں دنیاکے امن کے لیے خطرہ ہیں۔انتہاپسندی اوربنیادپرستی کوجڑسے ختم کرنا ہوگا، ہم افغانستان میں امن اوراستحکام چاہتے ہیں۔

نوازشریف نے اس سترہ منٹ کے خطاب میں غربت سے لیکر دہشت گردی تک، ہمسائیہ ممالک سے سے لیکر عالمی ممالک تک پر بات کی ۔کسی بھی پاکستان حکمران کی شائد اس طرح کی یہ پہلی تقریر ہو جس میں زیادہ تر موقف امت مسلمہ پر تھا۔ایک حقیقی اسلامی ممالک کا کردار ادا کیا۔کشمیر کے مسئلے پر دوٹوک بات کی۔سرحد کی خلاف ورزی پر بھارت کو ناصرف واضح پیغام دے دیا بلکہ اس کا حل بھی اقوام متحدہ کے سامنے رکھ دیا۔

میاں صاحب نے اپنی تقریر کے دوران کہا تھا کہ اقوام متحدہ میں فلسطین کا

پرچم لہرایا گیا مجھے خوشی ہے مگر میاں صاحب سب کچھ ٹھیک ہے۔ آپ نے ایک اچھی تقریر کی جو اقوام متحدہ کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے مگر یہ متحدہ قوم کے سربراہان آنکھیں اور کان بند کرکے اجلاس میں شرکت کرتے ہیں۔ ستر سال ہوگئے اجلاس ہوتے ہوئے مگر یہ جنرل اسمبلی ابھی تک کشمیر کی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکی۔ بھارت پاکستان میں دہشت گردی کرانے میں ملوث ہے، آئے روز سرحد کی خلاف ورزی کی جارہی ہے کیا یہ سب اقوام متحدہ کو دکھائی نہیں دے رہا۔ اب آپ ثبوت بھی دے رہے ہیں مگر یاد رکھنا کہ اقوام متحدہ ان پر کوئی ایکشن نہیں لے گا کیونکہ کافر کبھی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا۔

میاں صاحب آپ کی تقریر پر شائد اس بار کوئی سیاستدان یا تجزیہ نگار تنقید نہ کرے مگر ایک بات یاد رکھیے گا اقوام متحدہ وہ بھینس ہے جس کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو اسمبلی 70 سال میں اپنی پرانی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکی وہ آپ کی نئی باتوں کو کیسے مانے گی۔ ہاں آپ نے جیسے فرمایا کہ ہم ایک بار پھر بھارت کو مذاکرات کی دعوت دیتا ہوں تو ایسی باتوں سے یہ لوگ آپ کی تعریفوں کے پُل باندھیں گے مگر یہ نہیں دیکھیں گے کہ کیا بھارت دوستی کے قابل ہے؟ جو ملک پاکستان میں دہشت گردی کرے، کشمیر پر ستم ڈھائے اور ہماری سرحد پر بلا اشتعال ہر روز فائرنگ کرے کیا ایسا ملک دوستی یا اعتبار کے لائق ہے؟

ہم پر امن پاکستانی اور مسلمان ہونے کے ناطے ایک بار پھر اقوام متحدہ سے امید رکھتے ہیں (امید ہے نہیں پھر بھی) کہ وہ مسئلہ کشمیر پر اپنی قرار دادوں ، بھارت کی طرف سے سرحد کی خلاف ورزی اور فلسطین کے مسئلے پر ایمانداری اور دیانتداری سے عمل کرائے گی۔

سلام استاد

یوم اساتذہ ان چند عالمی دنوں میں سے ایک ہے جسے دنیا کے مختلف ممالک مختلف تاریخوں میں مناتے ہیں۔ اس دن کو منانے کا مقصد اساتذہ کی خدمات کا اعتراف کرنا ہے۔ یہ ایک حیران کن بات ہے کہ مختلف ممالک میں یوم اساتذہ مختلف دن کو منایا جاتا ہے مگر تمام ممالک میں ایک بات مشترک ہے کہ اساتذہ کا دن انتہائی خلوص، محبت اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ تمام ممالک میں اساتذہ کے دن کو خصوصی سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرکے منایا جاتا ہے۔ اور اساتذہ کی خدمت میں پھولوں کے ساتھ ساتھ مختلف بیش قیمت تحائف بھی دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں بھی اساتذہ کا عالم دن 5 اکتوبر کو منایا جاتا ہے۔ پچھلے سال یوم اساتذہ ''سلام ٹیچرڈے'' کے تحت منایا گیا۔ پاکستان کی طرح دوسرے ممالک میں بھی یوم اساتذہ منایا جاتا ہے۔ مسلم ممالک ترکی کے پہلے صدر مصطفٰی کمال اتاترک نے اساتذہ کی خدمات کے اعتراف میں 24 نومبر کو اساتذہ کے دن کے طور پر منانے کا اعادہ کیا، جو آج تک جاری ہے۔ ملیشیا میں 16 مئی کو اساتذہ کے دن سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ایران میں بھی استاد کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ''روز معلم'' منایا جاتا ہے۔ روز معلم ہر سال 2 مئی کو منایا جاتا ہے۔

مسلمان کئی صدیوں تک علم و سائنس، فلسفہ اور میں استاد رہے ہیں اور دوسری قوموں نے انے استفادہ اٹھایا۔ حضور اکرم ﷺ کا بحثیت معلم دنیا کے لیے انمول کردار تھا۔ ایک طرف تو استاد تاریخ کا دھارا بدل دیتی ہے تو دوسری طرف دنیاوی مفاد کے لیے پاکستان میں اساتذہ نے تعلیم جیسے مقدس شعبے کو کاربار بنالیا ہے۔ طالب علم ایک خاندان کا فرد ہی نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کی امیدوں اور امنگوں کا مظہر بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں اساتذہ کی بہترین تعلیم و تربیت ہی انہیں عملی زندگی میں نئے نئے راستے دکھا سکتی ہے۔ مگر قیام پاکستان کے بعد سے لے کر آج تک تعلیم کے شعبے کو ہر حکومت نے زبانی جمع خرچ کی حد تک رکھا ہے۔

تعلیم کے شعبے میں پرائیویٹ تعلیمی اداروں نے خاطر خواہ ترقی کی ہے اور سرکاری تعلیمی اداروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ نجی شعبے کی تعلیم کے میدان میں ترقی نے تعلیم جیسے مذہبی فریضے کو بھی کاروبار بنا دیا ہے۔ غریب طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو نجی شعبے کے تعلیمی اداروں میں داخلہ دلانے کی سکت نہیں رکھتے اور وہ معیاری تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جس کی وجہ وہ ملک و قوم کے لیے کارہائے نمایاں نہیں ادا کرپاتے۔

تعلیم سے محروم بچوں کی تعداد کے حوالے سے پاکستان دنیا میں کافی پیچھے ہے۔ اس ضمن میں حکومتی نااہلی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ پچھلے کئی سال سے تعلیم کے نام پر بڑا جوش و جذبہ دکھایا جارہا ہے۔ میڈیا میں بڑے بڑے اشتہارات دیے جارہے ہیں تو کہیں دانش سکول کھولے جارہے ہیں، تعلیمی میدان میں بچوں کو مفت کتابیں اور تعلیم دی جارہی ہیں۔ پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو سکول میں داخل کرانے کا قانون بنایا جارہاہے مگر ہمیں یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ آج کے اساتذہ میں طلبہ کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے وہ جوش وخروش دیکھنے میں نہیں آتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ کو ان کی خدمات کا وہ صلہ نہیں دیا جاتا جن کی وہ ہم سے امید رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے اساتذہ کو آج کے دور میں وہ مقام حاصل نہیں ہوتا جس کا وہ حقدار ہے۔ استاد کسی بھی شہر کا ہو یا ملک کا اس کا پیشہ ٹیچنگ ہے۔ وہ ایک استاد ہے اور وہ قوم کا معمار ہے۔

آج ایک طرف 18 گریڈ کا ہیڈ ماسٹر ہو اور دوسری طرف ایک پولیس کانسٹیبل تو لوگ خوف سے اس پولیس والے کو سلام کریں گے مگر استاد کو نہیں۔ آج پاکستان میں کوئی الیکشن ہو یا الیکشن کا کام، مردم شماری ہو یا خانہ شماری ان سب میں استاد کی ڈیوٹی لگادی جاتی ہے، حتیٰ کہ اب تو حکمران اپنے جلسے اور جلوسوں میں خصوصی طور پر حکمنامہ جاری کرتے ہیں کہ تمام اساتذہ حاضر ہوں اور

پٹواریوں اور نمبرداروں کے ذریعے ان کی حاضری کرائی جاتی ہے۔ اس کا کام بچوں کا پڑھانا ہے نہ کہ حکمرانوں کے جلسے جلوس میں شامل ہونا۔ پاکستان میں اور بھی گورنمنٹ کے ادارے ہیں مگر ایسے کاموں میں حکومت کو صرف استاد ہی فارغ نظر آتے ہیں۔ پھر ان سے کرائے گئے کاموں کا معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو برائے نام۔

آج جب پولیس، ڈاکٹرز اور خود حکومتی ممبران کی تنخواہ میں پچاس سے سو فیصد تک اضافہ کیا جارہا ہے مگر ان قوم کے معماروں کی تنخواہ میں دس سے پندرہ فیصد اضافہ کرتے ہیں اور وہ بھی کٹوتی کرنے کے بعد پانچ سے سات فیصد ہوتا ہے۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ بھی ایسے کرتے ہیں جیسے کوئی بھیک دے رہے ہوں۔ استاد کا مقام دنیا میں انمول ہستی کا ہے۔ ماں باپ اولاد کو پیدا کرتے ہیں مگر ان کی اصل پرورش استاد کرتا ہے خواہ بچہ ہے یا بچی۔

حکومت پاکستان، شعبہ تعلیم سے وابستہ افراد اور علم و تعلیم کے ماہرین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امت مسلمہ کے دور رس مفادات کے تحفظ کے لیے طلبہ کی تعلیمی شعبوں کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی رہنمائی کریں اور اساتذہ کو اسکا حقیقی مقام دیں۔ آج یوم اساتذہ پر میں پاکستان کے تمام اساتذہ کی عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں اور ان کے لیے دعاگو ہوں کہ اللہ ان کو

ان کے مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔ (آمین)۔

ن و جنون میں جیت عوام کی

حال ہی میں ہونے والے ضمنی الیکشن ویسے تو لاہور اور اوکاڑہ میں تھے مگر اس کا چرچا پاکستان بھر میں تھا۔ عام آدمی سے لیکر تجزیہ نگار تک ہر کوئی اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس الیکشن پر تبصرے کر رہا تھا۔ یہی نہیں بہت سے لوگ تو اپنی پارٹی کو عظیم فتح دلائے ہوئے تھے۔ مختلف چینلز پر تو ایسے گفتگو ہوتی تھی جیسے یہ الیکشن نہیں کوئی جنگ ہو رہی ہو۔ این اے 122 اور این اے 144 میں الیکشن کم اور جنگ زیادہ لگ رہی تھی۔ این اے 122 کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دی جا رہی تھی۔ کچھ لوگ ن کو جتوا رہے ہیں تو کچھ جنون کو۔ کوئی بول رہا ہے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری طرف تن تنہا جنون ہے تو کسی نے کہا ایک طرف ن ہے اور دوسری طرف جماعت اسلامی، تحریک انصاف، ق لیگ، عوامی تحریک اور دوسری پارٹیاں کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ الیکشن کمیشن نے شیڈول جاری کرنے کے بعد ایم این ایز، ایم پی ایز سمیت حکومت پر کمپیئین چلانے پر پابندی عائد کردی تھی مگر خان صاحب نے رٹ دائر کرکے یہ پابندی ختم کرائی کیونکہ اگر پابندی رہتی تو پھر الیکشن میں گہما گہمی کیسے ہوتی؟ کس طرح ایک دوسرے پر یہ لیڈران کیچڑ اچھالتے۔

خان صاحب کبھی لاہور تو کبھی اوکاڑہ گرجتے دکھائی دیے۔ ن لیگ کا سارا

دارومدار لاہور میں رہا۔انہوں نے اوکاڑہ میں کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی کیونکہ وہاں دو ن لیگی اور ایک پی ٹی آئی کا مقابلہ تھا۔ خان صاحب نے تو اوکاڑہ میں میاں صاحب کے ایسے ایسے راز اوپن کیے کہ ان کو کرپٹ ترین انسان قرار دے دیا۔بقول جنون کہ میاں صاحب نے تو کرپشن میں زرداری کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ بحر حال سیاستدان ہر دور میں ایک دوسرے کو کرپٹ کہتے رہے ہیں اور کہتے رہینگے مگر جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو پھر سب مومن بن جاتے ہیں۔ کوئی پارٹی اپنے اندر کے کرپشن کو صاف نہیں کرتی مگر دوسرے کو کرپٹ ضرور بنا دیتی ہے۔ کونسی پارٹی ہے جو لوٹا کریسی سے باہر ہے؟ انسان دوسرے کی طرف ایک انگلی سے اشارہ کرتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تین انگلیاں اسکی اپنی طرف بھی ہوتی ہیں۔ سیاست میں کرپشن عام ہے اس کا تدارک کوئی نہیں کرتا اور نہ ہی دل سے چاہتا ہے۔

حلقہ این اے 122 میں مسلم لیگ کے امیدوار نے کامیابی تو حاصل کر لی تاہم دیکھا جائے تو مسلم لیگ کی کامیابی اور تحریک انصاف کی ناکامی کی صورت میں دونوں جماعتوں نے ہی سبق سیکھے ہیں۔ تحریک انصاف کی ناکامی سے یہ بات سامنے آ گئی ہے کہ عوام دھرنوں کی سیاست سے تنگ آ چکی ہے (دھرنوں کے بعد سے آٹھ الیکشن میں سے چھ ہارے ہیں)۔ جہاں عمران خان نے دھاندلی کے الزامات لگائے اور کہا تھا کہ ضمنی الیکشن کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے

گا تو اس کا نتیجہ سامنے آ گیا ہے اور تحریک انصاف کو این اے 122 اور این اے 144 میں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ خان صاحب کو اپنے امیدواروں کے انتخاب میں سمجھداری دکھانا ہو گی کیونکہ تحریک انصاف کے اپنے ہی حلقوں میں اس حوالے سے انگلیاں اٹھائی گئیں۔ دونوں حلقوں میں تحریک انصاف کے پرانے کارکنوں نے اپنے امیدواروں کو دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ سوشل میڈیا پر اپنے امیدواروں کے متعلق آواز بلند کرتے رہے کیونکہ ان کی آواز حقیقت میں تو اپنے لیڈران تک نہیں پہنچ رہی اسی لیے انہوں نے سوشل میڈیا کا سہارا لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ عوام اب لوٹا کریسی سے تنگ آ چکے ہیں۔ وہ بھی اب حقیقی تبدیلی چاہتے ہیں۔ عوام چہرے نہیں نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں۔

دوسری جانب مسلم لیگ ن کو بھی لاہور اور اوکاڑہ کے ضمنی الیکشن میں اپنی حیثیت کا علم ہو گیا ہو گا۔ ن لیگ نے الیکشن میں جیت سے زیادہ کچھ حاصل نہ کیا اور یہ جیت بھی ایسی تھی کہ ہار لگ رہی تھی کیونکہ حکمران جماعت ہو کر صرف 4 ہزار ووٹوں کی جیت کوئی بڑی جیت نہیں۔ اوکاڑہ کے الیکشن میں ن لیگ کے فیصلے کو عوام نے یکسر مسترد کر دیا جس کا برملا اعتراف وزیراعظم پاکستان اور ن لیگ کے صدر نے کر لیا۔

خان صاحب بھی نواز شریف کی طرح ایک بیان دے چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ " این

اے 122 کا انتخاب شفاف تھا لیکن قبل از وقت دھاندلی ہوئی جب کہ نواز شریف نے یہ میچ بھی اپنے امپائرز کے ساتھ کھیلا۔ عمران خان نے کہا کہ حکومتی مشینری استعمال کرنے کے باوجود ایاز صادق صرف چند سو ووٹوں سے جیتے لیکن اگر میں علیم خان کی جگہ ہوتا تو آسانی سے جیت جاتا۔''

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن پارٹیوں کے سربراہ اس طرح کے بیان دیں تو پھر وہ یہ بھی بتا دیں کہ ان امیدواروں کو ٹکٹ دینے کا فیصلہ کس کا تھا؟ایسے غلط فیصلے کون کرتا ہے؟جو لوگ اپنی پارٹی کے فیصلے کرنے مجاز نہیں وہ ملک کے لیے کیا فیصلے کریں گے ؟اگر ہماری سیاسی جماعتوں کے قائدین پاکستان سے مخلص ہیں اور پاکستان کو کرپشن سے پاک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر پہلے اپنی پارٹیوں میں کرپٹ لوگوں کو نکالیں۔

الیکشن میں جیت ن کی ہو یا جنون کی مگر یہ حقیت ہے ان دونوں سیٹوں پر عوام نے اپنا ردعمل واضح کر دیا۔ جو لوگ ن اور جنون کے قصیدے پڑھ رہے تھے انہیں بھی معلوم ہو گیا کہ عوام کس طرف یا کیا چاہتی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ اس بار عوام نے ن اور جنون کی امیدوں کے برعکس رزلٹ دیکر ثابت کر دیا کہ جیت اس کی ہوئی ہے۔

کیونکہ میں جھوٹ نہیں بولتا

حسب عادت میں اپنے موبائل پر سوشل میڈیا میں گم تھا۔دوستوں سے چیٹینگ میں مصروف تھا۔واٹس اپ کوچیک کیا تو اس میں ایک دوست نے مجھے ویڈیو شئیر کی ہوئی تھی۔ وہ ویڈیو میرے ہی نہیں دنیا بھر کے لاکھوں مسلمانوں کے پسندیدہ مفکر وعالم مولانا طارق جمیل صاحب کی تھی۔ میں نے اس کو اوپن کیاتوان کا وہ بیان حضرت عمر بن خطاب پر تھا۔ ان کا وہ بیان حاکم اور خلیفہ کے بارے میں تھا۔ان کے بیان کے مطابق حضرت عمر حاکم نہیں بلکہ خلیفہ تھے انہوں نے خلیفہ اور حاکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ خلیفہ حکم پر حکومت قربان کردیتا ہے اور حاکم کون ہوتا جوحکومت پر حکم کو قربان کردیتا ہے یعنی حکم جائے پر حکومت نہ جائے اور خلیفہ کہتا ہے کہ حکومت جائے پر شریعت نہ جائے۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مہینے میں ایک دن گوشت کھاتے تھے۔ ایک حضرت عمرؓ کے بیٹے نے آپؓ کی دعوت کی تو آپ نے نوالہ منہ میں رکھتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ میں نہیں کھاؤں گا بیٹے نے پوچھا کیوں ابا جان ؟ فرمایا کہ دو سالن ہیں۔ بیٹے نے کہا نہیں اباجان ایک سالن ہے گوشت، آپؓ نے فرمایا نہیں دو سالن ہیں گوشت میں گھی ہے اور گوشت الگ سالن اور گھی الگ۔

آپؓ نے زندگی میں کبھی گھی اور گوشت ملا کر نہیں کھایا۔بیٹے نے کہا ابا جان میں نے کوئی فضول خرچی نہیں کی،آج گوشت سستا مل گیا تھا اس لیے آدھے درہم کا گوشت لے لیا اور آدھے درھم کا گھی ۔اس لیے میں نے کوئی فضول خرچی نہیں کی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں بیٹا عمر کا ہاتھ منہ میں نہیں جاسکتا۔مولانا صاحب حضرت عمرؓ کے دور حکومت کے بارے میں مزید بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپ 22 لاکھ مربع میل کے حاکم راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے تھے۔ایک رات کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑھیا چولھے پر ہانڈی چڑھا کر بیٹھی ہے اور اس کے بچے رو رہے ہیں۔آپؓ نے پوچھا اماں کیا بات ہے یہ بچے کیوں رو رہے ہیں ؟ بوڑھیا نے کہا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے اس لیے بچے رو رہے ہیں ۔آپؓ نے پوچھا یہ کیا ہے تو بوڑھیا نے کہا کہ تو تسلی کے لیے ہانڈی چڑھائی ہے تاکہ بچے سو جائے۔بوڑھیا نے کہا کہ میرا اور عمر کا اللہ کے ہاں حساب ہوگا۔آپؓ کے کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے کہ عمر کو تمھاری کیا خبر ؟ بوڑھیا نے کہا کہ پھر وہ ہمارا حاکم کیوں بنتا ہے جو ہمارے حال کی خبر نہیں لیتا۔یہ سن حضرت عمرؓ وہاں سے بھاگے ،بیت المال سے مال اٹھایا، اپنی کمر پر اٹھا کر رکھنے لگے تو غلام آیا کہ میں اٹھاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ کیا قیامت کے دن بھی میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے ؟حضرت عمرؓ سامان لیکر وہاں پہنچتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر ان بچوں کو کھلاتے ہیں ۔بچوں کو کھانا کھلا کر چل دیے تو وہ عورت بولی کاش عمرؓ کی

بجائے تم امیرالمومنین ہوتا۔ تو آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں وہ ہی ہوں بلکہ فرمایا کہ اماں جب تو امیرالمومنین سے ملے گی تو مجھے بھی وہی پائے گی۔

مولانا طارق جمیل صاحب کا انداز بیاں تو پہلے ہی دنیا میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ایک بار ان سے مل لے تو پھر وہ گناہ سے توبہ کر کے نیکی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ میں خود ان سے ملنے کا طلب گار ہوں مگر موقع میسر نہیں آ رہا۔

دور دور سے تو ایک دو بار دیدار ہوا ہے پر ایک ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ 2010 میں جب میں حج پر تھا تو اس وقت میرے ایک دوست حافظ رانا فرمان صاحب ان کے ساتھ موجود تھے اور انہوں نے کئی بار میرے نمبر پر ٹرائی بھی کی کہ ہم لوگ ایک ہوٹل میں اکٹھے رہیں مگر بد قسمتی سے جس نمبر پر وہ ٹرائی کر رہے تھے وہ نمبر میرا میدان عرفات میں حج کی گہما گہمی میں گم ہو گیا تھا۔ بعد میں انہوں نے مجھے بتایا کہ میں آپ کو حج کے بعد کال کرتا رہا پر آپ کا نمبر بند تھا۔ بقول حافظ فرمان صاحب کے اس وقت مولانا طارق جمیل صاحب اور وہ ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ شاید میری قسمت میں اس موقع پر ملاقات نہ تھی۔

جس انداز میں مولانا صاحب نے حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا اس سے میرے اندر کا انسان مجھے جھنجھوڑنے لگا کہ ایک طرف یہ حکمران تھے اور دوسری طرف ہمارے

حکمران۔ہمارے کسی بھی جماعت سے وابستہ حکمران جھوٹ کا سہارا لیے بغیر بات نہیں کرتے۔ جس وقت میں یہ ویڈیو دیکھ رہا تھا اسی وقت ہمارے وزیر اعظم آزاد کشمیر میں ایک نئے پاور پلانٹ کا افتتاح کرکے خطاب فرما رہے تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اب پاکستان میں لوڈشیڈنگ چھ گھنٹے کی رہ گئی ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی اور میرا ذہن فوراً اس بیان کی طرف چلا گیا کہ ایک وہ حاکم جو خوف خدا سے سالن نہیں کھا رہے عورت کے جواب سن کر آبدیدہ ہو گئے کہ روز قیامت میں کیا جواب دونگا اور ایک ، طرف ہمارے یہ حاکم وقت جو صاف جھوٹ بول رہے ہیں جبکہ آج بھی ہمارے شہر میں بارہ گھنٹے لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ کوئی حاکم وقت کو جا کر بتائے کہ ہمارا شہر بھی انہی کی رعایا میں شامل ہے۔ ہم ملک پاکستان سے باہر نہیں۔

ویسے بھی سیاست کا دوسرا نام جھوٹ ہے مگر پھر بھی لوگ اس کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سیاست نہیں عبادت کر رہے ہیں۔ سیاستدان ہی نہیں بلکہ بہت سے علما کرام جو اسمبلیوں میں ہوتے ہیں وہ بھی جھوٹ اور سچ کا موازنہ اپنے مفاد کے مطابق کرتے ہیں۔ کبھی وہ ایک پلیٹ فارم سیاسی قائدین پر کرپٹ ہونے کا الزام لگا رہے ہوتے ہیں اور دوسرے دن اسی کرپٹ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر فوٹو سیشن کرا رہے ہوتے ہیں۔

کہنے کو ہم اسلامی ملک کے باشندے ہیں مگر یہاں پر اسلام صرف نام کا ہے۔ سود کو حلال، کام کرانے کے لیے رشوت جائز، عورتوں میں پردہ بس نام کا، ٹی وی پر فحاشی عام، پرائیویٹ چینلز پر گفتگو ایسی کہ کوئی بھی مرد بہن بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا، قتل و غارت عام۔ کیا ہمارا اسلام یہی درس دیتا ہے؟

''کرکٹ کا سلطان ''یونس خان

پاکستان کھیل کے شعبے میں اپنا مقام آپ رکھتا ہے۔ایک وقت تھا کہ پاکستان ، ہاکی ، سکوائش کا بے تاج بادشاہ تھا۔ پاکستان کے سامنے بڑی سے بڑی ٹیم کھیلتے ہوئے گھبراتی تھی۔ سکوائش میں جہانگیر خان اور جان شیر خان نے کئی سال تک حکمرانی کی جو ایک ورلڈ ریکارڈ ہے۔ ہاکی جوپاکستان کا قومی کھیل بھی ہے۔ایک وقت تھا کہ اس کھیل میں تمام اعزازات پاکستان کے نام ہوتے تھے۔پاکستان میں سمیع اللہ ، حسن سردار ، کلیم اللہ اور سہیل عباس جیسے نامور کھلاڑیوں نے جنم لیااور اپنے ملک کا نام روشن کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بدقسمتی ان میں سے کوئی بھی پاکستان میں وہ مقام حاصل نہیں کرسکا جتنا پاکستان کے کرکٹروں کو حاصل ہے۔

پاکستان نے کرکٹ کی دنیا میں ایک بار ورلڈ کپ اور ایک بار ٹی 20 ورلڈ کپ جیتا ہے۔ جبکہ ہاکی میں کئی بار ورلڈ کپ جیت چکا ہے مگر ان کے کھلاڑیوں کی کوئی پہچان نہیں جبکہ پاکستان کے سر پر تاج سجانے کا سہرا ان کھلاڑیوں کے سر ہے ۔ کرکٹ اب پوری دنیا میں مقبول ترین کھیل ہوتا جارہا ہے اور اگر میں یہ کہوں کے فٹ بال کے بعد دنیا کا سب سے زیادہ دیکھا جانے والا کھیل کرکٹ ہوگیا ہے تو شاید یہ غلط بھی نہ ہو۔

پاکستان نے کرکٹ کی دنیا میں نامور کھلاڑیوں کو جنم دیا اور جنہوں نے اپنے اپنے دور میں ملک کا نام روشن کیا۔ حنیف محمد، وسیم باری، جاوید میانداد، عمران خان، جلال الدین، وسیم اکرم، عبدالقادر، سعید انور، محمد یوسف، شعیب اختر، شاہد آفریدی اور یونس خان جیسے نام آج بھی کرکٹ کے میدان میں سنہری لفظوں سے لکھے جاتے ہیں۔ پاکستان نے عمران خان کی کپتانی میں 1992 میں وون ڈے رلڈکپ جیتا تھا۔ عمران خان کے بعد ورلڈکپ کا فاتح کپتان بننے کا سہرا ایک بار پھر پٹھان کے حصے میں آیا اور وہ پٹھان یونس خان تھا۔

یونس خان خیبر پختونخواہ کے شہر مردان میں 29 نومبر 1977 میں پیدا ہوئے۔ یونس خان دائیں ہاتھ کے بلے باز ہیں اور کبھی کبھی رائٹ آرم لیگ سپین باؤلنگ بھی کرلیتے ہیں۔ یونس خان نے پہلا ون ڈے 13 فروری 2000 اور پہلا ٹیسٹ 26 فروری 2000 میں کھیلا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آج کرکٹ کے میدان میں ڈیبیو کرنے والا 23 سالہ نوجوان کل کو اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرے گا۔ یونس خان نے انٹرنیشنل کرکٹ کے ساتھ ساتھ ڈومیسٹک سیزن، کاونٹی اور آئی پی ایل جیسی کرکٹ میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ یونس خان نے ڈومیسٹک کرکٹ میں پاکستان کی طرف سے "حبیب بنک"، "پشاور" اور "پشاور پنتھر" کی طرف سے حصہ لیا جبکہ کاونٹی کے میدان میں "ناٹنگھم شائر"، "سرے" اور "یارکشائر" کی نمائندگی

کرچکے ہیں اسکے علاوہ آئی پی ایل میں ''راجھستان رائلز'' اور جنوبی آسٹریلیا کی طرف سے بھی اپنے جوہر دکھا چکے ہیں۔یونس خان کی زندگی میں کافی اتار چڑھاؤ آئے۔ ٹیم سے ڈراپ بھی کیا گیا مگر قسمت کی دیوی کو شائد ابھی اس کھلاڑی کے ہاتھوں پاکستان کے لیے بہت کچھ کرانا منظور تھا۔ کرکٹ کے میدان میں جہاں اتنے سارے اعزاز یونس خان کا مقدر بنے ان میں ایک اعزاز پاکستان کی طرف سے سب سے زیادہ رنز بنانے والے کھلاڑی ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہونا تھا

متحدہ عرب امارات میں جاری پاکستان اور انگلینڈ کی سیریز سابق کپتان اور مڈل آرڈر بلے باز یونس خان کو ہمیشہ یاد رہے گی کیوں کہ انہوں نے انگلینڈ کے خلاف ابو ظہبی میں کھیلے گئے پہلے ٹیسٹ میں پاکستانی لیجنڈز انضمام الحق اور جاوید میانداد کا سب سے زیادرہ رنز بنانے کا ریکارڈ اپنے نام کیا اور دوسرے ٹیسٹ میں انہوں نے 9 ہزار رنز بنا کر پاکستان کی جانب سے یہ سنگ میل عبور کرنے والے پہلے ٹیسٹ کرکٹر کا اعزاز حاصل کرلیا۔مایہ ناز بلے باز یونس خان نے 103 میچوں میں 54.21 کی اوسط سے 9 ہزار رنز بنائے جس میں 30 نصف سنچریاں اور 30 سنچریاں شامل ہیں جب کہ وہ اپنے کریئر میں 4 ڈبل اور 1 ٹرپل سنچری بنا چکے ہیں۔جب کہ اس سے قبل پاکستان کی جانب سے سب سے زیادہ رنز بنانے کا ریکارڈ جاوید میانداد کے پاس تھا جنھوں نے 124 میچوں میں 43 نصف سنچریوں اور 23 سنچریوں کی مدد سے 8 ہزار 832 رنز بنائے تھے۔

میری معلومات کے مطابق یونس خان فیلڈنگ کے شعبے میں بھی سرفہرست ہیں۔
Catch win the Match کے معاملے میں بھی یونس خان پاکستان میں سب سے آگے کھڑے ہیں۔ایک روزہ میچز میں یونس خان 134 کیچز کے ساتھ پاکستان میں پہلے جبکہ عالمی سطح پر آٹھویں نمبر پر ہیں۔جبکہ ٹیسٹ میچز میں 110 کیچز کے ساتھ پاکستان میں سب سے آگے اور عالمی سطح پر 26ویں نمبر پر ہیں۔یونس خان آف سپن بولنگ بھی کرتے ہیں اور انہوں نے ٹیسٹ میچز میں 9 اور ایک روزہ اور ٹی ٹونٹی کرکٹ میں 3,3 وکٹیں بھی حاصل کی ہیں اور فرسٹ کلاس کرکٹ میں ان کی وکٹوں کی تعداد 44 ہے

یونس خان کی کپتانی میں 2009 میں پاکستان نے ٹی 20 ورلڈکپ جیتا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ون ڈے ورلڈکپ جیتنے والا کپتان بھی پٹھان اور ٹی 20 ورلڈکپ جیتنے والا کپتان بھی پٹھان تھا۔عمران خان اور یونس خان واحد کپتان ہیں جن کی قیادت میں ورلڈکپ جیتے گئے۔یونس خان کی پاکستان کے لیے خدمات سے کسی کو انکار نہیں۔اگر دکھ ہے تو اس بات کا کہ پی سی بی کبھی بھی ہمارے ہیروز کو ریٹائرمنٹ (آخری وقت)کے وقت عزت سے الوداع نہیں کرتا۔ہمارے سامنے انضمام ، محمد یوسف جیسے عظیم کھلاڑیوں کی مثالیں موجود ہیں جن کو کس طرح کرکٹ کے میدان سے الوداع کیا گیا۔آخر میں یونس خان کو 9ہزار رنز بنانے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

بلدیاتی انتخابات" میں سیاسی پارٹیوں کا کردار"

میں جمعہ ادا کرنے مسجد پہنچا تو مولانا صاحب واعظ فرما رہے تھے ان کا موضوع الیکشن تھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ مسلمان کو الیکشن میں کس قسم کے لوگوں کو ووٹ دینا چاہیے۔کیسے لوگ تمہارے لیے بہتر ہیں۔ اسلام کس قسم کے لوگوں کو ووٹ دینے کا حکم دیتا ہے؟ مولانا صاحب جب بیان فرما رہے تھے اسی وقت میرے ذہن میں اپنے سیاستدانوں کے متعلق فلم چلنا شروع ہو گئی۔اگر میں مولانا صاحب کا بیان سن کر ان کی بات پر عمل کروں تو مجھے ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اور اگر پھر بھی مولانا صاحب کی دوسری بات پر عمل کروں تو ووٹ ڈالا جانا ضروری ہے۔ بقول مولانا صاحب کہ " ووٹ اس کو دو جو ایماندار ہو،اسلام کا داعی ہو، شرافت کا پیکر ہو، انصاف پسند ہو، حق کی بات کرتا ہو۔قرآن و سنت پر عمل کرتا ہو"۔اگر میں یہ سب کچھ دیکھوں تو آج کے دور میں مجھے بہت کم بلکہ کوئی بھی امیدوار نظر نہیں آتا کیونکہ ہمارے سیاستدان تو پیشہ لوٹ کر دوسرے ملکوں میں جمع کرتے ہیں۔اور اگر مولانا صاحب کے اس بیان پر عمل کروں "کہ اگر ایسا شخص نہ ملے تو پھر اس کو ووٹ دو جو ان سب میں سب سے زیادہ افضل ہو" دوسرے ووٹ قوم کی امانت ہے تو بھی ووٹ دینا ضروری ہوگیا۔افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان جھوٹ کے سہارے کے بغیر ادھورے ہیں۔ انہوں نے عوام کو سہانے سپنے ضرور دکھانے ہوتے

ہیں مگر ان کی تکمیل ضروری نہیں سمجھتے۔لوکل گورنمنٹ سے لیکر قومی و صوبائی اسمبلی تک سیاسی میدان میں ہیرا پھیری چلتی ہے۔

بلوچستان اور کے پی کے میں بلدیاتی انتخابات پہلے ہی ہو چکے ہیں ۔اب جب کہ پنجاب اور سندھ میں بلدیاتی انتخابات کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا ہے اور رزلٹ بھی سب کے سامنے آرہے ہیں جس کے مطابق پنجاب میں ن لیگ ٹاپ پر ہے۔ میں الیکشن رزلٹ کی کوریج دیکھ رہا تھا۔ نجی چینل پر ایک سیاسی پارٹی کے رہنما بہت دیدہ دلیری سے اپنی شکست کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہرا رہے تھے۔ بقول ان کے کہ حکومت کی چھتری کے نیچے یہ الیکشن ہوا ہے تو جس کی حکومت ہے اسی نے جیتنا ہے۔ کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ کے پی کے اور بلوچستان میں الیکشن کس کی نگرانی میں ہوئے؟ وہ الیکشن کمیشن کے زیر نگرانی نہیں ہوئے تو کیا صوبائی حکومتوں کی نگرانی میں ہوئے تھے؟ وہاں کون کونسی پارٹی نے اکثریت حاصل کی تھی؟

کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جس طرح کے پی کے اور بلوچستان میں توقع کے مطابق نتائج سامنے آئے اسی طرح پنجاب اور سندھ میں ویسے ہی نتائج آئیں گے۔ .بلدیاتی انتخابات کے غیر حتمی غیر سرکاری نتائج کا سلسلہ جاری ہے۔ پنجاب میں ن لیگ کی نشستوں کی تعداد ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے

جبکہ نمبر دو پر آزاد امیدوار ہیں ۔ تحریک انصاف کا نمبر تین ہے۔ سندھ میں بلدیاتی انتخابات کے غیر سرکاری اور غیر حتمی نتائج کے مطابق پیپلز پارٹی سرفہرست ہے جبکہ ادھر بھی دوسرے نمبر پر آزادامیدواروں ہیں جب کہ فنکشنل لیگ تیسرے پوزیشن پر ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ سیاسی پارٹی کے بجائے دوسرے نمبر پر آزاد امیدوار کیوں آرہے ہیں؟اسکی اصل وجہ جاننے کی ضرورت ہے۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق بلدیاتی الیکشن میں پارٹی ٹکٹ شفافیت کے بجائے ذاتی مفادات کو ملحوظ خاطر رکھ کر دیے گئے۔بہت سی جگہوں پر مخلص کارکنوں کی بجائے رشتے داروں اور امراء میں بندر بانٹ کی گئی۔الیکشن مہم کے دوران سروے میں معلوم ہوا کہ بہت سے شہروں میں '' ن '' اور '' جنون '' کے دو دو امیدواروں کو میدان میں ہیں ۔آزاد الیکشن لڑنے والوں میں بہت کم ایسے لوگوں کو پایا جو واقعی آزاد امیدوار ہیں بلکہ ایک اور بات جو سامنے آئی وہ یہ بھی تھی کہ کچھ ایسے امیدوار بھی تھے جن کوانہی سیاسی پارٹیوں کی اندروں خانہ حمایت حاصل تھی پر وہ آزاد الیکشن لڑرہے ہیں۔

بلدیاتی الیکشن میں سب کو پتا چل گیا کہ کونسا شہر، تحصیل اور ضلع کس پارٹی کا ہے۔ کسی پارٹی نے بلدیاتی الیکشن میں توقع سے ہٹ کر رزلٹ نہیں دیا۔ پی ٹی

آئی جو بلدیاتی الیکشن میں کامیابی کے بلند و بانگ دعوے کر رہی تھی اس نے توقع سے بہت زیادہ برا رزلٹ دیا۔ نہ وہ پنجاب میں اور نہ ہی ہی سندھ میں کوئی خاص نتائج دے سکی ۔ تحریک انصاف کو نمائشی جلسوں کی سیاست اور پر تعیش کمروں میں بیٹھ کر نو رتنوں'' کے تراشیدہ فیصلے کرنے کی روایت چھوڑ کر گلی محلوں میں داخل ہونا پڑے'' گا ورنہ 2018 کے عام انتخابات میں بھی تحریک انصاف سے جیت کی گاڑی چھوٹ سکتی ہے۔ کپتان اگر واقعی سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں تو انہیں کچھ کرنا ہے تو پھر انہیں اپنے دامن کو جھاڑنا ہوگا ورنہ ضمنی اور بلدیاتی الیکشن کی طرح 2018 کے جنرل الیکشن میں بھی رزلٹ اسی طرح کا ہوگا۔

دوسری طرف ''ن'' نے پنجاب میں حکمرانی تو ضرور حاصل کرلی ہے مگر پارٹی قائدین کو اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ آزاد امیدواروں کا اتنا زیادہ جیتنا بلکل اسی طرح ہے جس طرح اوکاڑہ کے ضمنی الیکشن میں ہوا تھا۔ آج بھی بلدیاتی انتخابات میں بہت سے ن لیگ سے وابستہ امیدواروں نے آزاد الیکشن لڑا کیونکہ ان پر'' رشتے داروں'' یا ''موٹی'' آسامیوں کو ٹکٹ دیا گیا جس کی وجہ سے رزلٹ ''ن'' کے خلاف آیا۔ اگر میاں صاحب جس طرح آپ نے اوکاڑہ کے الیکشن پر موقف دیا تھا کہیں دوبارہ آپ کو وہی موقف نہ دھرانا پڑے۔ اس طرح کے فیصلوں سے نہ صرف پارٹی کا نقصان ہے بلکہ 2018 کے الیکشن میں بھی برا اثر

پڑ سکتا ہے۔

باقی دوسری پارٹیوں کا کردار بلدیاتی انتخابات میں آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پی پی پنجاب میں کسی بھی ضلع میں کوئی خاص مقام حاصل نہ کر سکی البتہ سندھ میں کارکردگی بہتر ہے جبکہ صوبہ سندھ میں ایم کیو ایم کا کردار بھی نظر نہیں آیا۔اگر پہلے مرحلے کے بعد ساری صورتحال پر تبصرہ کیا جائے تو پھر '' ن لیگ پنجاب ،'' پی پی'' سندھ اور ''پی ٹی آئی'' کے پی کے تک محدود ہو کر رہ گئیں'' ہیں۔باقی پارٹیاں تانگہ پارٹی بن کر رہ گئیں ہیں۔

"پاکستان کا شاہین" علامہ اقبال

ویسے تو ہمارے کالمسٹ لوگ ہر تاریخی دن کے حوالے سے کالم لکھتے رہتے ہیں کوئی اس دن کی اہمیت بیان کرتا ہے تو کوئی اس کی مخالفت پر لکھتا ہے۔ مگر آج میں جس شخصیت پر لکھا رہا ہوں وہ قیام پاکستان کی صف اول کی شخصیت ہے۔ جس انتھک محنت و کوشش سے یہ پاکستان معرض وجود میں آیا۔ میں آج اپنا قلم اس شخص کے نام کر رہا ہوں جو ہمارے دلوں پر راج کر رہا ہے۔ کبھی سیاست کے پختہ اصولوں سے تو کبھی شعر وشاعری کے ذریعے۔

علامہ محمد اقبال 9 نومبر کو پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالٰی نے دنیا کو ایک مخلص شخصیت کا تحفہ عطا فرمایا۔ آپ کے آباؤاجداد کا تعلق کشمیر سے تھا مگر آپ لوگ ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے حاصل کی۔ ایف اے مرے کالج اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ ایم اے فلسفہ کا امتحان بھی گورنمنٹ کالج سے پاس کیا اور اس کے بعد اسی کالج میں بطور پروفیسر پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری جرمنی سے حاصل کی۔ لندن میں علامہ اقبال نے عربی کا مضمون بھی

پڑھایا۔

1908ء میں دیارِ غیر سے واپسی ہوئی اور اپنے ملک میں آکر وکالت کا پیشہ اختیار کرلیا۔1908ء میں شعر وشاعری شروع کردی۔ علامہ اقبال اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس 1934ء نے مسلمانوں کو جگایااور غلامی کی زنجیروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے عوام کو اکسایا۔اس وقت جب مسلمان غلامی کے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ایک طرف انگریز ان پر ظلم ڈھاتے تو دوسری جانب ہندوؤں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا تھا۔ ان حالات میں علامہ اقبال روشنی کی کرن بن کر سامنے آئے اور مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑا۔ علامہ اقبال کی شاعری بہت پُر اثر تھی۔ مسلمانوں کو ان کا فرض یاد رکھنے اور جوش ولوالہ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جیسے آپ نے اپنے اس شعر میں سب کچھ واضح کردیا

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس طرح کے شعروں نے نہ صرف مسلمانوں کا حوصلہ بلند کیا بلکہ ارادوں میں اور پختگی پیدا کردی۔آپ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے۔ 1930 میں انہوں نے خطبہ الہ

آباد میں ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔
آپ کی اعلیٰ سوچ کی وجہ سے آپ کو مفکر پاکستان کا نام دیا گیا۔ آپ مسلمانوں کے لیے ایک چراغ کی حیثیت رکھتے ہیں جو خود تو جل جاتا ہے مگر دوسروں کو اپنی روشنی دیتا ہے۔

یہ عظیم شخصیت ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔ اسی لیے 1910 میں حکومت برطانیہ نے آپ کو "سر" کا خطاب دیا اور قوم کی شاعری کے ذریعے خدمت کے سلسلے میں آپ کو شاعر مشرق کا نام بھی دیا گیا۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ بچوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ آپ کی کتابوں میں پیام مشرق، بانگ درا، بال جبریل، جاوید نامہ اور اسرار خودی شامل ہیں۔

حکیم الامت، مصور پاکستان، تصور پاکستان علامہ محمد اقبال کے یوم ولادت پر ان کے کارناموں، خدمات اور عظمتوں کا مکمل احاطہ کرنا شاید مجھ جیسے کم علم آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ آپ کے عظیم کارناموں سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ آپ کے ذکر کے بغیر نہ تو پاکستان مکمل ہوتا ہے اور نہ تاریخ۔ پاکستان ہی نہیں بلکہ
ایران، ترکی، ہندوستان، وسط ایشیا، الغرض عرب و عجم سارا علامہ کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے شاعری کو محض تذکرہ محبوب اور حسن و عشق سے نکال کر ایک مقصد بخشا۔ مسلمانان برصغیر کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ خودی کا درس دے

کر اغیار کی غلامی سے نکلنے کا سبق سکھایا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال حساس دل و دماغ کے مالک تھے آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے اور ان کے فلسفے کو سمجھتے ہیں۔ اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔ ان کے کئی کتابوں کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جس سے بیرون ملک کے لوگ بھی متعارف ہیں۔ بلا مبالغہ علامہ اقبال ایک عظیم مفکر مانے جاتے ہیں -

علامہ اقبال وہ شاعر ہیں جنھوں نے بڑے، چھوٹے، جوان، بزرگ اور بچوں کے لیے شاعری کی۔ آپ نے ساری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہونے لگی پھر یہ چراغ ہوا کے دوش پر ٹمٹمانے لگا اور آخر کار 21 اپریل 1938 کو ہمیں جاگتا چھوڑ کر خود ابدی نیند سوگیا۔ آپ کا مزار بادشاہی مسجد کے پہلو میں واقع ہے۔

علامہ اقبال بے شک اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں مگر ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہیں۔ شاعری کے ذریعے ہمارے جذبات میں بستے ہیں۔ اپنی تصانیف کی وجہ سے ہمارے معاشرے کا فرد ہیں۔ علامہ اقبال نے جو پاکستان کا تصور پیش کیا

اور جس کی بنیاد قائدِاعظم نے رکھی اگر ہم آج اس پاکستان کو دیکھیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کہاں گیا وہ مسلمانی جذبہ جس کے سامنے غیر مسلم جھکتے تھے اور آج غیر مسلموں کے سامنے ہم جھک رہے ہیں۔ کل تک غیر مسلموں پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور آج ہم مسلمان حکومتیں بنا کر بھی غیر مسلموں کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ہماری دعا ہے کہ جس پاکستان کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور جس مقصد کے لیے یہ وطن آزاد کرایا۔اللہ تعالٰی ہمارے حکمرانوں کو ایسا پاکستان بنانے کی توفیق دے۔ آمین

شریفوں میں لڑائی اچھی نہیں

حکومت اور فوج پاکستان کے لازم وملزوم ہیں۔ ملک کی باگ ڈور ان دونوں اداروں نے ہی سنبھالنی ہوتی ہے۔ پاکستانی عوام میں اس وقت فوج کو بہت زیادہ عزت و اہمیت حاصل ہے۔ آرمی چیف راحیل شریف نے جب سے اپنا عہدہ سنبھالا ہے انہوں نے ملک میں امن وامان کے ساتھ ساتھ کرپشن کے خلاف بھی اہم اقدامات اٹھائے ہیں مگر نہ جانے وہ کون سے عناصر ہیں جو فوج اور حکومت کو لڑانا چاہتے ہیں۔ ملک کے خیر خواہ کبھی بھی نہیں چاہیں گے کہ ملک کہ دو بڑے ستون آپس میں ٹکرائیں۔ آپس کی لڑائی نے پہلے ہی پاکستان کو بہت پیچھے دھکیل دیا ہے۔

جس وقت عمران خان اور قادری نے دھرنا دیا تو اس وقت بھی میڈیا پر اطلاعات دی جارہی تھیں کہ اگر میاں صاحب نے اقتدار نہ چھوڑا تو فوج قابض ہوجائے گی۔ کسی نے صبح اور کسی نے شام میں مارشل لاء لگنے کی اطلاعات دیں مگر اس وقت یہ افواہیں صرف افواہوں تک محدود رہیں۔ اس کے بعد اب پھر کچھ ملک دشمن عناصر فوج اور حکومت کو لڑانے کے لیے کمر کس رہے ہیں۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ فوج کے شعبہ تعلقات عامہ 'آئی ایس پی آر' نے کور کمانڈر

اجلاس کے بعد ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ملک میں دہشت گردی کے خلاف جاری کارروائیوں کے دیرپا نتائج اور پائیدار امن کے لیے حکومت کو بھی بہتر طرز حکمرانی کے لیے اقدامات کرنا ہوں گے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فوج نے حکومت کو کوئی حکم نہیں دیا بلکہ اپنی رائے دی ہے کہ مزید بہتر اقدامات کیے جائیں۔

یہ بیان میڈیا پر سب نے سنا اور اس بیان سے کہیں ایسا محسوس نہیں ہو رہا کہ فوج حکومت کے خلاف ہے یا فوج اور حکومت میں کوئی اختلافات ہیں۔ نہ جانے چند سیاستدان اس بیان کو ایشو بنا کر کیا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ مختلف پارٹی کے قائدین نے اس بیان پر اپنا ردعمل بھی دے دیا ہے۔ سب سے پہلے پختون خواہ ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی نے قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا ”میں نے اس ایوان میں کھڑے ہو کر بات کی تھی اگر دو شریف ایک صفحے پر ہوں گے تو ہم غیر مشروط حمایت کریں گے۔ میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ دو شریف ایک صفحے پر ہوں گے تب ہی آئین بالادست ہو گا۔ اگر خدانخواستہ ان دو شریفوں کے درمیان گڑبڑ ہوئی تو میں سویلین شریف کے ساتھ (کھڑا) ہوں گا“۔

قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے بھی کہا کہ انھیں توقع ہے کہ وزیراعظم فوج کے سربراہ کے پیغام کو سمجھیں گے اور اپنی کابینہ کو درست کریں گے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ وہ وقت گیا جب مارشل لا لگتا تھا۔ ان

کے علاوہ کئی دوسرے سیاستدان ہیں جنہوں نے اس بیان پر اپنا ردعمل میڈیا پر آکر دیا ہے۔

سیاستدانوں کے اس طرح کے بیانات کے بعد عوام کو یہ سوچنے پر مجبور کیا جارہا ہے کہ شاید دونوں شریفوں میں کوئی اختلاف ہے؟۔ جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے ۔ فوج اور حکومت ایک پلیٹ فارم پر ہے۔ دونوں نے پاکستان کی ترقی کا حلف لیا ہوا ہے۔آرمی چیف کی وجہ سے ہی پاکستان میں آج امن قائم ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے مشرف بھی اقتدار کا مزہ لے چکے ہیں آرمی چیف ہونے کے باوجود دہشت گردی کو ختم نہ کرسکے۔ ق لیگ اور پی پی بھی اپنی ٹرم پوری کرچکے مگر وہ بھی پاکستان سے دہشت گردی تو دور ڈرون حملے بھی نہ رکوا سکے۔

نوازشریف اور راحیل شریف (دونوں شریف) کے تعاون سے آج پاکستان میں عوام سکھ کا سانس لے رہی ہے۔آج پاکستان بدلا ہوا پاکستان نظر آرہا ہے۔امن وامان کی بات ہو یا دہشت گردی کی، کرپشن کی بات ہو یا کراچی کی سب پر عوام کی نظر ہے۔ دہشت گردی کا خاتمہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بلوچستان کے حالات روز بروز بہتری کی طرف جارہے ہیں ۔ضرب عضب کی کامیابی کا سہرا کس کے سر ہے؟ان سب کو دیکھ کر کون سوچ سکتا ہے کہ پاک فوج اور حکومت ایک دوسرے کے مخالف ہیں؟

یہ پروپیگنڈا وہ عناصر پھیلا رہے ہیں جو نہیں چاہتے کہ یہ دونوں شریف مللکر ملک کو ترقی کی طرف لے جائیں۔ ایسی افواہیں پھیلانے میں وہ محرکات شامل ہیں جو کرپشن میں ملوث ہیں۔ کوئی بھی محب وطن نہیں چاہے گا کہ پاکستان پھر سے غیر مستحکم ہو۔ آج پشاور سے کراچی تک ہر کوئی آرمی چیف کو نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں لوگوں نے اپنے پوسٹروں اور فلیکس آرمی چیف راحیل شریف کی تصاویر لگوائیں۔ عوام کا آرمی چیف سے اس طرح محبت کا اظہار کرنا اور پھر بلدیاتی انتخابات میں ن لیگ کا واضح اکثریت سے جیتنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ آئی ایس پی آر کے بیان کو متنازعہ نہ بنایا جائے بلکہ ایک محب وطن کی طرح ان عناصر کی طرف توجہ دیں جو ملک کے لیے بہتر ہوں۔

خدارا ان لوگوں کو پہچانیے جو ہمارے ملک کو ترقی کی طرف گامزن دیکھ کر ہمارے درمیان دراڑیں ڈالنا چاہتا ہے۔ بھارت پہلے ہی ہماری جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے اور ہم اس طرح کی بحث میں الجھ کر اپنے دشمن کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کچھ گڑبڑ ہے۔

اگر آرمی اور رینجرز کی معاونت سے ملک دشمن عناصر کی سرکوبی سندھ اور خیبر پختونخواہ سمیت بلوچستان میں بھی ہوتی ہے تو پنجاب میں بھی ایسی کسی اقدام کی نہ تو عوام مخالفت کرے گی اور نہ ہی کوئی ملکی ادارہ اور سیاسی جماعت۔

ضرورت اس امر کی ہے ہم سب سبز ہلالی پرچم کے سائے تلے دو قومی نظریہ پر قائم ہونے والی اسلامی ریاست کی بقا کے لیے متحد ہوں اور واقعی پاکستان کو اسلامی ممالک کا قائد ثابت کریں۔

آہا! جمیل الدین عالی

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ادب کے میدان میں بہت سے شاہکار آئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرکے چلے گئے مگر ان کی ادبی خدمات کی وجہ سے وہ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ ان کی ادبی خدمات ان کو کبھی مرنے نہیں دیں گی۔ آج اردو ادب کا ایک اور پھول مرجھا گیا۔ باپ کی طرف مرزا غالب کے خانوادے اور ماں کی طرف سے خواجہ میر درد کے خاندان سے تعلق رکھنے والے جمیل الدین عالی (23 نومبر 2015) کو قریباً نوے برس کی عمر میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ وہ کافی عرصہ سے علیل تھے اور کراچی کے نجی ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ جمیل الدین عالی اردو ادب کا وہ شاہکار ہے جس کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ادیب اور شاعری کے حوالے سے پاکستانی ادب میں اپنا مقام آپ رکھتے ہیں۔

جمیل الدین جن کا تخلص عالی تھا وہ 20 جنوری 1926ء کو بھارت کے شہر دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی سے حاصل کی۔ معاشیات، تاریخ اور فارسی میں بی اے کیا۔ 1951ء میں سی ایس ایس کا امتحان پاس کیا اور پاکستان ٹیکسیشن

سروس کے لیے نامزد ہوئے۔ 1963ء میں وزارت تعلیم میں کاپی رائٹ رجسٹرار مقرر ہوئے۔ اس دوران میں اقوام متحدہ کے ثقافتی ادارے یونیسکو میں فیلو منتخب ہوئے۔ اس کے بعد دوبارہ وزارت تعلیم میں بھیج دیا گیا۔ لیکن فوراً گورنمنٹ نے عالی صاحب کو ڈیپوٹیشن پر نیشنل پریس ٹرسٹ بھیج دیا جہاں پر انہوں نے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ 1967ء میں نیشنل بینک آف پاکستان سے وابستہ ہوئے اور سینئر ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ کے عہدے تک پہنچے وہاں سے ترقی پا کر پاکستان بینکنگ کونسل میں پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ ایڈوائزر مقرر ہوئے۔

جمیل الدین عالی نے نظمیں، دوہے، ملی نغمے اور گیت تحریر کرنے کے علاوہ ہزاروں اشعار پر مبنی ایک طویل رزمیہ نظم 'انسان' پر کام کر رہے تھے جسے اردو ادب کا ایک شاہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔ جمیل الدین عالی کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ ان کو بہت سے ایوارڈز سے بھی نوازا گیا۔ آپ کو 1989ء میں صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی بھی ملا۔

صدر ایوب خان کے عہد میں پاکستان رائٹرز گلڈ انہی کی کاوشوں سے وجود میں آئی جس کی ترقی اور فروغ کے لیے وہ ہمہ تن کوشاں رہے۔ جمیل الدین عالی پاکستان رائٹرز گلڈ کے اعلیٰ عہدوں پر رہنے کے علاوہ انجمن ترقی اردو سے بھی وابستہ رہے اور اپنی انتہائی قابلیت سے ملک میں اردو زبان کی ترقی اور

ترویج کے لیے کام کرتے رہے۔ پاکستان کے معروف اخبارات میں کئی دہائیوں تک وہ باقاعدگی سے کالم لکھتے رہے جن کا مجموعہ 'دعا کرچلے' اور 'صدا کرچلے' کے عنوان سے شائع ہوچکا ہے۔ ان کے کالم دنیا بھر میں مقبول ہوئے۔

انجمن ترقی اردو اور اردو ڈکشنری بورڈ کے تحت جمیل الدین عالی نے لازوال کوششیں کیں اور پاکستان رائٹرز گلڈ سے ادیبوں کے لیے خصوصی ایوارڈز کا اجرا کیا جو کئی برس تک جاری رہا۔ ان کی شاعری میں فلسفیانہ رنگ اور مستقبلیات کی جھلک بھی ملتی ہے اور ان کے تحریر کردہ ملی نغمے آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ جمیل الدین عالی بابائے اردو مولوی عبدالحق کے شاگرد رہے اور ابنِ انشا سے لے کر قدرت اللہ شہاب تک کے رفیقِ کار رہے۔

جمیل الدین عالی نے دو درجن سے زائد گیت قلمبند کئے۔ آپ ملی نغموں کے بھی مقبول شاعر رہے۔ 1965 کی جنگ میں 'اے وطن کی سجیلے جوانوں، میرے نغمے تمہارے لیے ہیں' گیت لکھا جس نے نورجہاں کی آواز میں کافی مقبولیت حاصل کی۔ 90 کے دہائی میں 'جیوے جیوے پاکستان' مقبول رہا۔ اس کے بعد پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے لیے 'ہم مصطفوی مصطفوی ہیں' لکھا جسے مہدی ظہیر نے گایا۔

انہوں نے سفرنامے، دوہے، غزلیں، نظمیں، نثر، اور کالم تحریر کئے جن میں سے

ہر تخلیق کا انداز جداگانہ ہے جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہے گا۔ جمیل الدین عالی نے سیاست میں بھی قدم رکھا۔ انھوں نے 1977 میں کراچی کے حلقہ 191 سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا لیکن ناکام رہے بعد میں 1997 میں وہ ایم کیو ایم کے حمایت سے سینیٹر بنے۔

جمیل الدین عالی کے انتقال شعبہ ادب کے لیے بڑا خلا ہے جس کا پُر ہونا ناممکن ہے۔ آج ادبی دنیا کا یہ جگمگاتا ستارہ ہماری ادبی دنیا کو اندھیروں میں ڈبو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کو کروٹ کروٹ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔

آزادی تیرا مقدر ہے

یوں تو عام دنوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ اہم ہے لیکن بعض دن کسی خاص وجہ سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔29 نومبر مسلمانوں کی زندگی میں اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس دن فلسطینی عوام سے اظہار محبت کا دن منایا جاتا ہے۔ فلسطینی عوام آج تک یہودی نرغے میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہر روز ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں۔ فلسطین کی عوام آج بھی محمد بن قاسم کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔ فلسطینی عوام کو یہود کی طرف سے مسلمان ہونے کی سزا دی جارہی ہے۔ اگر یہ بھی غیر مسلم ہوتے تو آج فلسطین میں قتل وغارت نہ ہوتی۔

1947ء میں برطانوی حکومت نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے حق میں 33 ووٹ اور اس کے خلاف 31 ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ آخر کار امریکہ نے اپنی مکارانہ چال سے دباؤ ڈال کر ہائیٹی، فلپائن اور لائیبریا کو مجبور کرکے اس کی تائید کرائی۔ تقسیم کی جو تجویز ان ہتھکنڈوں سے پاس کرائی گئی اس کی رو سے فلسطین کا 55 فیصد رقبہ 33 فیصد یہودی آبادی کو اور باقی عرب آبادی کو

دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف 6 فیصد حصہ یہودیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ یہودی اس تقسیم سے بھی راضی نہ ہوئے اور انہوں نے مار دھاڑ کرکے عربوں کو نکالنا اور ملک کے زیادہ سے زیادہ حصے پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

عرب عورتوں اور لڑکیوں کی تذلیل کی گئی اور یہودی لاؤڈ اسپیکر میں جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا کچھ ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ ان حالات میں 14 مئی 1948ء کو عین اس وقت جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اس وقت یہودیوں نے رات دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور سب سے پہلے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن امریکہ اور روس نے آگے بڑھ کر اس کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اس وقت تک اقوام متحدہ نے یہودیوں کو فلسطین میں اپنی قومی ریاست قائم کرنے کا مجاز نہ کیا تھا۔ اس اعلان کے وقت تک 6 لاکھ سے زیادہ عرب بے گھر کیے جا چکے تھے اور اقوام متحدہ کی تجویز کے بالکل خلاف یروشلم (بیت المقدس) کے آدھے سے زیادہ حصے پر اسرائیل قبضہ کر چکا تھا۔

اس دن سے آج تک عالم اسلام کی اجتماعی بے حسی اور مظلوم فلسطینیوں سے مسلم حکمرانوں کے منافقانہ رویوں کی طویل اور دردناک داستانوں سے بھرا ہوا ہے تو

دوسری طرف ان چونسٹھ برسوں میں ارضِ مقدس فلسطین میں ہر دن قیامت بن کر آیا ہے، ہر صبح کا سورج ظلم وستم کی نئی داستان لے کر طلوع ہوا، ہر لمحہ بے گناہوں کے خون سے، گھربار، سڑکیں، بازار، مساجد، سکول ومدارس کو رنگین کرنے کا پیامبر بن کر آیا ہے۔

کون سا ظلم ہے، جو ان فلسطین کے بے گناہ، معصوم اور مظلوم باسیوں پر نہ ڈھائے گئے ہوں۔ باآخر ظلم وستم کی چکی میں پسنے والے اور اپنے وطن، گھر اور آبائی سرزمین کے حصول کی خواہش رکھنے والے فلسطینیوں نے استعماری سازشوں کا مقابلہ اور اسرائیلی مفادات کو نقصان پہنچانے کیلئے کارروائیاں شروع کیں۔ دوسری طرف اسرائیل کواسلام دشمن عالمی طاقتوں بالخصوص امریکہ نے بہت زیادہ مالی و فوجی امداد دی اور ہر قسم کا تعاون پیش کیا۔ حتیٰ کہ اقوام متحدہ میں پیش ہونے والی اسرائیل مخالف قراردادوں کو ویٹو کرنا بھی امریکہ نے اپنا وطیرہ بنا لیا۔ جبکہ امریکہ، اسرائیل کے خلاف اقوام متحدہ کی پاس کردہ قراردادوں پر عمل درآمد بھی نہیں ہونے دیتا۔

ایک طرف تو فلسطین پر ظلم وستم بڑھتا رہا اور دوسری طرف ظلم وسازشوں اور اپنوں کی بزدلی ومنافقت کے شکار ارضِ مقدس فلسطین کے باسیوں میں ظالموں جابروں اور منافقوں سے نفرت اور حقیقی قیادت ونیک مقاصد کے حصول کا جذبہ

فروغ پاتا رہا۔ فلسطین میں جہادی تحریکوں نے رفتہ رفتہ زور پکڑا اور آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر غاصب یہودیوں کے خلاف کارروائیوں کو تیز کیا۔ اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف نہتے فلسطینیوں کی پتھر سے شروع ہونے والی تحریک اب کلاشنکوف ، راکٹ لانچر اور میزائلوں تک پہنچ چکی ہے۔

آج فلسطین کی غیور عوام نے مزاحمت اور جہاد و شہادت کے راستے کو اپنا لیا ہے۔ فلسطین کی آزادی کیلئے اب تک ہزاروں قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں۔ ان میں عام لوگ بھی ہیں اور تحریک آزادی کے قائدین اور مجاہدین بھی۔ آج فلسطین میں ہر پیدا ہونے والے بچے کو جہاد و شہادت کی گھٹی دی جاتی ہے، ان کے کانوں میں جو اذان دی جاتی ہے اس میں شہادت و جہاد کا پیغام دیا جاتا ہے۔ فلسطین کی عظیم مائیں ایثار و قربانی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے بچوں کی جہادی تربیت کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر عالمی سازشوں، ظلم و تشدد، منافقت اور غداری کے باوجود یہاں پر فلسطین کی آزادی اور یہودیوں کو یہاں سے مکمل طور پر نکال باہر کر دینے کے جذبات اور احساسات غالب آچکے ہیں۔ آج ہر فلسطینی بچہ ، بزرگ، نوجوان اور خواتین اس عزم پر آمادہ نظر آتے ہیں کہ وہ اپنی گردنیں تو کٹوا سکتے ہیں، لیکن اپنی دھرتی فلسطین پر ناپاک صہیونی قبضہ کسی صورت برداشت نہیں کریں گے اور اپنی دھرتی کا ایک ایک انچ اسرائیلی قبضے سے آزاد کرائیں گے۔

میں فلسطین کی عوام کو سلام پیش کرتا ہوں کہ ان کے ارادے چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔دکھ کی بات یہ ہے کہ فلسطین تنہااسرائیل کے ظلم و ستم کا بھرپور جواب دے رہا ہے مگر اتنے مسلم ممالک ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ تو ایٹمی طاقت سے ہمکنار ہونے کے باوجود اسرائیل کو اس جارحیت کا منہ توڑ جواب نہیں دے رہے۔ اسرائیل ایک غیر مسلم ملک ہے اور تمام غیر مسلم ممالک اس کی حمایت کے ساتھ ساتھ اس کو اسلحہ بھی سپلائی کرتے ہیں کیونکہ وہ کسی اور پر ظلم نہیں کر رہا بلکہ مسلمانوں کو ختم کر رہا ہے۔ آج امریکہ کی غلامی غیر مسلم سے زیادہ مسلم ممالک کر رہے ہیں۔ خود امریکہ کی ریاستیں امریکہ سے آزادی کی درخواستیں دائر کر رہی ہیں اور وہ امریکہ سے آزادی چاہتی ہیں۔اور وہ دن دور نہیں جب امریکہ بھی روس کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ جبکہ دوسری طرف ہمارے مسلم ممالک جو بظاہر آزاد ہیں وہ امریکہ کی غلامی قبول کر رہے ہیں۔ کہاں گیا وہ جذبہ مسلمانی ، کدھر گئے عمرؓ کی سنت پر عمل کرنے والے دلیر سپہ سالار، کون ہے جو سنت امام حسینؓ پر عمل پیرا ہو کر اپنے بھائیوں کو ان ظالموں سے نجات دلانے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہے ؟ کوئی نہیں ہے کیونکہ ہمارے اندر اب آخرت کی تڑپ نہیں رہی بلکہ ہم کو دنیاوی زندگی اور اسکے مال سے پیار ہوگیا ہے۔جس کی وجہ سے ہمارے اندر جذبہ جہاد اور شوق شہادت مرچکا ہے اور غلامانہ ذہنیت پیدا ہو چکی ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی دن مگر حقوق ہیں کدھر؟

انسان اشرف المخلوقات ہے۔انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ انسان کو آدم کی مناسبت سے اردو عربی اور فارسی میں آدمی بھی کہا جاتا ہے اور اس کے لیے بشر کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ آدمی اور بشر کی طرح انسان کا لفظ بھی اردو میں عربی زبان سے آیا ہے ۔ قرآن میں ارشاد ہے ''اور جب تیرے رب نے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو آگاہ کیا فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس کو پیدا کرے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اللہ نے فرمایا: بے شک مجھے وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے''۔انسان کو دنیا میں لانے کا مقصد اللہ سے بہتر کوئی نہیں جانتا اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں مگر آج جو کچھ اس زمین پر انسان انسان کے ساتھ کر رہا ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

آج ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ رشتے دار، عزیز واقارب میں حسن سلوک نہیں پایا جاتا۔ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے در پر تُلے ہوئے ہیں۔ بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے۔کیا آج کے دور میں انسانیت بلکل ختم ہو چکی ہے۔

1950 سے ہر سال 10 دسمبر کو دنیا بھر میں انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان

پر ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی جاسکے۔ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کے چارٹر اور قرارداد کی رو سے دنیا بھر کے انسانوں کو ہر طرح کے حقوق حاصل ہیں۔ جن میں جینے کا حق، برابری کا حق، اظہار رائے کی آزادی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق، روزگار، سماجی تحفظ، تعلیم، صحت، حق خودارادیت اور دیگر حقوق شامل ہیں۔اس وقت بھی دنیا کے کئی ممالک میں انسانی حقوق کی صورتحال تسلی بہت خراب ہے۔ان ممالک میں سب سے زیادہ متاثر مسلم ممالک ہیں۔ بھارت، صومالیہ، افغانستان، فلسطین اور کئی دیگر ممالک شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کے رکن ممالک اور انسانی حقوق کے چارٹر پر دستخط کرنے والے ممالک پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو یہ تمام حقوق نہ صرف فراہم کریں بلکہ انہیں مقدم جانیں۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ متعلقہ ملک اس چارٹر پر مکمل طور پر عمل درآمد نہیں کررہااور ایسے ممالک کے بارے میں وقتاً فوقتاً جاری ہونے والی رپورٹس جائزوں اور تجزیوں میں اسے تنقید کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کی ان پر تنقید کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ صرف زبانی کلامی باتوں سے لاتوں کے بھوت نہیں مانتے۔

انسان کو اپنی مرضی سے سوچنے اور اس کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے یا ہونی چاہئے ،اس بات کا چرچا آج کل دنیا بھر میں زوروشور سے جاری ہے

مہذب معاشروں میں اس بات کی نہ صرف پرچار کی جاتی ہے بلکہ بچوں کی اس حوالے سے باقاعدہ تعلیم اور تربیت فراہم کی جاتی ہے، کیوں کہ انسان کو یہ آزادی فطرت کی طرف سے ملی ہوتی ہے اور دنیا بھر کے مروجہ قوانین، کونشنز اور آئین بھی اسے اس بات کا حق فراہم کرتے ہیں۔

یہی نہیں ہمارا مذہب اسلام انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اسلام نے ہی سب کے حقوق اجاگر کیے ہیں۔اسلام نے ہی سب سے پہلے عورت کو حقوق دیے ورنہ اسلام سے قبل لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ماں باپ ، بہن بھائی، دوست ، رشتے دار، ہمسائے، بڑے چھوٹے سب کے حقوق کا اسلام میں واضح درس ملتا ہے ۔اسلام میں انسانی حقوق کی بنیاد توحیدی فکر و سوچ پر استوار ہے ۔ اسلام انسانی حقوق کو انسانی عزت و کرامت کا لازمہ سمجھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔ جو اصول جو آج مغربی انسانی حقوق کے ارکان کو تشکیل دیتے ہیں، اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ دین اسلام کا ظہور دنیا میں امتیاز اور تسلط کی نفی سے شروع ہوا۔اللہ کے پیغمبروں نے انسانوں کے حقوق کو پورا کرنے اور معاشروں میں

امن و انصاف قائم کرنے کے لیے کوششیں کیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ اقوام متحدہ جو تمام ملکوں کو ایک ساتھ لیکر چلنے کا دعویدار بنتا ہے آج وہ بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہوا ہے؟ کشمیر میں بھارت کی قتل و غارت، فلسطین میں اسرائیلیوں کا ظلم و ستم کیا وہاں کے انسانوں کو کوئی حقوق حاصل نہیں۔ کیا وہ انسان انسان نہیں؟ آج جہاں جہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہے یو این او (اقوام متحدہ) ان ممالک کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی۔ غیر مسلموں پر تھوڑا سا برا وقت آئے تو یو این او کی فورس تک میدان میں آ جاتی ہے ۔کیا مسلمان انسان نہیں یا غیر مسلم انسان ہیں؟ کیا اسی لیے اقوام متحدہ بنایا گیا تھا؟ اقوام متحدہ میں مسلم اور غیر مسلم سب ریاستوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں پھر مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کیوں؟ اگر اقوام متحدہ انسانی حقوق کا علمبردار بنتا ہے تو پھر کشمیر کے مسئلے پر آج تک اپنی قراردادوں پر عمل کیوں نہیں کرایا؟ فلسطین میں کیوں دوسرے دن ظلم و ستم ہو رہا ہے؟

مسلمانوں کو سوچنا ہوگا کہ یہ اقوام متحدہ کیا مسلمانوں کے ساتھ ٹھیک کر رہا ہے؟ ہر سال تمام مسلم ممالک کے سربراہان جنرل اسمبلی سے خطاب کرنے تو پہنچ جاتے ہیں مگر کبھی انہوں نے اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے حقوق کے لیے اقوام

متحدہ کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کا حق دلوائیں۔آج کے دن پوری دنیا میں انسانی حقوق پر سیمینار، ریلیاں اور کنونشن ہونگے مگر یہ صرف میڈیا کے حد تک۔ غریب آج بھی امیر سے اپنا حق مانگ رہا ہے۔ عوام اپنے حکمرانوں سے اپنا حق مانگ رہی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک سے اپنا حق مانگ رہا ہے۔سب اسی طرح دنیا میں مانگتے مانگتے ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حقوق کی جنگ ایسے ہی جاری رہیگے۔ کوئی کسی کو کچھ نہیں دیگا اگر دینے والا ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ جس نے اللہ کو پالیا وہ تمام انسانیت کا حق دے گا۔ جو حاکم اللہ کے تابع ہوگیا وہ کبھی کسی دوسرے ملک کا حق نہیں مارے گا۔آیئے آج عہد کریں کہ ہم کسی انسان کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے۔ہم ایک دوسرے کی حق تلفی نہیں کریں گے بلکہ اپنے حق کے لیے اپنے رب کی مہربانی سے ظالم کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنیں گے۔

16 دسمبر "سقوط ڈھاکا سے آرمی پبلک سکول تک"

16 دسمبر کا دن پاکستان کی تاریخ میں یوم سیاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس دن پاکستان کے دوست نما دشمنوں نے پاکستانی عوام کو خون کے آنسوؤں سے رلایا۔ بدقسمتی 16 دسمبر دن ایک ہے مگر سال مختلف ہیں۔اس دن پاکستان میں ہر شخص کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اس دن پاکستان کے دشمن اپنے مقصد میں کامیاب توضرور ہوئے مگر ان دونوں واقعات نے پاکستانی حکمرانوں کو سبق ضرور دیا ہوگا کیونکہ بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا کہ ٹھوکر کھا کر عقل آتی ہے۔

16 دسمبر کا دن جہاں بنگلہ دیش کے لیے ان کی آزادی کا دن ہے ادھر ہی یہ پاکستانیوں کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دن ہےجب 1971ء کو ڈھاکہ کے میدان میں ایک بڑے ہجوم کی موجودگی میں پاکستانی فوج کے مشرقی بازو کے کمانڈر جنرل نیازی نے بھارتی فوج کے کمانڈر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی تقریب کے بعد ملک کے دو حصے ایک دوسرے سے عملی اور قانونی طور پر الگ ہو گئے تھے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کا الگ ہونے کا واقعہ اچانک رونما نہیں ہوا بلکہ اس

کے پیچھے برسوں کی محرومیوں اور ناانصافیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان فاصلوں کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب اردو کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا گیا کیونکہ بنگالی اپنی زبان کو قومی زبان کے درجے پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے چلائی جانے والی تحریک نے پاکستان کے دونوں حصوں کی علیحدگی کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھی۔ جب 1965ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ٹینکوں کی ایک بڑی جنگ لڑی گئی۔ اس موقع پر مشرقی حصے کی حفاظت کے لیے کوئی قابل ذکر انتظام موجود نہیں تھا۔ جس سے محرومی کے ساتھ عدم تحفظ کے احساس بھی پیدا ہوا۔

ایوب خان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد ملک کی باگ دوڑ جنرل یحیٰی کے ہاتھ میں آ گئی۔ انہوں نے انتخابات کرائے۔ جس میں مشرقی حصے میں شیخ مجیب کی جماعت نے مکمل کامیابی حاصل کی جب کہ مغربی حصے میں انہیں کوئی نمائندگی نہ ملی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے مشرقی اور مغربی حصے کی سیاسی قیادتیں دونوں حصوں کی نمائندہ نہ رہیں۔

مغربی حصے میں پارلیمنٹ میں اکثریت ذوالفقار علی بھٹو کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے پیش کردہ چھ نکات میں کچھ لچک پیدا کریں لیکن وہ اس پر تیار نہ ہوئے اور ملک کے لیے نئے آئین کی تیاری کا کام آگے نہ بڑھ

سکا۔ادھر مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے جذبات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔23 مارچ 1971ء کو یوم پاکستان کے موقع پر علیحدگی پسندوں نے ہر جگہ بنگلہ دیش کے پرچم لہرائے اور تقریبات منعقد کیں۔ جنرل یحییٰ خان نے فوجی کارروائی کے ذریعے ملک میں امن وامان قائم کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے شیخ مجیب کو گرفتار کرلیا اور باغیوں کے خلاف سخت کارروائی شروع کردی۔ بہت سے بنگالی لوگ سرحد پار کرکے بھارت چلے گئے۔ بھارت میں عوامی لیگ کی جلاوطن قیادت نے مکتی باہنی کے نام سے عسکری تنظیم قائم کرکے پاکستانی فوجیوں پر حملے شروع کردیے۔ جب فوج ان کا پیچھا کرتی تو وہ سرحد پار بھاگ جاتے۔ جس سے سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہونے لگا۔ اور پھر اسی سال دسمبر میں اپنی مشرقی سرحدوں پر بھارتی فوج کا دباؤ کم کرنے کے لیے جنرل یحییٰ خان نے مغربی پاکستان کا محاذ کھول دیا جس سے بھارت کو اپنے فوجی دستے مشرقی پاکستان میں داخل کرنے کا جواز مل گیا۔

پاکستان کی فوج زیادہ دنوں تک مقابلہ جاری نہ رکھ سکی کیونکہ اسے بھارتی فورسز اور بنگالیوں دونوں کی جانب سے حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر 16 دسمبر کا وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب جنرل نیازی نے پلٹن کے میدان میں ہتھیار ڈال دیے۔ پاکستان کو دولخت کرنے میں جہاں کچھ محرومیاں تھیں ادھر ہی شیخ مجیب کی مکارانہ پالیسیوں کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ شیخ مجیب کی غدارانہ

ذہانت کا آج بھی منہ بولتا ثبوت موجود ہے۔ اس کی بیٹی حسینہ واجد آج بھی چن چن کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے رہی ہے۔ جس کی مثال عبدالقادر ملا اور کئی دوسرے جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو سزائے موت دی جارہی ہیں۔ ان کا قصور کیا تھا؟ یہی کہ پاکستان کو قائم رکھنے کے لیے فوج کا ساتھ دیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے حکمران ان محب وطن لوگوں کے لیے اب بھی کچھ نہیں کر رہی ہے۔

سقوط ڈھاکا کے بعد 16 دسمبر 2014 کو دشمنوں نے ایک بار پھر پاکستان کو للکارا۔ وہ پاکستان جو پہلے ہی دہشت گردی کی آگ میں جل رہا تھا اس کو مزید نقصان پہنچانے کے لیے ملک دشمنوں قوتوں نے وہ گھناؤنا کھیل کھیلا کہ اس واقعے کی جتنی مذمت کی جائے تھوڑی ہے۔ جنگ کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں جس میں بچوں اور عورتوں پر وار نہیں کیا جاتا مگر یہاں تو دشمنوں نے سارے اصولوں کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر بچوں پر ظلم کی انتہا کر دی۔ ملک دشمن لوگ ایف سی (فرنٹیئر کور) کے لباس میں ملبوس پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں پچھلی طرف سے داخل ہوگئے اور ہال میں جا کر اندھا دھند فائرنگ کی۔ اس کے بعد کمروں کا رخ کیا اور وہاں پر بچوں کو گولیاں ماریں۔ ادارے کے سربراہ کو آگ لگائی۔ 9 اساتذہ، 3 فوجی جوانوں کو ملا کر کُل 144 ہلاکتیں اور 113 سے زائد زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والے 132 بچوں کی عمریں 9 سے 18 سال کے درمیان تھیں۔ یہ پاکستانی تاریخ کا مہلک ترین دہشت گردانہ حملہ تھا۔ سانحہ پشاور نے صرف ملک

میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو دکھ اور غم میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ہر انسان اس واقعے کی بربریت کو دیکھ کر خون کے آنسو رو رہا ہے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ متاثرہ اسکول کے درو دیوار دہشت اور ہولناکی کی دردناک کہانی آج بھی سنا رہے ہیں۔ 16 دسمبر کے ان دونوں واقعات نے جہاں پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا مگر وہاں ہمیں یہ سوچنے پر مجبور بھی کر دیا کہ ہم کب تک اپنے دشمنوں سے غافل رہیں گے؟ہم کب بیدار ہونگے؟اپنے اچھے اور برے کی کب پہچان کریں گے؟ہم کب تک امن کی آشا کے چکر میں اپنی عوام کی قربانی دیتے رہیں گے؟اب سوچنے کا وقت نہیں فیصلے کا وقت ہے۔آج ہمیں دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو منہ توڑ جواب دینا ہوگا۔

محمد ﷺ کے دیوانے ہم

ویسے تو میں نے بہت سے سیاسی، تعلیمی، ثقافتی، حالات حاضرہ اور مذہبی موضوعات پر کالم لکھیں ہیں مگر آج میں جس موضوع پر کالم لکھ رہا ہوں اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں ،زمین کاغذ کی بن جائے اور تمام سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی ان کی تعریف مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ موضوع دنیا کی عظیم ترین ہستی ،وہ ہستی جس کے لیے یہ دنیا وجود میں آئی، جس نے انسان کو جینا سکھایا، وہ ہستی جو زمین سے لیکر آسمان والے تک کی محبوب ہے۔جی وہ موضوع ہے حضرت محمد ﷺ کا ہے۔

ربیع الاول کو پورے عالم اسلام میں حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت کا دن بڑے 12 جوش وجذبے اور مذہبی عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔ یہ کائنات جس ہستی کے لیے بنائی گئی وہ ہستی حضرت محمد ﷺ 12 ربیع الاول 632ھ (20اپریل 571ء) کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد محترم کا نام عبداللہ تھاجو آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے پھر آپ ﷺ کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی۔آپ ﷺ کی والدہ کا نام حضرت آمنہ تھا۔جب آپ ﷺ چھ برس کے تھے توآپ کی والدہ کا انتقال پُر ملال ہو گیا۔جب آٹھ برس کے تھے توآپ ﷺ کے دادا بھی وفات پا گئے۔ اسکے بعد آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے چچا ابو طالب کے

کاندھوں پر آ گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ بصرہ اور شام کے کئی تجارتی سفر کئے۔ بارہ سال کی عمر میں جب آپ ﷺ تجارت کے سلسلے میں ملک شام گئے تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرہ نے آپؐ کو دیکھا تو آپ کے چچا ابو طالب کو بتایا کہ نبوت کی جو علامات تورات اور انجیل میں درج ہیں وہ آپ کے بھتیجے یعنی آپ ﷺ میں موجود ہیں۔ جب آپ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو آپ نے جنگِ فجار میں حصہ لیا۔

آپ ﷺ جب پچیس برس کے ہوئے تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوگیا جو ایک بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ ﷺ بہت دیانتدار اور امین تھے جب آپ ﷺ چالیس برس کے ہوئے تو ایک دن حسبِ معمول غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے آپ ﷺ کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔

اسلام سے قبل عرب کا دور جاہلیت کا دور تھا۔ اہل عرب اگرچہ اکثر اَن پڑھ اور جاہل تھے مگر علم نجوم اور طب کے علم پر عبور رکھتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب نبوت ملی تو سب سے پہلی آیات یہ نازل ہوئیں۔ (ترجمہ) پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان آیات کو دہرایا۔ آپ ﷺ نے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ کا آغاز کیا۔

آپ ﷺ پیغمبر ہونے سے پہلے ہی انصاف اور دیانتداری کی وجہ سے ملک بھر میں صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور اکرم ﷺ انصاف کے معاملے میں کسی سے رعایت نہ کرتے تھے چاہے آپ کا عزیز کیوں نہ ہو۔ عرب کے لوگ آپ ﷺ کو نبی تو نہیں مانتے تھے لیکن وہ فیصلے آپ سے کرواتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی تو وہ لوگ فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس لئے آئے۔ چوری ثابت ہو گئی تو آپ ﷺ نے اسلامی قانون کی رو سے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ عرب کے بڑے بڑے سرداروں نے چاہا کہ یہ بڑے گھرانے کی عورت ہے۔ اس کی سفارش کرکے اسے بچائیں۔ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا: " تم اللہ کی مقرر کی ہوئی باتوں میں سفارش کو دخل دیتے ہو۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" ہر نبی کی ایک دعا ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے تو ہر ایک نبی علیہ السلام نے جلدی کرکے وہ دعا مانگ لی (دنیا ہی میں) اور میں یعنی حضرت محمد ﷺ نے اپنی دعا کو چھپا کر رکھا ہے قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے اور اللہ چاہے تو میری شفاعت ہر ایک اُمتی کے لئے ہوگی بشرطیکہ وہ شرک پر نہ مرا ہو۔"

آج پورے عالم اسلام میں رسول اکرم ﷺ ، پیغمبر انسانیت ،رُوح ایماں ، شانِ

کائنات اور سراپا نور کے پیکر میں ڈھلے حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی منائی جارہی ہے۔ہر طرف آمد رسول کے نعرے لگ رہے ہیں مگر میرا سوال ان لوگوں سے ہے جو رسول اکرم ﷺ کی آمد پر تو جشن منارہے ہیں مگر کبھی ان کی سنت پر عمل کیا؟ کیا کبھی ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی کوشش کی؟ جن چیزوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیا ہم لوگ اس سے دور رہے؟ ہم جتنی خوشی اور جوش کے ساتھ یہ جشن مناتے ہیں کاش اسی جوش و جذبے کے ساتھ ہم اپنے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرکے پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کردیں۔ دنیا سے برائی کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں۔ تمام مسلمان ایک کتاب اور ایک نبی کے سائے میں اکٹھے ہوجائیں تاکہ ہم غیر مسلموں کو بتا سکیں کہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے ہیں۔اس طرح کسی غیر مسلم کی مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔

میری اس دن کے موقع پر اپنے رب العزت اور مالک کائنات سے یہی دعا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو نیکی کی ہدایت دے اور برائی سے ہمیشہ دور رکھے۔تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور قیامت کے حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

"عظیم دھرتی کا عظیم قائد" محمد علی جناح

زندہ قومیں اپنے محسنوں کو نہیں بھولتیں۔ مسلمانوں نے برصغیر پر بہت عرصہ حکمرانی کی۔ تاریخ اٹھا کر پڑھ لیں کتابیں مسلمانوں کے کارناموں سے بھری ہوئی ہیں۔ کونسا میدان ہے جس میں مسلمانوں نے اللہ کے فضل سے کامیابی حاصل نہ کی ہو۔ جس وقت پاک و ہند ایک تھا اس وقت بھی کسی بھی ہندو میں ہمت نہیں تھی کہ اپنے لیے الگ ملک کا سوچ بھی ہے۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے اپنے دین کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے ایک الگ وطن کا نعرہ بلند کیا۔ اس وطن کی خاطر مسلم حکمرانوں نے دن رات ایک کر دیا۔ ویسے تو اس وطن کی آزادی میں بہت سے حکمران شامل تھے مگر اس کا سارا کریڈٹ ایک دبلے پتلے شخص کو جاتا ہے جس نے ہندوؤں کو ہر مقام پر شکست سے دوچار کیا۔ ہمیں ایک قوم کی حیثیت دلانے والے شخص کا نام قائداعظم ہے۔ آپ کو" بابائے قوم" بھی کہا جاتا ہے۔

قائداعظم 25 دسمبر 1876 کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام پونجا جناح تھا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپ نے باقاعدہ تعلیم کراچی مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے انگلستان چلے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ملازمت کی اور پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی

تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لے لیا۔ 1896 میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت آپ نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ انڈیا واپس آنے کے بعد آپ نے ممبئی میں وکالت شروع کی اور جلد ہی بہت نام کمایا۔ برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے ہوئی جو آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے نہ صرف تاریخ کا دھارا بدلا بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے وہ قائد تھے جن کی قیادت میں پاکستان نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی۔ آپ کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے ابتدا میں آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہوئے۔ کانگرس سے اختلافات کی وجہ سے آپ نے اس پارٹی کو چھوڑ دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر چودہ نکات پیش کئے۔ مسلم لیڈروں سے اختلافات کی وجہ سے آپ برطانیہ چلے گئے۔ علامہ اقبال کی کوششوں کی وجہ سے آپ واپس آئے اور مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ 1946 کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی بیشتر نشستوں میں کامیابی حاصل کی۔

اس ہی دوران میں آل انڈیا مسلم لیگ ایک اہم جماعت بن کر سیاسی افق پر ابھرنے لگی۔ 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان پیش ہوئی جہاں سے پاکستان کی

آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔1940کے بعد قائد اعظم تپ دق کا شکار ہوئے۔صرف ان کی بہن اور ان کے چند قریبی لوگ ان کی حالت سے واقف تھے۔آپ کی انتھک محنت اس وقت رنگ لائی جب 14اگست 1947 کو دنیا کے کے نقشے پر پاکستان بن کر ابھرا۔آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اسی لیے آپ کو مستحکم پاکستان بنانے کے لیے دن رات ایک کرنا پڑا۔ بدقسمتی سے آپ قیام پاکستان کے بعد زیادہ عرصہ حیات نہ رہ سکے اور 11 ستمبر 1948 کو دنیائے فانی سے کوچ کرکے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔
ایک حیرت انگیز اور قابل غور پہلو پر غور کیجئے۔آپ ذرا غور کریں اور تھوڑی سی تحقیق کریں تو آپ خود حیرت زدہ ہو جائیں گے۔ قائد اعظم کا انتقال 11 ستمبر 1948 کو ہوا۔ سے لیکر آج تک پاکستان کا یوم آزادی، قائد اعظم کا یوم ولادت اور قائد اعظم 1948 کا یوم وفات ایک ہی دن ہوتا ہے۔اسکی وضاحت کے لئے آپ کو موجودہ سال کی مثال دیتا ہوں۔ پاکستان کا یوم آزادی 14اگست.بروزجمعۃ المبارک تھا۔ قائد اعظم کا یوم وفات ستمبر.بروزجمعۃ المبارک تھااور اب قائد اعظم کا یوم پیدائش 25دسمبر بھی جمعۃ11 المبارک کے دن منایا جارہاہے۔آپ غور کریں کہ قائد اعظم اور پاکستان ایک دوسرے کے لئے کس طرح لازم وملزوم ہیں اور ہر سال قائد اعظم کا یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم پاکستان مختلف مہینے ہونے کے باوجود ایک ہی دن ہوتا ہے۔

1948 سے آج تک ہماری عوام قائداعظم جیسا رہنما تلاش کر رہی ہے کیونکہ قائداعظم ہمیں پاکستان تو دے گئے مگر اپنا جانشین نہ دیکر جا سکے۔ پاکستان کو بنے کئی سال گزر گئے مگر ہم اس دن سے آج تک ہم اس پاکستان کو تلاش کر رہے جس کا خواب قائداعظم نے دیکھا تھا۔ ہم قائد کے فرمان تو ضرور پڑھتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔ پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک کے جو حالات ہیں ان کو دیکھ کر تو ہمارے قائد کی روح بھی کانپ رہی ہوگی۔ کہنے کو تو ہمارا ملک آزاد ہے مگر یہاں پر آج بھی انگریزوں کے بنائے ہوئے اصول چل رہے ہیں۔ ہماری معشیت آج بھی ان کی غلام ہے۔

حکمرانوں کے ان رویوں نے ہی پاکستان کو بحرانوں میں دھکیل دیا ہے۔ عوام سوچتی ہیں کہ آج جس پاکستان میں وہ سانس لے رہے ہیں وہ قائداعظم کا پاکستان ہرگز نہیں ہے کیونکہ جہاں جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ کرپشن کا زور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ میرٹ کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ مظلوم کو انصاف نہیں ملتا جہاں لوگ لسانیت، فرقہ پرستی کے حصہ میں تقسیم ہیں۔ جہاں غریب کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنا مشکل سے مشکل ہوتا جارہا ہے۔ بے روزگاری کی وجہ سے لوگ ڈکیتی اور چوری جیسے گناہ کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جہاں ہر کوئی ملکی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔

عوام آج سیاستدانوں سے، بیوروکریٹوں سے، علماء سے، تاجروں سے، قانون دانوں سے، صنعتکاروں سے اور اساتذہ سے صرف ''قائد اعظم کا پاکستان'' مانگتے ہیں۔ جہاں فیصلے ملک کے مفاد میں ہوتے ہوں۔ جہاں میرٹ صفحہ اول ہو، جہاں قانون سب کے لیے یکساں ہو۔ قائد اعظم نے پاکستان کے نظام میں مغربی جمہوریت کی کئی بار نفی فرمائی۔ قائد اعظم کی تقاریر اٹھا کر دیکھ لیں ہمیں ہر بیان میں اسلام اور قرآنی نظام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آج قائد اعظم محمد علی جناح ہم میں نہیں لیکن ان کی تعلیمات ان کی فکر ان کی سوچ ان کے طرز زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ قائد نے ہمیں یہ آزاد ملک اس لئے دیا کہ ہم اس ملک میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔

پنکی" تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد"

دسمبر بینظیر بھٹو شہید کی برسی پر خصوصی تحریر 27

انسان دنیا میں آتا ہے اس کے آنے کی ایک ترتیب ہوتی ہے مگر دنیا سے جانے کی کسی کی کوئی ترتیب نہیں۔ پیدائش پر والدین، عزیز واقارب اپنی اپنی خوشی کا اظہار اپنے انداز سے کرتے ہیں مگر مرنے والے کے لیے آنسو اور اس کی مغفرت کے لیے صرف دعا کی جاسکتی ہے۔ وقت کس رفتار سے گزرتا ہے کسی کو نہیں معلوم، معلوم جب ہوتا ہے جب انسان اپنے پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا، ایک شہر سے دوسرے شہر، زندگی سے موت کے پاس۔

دسمبر 2007 وہ دن ہے جب پہلی مسلمان خاتون وزیراعظم اور ہر پیپلز پارٹی کی 27 قائد محترمہ بینظیر بھٹو کو شہید کردیا گیا تھا۔ لیاقت باغ میں پی پی کے جلسے میں خودکش حملہ ہوا جس میں بے نظیر شہید ہوگئیں تھیں۔ ان کی شہادت کی خبر پورے ملک میں دھماکے سے کم نہ تھی۔ ہر طرف "پنکی" کا چرچا ہو رہا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

بے نظیر بھٹو کو بچپن میں پیار سے ''پنکی '' کہا جاتا تھا۔ وہ 21 جون 1952 کو پیدا ہوئیں اور ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی۔ اس کے بعد راولپنڈی منتقل ہوگئیں اور اپنی تعلیم جاری رکھی۔ پنکی کے نام سے پکاری جانے والی بچی نے 15 سال کی عمر میں اولیول کا امتحان پاس کیا اور پھر اے لیول مکمل کرنے کے بعد کراچی آ گئی۔ پاکستان میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لیے بیرون ممالک چلی گئی۔ 5 سال تک ریڈکلف کالج اور ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں زیر تعلیم رہی۔ اسی دوران بی اے کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے مزید تعلیم حاصل کرنے برطانیہ چلی گئی۔ یہاں آکسفورڈ میں فلسفہ، سیاست اور معاشیات کے مضامین میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے انہیں پڑھا اور اس کے علاوہ آکسفورڈ سے بین الاقوامی قانون اور ڈپلومیسی کے مضامین میں بھی خاصی دلچسپی لی۔ 1976 میں آکسفورڈ یونین کا صدر بھی بننے کا اعزاز حاحل کیا۔ بے نظیر کی شادی دسمبر 1987 کو زرداری قبیلے کے نوجوان آصف علی سے ہوئی۔ بے نظیر کی اولاد 18 میں تین بچے بلاول، بختاور اور آصفہ ہیں۔ اس حقیقت سے نہ صرف اہل پاکستان ہی اچھی طرح سے واقف ہیں بلکہ ساری دنیا بھی یہ خوب جانتی ہے کہ بھٹو خاندان کا چراغ کس طرح گل ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی۔ ان کے بڑے بیٹے شاہ نواز بھٹو کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ان کے بعد محترمہ کے دوسرے بھائی مرتضی بھٹو کو کس طرح ہلاک کیا گیا؟

محترمہ بینظیر بھٹو کا سفر سیاست کا آغاز جنرل ضیاالحق کی شہادت کے بعد شروع ہوا۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد ملک میں ہونے والے 1988 کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار نئے جذبے کے ساتھ شریک ہوئی اور ان انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی بھاری مینڈیٹ سے کامیاب ہوئی۔ اس طرح 1988 میں محترمہ بینظیر بھٹو نہ صرف ملک کی بلکہ امت مسلمہ کی پہلی خاتون وزیراعظم بن گئیں ۔ 1993 کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر کامیاب ہوئی تو محترمہ بینظیر بھٹو کو ملک کا دوسری بار وزیراعظم منتخب کرلیا گیا مگر اپنے ہی بنائے ہوئے صدر فاروق لغاری کے ہاتھوں اپنی حکومت کا خاتمہ کرایا۔ 1998 میں نواز شریف کے دوراقتدار میں کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی ۔ 12 اکتوبر 1999 کو جب جنرل پرویز مشرف نواز شریف کی حکومت پر شب خون مار کر ملک پر قابض ہوگیا اور نواز شریف کو ان کے اہل خانہ سمیت راتوں رات جہاز میں بٹھا کر جلاوطن کر دیا۔ پہلے تو صرف محترمہ ہی ملک سے باہر تھیں اور اب تو نواز شریف بھی ملک سے باہر تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب پرویز مشرف پر عالمی دباؤ بڑھا تو اس نے محترمہ بھٹو سے دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کردی۔ جب بے نظیر بھٹو اپنی طویل جلاوطنی کے بعد 18 اکتوبر 2007 کو کراچی واپس آئیں تو ان کے تاریخی استقبالیہ جلوس میں بم دھماکہ ہوا۔ اس قاتلانہ حملے میں محترمہ بینظیر بھٹو خوش قسمتی سے محفوظ رہیں۔ آپ بلاخوف وخطر ملک کے کونے کونے میں

اپنے انتخابی جلسے اور جلوسوں کی قیادت کرتی رہیں مگر 27 دسمبر 2007 کو جب ایک انتخابی جلسے کے دوران راولپنڈی کے لیاقت باغ میں محترمہ بینظیر بھٹو پر آخری قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا جب خطاب کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر واپس جا رہی تھیں۔ اس دوران لیاقت باغ نے محترمہ کے خون سے اپنی زمین کو رنگین کر لیا۔ یاد رہے اس سے پہلے بھی اسی باغ میں ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھی شہید کیا گیا تھا۔ یہ کوئی شک والی بات نہیں محترمہ بینظیر بھٹو ملک کے چاروں صوبوں کی زنجیر تھیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کے ساتھ ہی پاکستانی سیاست کا ایک باب جو بھٹو خاندان کے نام سے چل رہا تھا، ختم ہو گیا۔ جو اب کبھی بھی شروع نہیں ہو سکتا۔ بے شک بلاول اپنے نام کے ساتھ بھٹو لگا لیا ہے۔ آج آٹھ سال گزر جانے کے باوجود محترمہ شہید بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث عناصر منظرِ عام پر نہیں آسکے ہیں۔ اس دوران محترمہ کی اپنی جماعت پیپلز پارٹی اپنی مدت معیاد پوری کر کے جا چکی ہے مگر بے نظیر ہم شرمندہ ہیں تیرے قاتل زندہ ہیں کے نعرے آج بھی لگ رہے ہیں۔ بھٹو خاندان کے قاتلوں کی تلاش آج بھی جاری ہے اور ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ جب ان لوگوں کے قاتل نہیں مل سکتے تو غریب کا کیا حال ہو گا؟ بے نظیر کی شہادت کے موقع پر ہماری اللہ تعالٰی سے یہی دعا ہے کہ اللہ بی بی کو جنت میں اور ہمارے حکمرانوں کو انصاف کرنے کی توفیق دے۔

روشن راہیں، نابینا رہبر

صحافی ایک ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مختلف خبریں لاتے ہیں مختلف ٹی وی چینلوں اور اخبارات کے لئے اور در بہ در گھوم پھر کے مختلف تازہ ترین خبریں دیتے ہیں۔اس کام کو صحافت کہا جاتا ہے۔ پاکستان اس شعبے میں کافی ترقی کر رہا ہے ۔ایک صحافی معاشرے میں بیداری پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کر سکتا ہے اور ایک خبر کو وہاں پہنچاتا ہے جہاں شاید عام انسان کے لئے ناممکن ہو۔تو یہ طے ہوا کہ صحافی معاشرے کا وہ فرد ہوتا ہے جو عوام کو معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے علمی ذوق کے اضافے کا سبب بھی بنتا ہے۔ یعنی صحافی بننا کوئی معمولی بات نہیں، یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جسے نبھانے کے لیے ایک خاص قسم کی علمیت اور سمجھ درکار ہے۔

صحافیوں نے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے مختلف نام سے تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں جو صحافیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتی ہیں۔ یہی نہیں ہر شہر میں صحافیوں نے پریس کلب بھی بنائے ہوئے ہیں جہاں سب صحافی ملکر کام کرتے ہیں۔ بہت سے شہروں میں ایک کی بجائے مختلف ناموں سے کئی پریس کلب بھی بنے ہوئے ہیں۔

کچھ دن پہلے ایک دوست نے فون کیا اور مجھے لاہور آنے کی دعوت دی جب میں نے اس سے لاہور آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ پریس کلب کا الیکشن ہے۔ وہاں پر سب دوست اکٹھے ہونگے تو آپ بھی تشریف لے آئیں۔ میں نے بھی بہت چرچا سنا تھا کہ لاہور پریس کلب کے الیکشن کے بارے میں مگر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سو میں نے بھی فوراً ہاں بھر لی۔ 30 دسمبر کے دن الحمرا ادبی بیٹھک میں الیکشن ہونا تھا اس لیے 30 دسمبر کو میں الحمرا پہنچ گیا۔ میں اور افسانہ نگار محمد علی رانا دونوں جب الحمرا میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے کالمسٹ شاہد محمود سے ملاقات ہوئی۔ گپ شپ کرتے جب ادبی بیٹھک کے قریب پہنچے تو ادھر بڑے بھائی اور دن نیوز گروپ کے ایڈیٹر ایثار رانا صاحب سے ملاقات ہوئی ان سے سلام دعا کے بعد آگے بڑھا تو فیملی میگزین کے رائٹر سید بدر سعید صاحب سے تشریف فرما تھے ان سے سلام دعا ہوئی۔ اسی طرح بہت سے دوستوں سے ملتا رہا جن میں فرخ شہباز وڑائچ، روزنامہ جناح کے میگزین ایڈیٹر طاہر انجم، کالمسٹ حبیب اللہ سلفی، کالمسٹ ماجد امجد ثمر اور نامور اداکار بالخصوص ڈرامہ عینک والا جن کا مرکزی کردار ''ہامون جادوگر'' حسیب پاشا بھائی بھی شامل تھے۔ حسیب بھائی نے اتنی محبت دی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اپنے تجربے کی رو سے بہت سے ٹپس بھی دیے۔ ان سے مختلف اداکاروں کے بارے میں تفصیلی گفتگو بھی کی بالخصوص زکوٹا جن۔ میں اور رانا صاحب چار بجے کے قریب الحمرا سے واپس کچھ دوسرے دوستوں سے ملنے کے لیے نکل آئے۔ اسی دوران روزنامہ

خبریں کے میگزین ایڈیٹر اور کالمسٹ ندیم نظر صاحب کی کال آ گئی اور حکم صادر کر دیا کہ جناب آپ جدھر بھی ہو فوری الحمرا میں واپس پہنچے۔ بھائی کے حکم کو ٹال نہ سکے اور ہم واپس الحمرا آ گئے۔ ابھی ہم لوگ کیفے ٹیریا میں چائے پی ہی رہے تھے کہ باہر شور شرابا ہوا۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہ لوگ جو باشعور اور دوسروں کو امن کا درس دیتے تھے وہ خود سیخ پا نظر آ رہے تھے۔

ویسے تو پولنگ بوتھ کے باہر دونوں بڑے پینلز کی جانب سے دن بھر شدید نعرے بازی جاری رہی تھی مگر پولنگ کا وقت ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے دونوں پینلز میں اختلافات شدت اختیار کر گئے۔اس جھگڑے کے دوران ادبی بیٹھک کا دروازہ بھی ٹوٹ گیا۔پروگریسو پینل کے لوگوں کا کہنا تھا کہ حکمراں جرنلسٹ پینل نے بہت سے ایسے افراد کو پریس کلب کی ممبر شپ دی ہے جن کا صحافت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ان نئے ممبران میں سے بیشتر سرکاری ملازمتیں بھی کرتے ہیں۔ان کا مزید کہنا ہے کہ جعلی ووٹرز کی موجودگی میں شفاف انتخابات کا انعقاد ناممکن ہے لہٰذا انتخابات ملتوی کیے جائیں۔دوسری جانب جرنلسٹ گروپ نے ان تمام الزامات کو مسترد کرتے ہوئے پولنگ جاری رکھنے کا مطالبہ کیا۔

وقت زیادہ ہو گیا تھا اور مجھے اپنے گھر پہنچنا تھا اس لیے میں ادھر سے نکل آیا۔ تقریباً رات کے ساڑھے آٹھ بجے کے قریب میں گھر پہنچا تو مجھے ذرائع

سے معلوم ہوا کہ لاہور پریس کلب کے انتخابات ایک ماہ کے لیے ملتوی کر دیے گئے۔ دوبارہ الیکشن تک نگران سیٹ اپ لاہور پریس کلب کے انتظام سنبھالے گا۔

جیسے ہی میں نے یہ سنا تو مجھے دلی دکھ ہوا اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ پڑھے لکھے، ادبی شخصیت اور تجزیہ نگاروں کے ہوتے ہوئے بھی ایسا ہوا۔ جب جنرل الیکشن میں عوام لڑتی ہے تو ان پر یا ان سیاسی جماعتوں پر یہ لوگ کیسے انگلیاں اٹھا سکتے ہیں جو لوگ اپنے اندر شفافیت نہیں رکھ سکتے وہ دوسروں کے بارے میں کس حیثیت سے تنقید کرتے ہیں؟ کیا ہماری صحافت یہی درس دیتی ہے کہ ہم اکٹھا ہونے کی بجائے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں؟ آج جو ماحول دیکھا گیا وہ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ بہت سے دوستوں کو یہ کہتے سنا کہ وہ آئندہ سال سوچیں گے کہ ووٹ کاسٹ کرنے کے لیے جانا چاہیے یا نہیں؟

یہ صورتحال کیوں پیدا ہوئی؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ انتخابات میں اختلاف رائے پہلے بھی ہوتا تھا مگر گلی محلوں کے بازاروں والا ماحول نہیں دیکھا گیا تھا۔ آج تو لگا کہ کسی دور دراز قصبے کے بلدیاتی انتخابات ہو رہے ہیں۔ اگر یہ الیکشن کسی اور کمیونٹی کا ہوتا اور ایسا ڈرامہ لگتا تو یہی میڈیا کے لوگ چنگاڑ رہے ہوتے۔ اینکرز حضرات چیخ چیخ کر برا بھلا کہہ رہے ہوتے۔ سوال یہ ہے کیا معاشرے کے باشعور اور پڑھے لکھے طبقے کو ایسی حرکات زیب دیتی ہیں؟

خدارا سوچئے کہ ہم لوگ جو دوسروں کی تصیح کرتے ہیں اپنے آپ کو کب سدھاریں گے۔ آج ہم نے عوام کو اپنے اوپر انگلیاں اٹھانے کا کیوں موقع دیا؟ ہمیں ملکر اپنے اندر سے ایسی کالی بھیڑوں کو نکالنا ہوگا جو ہماری بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ ابھی وقت ہے اس صحافت کو مقدس پیشہ رہنے دیں اس کو سیاسی نہ بنائیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمام صحافی.برادری کو ہدایت دے کہ وہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کی توفیق دے آمین

پٹھان کوٹ کا ڈرامہ اور میاں مودی

''بھارت کبھی ہمارا دوست نہیں ہو سکتا'' یہ فقرہ میں نے بہت سے تجزیہ نگار اور بزرگوں سے سنا ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک ہندوؤں نے ہماری جڑیں ہی کاٹی ہیں۔ ہر بار ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو اللہ کی مہربانی سے ہم ہر بار سرخرو ہو جاتے ہیں۔ بہت سے بھارت پسند تبصرہ نگار اور وہ لوگ جو بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانے پر تُلے ہوئے ہیں ان سے ایک سوال ہے کہ کیا وہ کوئی ایک واقعہ بتا سکتے ہیں جہاں پر ہندوستان نے ہمارے حق میں یا ہمارے مفاد کے لیے آواز بلند کی ہو۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے حکمران بھارت سے دوستی کے چکر میں کیوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ یا تو ان کو اپنے دنیاوی آقاؤں سے اپنے اقتدار کا خطرہ ہوتا ہے یا پھر ان کا انڈیا سے کوئی ذاتی مفاد ہے۔ ہم نے تو 1947 سے آج تک یہی پڑھا اور دیکھا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔

پچھلے دنوں مودی صاحب نے لاہور کا دورہ کیا۔ جس طرح انھوں نے دورہ کیا ایسے تو آقا اپنے غلام کے گھر بھی نہیں جاتا۔ کیا اب دنیا بھر کے حکمران سوشل میڈیا کے ذریعے دورے کیا کریں گے؟ اگر اب سوشل میڈیا نے یہ کام کرنا ہے تو

پھر یہ دفتر، سیکرٹری اور دوسرے بھاری بھر تنخواہیں لینے والے ملازمین کو فارغ کردیں۔ بس کبھی فیس بک اور کبھی ٹیوٹر پر پیغام دیکر سب کا آگاہ کردیا۔ اس طرح ملک کے خزانے کا بوجھ بھی کم ہوگا اور جو دفتر کی جگہیں بچیں گی ان کو عوامی فلاح کے لیے استعمال کرلیں۔

مودی کے دورے پر میں نے بہت سے لوگوں سے سنا کہ یہ پاکستان اور بھارت کا ملاپ نہیں تھا بلکہ یہ میاں مودی کا پرسنل تعلق تھا جو ملکی خزانے پر بوجھ بنا اور فائدہ میاں صاحب نے اٹھایا۔ اگر سوچا جائے تو واقعی اس ملاقات کے بعد کوئی ایسی مشترکہ پریس کانفرنس بھی نہ ہوئی جس پر میڈیا دونوں حکمرانوں سے کچھ سوالات کرکے عوام کو مطمئن کرسکتے۔ میڈیا مودی صاحب سے کم از کم یہ تو پوچھتے کہ مودی صاحب آپ پاکستان میں داخل ہونے سے پہلے افغانستان میں جو زبان ہمارے لیے استعمال کرکے آئے ہو وہ کیا تھی؟ میاں مودی کی ملاقات میں سوائے میاں فیملی کے اور کوئی خاص قابل ذکر شخصیت نہیں تھی۔

بھارت سے دوستی کے حق میں کوئی میاں برادران اکیلے ہی نہیں ہیں ان سے پہلے مشرف صاحب بھی امن کی آشا اڑانے چلے تھے ان کے نقش قدم پر ق لیگ، پیپلز پارٹی اور اب میاں صاحب بھی چل پڑے ہیں کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان بہتر تعلقات ہوں۔ میں بھی اس حق میں ہوں کہ پاک بھارت تعلقات اچھے ہونے

چاہییں مگر برابری کی سطح پر۔ لیکن کیا کریں یہاں تو برابری کیا زمین آسمان جتنا فرق ہے۔ بھارت میں کوئی واقعہ ہو جائے اس کا فوری الزام یا گھوما پھرا کر پاکستان پر لگا دیا جاتا ہے۔ کیا کبھی ہندوؤں نے بنگلہ دیش یا افغانستان کا بھی نام لیا۔

ابھی کل کی بات ہے جب پٹھان کوٹ پر بھارتی ایجنسیوں نے جو ڈرامہ رچایا وہ پوری دنیا نے دیکھا۔ یہ پٹھان کوٹ کیا ہے یہ بھی ذرا پڑھ لیں۔ پٹھان کوٹ (Pathankot) بھارت کی ریاست پنجاب میں ایک میونسپل کارپوریشن ہے۔ یہ ضلع پٹھان کوٹ کا صدر مقام بھی ہے۔ 1849 سے قبل یہ نوابی ریاست نورپور کا ایک حصہ تھا۔ پٹھان کوٹ آبادی کے لحاظ سے پنجاب کا پانچواں سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ بھارت کا جموں و کشمیر کے ساتھ جوڑنے والی نیشنل ہائی وے پر پنجاب کا آخری شہر ہے۔

ہفتے کی صبح پٹھان کوٹ ائیر بیس پر 5 حملہ آوروں نے 3 اطراف سے اچانک حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں 4 بھارتی فوجی ہلاک جب کہ 5 اہلکار زخمی ہوئے۔ سیکیورٹی فورسز کی جوابی کارروائی میں 5 حملہ آور بھی مارے گئے۔ حملہ آور فوجی وردیوں میں ملبوس تھے اور انہوں نے ایئر بیس میں داخل ہونے کے لیے پولیس کی گاڑی استعمال کی تھی۔ واقعے کے بعد فوری بھارت کے وزیر مملکت برائے

داخلی امور کا پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہنا تھا کہ پٹھان کوٹ میں حملہ کرنے والے گروپ کو سرحد پار کے بعض عناصر سے تعاون حاصل تھا۔
بھارتی پنجاب کے شہر پٹھان کوٹ کے ایئر بیس پر ہونے والے حملے کے بعد سے ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے پوری کوشش کی جارہی ہے کہ اس کا الزام پاکستان پر ڈالا جائے جب کہ بھارتی حکومت نے بھی اپنی نااہلی چھپانے کے لیے حملہ آوروں کو سرحد پار سے امداد ملنے کا الزام لگایا ہے تاہم بھارتی میڈیا نے مودی سرکار کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے متعدد سوالات اٹھائے ہیں جس کی وجہ سے ایئر بیس پر حملے کا معاملہ پراسرار ہوگیا ہے۔ مقامی افراد کے مطابق گزشتہ روز ہی ایئر بیس کے مرکزی دروازے کے سیکیورٹی بیریئر ختم کردیئے گئے تھے جب کہ قریبی علاقے میں معمول کے مطابق رات 10 بجے بند ہونے والی دکانوں کو زبردستی 6 بجے ہی بند کرادیا گیا تھا۔ بھارت کی ناپاک چالیں ان کے اپنے شہریوں نے ناکام بنادیں۔ اس سے پہلے پچھلے سال جولائی میں بھی ایسا ہی ڈرامہ رچایا گیا اور اس پر بھارتی میڈیا نے بڑا پروپگنڈا کیا اور آخر میں منہ کی کھانا پڑی۔
اب ان پاکستانی ان حکمرانوں سے پوچھا جائے جو بھارت سے پینگیں بڑھانے میں پیش پیش ہیں۔ ابھی تو میاں مودی ملاقات کی مٹی بھی نہیں سوکھی اور بھارت نے

پھر پاکستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی ہے۔ آخر ہم کب سمجھیں گے؟ کب ہماری پالیسیاں تبدیل ہونگی؟ بھارت اپنی مکارانہ چال سے ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور ہمارے حکمران امن کی آشا کے چکر میں پاکستان کو رسوا کرا رہے ہیں۔ آج سوائے چین کے ہمارے ہمسایہ ممالک افغانستان اور بنگلہ دیش بھارت کے ساتھی اور ہماری مخالفت میں ہیں۔ کل تک جو ہمارے اپنے بھائی تھے آج ہمارے دشمن کے ساتھ کیوں مل رہے ہیں؟ ہمارا مذہب تو غیروں کو اپنا بنانے کا سبق دیتا ہے اور آج ہمارے اپنے ہم سے دور کیوں ہو رہے ہیں؟ کیا اس سوال کا جواب ہے کسی سیاستدان یا حکمران کے پاس؟ اب بھی آنکھیں کھول لو ہمیں انڈیا نہیں بلکہ اپنے اسلامی ممالک عزیز ہونے چاہیے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہو سکتا ہے مگر کافر نہیں۔

بھٹو آج بھی زندہ ہے

قیام پاکستان سے لیکر آج تک سیاست کے میدان میں بہت سے لوگ آئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرکے جاتے رہے۔ان میں ایک نام ذوالفقار بھٹو کا بھی ہے۔ذوالفقار بھٹو 5 جنوری 1928 ء کو صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ میں پیدا ہوئے ۔آپ کے والد کا نام شاہ نواز بھٹو تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو تینوں بھائیو ں میں سب سے چھوٹے تھے۔آپکی مادری زبان سندھی تھی۔آپ کے والد سر شاہنواز خان بھٹواپنے دور میں حکومتی سطح پر ایک مقام رکھتے تھے اسی لیے اُس دور کی انگریز حکومت نے ان کی خدمات پر انہیں سر کے اعزاز سے نوازا تھا۔ یاد رہے انگریز حکومت سر کا خطاب انہیں دیتی تھی جنکی خدمات اُن سے مشروط ہوں۔آپ کی والدہ کا نام خورشید بیگم تھا،آپ کے والد سندھ کے جاگیرداروں میں شامل ہوتے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرل سکول سے حاصل کی۔ ذوالفقار بھٹو کی پہلی شادی ابتدائی عمر ہی میں شیرین امیر بیگم نامی خاتون سے کردی تھی۔ جن سے انہوں نے جلد ہی علیحدگی اختیار کرلی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے 1947ء میں امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے

سیاسیات کے مضمون میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ 1950 میں آکسفورڈ لا کالج برطانیہ میں داخلہ لیا اور 1953 ء میں وہاں سے لاء کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کچھ وقت تک سندھ مسلم لاء کالج میں لیکچرار رہے اور بعد ازاں کراچی میں کچھ عرصے کیلئے وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ اکتوبر 1958 میں ایوب خان کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ان کو پہلی دفعہ سیاست میں براہ راست حصہ لینے کا موقع ملا۔ اور اپنے سیاسی کیریر کا آغاز ایوب خان کابینہ میں توانائی کے وزیر کی حیثیت سے کیا۔ اسوقت ان کی عمر محض 30 سال تھی۔ بعد میں ان کو کامرس ، اطلاعات و نشریات اور صنعتوں کی وزارتیں بھی دی گئیں۔ 1962 ء میں وزیر خارجہ کے منصب پر فائز ہوئے۔

جب ان کے جنرل ایوب خان کیساتھ معاہدہ تاشقند پر اختلافات پیدا ہوئے تو معاہدہ تاشقند پر دستخط کا انتظار کئے بغیر وطن واپس لوٹ آئے۔ تاشقند سے واپسی پر انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دیکر تاشقند معاہدے کے متعلق قوم کو مختلف فورمز اور پروگرامات کے ذریعے اسکے مضمرات سے آگاہ کیا۔ حکومت سے استعفیٰ کے بعد انہوں نے پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا۔ عوام کی زبردست پذیرائی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسطرح انہوں نے 30 نومبر 1967ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اسلام ہمارا دین ہے ، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے کے علاوہ انہوں نے پاکستانی عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیکر پورے ملک میں

انقلابی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

ایوب خان آمریت سے بغاوت کے جرم میں انکو 12 نومبر 1968 کو گرفتار کر لیا گیا لیکن جنرل ایوب خان اپنے آمرانہ ہتھکنڈوں کے ذریعے ان کا سحر توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکے اور بالآخر 1969ء کی وہ گھڑی آن پہنچی جب جنرل ایوب خان کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ایوب خان نے ایک بار پھر اپنے آمرانہ مزاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقتدار اپنے ہی وضع کردہ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے سپیکر کو سونپنے کی بجائے چیف آف آرمی سٹاف جنرل یحیٰی خان کے حوالے کر دیا۔ جنرل یحیٰی خان نے ملک میں دوسرا مارشل لاء لگا کر عام انتخابات کا اعلان کیا۔ پیپلز پارٹی نے 1970ء کے الیکشن میں ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں روٹی ، کپڑا اور مکان کے منشور پر الیکشن میں حصہ لیا اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری ۔اسطرح محض تین سال کے قلیل عرصے میں پیپلز پارٹی نے ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ جنرل یحیٰی خان کو فارغ کرکے انہوں نے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور بحیثیت صدر پاکستان حکومت خود سنبھالی۔اور 20 دسمبر 1971ء سے 13 اگست 1973ء تک صدر پاکستان کے عہدے پر فائز رہے۔ 1973ء کا متفقہ آئین منظر عام پر آنے کے بعد انہوں نے عہدہ صدارت چھوڑ کر 14 اگست 1973ء کو بحیثیت وزیر اعظم حکومتی اختیارات سنبھالے۔ 1976ء میں آپ

نے جنرل ضیاء الحق کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا تو ہر سطح پر اس فیصلے پر تنقید کی گئی لیکن آپ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بعدازاں 5 جولائی 1977ء کو ملک میں تیسرا مارشل لاء نافذ کرکے ذوالفقار علی بھٹو کو جیل میں ڈال کر ان پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جسکے نتیجے میں آپ کو 4 اپریل 1979 کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

بھٹو نے اپنے اقتدار میں عوام کی فلاح کے بہت کام کیے۔ طالب علموں کے سٹوڈنٹ کارڈ ان کے دور میں بنائے گئے۔ذوالفقار علی بھٹو ایک نئی جدید سوچ کے مالک تھے وہ پاکستان کو بڑھتے ہوئے حالات اور وقت کے ساتھ لیکر چلنا چاہتے تھے اسی لیے انھوں نے ایک ایسی سیاسی جماعت بنائی جس کا منشور فلاح بہود اور عوامی خدمات پر مشتمل تھا۔ بھٹو نے بہت کم وقت میں پورے پاکستان کی عوام کا دل جیت لیا تھا۔ انہی کے دور حکومت میں پاکستان نے ایٹم بم کی تیاریاں شروع کردی تھیں ۔پاکستان اسٹیل مل اور دیگر ادارے بھی وجود میں آئے۔ بھٹو نے زراعت کو فروغ دینے کیلئے جدید زرعی آلات کسانوں ، زمینداروں کو مفت اور آسان اقسام میں زرعی قرضے فراہم کیے تاکہ کسان اور جاگیر داران جدید ٹیکنالوجی اور لون کی سہولت کو اختیار کرتے ہوئے زرعی اجناس کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں ، اسی طرح صنعت و تجارت کی فروغ کیلئے بھی نئے پلان تیار کیئے اور برآمدات کو بڑھانے کیلئے پیداوار میں اضافہ

کیا۔

بھٹو کے دور حکومت میں مزدور یونین کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ بھٹو غریب پرور ہونے کے ناطے وہ مزدور یونین کے حامی تھے۔ 1972ء میں بھٹو نے اولڈ ایج بینیفیٹ اور پینشن کا سسٹم رائج کیا۔ 28 نومبر 1972ء کو پاکستان کا پہلا نیوکلیر پاور پلانٹ کراچی کا افتتاح کیا۔ 12 اپریل 1973ء کو پاکستان آئین میں ترامیم کیں۔ یکم جنوری 1974ء کو تمام بینکوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔

بھٹو کے اس دور میں اور آج کے دور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ دور پیپلز پارٹی بھٹو کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کا نام اس کی وارثوں سے چلتا ہے بھٹو نام رکھ لینے سے بھٹو خاندان کے جراثیم نہیں آجاتے ہیں اور نہ ہی اس جیسی سوچ بن جاتی ہے۔ ذوالفقار بھٹو کے دور میں عوام کے لیے جان دی جا رہی تھی اور آج عوام کی جان لی جا رہی ہے۔ اس وقت عوام کو اسکے حقوق دیے جا رہے تھے اور آج ان کے حقوق پر قبضہ کیا جا رہا ہے۔ کیا آج کے حالات دیکھ ذوالفقار بھٹو کی روح تڑپتی نہیں ہوگی کہ یہ وہی پاکستان ہے ؟

سرکاری ادارے اور غریب عوام

تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔اسلام میں تمام انسان برابر ہیں۔ کسی امیر کو غریب پر ،کالے کو گورے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ مگر ہمارے موجودہ دور میں انسان نے انسان میں واضح فرق کردیا ہے۔فرق کیوں نہ محسوس کریں کیونکہ اس فرق کی لائن ہم نے خود کھینچی ہوئی ہے۔ زندگی کے کسی بھی میدان میں دیکھ لیں آپ کو واضح فرق محسوس ہوگا۔بزنس کا میدان ہویا سیاست کا، کھیل کا میدان ہو یا تعلیم کا۔ مثال کے لیے آپ سیاست کے میدان کو ہی لے لیں وہاں پر وزراء کو ایم این اے پر فوقیت حاصل ہے اور ایم این اے کے در پر ان کے خاص کارندوں کو اہمیت ملے گی اور غریب عوام کیا ملے گا اس کوتو بس ملیں گے تو صرف دھکے۔ عوام کو کہیں پر امیر غریب کا احساس دلایا جاتا ہے تو کہیں ان پڑھ اور پڑھے لکھے کا فرق بتایا جاتا ہے۔

عوامی مسائل کے حل کازیادہ تعلق براہ راست یا بالواسطہ طور پر سرکاری اداروں سے ہوتا ہے۔ زندگی کے تمام ہی شعبے کسی نہ کسی طرح سے سرکاری اداروں سے منسلک ہوتے ہیں۔ نجی شعبوں کا بھی سرکاری اداروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کسی بھی شعبے کے معاملات کو چلانے کرنے کیلیے سرکاری سطح پر اتھارٹی قائم کی

جاتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی شعبے کے معاملات کو کنٹرول کرنے کیلئے سرکاری سطح پر کنٹرولنگ اتھارٹی قائم کی جاتی ہے جس کا مقصد عوامی مسائل حل کرنا ہوتا ہے۔ عوامی مسائل کے حل کے سلسلے میں سرکاری اداروں میں ملازمین بھرتی کئے جاتے ہیں ان کی اجرت کی ادائیگی عام طور پر عوام کے پیسوں سے ہی کی جاتی ہے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو یہ عوامی ملازمین ہوتے ہیں، لہٰذا عوامی مسائل کے حل کے سلسلے میں سرکاری ملازمین کو عوامی ملازمین بننا چاہئے اس لئے کہ انہیں تنخواہیں اور دیگر مراعات عوامی خدمات کے عوض دی جاتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوامی پیسے سے تنخواہ لینے والے لوگ عوام کو اپنے دفاتر میں کیوں ذلیل کرتے ہیں ؟ کیا تمام دفاتر کے لوگ سفارش یا رشوت کو ہی اہمیت دیتے ہیں ؟ ان کی نظر میں خدمت خلق کی کوئی اہمیت نہیں ؟ اگر میں اداروں کا تذکرہ کرنا شروع کروں تو بہت زیادہ ٹائم درکار ہوگا مجھے لکھنے کے لیے اور آپ کو پڑھنے کے لیے مگر ان اداروں کے افسران اور ہمارے حکام بالا کے کان پر جوں تک نہیں رینگے گی۔ میں نے کچھ دن پہلے عوامی مسائل کا جائزہ لینے کے لیے مختلف اداروں کا رُخ کیا تاکہ دیکھا جائے کہ واقعی جو میں نے سنا وہ سچ ہے یا پھر ایسے ہی لوگوں نے باتیں بنا رکھی ہیں۔

اپنے بات آگے بڑھانے سے پہلے سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا غریب عوام کے مقدر

میں لائن میں لگنا فرض ہوگیا ہے۔ آپ یوٹیلیٹی بل جمع کرانے جائیں بنک ہو پوسٹ آفس لائن ضروری ہے، آپ NIC بنوانے جائیں تو نادرا آفس میں لائن میں کھڑے ہوں، آپ پاسپورٹ آفس جائیں تو ادھر بھی لائن میں لگنا فرض ہے حتیٰ کہ اب تو ہسپتال میں بھی لائن لگنا شروع ہو گئی ہیں۔ ان لائنوں میں صرف غریب لوگ ہوں گے باقی سب بائی پاس جائیں گے۔ یہ لائنز صرف غریب بندے کا مقدر کیوں بنی ہوئی ہیں۔ کبھی کسی گاڑی میں سے اترنے والے کو لائن میں کھڑے دیکھا گیا ہے؟ کسی سیاسی شخصیت یا اس کے سفارشی کے لیے لائن میں کھڑا ہونا جرم کبیرا ہے کیا؟ رشوت دینے والے کے لیے لائن کہاں گئی؟ کوئی ہمارے حکام بالا سے پوچھے جو امیر لوگ ہیں ان کے پاس تو پہلے ہی دولت کے انبار ہیں اور ان کے پاس وقت کی کمی بھی نہیں تو پھر ان کو پروٹوکول کیوں دیا جاتا ہے جبکہ غریب آدمی جو دھاڑی (مزدور) کرکے رات کو اپنے بچوں کو روٹی کھلاتا ہے اس کو ہم سارا دن لائن میں لگاتے ہیں تاکہ اس کا خاندان رات کو بھوکا سوئے۔

ایک دن میں جب پاسپورٹ آفس پہنچا تو وہاں ایک لمبی لائن نظر آئی جبکہ ابھی آفس کھلنے میں ٹائم باقی تھا۔ لوگوں سے معلوم کیا کہ اتنی جلدی آنے کی وجہ کیا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ جناب ہم اپنا وقت بچا رہے ہیں اگر ہم دیر سے آئیں گے تو ہمیں لائن میں تو تب بھی لگنا ہے اور دیر سے آنے کی وجہ سے ہمارا نمبر بھی دیر سے آئے گا۔ جلدی آنے کا یہ فائدہ ہے کہ ہم جلدی فارغ

ہو جائیں گے اور جا کر اپنے بچوں کی روزی روٹی کما سکیں گے۔ وہاں پر میں نے دیکھا کہ لوگ چور دروازے سے اندر آتے رہے اور اپنا کام کروا کر جاتے رہے۔ مجھے یہ دیکھ کر حکام بالا پر بہت افسوس ہوا کہ غریب آدمی کا ان دفتروں میں کوئی پرسان حال نہیں۔ اسی طرح میں نادرا کے آفس گیا تو ادھر بھی یہی حال تھا اور تقریباً اسی طرح کی وضاحتیں وہاں کے لوگ کرتے رہے۔ لیکن جو چیز ان اداروں میں میں نے دیکھی وہ میرے لیے ہی نہیں ہم سب کے باعث تکلیف ہے۔ کیا ہمارا مذہب ہمیں یہی سبق دیتا ہے ؟ اپنے آپ کو اسلام کا داعی کہنے والے کیا اس طرح غریب کے ساتھ زیادتی کرتے رہیں گے ؟ کیا پاکستان میں غریب کا جینا اسی طرح مشکل رہے گا؟ غربت ختم کرنے کا دعویٰ کرنے والے صرف غریب کے نام پر سیاست کرتے رہے گے ؟ اگر ہمارے مقدر میں لائن میں لگنا ضروری ہے تو پھر دفتر میں بیٹھنے والوں کی تعداد ہی بڑھا دیں۔ مجھے اپنی ہی بات پر ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ''ایک بادشاہ نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے ہماری عوام کبھی ہمارے دربار میں سوال لیکر نہیں آئی ؟ کیا ہماری عوام ہم سے اتنی خوش ہے ؟ درباریوں نے بادشاہ کو مختلف حیلے بہانوں سے مطمئین کر دیا۔ بادشاہ کو سکون نہ ہوا اور اس نے عوام کو اپنے دربار میں بلانے کے لیے مختلف طریقوں سے تنگ کرنا شروع کر دیا مگر عوام پھر بھی بادشاہ کے دربار میں حاضر نہ ہوئی۔ آخر تنگ

آ کر بادشاہ نے عوام کو چھتر لگوانا شروع کر دیا عوام پھر بھی شکایت لیکر نہ پہنچی۔جب کچھ نہ بن پایا تو بادشاہ خود عوام کے پاس جا پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمھیں مجھے سے کوئی تنگی تو نہیں؟ عوام نے بڑی سادگی سے کہا کہ بادشاہ سلامت ہمیں کوئی تنگی نہیں بس چھتر لگانے والوں کی تعداد بڑھادی جائے تاکہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔" آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔

لائنوں میں کھڑے ہونا کر اور دفاتر میں دھکے کھانا اب ہماری عادت بن گئی ہے اسی لیے اب ہم کسی سے گلہ نہیں کرتے۔ اب تو سڑک پر کھڑے ہو کر وی آئی پیز کو نکلتے دیکھنا اور اپنوں کو موت کے منہ میں جاتا دیکھنا بھی معمول بن گیا ہے۔آخر کب ہم بیدار ہونگے؟ سوچیۓ اور غور کیجیۓ۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن "تاریکی میں روشن راہ"

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ یہ " ہمارے پیارے حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ تعلیم حاصل کرنا ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ تعلیم انسان میں شعور پیدا کرتی ہے. تعلیم کی بدولت ہی انسان اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے یعنی تعلیم ہی ہر مسائل کا حل ہے۔ اس وقت کی تعلیم اور آج کی تعلیم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔امیر کی تعلیم اور ہے غریب اور۔

صوبہ پنجاب کی حکومت تعلیمی میدان کافی سرگرم ہے۔ تعلیم کے فروغ کے لیے کوئی نہ کوئی اقدام اٹھاتی رہتی ہے۔ بے وسیلہ طبقات، سماجی و معاشی پسماندگی کا شکار افراد اور دور دراز علاقوں میں بسنے والے بچوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لئے 2004 میں پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی تشکیلِ نو کی گئی۔ پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن صوبے بھر میں پبلک پرائیویٹ پارٹنر شپ کے تحت بے وسیلہ اور معاشی وسائل کی کمی کا شکار گھرانوں کے بچوں کو مفت اور معیاری تعلیم کی فراہمی کے لئے سرگرم ہے۔ پنجاب فاؤنڈیشن کا ایجنڈا غریب والدین کے بچوں کو تعلیمی اخراجات کے بڑھتے بوجھ سے نجات دلا کر مفت اور معیاری تعلیم مہیا کرنا ہے تاکہ ان بچوں کی تمام توجہ حصول علم پر مرکوز

رہے اور ان کے والدین تعلیمی اخراجات کی ادائیگی کے حوالے سے کسی خوف یا پریشانی کا شکار نہ ہوں۔

اس شاندار کامیابی کا کریڈٹ چیئرمین انجینئر قمرالاسلام راجہ، ایم ڈی اور انکی ٹیم بشمول پروگرام ڈائریکٹرز کو جاتا ہے جو دل و جان سے جہالت کے خاتمے کے لیئے کوشاں ہیں۔ ان کا مقصد کم سن بچوں کے ہاتھوں قلم اور کتاب تھمانا ہے۔یاد رہے انجینئر قمرالاسلام راجہ کو2014کے اختتام پر پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا نیا چیئرمین مقرر کیاگیا اورانہیں خصوصی ٹاسک دیاگیا کہ وہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر پنجاب بھر میں 2018 تک 28 لاکھ آؤٹ آف سکول اور ڈراپ آؤٹ بچوں کو اپنے پارٹنر سکولوں میں مفت تعلیم کی سہولت مہیا کرے۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے پہلے بھی کئی پروگرام چل رہے ہیں۔اس سلسلے میں پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن نے ”ایجوکیشن ووچر سکیم“کے تحت نئے پارٹنرشپ کے لیے پنجاب بھر سے درخواست طلب کیں۔ درخواستوں کے مراحل مکمل ہونے کے بعد چار سوسے زائد سکولوں سے پارٹنرشپ کا اعلان کیاگیا۔ پارٹنرشپ سکولوں سے ایگریمنٹ کی تقریب کا اہتمام 12 جنوری کو چلڈرن لائبریری کمپلکس لاہور میں کیا گیا۔ تقریب کے مہمان خصوصی چیئرمین انجینئر قمرالاسلام راجہ تھے۔انہوں نے اپنے خطاب میں اپنے نئے پارٹنرز کو صاف اور واضح پیغام دیا کہ ” میں

سیاسی بندہ ضرور ہوں مگر فاؤنڈیشن کے معاملے میں سیاسی مداخلت نہیں کرتا اگر کوئی مجھے میرے حلقے یا دوسرے کسی وزراء، ایم این اے یا ایم پی اے کی سفارش کرائے گا تو میں اس کا کام نہیں کروں گا"۔ انہوں نے کہا کہ "میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں میرٹ پر کام کرتا ہوں اور آپ سب پارٹنرز سے امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اپنے سکولوں میں میرٹ پر کام کریں گے۔" انہوں نے بتایا کہ " خادم اعلیٰ پنجاب پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن" کے بجٹ میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔فروغ تعلیم کے" لئے دل کھول کر وسائل مہیا کر رہے ہیں"۔ چلڈرن لائبریری کمپلکس میں فیصل آباد، اوکاڑہ، شیخوپورہ اور قصور کے سکول مالکان کو مدعو کیا گیا تھا جبکہ جنوبی پنجاب کی تقریب کا اہتمام ملتان میں کیا گیا تھا۔

اس حوالے سے یہ بات خوش آئند ہے کہ معاشرے میں ضرورت مند بچوں کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے مفت تعلیم کے منصوبوں کو ہر سال باقاعدگی سے وسعت دی جاتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ضرورت مند بچے ان منصوبوں تک رسائی حاصل کر کے تعلیم کے ذریعے اپنا مستقبل سنوار سکیں۔ اس طرح انہیں غربت کے چکر سے بھی مستقل نجات ملے گی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ضروری وسائل کے بغیر اداروں کا چلانا ممکن نہیں ایسے میں پنجاب حکومت کے تعاون سے یہ ادارہ غریب اور نادار طالب علموں کے ہاتھ میں علم شمع پکڑا رہا ہے۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کو تو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ اپنے سکول پارٹنرز کو انکے ماہانہ واجبات ایڈوانس ادا کر دیتی ہے۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے متعلق ایک بات جو بہت اچھی ہے کہ وہ تمام پارٹنرز کی سکول کی فراہم کردہ معلومات کی مکمل چھان بین کرتی ہے۔ نامکمل کاغذات کی تصحیح تک وہ اپنے پارٹنرز سے ایگریمنٹ نہیں کرتے۔ان حالات میں سکول مالکان کو پریشانیاں تو ضرور اٹھانا پڑتی ہے مگر اس میں ان کا ہی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جو نادانستہ طور پر غلطی ان سے یا محکمہ ایجوکیشن سے سرزد ہو جاتی ہے تو وہ ان کو ٹھیک کرانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ عوام کی فلاح کی خاطر پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن حکومت پنجاب کا حسین تحفہ ہے۔ وہ لوگ جو پرائیویٹ اداروں میں پڑھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اس ادارے کی بدولت وہ پرائیویٹ اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اب یہ ہمارا اور ہماری عوام کا فرض ہے کہ وہ پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے مشن کو کامیاب کرائے اور اپنے بچوں کو مفت تعلیم کے حصول کے لیے فاؤنڈیشن کے تعاون سے چلنے والے تعلیمی اداروں میں داخل کراکے اپنے بچوں کا مستقبل روشن بنائیں۔

سوائن فلو (سور کا نزلہ) ایک وبائی مرض

انسانوں کی طرح جانوروں میں بھی مختلف بیماریاں پائی جاتی ہیں۔ جس طرح انسان میں نزلہ زکام کی بیماری عام ہے اسی طرح جانوروں میں بھی یہ بیماری پائی جاتی ہے۔ "برڈ فلو" کے بارے میں کئی مرتبہ پڑھا اور سنا گیا ہے۔ یہ بیماری پرندوں میں پائی جاتی ہے لیکن آجکل ایک نئی بیماری کے بارے میں بڑی تیزی سے خبریں سنی جا رہی ہیں جسے "سوائن فلو" یعنی سور کا نزلہ کہا جاتا ہے۔

سوائن فلو کی موجودہ وباء خنزیروں میں موجود ایک وائرس کی وجہ سے آئی ہے۔ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس کا اب تک پتہ نہیں چلایا جا سکا لیکن سب سے پہلے کب ہوئی یہ معلومات جین بروںڈی کی کتاب فلو فائٹر کے مطالعہ سے معلوم ہوئیں جس کے مطابق سوائن وائرس کا سب سے پہلے انکشاف 1918 میں ہوا جسے اس وقت سپینش فلو کا نام دیا گیا اس فلو سے امریکہ میں پچاس ہزار سے زائد جبکہ دنیا بھر میں بیس ملین ہلاکتیں ہوئیں یہ 1957 تک ہسپانوی آبادی میں موجود رہا۔ اس کے علاوہ 1930 میں اس کا انکشاف سانس کی خطرناک بیماری میں مبتلا سوروں میں ہوا۔

سوائن فلو ،زکام سے مشابہہ متعددی مرض ہے مگر اس کا طریقہ کار مخفی ہے۔ ابھی تک یہی خیال کیا جا رہا ہے کہ کھانسنے ، چھینکنے اور متاثرہ شخص کو چھونے سے یہ مرض ایک انسان سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ خصوصا انسانی تنفس سے دوسرے انسان کو متاثر کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

A/H1 کے مطابق میکسیکو میں ہلاکتوں کا سبب بننے والا وائرس WHO عالمی ادارہ صحت وائرس ہے۔ یہ وائرس انسان سے انسان کو منتقل ہوتا ہے اور انسانوں، سوروں N1 اور پرندوں کے فلو وائرس کے اجتماع سے سامنے آتا ہے۔ سوائن فلو وائرس صرف اپریل سے تادم تحریر ساڑھے گیارہ ہزار سے زائد افراد کو نگل چکا ہے۔ 2009

طبی ماہرین کے مطابق سوائن فلو میں مبتلا ہونے کی اہم علامات میں اچانک 104 درجے کا بخار شدید زکام، کھانسی ، سر درد ، جوڑوں کا درد اور بھوک کا ختم ہو جانا ہیں۔ اگر .بروقت علاج نہ ہوسکے اور مدافعتی نظام ناکارہ ہو جائے تو مریض نمونیا کا شکار ہو کر دم توڑ جاتا ہے۔ چونکہ سوائن فلو کی بیماری واضح علامات ظاہر نہیں کرتی اور عام معمولی فلو کے مریض کی طرح کی ہی علامات سامنے آتی ہیں جس کی وجہ سے اس بیماری میں مبتلا انسانوں کی درست تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ سوائن فلو حاملہ عورت، کم عمر بچوں، موٹے افراد اور سانس یا دل کی بیماری میں مبتلا مریضوں میں پھیلنے کا امکان زیادہ ہوتا

ہے۔اس جان لیوا بیماری میں مبتلا فرد کے چھینکنے اور کھانسنے سے کسی دوسرے انسان کو بھی یہ وائرس منتقل ہو سکتا ہے۔

اس بیماری سے بچاؤ کے لیے تدابیر پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بچا جا سکتا ہے۔احتیاط علاج سے بہتر ہے لہٰذا درج ذیل احتیاطی تدابیر کو بروئے کار لا کر اس مرض سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔کسی بھی قسم کی انفیکشن خصوصاً وائرل انفیکشن کے تدارک اور داخلی مزاحمت و مدافعت بڑھانے کیلئے کسی بھی قسم کی گوبھی، لہسن، پیاز، ترش پھل، لیموں، مالٹا، سنگترہ، ٹماٹر، ادرک، کالی مرچ، زنک والی غذائیں مثلاً گندم ' مچھلی اور گوشت وغیرہ کو اپنی روزمرہ خوراک میں شامل کریں۔اپنے ہاتھوں کو باقاعدہ کسی صابن سے دھوئیں۔لیکویڈ سوپ کا استعمال وائرس کو پھیلنے سے بچانے کا اچھا طریقہ ہے۔ اگر آپ ایسے علاقے میں ہیں جہاں اس وباء کے پھیلنے کے امکانات ہیں یا ایسے لوگ ہیں جو حال ہی میں بیرون ملک کا سفر کر کے لوٹے ہیں تو پھر احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا مزید ضروری ہے۔جہاں وباء پھیلی ہو وہاں پر ڈسپوزایبل ماسک کا استعمال بھی فائدہ مند ہے۔

چھینکتے یا کھانستے وقت کسی رومال یا ٹشو پیپر کو استعمال کریں اور استعمال کے فوراً بعد اسے ضائع کر دیں اور ہاتھوں کو فوراً لیکویڈ صابن سے دھو

لیں۔اگر آپ گھر سے باہر ہیں اور صابن سے ہاتھ نہیں دھو پائے ہیں تو اس دوران خصوصاً اور ویسے بھی اپنے منہ، آنکھوں اور ناک کو ہاتھ یا انگلیاں لگانے سے پرہیز کریں کیونکہ ان جگہوں سے وائرس کے جسم میں داخلے کا امکان زیادہ ہے۔

پاکستان میں جدید وبائی امراض سے نپٹنے کیلیے کوئی موثر سسٹم موجود نہیں اور اس سلسلے میں خالی بیانات داغے جا رہے ہیں جو انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ وائرل ڈیزیزز کے حوالے سے صحت سے متعلقہ وفاقی اداروں کو ہنگامی بنیادوں پر فوری و عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔حکومت کے علاوہ ہماری تھوڑی سے توجہ اور پرہیز سے اس وبائی مرض سے بچا جا سکتا ہے۔

کشمیر ہمارا ہے، ہمارا رہیگا

سوال یہ ہے کہ یوم یکجہتی کشمیر کیوں منایا جاتا ہے؟ گزشتہ کئی سالوں میں اس دن کے حوالے سے جو سرگرمیاں ہوئیں ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ پاکستانی حکمرانوں کی بنائی ہوئی کشمیر کمیٹی نے کونسا تیر مارا ہے؟جب بھی پاک بھارت مذاکرات ہوئے اس میں ہم نے کشمیر کے ایشو پر کتنے فیصد کامیابی حاصل کی ؟ وہ کشمیر جس کی عوام پاکستان کی ہر خوشی میں اپنا خوشی محسوس کرتی ہے ہم ان کے دکھ میں کتنا شریک ہوتے ہیں؟ کیا کشمیری عوام ہمیشہ اسی طرح بھارت کے ظلم وستم برداشت کرتی رہے گی؟ پاکستان کی سیاسی اور مذہبی پارٹیوں نے اس دن کو اس لیے منانا شروع کیا تاکہ وہ کشمیریوں سے وابستگی کو بنیاد بنا کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ عوامی حمایت حاصل کر سکیں۔

کشمیری عوام کی تاریخی جدوجہد جو کشمیر کی آزادی، خوشحالی اور ایک شاندار مستقبل کے لیے ہے۔ کشمیر کی آزادی کا مسئلہ کوئی چند سال پہلے کی بات نہیں ہے۔ دراصل جس وقت پاکستان اور بھارت کی تقسیم ہوئی اس وقت کشمیر پاکستان کے حصے میں شامل تھا مگر ہندو اور انگریزوں کی چالاکی اور بے ایمانی سے یہ کشمیر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل کردیا گیا۔ کشمیر کو حاصل کرنے

کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان چار جنگیں بھی لڑی گئیں مگر اس کے باوجود کشمیر کا آج تک کوئی حل نہیں نکل سکا۔ کشمیر کی عوام پاکستان کے قیام سے لیکر آج تک پاکستان کو اپنا مسیحا سمجھتی ہیں۔پاکستان کے آزادی کے دن وہ بھی یوم آزادی مناتے ہیں مگر بھارت کے یوم آزادی کو آج بھی کشمیری عوام یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں اور اسی طرح پاکستان بھی کشمیر کو اپنی شہ رگ سمجھتا ہے۔ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں کشمیر میں کئی لاکھ کشمیری شہید ہو چکے ہیں اور اس سے زائد زخمی ہوئے۔ کشمیری عوام جانی و مالی قربانیوں کے باوجود اپنے وہ مقاصد حاصل نہ کر پائے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ کشمیری عوام کی آزادی کی جدوجہد میں مزید جوش و جذبہ پروان اور تڑپ بڑھ رہی ہے۔ ہر عہد میں کشمیریوں نے اپنی تاریخی مزاحمت سے اپنی آزادی کی تڑپ کو عیاں کیا ہے۔ کشمیری عوام آج بھی ہندوستانی حکمران طبقے کے خلاف آواز بلند کیے ہوئے ہے۔

1947 میں جب برصغیر کے عوام نے انگریزوں سے آزادی کی جدوجہد شروع کی تو انگریز سامراج ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ انگریز سامراج کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ اب برصغیر میں ایک نیا نظام قائم ہو کر رہے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ ہمارے نظام کے لیے خطرناک ثابت ہو گا اس لیے انگریزوں نے ہندوستان کو شعوری طور پر تقسیم کیا۔ اس وقت دنیا کے نقشے پر جو دو ریاستیں معرض وجود میں آئیں۔اس دوران لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے اور لاکھوں لوگ ہی موت

کی آغوش میں چلے گئے۔ اس تمام صورت حال سے کشمیر بھی متاثر ہوا اور آخر کار کشمیر تقسیم ہو گیا۔ کشمیری عوام کی ہمدردی پاکستان کے ساتھ تھیں اور ساتھ رہیں گی۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان جب بھی جنگ لڑی گئی اس کی وجہ لڑائی کشمیر ہے۔ پاکستان کشمیر کو اپنی شہ رگ مانتا ہے اسی لیے پاکستانی عوام کی کشمیر سے دلی اورمذہبی وابستگی ہے۔ اسی لیے شاعر نے کیا خوب کہا

یاران جہاں کشمیر کو کہتے ہیں جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نا ملے گی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح دن منانے سے کیا کشمیری عوام کی نجات ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ اگر ایسا ہونا ہوتا تو شاید بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔ کشمیری عوام سے 5 فروری کو یکجہتی منانے سے کشمیر آزاد نہیں ہوگا۔ اگر اسکی آزادی منظور ہے تو اس کے لیے عملی اقدام کرنا ہونگے۔ آج کوئی شخص کسی کے ایک فٹ جگہ پر قابض ہوجائے تو وہ لوگ مرنے مرانے تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر پاکستان کشمیر کو کیسے دشمنوں کو دے سکتا ہے؟ پچھلے کئی سالوں سے کشمیر کے حل کے لیے ایک کشمیر کمیٹی بنائی ہوئی ہے اسکا کیا فائدہ ہے؟ سوائے ملک کے خزانے پر بوجھ کے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے تجارت کرنی ہو تو چند ماہ میں ڈائیلاگ کرکے تجارت کے لیے سرحدیں کھول دی جاتی ہیں مگر کشمیر کے نام پر یہ حکمران خاموش تماشائی بنے بیٹھیں ہیں۔ کشمیری عوام پر جو ظلم ہندوستانی حکمران ڈھا رہے

ہیں اس کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ آج بھی کشمیر کے لوگ محمد بن قاسم کا انتظار کر رہے ہیں جو آئے اور ان کا آزادی دلائے۔ کشمیر کا سودا کوئی بھی مسلمان قبول نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں کشمیر کی آزادی کے لیے دی ہیں کیا ہم ان قربانیوں کو رائیگاں جانے دیں گے؟ کشمیر کی آزادی کے بغیر پاکستان کا بچہ بچہ بھارت کو کبھی اپنا دوست قبول نہیں کرے گا۔

آج یوم یکجہتی کشمیر کے موقع پر ہم سب کو یہ ضرور سوچنا ہو گا کہ کشمیری عوام سے یکجہتی کی بنیاد اور طریقہ کار کیا ہو گا؟ کیا یکجہتی سیاسی ومذہبی جماعتوں کے نقطہ نظر پر کی جانی چاہئے یا عوام کے؟ عوام آج بھی کشمیر کے نام پر جان قربان کے لیے کھڑی ہے۔ یہ ایک کشمیر کا معاملہ نہیں بلکہ یہ مسلمان اور کفار کا معاملہ بن چکا ہے۔ مسلم ممالک آپس میں لڑیں تو امریکہ اور یو این او سب سے پہلے آواز اٹھاتا ہے مگر کشمیر کے نام ان دونوں کو سانپ سونگھ چکا ہے۔ اگر یہی معاملہ کسی غیر مسلم ملک کا ہوتا تو کب کا حل ہو چکا تھا مگر غیر ملکی کفار طاقتیں یاد رکھیں کشمیر ہمارا ہے، ہمارا رہیگا۔ کشمیر پاکستان کے لیے یک جان دو قالب کی مانند ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان ممالک کب بیدار ہونگے؟ کب یہ کفار کی چالوں کو

سمجھیں گے؟ کب یہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونگے؟ اب بھی وقت ہے اسلام کا پرچم بلند کرتے ہوئے اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ ساتھ جہاں جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے وہاں ان کے لیے سایہ دار درخت بن جاؤ ورنہ کفار اپنی مکارانہ چالوں سے ہمیں نیست و نابود کرنے کے درپر ہیں۔

بجیا"ڈھونڈے گی تجھے میری آنکھیں"

رات میں حسب عادت کمرے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ بریکنگ نیوز آئی نامور ادیبہ اور ڈرامہ نگار فاطمہ ثریا بجیا انتقال کر گئیں۔خبر دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ابھی ٹی وی چینل پر بریکنگ نیوز چل ہی رہی تھی کہ سوشل میڈیا پر ہر طرف سے تعزیتی پوسٹ آنا شروع ہو گئیں۔ہر بندہ اپنے ان ہیروں کو اپنے اپنے انداز میں خراج تحسین پیش کرنے لگے۔

ماہ فروری اس سال 2016 میں شاید یہ سوچ کر آیا کہ اس بار ادب سے وابستہ لوگوں پر غم کے پہاڑ ڈھانے ہیں۔فروری ویسے تو تقریباً سردی کا ماہ ہوتا ہے مگر ادبی دنیا کے لیے برسات کا ماہ بن گیا۔ہر آنکھ پُرنم تھی۔آنکھ پُرنم کیوں نہ ہوتی کیونکہ اس ماہ میں ہمارے ادب کے دو ستارے مرجھا گئے۔کچھ دن پہلے معروف ادیب اور افسانہ نگار انتظار حسین ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ابھی ان کے کفن کی مٹی میلی نہیں ہوئی تھی کہ اب پاکستان کی نامور ادیبہ اور ڈرامہ نگار محترمہ فاطمہ ثریا بجیا بھی ہم سے منہ موڑ گئیں۔

فاطمہ ثریا بجیا کا نام پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں جانا اور پہچانا

جاتا ہے۔ آپ ادب کی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان ٹیلی وژن اور ادبی دنیا کی معروف شخصیت ہیں۔ آپ کا نام ناول نگاری، ڈرامہ نگاری کے حوالے سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ بجیا نے ٹیلی وژن کے علاوہ ریڈیو اور اسٹیج پر بھی کام کیا۔ سماجی اور فلاحی کاموں کے حوالے سے بھی آپ کسی سے پیچھے نہیں رہیں۔ محترمہ فاطمہ ثریا بجیا کا خاندان بھی ادبی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ایک سب سے دلچسپ اور حیران کن بات یہ ہے کہ بجیا صاحبہ باقاعدہ تعلیم یافتہ نہیں تھیں۔ انہوں نے کسی سکول سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس کے باوجود انہوں نے ادب اور ڈرامہ نویسی کی دنیا میں اپنا لوہا منوایا۔

اماں (یہاں میں نے اماں کا لفظ اس لیے لکھا ہے کہ وہ میری ماں کی عمر کے برابر تھیں) فاطمہ ثریا بجیا یکم ستمبر 1930 کو ہندوستان کے شہر حیدرآباد کے ضلع کرناٹک میں پیدا ہوئیں۔ پاکستان سے محبت کا ثبوت یہ ہے کہ آپ تقسیم ہند کے فورا بعد اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آگئیں۔ آپ کی فیملی 10 بہن بھائیوں پر مشتمل ہے۔آپ کے خاندان میں اور بھی بہت سی مشہور شخصیات ادبی دنیا میں مصروف عمل ہیں جیسے کہ ان کے بھائی معروف میزبان اور ادیب انور مقصود جبکہ زبیدہ آپا اور شاعرہ زہرہ نگاران کی چھوٹی بہنیں ہیں جو ادب کی دنیا میں اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ آپ کو اپنی فیملی میں انور مقصود سے زیادہ پیار

تھا۔ فاطمہ ثریا بجیا نے ٹیلی وژن کے علاوہ ریڈیو اور اسٹیج کے لیے بے شمار ڈرامے لکھے جب کہ ان کے معروف ڈراموں میں ''شمع'' ، ''افشاں''، ''عروسہ''، ''انا''، تصویر'' سمیت متعدد ڈرامے شامل ہیں۔ ان نے طویل دورانیے کا پہلا ڈرامہ'' مہمان''لکھا جب کہ انہوں نے بچوں کے لیے بھی ادبی پروگرام تحریر کیے۔''

فاطمہ ثریا بجیا کی ٹیلی وژن کی دنیا میں آمد محض اتفاقاً ہوئی تھی جب 1966 میں کراچی جانیکے لیے ان کی فلائٹ تعطل کا شکار ہوئی تو وہ اسلام آباد پی ٹی وی سینٹر کسی کام سے گئیں وہاں اسٹیشن ڈائریکٹر آغا ناصر نے ان کو اداکاری کے ذریعے پہلا کام کروایا اس کے بعد انہوں نے ڈرامہ نگاری کے ذریعے اس ادارے سے اپنا تعلق مضبوط کیا۔

آپ کی پاکستان کے لیے گران قدر خدمات ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ 1997 میں آپ کو حکومت پاکستان کی طرف سے تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ انہیں کئی قومی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔آپ ادبی خدمات ڈنکا پاکستان کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر بھی بجا۔ جس کا منہ بولتا ثبوت جاپان کا اعلی سول ایوارڈ شامل ہے۔ 2012 میں ان کو صدر پاکستان کی طرف سے ہلال امتیاز سے نوازا گیا۔آپ نے سندھ حکومت کی مشیر برائے تعلیم

کی حیثیت سے بھی قومی خدمات سرانجام دیں۔

بجیااماں اخلاقی قدروں کی محافظ تھیں اور وہ پاکستانی بچوں کو اعلیٰ اخلاق کی تربیت دینے پر یقین رکھتی تھیں۔ وہ ایک خوش خیال، خوب صورت ذہن کی مالکہ، اور امیدوں کی کرنوں سے پُر خاتون تھیں۔آپ اکو پھولوں سے عشق تھا۔ نہ صرف وہ پھولوں کو اگاتی ہیں بلکہ وہ پلاسٹک اور کپڑے کے پھولوں کو بھی جمع کرتی تھیں۔

آپ کومنہ اور گلے کا کینسر تھا جس کا حال ہی میں آپریشن ہوا ہے۔آپ نے اپنی زندگی کی پچیاسی بہاریں دیکھیں۔آخرکار 10 فروری کو اپنی جان اپنے مالک کے حوالے کردی ۔اماں فاطمہ ثریا بجیا کی وفات کے بعد ادب کی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا جس کا بھرنا بہت مشکل ہے۔ میری اور میرے تمام ادبی بھائیوں اور بہنوں کی دعا ہے کہ اللہ تعالٰی انتظار حسین اور اماں فاطمہ ثریا بجیا کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان اہل خانہ کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔آمین۔آخر میں میرے پاس ان ہستیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے وہ الفاظ نہیں جن کو میں استعمال کرسکوں ۔ بس ان کے لیے اتنا ہی کہوں گا کہ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

محبت کے نام پر بے حیائی کیوں؟

14 فروری کو ویلنٹائن ڈے منانا جائز یا ناجائز ہے۔ اس بحث میں پڑنا اپنا ٹائم ضائع کرنے کے مترادف ہے کیونکہ آجکل ہر بندہ اپنے آپ کو دانشور اور دوسرے کو جاہل سمجھتا ہے۔ ہر سوال کا جواب اس کے پاس ہوتا ہے، جیسے عدالت میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرکے لوگ اپنا لوہا منواتے ہیں اسی طرح کچھ لوگ ویلنٹائن ڈے پر اس تہوار کو منا کر اپنا لوہا منواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص، یا تجزیہ نگار اس کو اسلام کے نقطہ نظر سے بتانا شروع کردے تو بہت سے لوگ اس پر فوراً فتوے جاری کرنا شروع کردیتے ہیں۔ یہ ہی نہیں بلکہ بڑے فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ پہلے ہم کونسا سارا کام اسلام کے مطابق کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ تو ایک دوسرے کو رشوت اور سود کھانے کا طعنہ دینا شروع کردیتے ہیں یعنی ان کے پاس نصیحت کرنے والے منہ بند کرنے کے لیے لاکھوں الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے۔

میں ایسے لوگوں سے ایک بات ضرور کہوں گا کہ بے شک ہم اسلام کے مطابق زندگی نہیں بسر کررہے مگر ہمیں کفار کے طرززندگی کو تو نہیں اپنانا چاہیے۔ اس دن کو منانے سے پہلے اس کے متعلق آگاہی تو حاصل کرلے کہ یہ دن کیوں یا کس کی یاد میں منایا جاتا ہے ؟ یا اس دن کا بیک گراونڈ (back ground) کیا ہے؟ اس

تہوار کی حقیقت کیا ہے؟ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کا منانا جائز ہے یا ناجائز اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کبھی مسلمانوں نے سوچا ہے کہ ہم کن کے نقش قدم پر چل نکلے ہیں؟

اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پادری تیسری صدی عیسوی کے آخر میں رومانی بادشاہ کے زیر حکومت رہتا تھا۔ کسی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ نے پادری کو جیل میں بند کر دیا۔ جیل میں جیل کے چوکیدار کی لڑکی سے اس کی علیک سلیک ہو گئی اور وہ اس کا عاشق بن بیٹھا یہاں تک کہ اس لڑکی نے نصرانیت قبول کر لی۔ وہ لڑکی ایک سرخ گلاب کا پھول لے کر اس کے پاس آتی تھی۔ جب بادشاہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو اس نے پادری کو پھانسی کا حکم دے دیا۔ پادری کو جب یہ پتا چلا تو اس نے سوچا کہ آخری لمحات اپنی معشوقہ کے ساتھ گزارے۔ چنانچہ اس نے اس کے پاس ایک کارڈ بھیجا جس پر لکھا تھا "مخلص ویلنٹائن کی طرف سے" پھر اس پادری کو 14 فروری کے دن پھانسی دے دی گئی۔ بس اس دن کے بعد سے یورپ میں ہر سال اس تاریخ کو لڑکوں کی طرف سے لڑکیوں کو کارڈ بھیجنے کا رواج چل نکلا۔ آج پوری دنیا میں اس دن کو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑے زور و شور سے مناتے ہیں۔ اس موقع پر کارڈ اور خاص طور سرخ گلاب کے پھول پیش کیے جاتے ہیں اور مختلف رنگین محفلیں سجائی جاتی ہیں۔

افسوس کہ مسلمان معاشرہ بھی اس سے بے ہودہ حرکات سے محفوظ نہ رہ سکا حالانکہ یہ ایک خالص غیر مسلم عقیدہ ہے جس میں ایک کافر نصرانی شخصیت کی یادگار منائی جاتی ہے۔اسلام میں ویلنٹائن ڈے منانا، سرخ گلاب کا پھول یا کوئی اس نوعیت سے تحفہ تحائف دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔اس طرح کے بدعتی تہواروں کو منانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بدعت ہے اور شریعت میں اسکی کوئی اجازت نہیں۔

درحقیقت اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے تہواروں کو جان بوجھ کر ہوا دی جارہی ہے تاکہ مسلمان اسلام سے دور ہو جائیں۔یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہو رہا ہے۔اس کی تشہیر میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔اس دن خصوصی پروگرام دکھا کر یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جیسے یہ مسلمانوں ہی کا کوئی تہوار ہے۔لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔یہ تہوار اور یہ پروگرام انسان کی ناجائز نفسانی خواہشات کو پروان چڑھاتے ہیں۔اس دن بنت حوا کی عزت سربازار نیلام ہوتی ہے۔بہت سے ہوس کے پجاری اس دن خوشیوں کے شادیانے بجاتے ہیں۔

اس حقیقت کے بعد ساری بات عیاں ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں اس طرح کے تہواروں کو پروان چڑھانا اسلامی معاشرے میں تباہی و بربادی پھیلانے کے

علاوہ کچھ بھی نہیں۔ ہمیں اس بارے میں بہت گہرائی سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ہمیں اپنی اسلامی اقدار سے دور تو نہیں کیا جارہا! ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا غیر مسلم عید کا تہوار مناتے ہیں؟ عیدالفطر اور عید قرباں مناتے ہیں؟اس کا جواب یقیناً نہیں میں ہوگا۔ اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم صرف اسلامی اقدار کو اپنائیں اور غیر اسلامی تہواروں کو بالکل رد کردیں۔آخر ہم مسلمان کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے ان فضول کاموں سے ہمارے مذہب کی کتنی بدنامی ہوتی ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے متعلق کیسی سوچ رکھتے ہونگے۔ ہمیں چاہیے کہ ناصرف خود بلکہ دوسروں لوگوں کو بھی اس غیر مسلم حرکت سے روکیں۔

کیا یہ کھلا تضاد نہیں

فیس بک پر دوستوں کے ساتھ بیٹھا گپ شپ کر رہا تھا اور موضوع تھا چل رہا تھا کہ کونسا ملک دنیا میں سب سے اچھا ہے۔ ہم پاکستان کا دیگر ممالک سے مقابلہ کر رہے تھے۔ کافی دلچسپ گفتگو کے بعد ہم اس نتائج پر پہنچے کہ پاکستان ہی دنیا کا سب سے اچھا ملک ہے۔ پاکستان وہ ملک ہے جہاں اللہ کی طرف سے ہر نعمت پائی جاتی ہے۔ ہر قسم کی زمین اس ملک میں موجود ہے۔ (میدان سے لیکر پہاڑی زمین) ہر طرح کا موسم ہمارے ملک میں ہونا اللہ کا ہمارے لیے ایک حسین تحفہ ہے۔ معدنی وسائل سے مالا مال ہونا بھی ہمارے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ پاکستان دنیا کا سب سے حسین ملک ہے جس میں اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت موجود ہے۔ گفتگو کے دوران ایک دوست نے بہت گہری بات کی کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہونے کے باوجود غربت کا معیار کافی نیچے ہے۔ امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب غریب تر۔

میں نے جواب میں کہا کہ بھیا آپ نے ٹھیک کہا۔ ہمارے ملک میں تقریباً ہر روز غربت کی ہی وجہ سے کہیں نا کہیں خودکشی ہوتی ہے۔ کہیں غربت سے تنگ آ کر بچوں کا گلہ دبایا جا رہا ہے تو کہیں پٹڑی پر سر رکھا جا رہا ہے۔ کہیں اونچی عمارتوں سے چھلانگ لگائی جا رہی ہے تو کوئی زہر کی گولی کھائی جا رہی ہیں۔

ناانصافی، معاشی پالیسیاں اور صنعت کے رکے ہوئے پہیے نے نجانے کتنے چولہے ٹھنڈے کردیئے ہیں جس کی وجہ سے غرباء کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔جب مزدوروں بھائی سڑکوں اور فیکٹریوں کے گیٹ پر دن بھر کھڑے ہو کر خالی ہاتھ مایوس گھر لوٹتے ہیں تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ انسان ہر چیز برداشت کرلیتا ہے مگر اپنے بچوں کی بھوک برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنے بچوں کو دو وقت کی روٹی بھی کما کر نہ دے سکیں وہ زندہ لاش بن جاتے ہیں اور زندگی کی تلخیوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور غربت سے تھک ہار کر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

ابھی اسی موضوع پر بات ہو رہی تھی کہ ایک دوست نے کہا کہ یار کیا یہ سراسر ناانصافی نہیں کہ اگر مزدور کی تنخواہ میں اضافہ کرنا ہو تو بڑی سوچ و بچار کے دس سے پندرہ فیصد اضافہ کیا جاتا ہے اور جب اپنی باری آئے تو سو فیصد اضافہ ؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ؟جب یہ سنا تو میں سوچنے لگا کہ بات تو دل کو لگتی مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کچھ نہیں کر سکتے مگر اپنا فرض تو ادا کر سکتے ہیں۔کچھ نہیں تو ایک کالم اس پر لکھ ڈالیں۔شاید آپ کے قلم کی طاقت سے آنے والے بجٹ میں ہماری بھی سنی جائے اور ہماری تنخواہوں میں بھی کوئی اچھا سا اضافہ ہو جائے ۔اس طرح بہت سے لوگ آپ کو دعائیں دیں گے ۔ سو میں نے قلم اٹھائی اور اس موضوع پر لکھنا شروع کر دیا۔

پنجاب پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ملک بھر کی عوام کی طرح پنجاب کی عوام بھی مہنگائی اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے لیکن حال ہی میں پنجاب اسمبلی نے اپنے ارکان کی تنخواہوں اور مراعات میں سو فیصد اضافے کا بل آسانی سے منظور کرلیا۔غور طلب بات یہ ہے کہ اس بل کو متفقہ طور پر منظور کیا گیامگر کسی سیاسی جماعت کے ممبر کا ضمیر بھی نہیں جاگا۔کسی نے بھی اس بل کی مخالفت نہیں کی۔پنجاب اسمبلی کے ہر ممبر کی تنخواہ 42 ہزار سے بڑھا کر 83 ہزار روپے ماہانہ کر دی گئی ہے

بل کے تحت رکن اسمبلی کا روزانہ الاؤنس ایک ہزار روپیہ کر دیا گیا ہے کنوینس الاؤنس سے بڑھا کر 600 روپے،پسماندار ی 5000 بڑھا کر10000 روپے400 ٹریولنگ الاؤنس 500 روپے سے بڑھا کر1500 روپے فی کلومیٹر، ہاؤس رینٹ، سے بڑھا کر19000 ، یوٹیلٹی الاؤنس 3000 سے بڑھا کر 6000 ، ٹیلی 10000 فون الاؤنس 5000 سے بڑھا کر10000 روپے کردیا گیا ہے۔سونے پے سہاگہ اور دیکھیں کہ اس بل کا اعلان جولائی 2015 سے کیا گیا ہے۔گویا ارکان کو گزشتہ سات ماہ کے واجبات بھی ملیں گے۔ تحریک انصاف جو تبدیلی اور انقلاب کی بات کرتی ہے اس کے ارکان نے بھی حکومتی بل کی حمایت کی۔تیل کی عالمی قیمتوں میں کمی کے نتیجے میں ٹرانسپورٹ کرائے کم ہوئے ہیں ڈیزل اور پٹرول کی قیمتیں نیچے آئی ہیں لیکن قوم کا درد رکھنے کے دعویداروں نے اپنے ٹریولنگ الاؤنس میں تین گنا اضافہ

کیا ہے۔

کیا یہ کھلا تضاد نہیں۔ ویسے ہم اسلام کا درس دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی مثالیں ہم سب کے سامنے ہیں انھوں نے کس طرح حکمرانی کی؟ایک طرف ہمارے حکمران ہیں جو صرف اپنا فائدہ سوچ رہے ہیں اگر سوچنا ہے تو پھر حضرت عمرؓ کی طرح سوچو جنھوں نے کبھی دو سالن نہیں کھائے کیونکہ انھوں نے اپنے آقائے دوجہاں کا ڈرا تھا۔

ویسے بھی ہم کون ہوتے ہیں سرکار کے کام مداخلت کرنے والے۔ یہ کام تو انہی قانون بنانے والوں کا ہے کہ وہ اپنی رعایا کا نفع نقصان خود سمجھیں۔حکومت کو چاہیے کہ وہ سرکاری ملازمین اور مزدوروں کی تنخواہوں میں آٹے میں نمک کے.برابر اضافہ کرنے کی بجائے اپنی طرح ان کی تنخواہوں میں اضافہ کریں۔ جو لوگ پہلے ہی امیر ہوتے ہیں ان کو مزید امیر تر کیا جارہا ہے اور جو لوگ دووقت کی روٹی کے لیے دھکے کھارہے ہیں وہ غرب کی چکی میں پیس رہے ہیں۔ایسے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جانی چاہئیں تاکہ غریب کے گھر سے غربت کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔ اس طرح کے انقلابی اقدام سے ملک میں جرائم اور خودکشیوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

صحافت آئینہ ہے تو پھر۔۔۔

صحافت معاشرے کا چوتھا ستون ہے۔ صحافت کی بدولت آج ہر انسان دنیا میں ہونے والے واقعات سے آگاہی رکھتا ہے۔ صحافت ایک مقدس پیشہ ہے اور اس کے مقدس ہونے کی میں کسی کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے اگر کسی کو اس پیشے سے اختلاف ہے تو وہ پیشے سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس پیشے سے منسلک افراد سے ہوسکتا ہے جو اپنے فرائض منصبی کا غلط استعمال کررہا ہے۔ صحافی وہ لوگ ہیں جو میدان جنگ ہو یا دھماکوں کی گونج، کھیل کے میدان ہو یا سیاست کی جنگ ہر جگہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر آپ لوگوں کے لیے.براہ راست خبریں دیتے ہیں۔ صحافت بذات خود.برائی کا راستہ نہیں دکھاتی بلکہ.برائی کا راستہ ہم خود چنتے ہیں۔

صحافت کے اس موضوع پر ایک تنقیدی اور مثبت بحث سٹی پریس کلب اوکاڑہ کی ایک تقریب میں ہوئی۔جب تنقید اور تنقید کا دفاع کرنے والے ایک دوسرے کو جواب دے رہے تھے تو بھلا ہم جیسے تجزیہ نگار ایسا موقع کیسے ضائع جانے دیتے۔اس وقت میرے ساتھ پاکستان کے نامور کالم نگار صابر مغل صاحب بھی تشریف فرما تھے اور ہم دونوں ان کی گفتگو کو.بڑی دلچسپی سے سننے لگے۔ قصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ اوکاڑہ میں سٹی پریس کلب کے نومنتخب عہدے داروں کی تقریب حلف.برداری کی

تقریب ایک مقامی ہال میں منعقد کی گئی۔ تقریب میں پریس کلب کے نومنتخب صدر مظہر رشید صاحب نے مجھے بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ شام چھ بجے میں اپنے بڑے بھائی شکیل خان کے ہمراہ ہال میں پہنچ گیا۔ استقبالیہ پر مظہر رشید صاحب، احتشام شامی صاحب، ڈاکٹر اعجاز انجم کھوکھر (سینئر نائب صدر) اور آر یو جے پنجاب کے جنرل سیکرٹری عابد مغل صاحب موجود تھے جنھوں نے ہمارا استقبال کیا۔ تقریب کے مہمان خصوصی ن لیگ کے ایم پی اے اور صوبائی پارلیمانی سیکرٹری میاں منیر، آر یو جے کے مرکزی سینئر نائب صدر سجاد کھرل تھے جبکہ نامور کالم نگار صابر مغل، ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر خورشید جیلانی، ڈسٹرکٹ بار کونسل کے جنرل سیکرٹری نعمت اللہ چوہدری سمیت دیگر کئی ڈیپارٹمنٹ کے عہدیداران بھی مدعو تھے۔

تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ نومنتخب صدر مظہر رشید نے استقبالیہ پیش کرتے ہوئے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ کیونکہ یہ تقریب صحافی برادری کی تھی اس لیے مقررین نے صحافت کے موضوع پر دھواں دار تقاریر کیں۔ کسی نے صحافت کو آئینہ قرار دیا تو کسی نے صحافت کو بلیک میلنگ کا نام دیا۔ مقررین تو اپنے انداز میں صحافت کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دیکر جاتے رہے مگر ان سب سوالوں کا جواب آر یو جے کے مرکزی سینئر نائب صدر سجاد کھرل صاحب نے بڑے واضح الفاظ میں دیا۔ انہوں نے کہا کہ ” ہم صحافت کو چوتھا ستون تو مانتے ہیں مگر

جب یہ ستون آئینہ دکھاتا ہے تو پھر اس پر مختلف طریقوں سے وار کیے جاتے ہیں۔ صحافی لوگ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر میدان میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے نکل آتے ہیں مگر اس کے باوجود انکو ان کا حق نہیں دیا جا رہا ہے۔ حکومت نے کسانوں سے طالب علموں تک کوئی نہ کوئی پیکج دیا ہوا مگر صحافیوں کے لیے کوئی پیکج نہیں کیوں؟" کھرل صاحب کی تقریر کے بعد چیف گیسٹ میاں منیر صوبائی پارلیمانی سیکرٹری صاحب نے اپنے لبوں کو کھولتے ہوئے فرمایا کہ" صحافی حکومت سے اپنے مطالبات پورے کرانے کی بجائے اپنے اداروں کے مالکان سے اپنا حصہ لیں۔ میڈیا کے اداروں کے مالکان امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں جبکہ صحافی رسوا ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صحافی آئینہ ضرور دکھائیں مگر کچھ ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن کا پردہ پوشی ہونی چاہیے مگر میڈیا ان کو بھی ایشو بنا کر منظر عام پر لے آتی ہے جس سے ملک میں افراتفری پھیل سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں صحافیوں کے حقوق کے لیے ان کے ساتھ ہوں اور حکومتی نمائندہ ہونے کے ناطے مجھ سے جو کچھ بن سکا میں ضرور کرونگا۔ تقریب کے اختتام پر دعا کرائی گئی۔

میں اور صابر مغل صاحب ہم دونوں میڈیا اور حکومتی نمائندوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے نا صرف سن رہے تھے بلکہ ان پر وہیں پر کمنٹس بھی پاس کر رہے تھے۔ حقیقت میں دونوں گروپس اپنی اپنی جگہ درست فرما رہے تھے مگر کچھ باتیں ایسی

ہیں جو شاید ان میں ایک دوسرے کو پسند نہ آئی ہوں بلکہ ایک دوسرے کی دل آزاری بھی ہوئی ہو تو اس سے انکاری نہیں۔ صحافت کے مقدس پیشہ ہونے سے مجھے بھی انکاری نہیں مگر اس میں کچھ کالی بھڑیں ضرور موجود ہیں جو اس پیشے کے بدنام کر رہی ہیں۔ اگر صحافی برادری ایسی بھڑوں کے خود باہر نکالیں دیں تو یہ پیشہ خدمت خلق سے سرشار لوگوں کے لیے نعمت سے کم نہیں۔ رہا سوال میاں منیر صاحب کی بات کا کہ میڈیا مالکان سے ہم اپنا حصہ لیں تو مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ وہ صحافی برادری کو حکومت کی بجائے مالکان سے حصہ لینے کی بات کر رہے ہیں۔ میاں صاحب سب سے پہلے تو وقت حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کی دیکھ بھال کرے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ صحافی برادری کو اس کا حق دلوائے۔ اس کے حق پر کون غاصب ہے اور غاصبوں سے قبضہ کس نے چھڑانا ہے؟ یہ کہہ کر جان نہیں چھڑانی چاہیے کہ وہ اپنا حصہ مالکان سے لیں بلکہ حکومت کو صحافیوں کو ان کا جائز حق دینا چاہیے کیونکہ صحافیوں کے بھی بچے ہیں، تعلیم کا حق ان کو بھی حاصل ہے، بیماریاں ان کو بھی گھیرتی ہیں۔ سر چھپانے کے لیے جگہ ان کو بھی چاہیے اور اسکے علاوہ بہت ضروریات زندگی ہیں جو ہر صحافی کے لیے ضروری ہے مگر وہ یہ سب کہاں سے حاصل کرے؟ کون ان کا مداوا کرے گا؟

عورت عزت کا دوسرا نام

عورت کسی بھی روپ میں ہو اسکا احترام سب پر لازم ہے۔زمانہ جاہلیت میں عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بیوی کا مقام ایک غلام سے زیادہ نہ تھا۔ عورت کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی ۔ الغرض یہ کہ عورت کو حقیر سمجھا جاتا تھا پھر اسی تاریک دور میں اسلام روشنی کی کرن بن کر آیا اور عورت کو معاشرے میں ہر لحاظ سے باعزت مقام دیا۔ سب سے پہلے عورت کو ماں کے روپ میں بلند ترین درجہ دیا۔اللہ تعالیٰ نے ماں کی قدر بہت زیادہ دی ہے کیونکہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ اس کے بعد بہن اور بیٹی کا مقدس رشتہ بنا کر ایک اعلیٰ مرتبہ دیا۔ بیٹی کو باعث رحمت قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور لڑکیوں کا گھر میں ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

تاریخ اسلام میں ایک واقعہ یوں ہے کہ ''ایک آدمی حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا اور رونے لگا تو رسول اکرم ﷺ کے پوچھنے پر اس آدمی نے بتایا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ایسا بھی کیا ہوا؟ تو اس آدمی نے کہا میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جو معافی کے قابل نہیں ۔ پھر بتایا کہ میرے گھر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے اس کو قتل نہیں کیا اور

اب وہ پانچ سال کی ہو گئی ۔ ایک دن باہر کھیل رہی تھی تو لوگوں نے مجھ سے کہا تو کیسا بے غیرت ہے کہ بیٹی کو رکھا ہوا ہے۔ جس سے مجھے بہت غصہ آیا اور میں اپنی بیٹی کو لیکر جنگل میں چلا گیا۔ راستے میں ننھی سے بچی نے مجھ سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ جب میں جنگل میں پہنچ گیا تو میں نے ایک گڑھا کھودا۔ جب میں گڑھے سے مٹی نکال رہا تھا تو مٹی میرے کپڑوں پر گر گئی تو وہ میرے کپڑے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے صاف کرنے لگی اور میرا پسینہ بھی صاف کرتی رہی مگر مجھے اس پر رحم نہیں آیا اور میں نے بچی کو گڑھے میں ڈال دیا اور مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ بچی چلاتی رہی، روتی رہی مگر پھر بھی میرے دل میں رحم نہیں آیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بدنصیب شخص تو یہاں سے چلا جا کیونکہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس جدید دور میں بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب بھی بہت سے لوگ لڑکیوں کو باعث شرم سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کا ہونا احساس کمتری اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ ہے ہمارے اسلام کی تعلیم جو ہمیں اور ہماری سوچ کو بھی نہیں بدل سکتی؟ بہت سے لوگ بیٹیوں کو رحمت کی بجائے زحمت سمجھتے ہیں۔ عورت کی مثال موم بتی کی سی ہے جو خود تو جلتی ہے مگر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ بیوی کے روپ میں چراغ خانہ ہے جو کہ پورے گھر کو روشن رکھتی ہے۔

اسلام نے عورت کے حقوق متعین کیے ہیں۔ جن کی پاسداری تو بہت دور ہمارے معاشرے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہمارے ضمیر اتنے بے حس ہوگئے ہیں کہ ہماری تہذیب عورت کو صرف نام کے حقوق دیے جارہے ہیں۔ ''عورت کے حقوق'' ایک عام سے جملہ ہے۔ اگر کسی بھی شخص یا حکمران کو عورت کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اسی جملے پر گھنٹوں تقریر کردیتے ہیں مگر عملی طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

آج عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مرد کے شانہ بشانہ کام کررہی ہیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق عورت کے دماغ کا وزن 44 اونس ہے جبکہ مرد کا 46 اونس ہے۔ جس کی وجہ سے مرد قدرتی طور پر ذہین زیادہ ہیں اس کے باوجود عورت ہر شعبہ زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرتی ہے۔ استاد بن کر قوم کی رہنمائی کرتی ہے اور کبھی سائنسی تجربے میں رہنمائی کرتی ہے۔ یوں تعلیمی میدان میں بھی آگے ہے مگر اس جدید دور میں بھی کچھ گاؤں اور دیہات کے لوگوں میں عورت کی پڑھائی کو معیوب سمجھا جاتا ہے جبکہ ہمارے دین میں تعلیم کے بارے میں یہ ہے '' علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے'' جب اسلام نے

عورت کو حق تعلیم دیا ہے تو ہمارا معاشرہ کیوں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں تعلیم سے محروم ہیں۔

کچھ خواتین اسلام کی دی ہوئی آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔جہاں اسلام نے عورت کا تعلیم کا حق دیا تو عورت کو تعلیم ضرور دلوانی چاہیے کیونکہ اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ اپنے گھر اس دنیا میں جنت بنا دے گی۔ گھر میں بگاڑ پیدا نہیں ہوگا، بچوں کی پرورش اچھے طریقے سے ہوگی۔ مگر عورت کو بھی چاہیے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں نبھائے۔ جہاں اسلام نے عورت کو اتنے حقوق دیے ہیں وہاں پر عورت کے لیے پردہ بھی لازم قرار دیا ہے۔ تعلیم کے ساتھ انہیں اپنے پردے کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں بے حیائی بہت پھیل رہی ہے۔ اس بے حیائی میں جہاں مرد شامل ہیں اس سے زیادہ عورت کا ہاتھ شامل ہے کیونکہ وہ بے پردہ کیوں پھرتی ہے ؟ تعلیم عورت کو اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ پردے کا بھی حکم دیتی ہے۔اسلام عورت کے بناؤ سنگھار سے منع نہیں فرماتا مگر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اپنے گھر میں رہ کر سنگھار کرو اور کسی نامحرم کے سامنے بغیر پردہ نہ آؤ مگر ہمارے معاشرے میں تعلیم یافتہ خواتین جیسے جیسے تعلیم حاصل کر رہی ہیں ویسے ویسے پردے سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔

آجکل پنجاب اسمبلی میں جو بل حقوق نسواں کا بل پاس ہوا اس پر کافی چرچا ہے۔ کوئی پنجاب والوں کو زن مرید بول رہا ہے تو کوئی عورت کا غلام۔ سیاسی اور مذہبی لوگ اس بل پر کافی بحث و تکرار کر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عورت مرد سے کبھی برتر نہیں ہو سکتی۔ دنیاوی حقوق کسی بھی رنگ میں ہوں مگر اسلام نے عورت کے جو حقوق متعین کیے ہیں ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ عورت مرد پر کبھی حکمرانی نہیں کر سکتی کیونکہ سمجھ دار عورت مرد کو بادشاہ بنا کر خود ملکہ بننا پسند کرتی ہے نا کہ عورت وہ خود بادشاہ بن کر اپنے مرد کو غلام بنائے۔

8 مارچ کو عورتوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن عورتوں کے حقوق پر بڑھ چڑھ کر باتیں کی جاتیں ہیں مگر جو لوگ ٹی وی، ریڈیو، اخبارات اور دوسرے میڈیا کے ذریعے اپنا اظہار خیال کرتے ہیں کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اس دن عالمی سطح تو دور پاکستان کی سطح پر کبھی وطن کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو بھی یاد کیا؟ کب تک وہ کفار کی قید میں رہے گی؟ کون ہے جو اس کو آزادی دلائے گا؟

23 مارچ" خشت اول پاکستان"

1940 میں مارچ کے مہینے کا کسی نہیں معلوم تھا کہ یہ مہینہ برصغیر میں ایسی تاریخ رقم کرے گا جس کو برصغیر کی عوام بالخصوص مسلمان کبھی نہیں بھلا سکتے۔ رہتی دنیاتک پاکستانی عوام اس دن کو بڑے شایان شان سے منائے گی۔ 23 مارچ وہ دن ہے جب پاکستان کی پہلی خشت رکھی گئی۔ایک پُراعتماد تحریک شروع ہوئی اور جو بعد میں انگریز اور ہندوؤں دونوں کے لیے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی۔ برصغیر کی عوام جو انگریزوں کے شکنجے میں پھنسی ہوئی تھی ان کو نہیں معلوم تھا کہ ایک دبلا پتلا نوجوان شطرنج کی ایسی بازی کھیلے گا کہ ہندو اور مسلمان دونوں آزادی کی زندگی گزار سکیں گے۔ یہ الگ بات تھی کہ انگریز اور ہندو دونوں کفار مسلمانوں کے خلاف بڑی شاطر چالیں چل رہے تھے مگر ان کفار کو کیا معلوم کہ مسلمان ایسی چال چلیں گے کہ ان کے مہرے مات کھا جائیں گے۔ 23 مارچ کا سورج برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایسی نوید لیکر چڑھا کہ جس کی روشنی میں کفار مات کھا گئے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا جو 22 مارچ سے 24 مارچ 1940 تک جاری رہا۔ اسی جگہ پر آج یادگار پاکستان (مینار پاکستان) قائم ہے۔ اس تاریخی اجلاس کی صدارت قائداعظم نے

کی۔اس اجلاس میں شرکت کے لیے وہ دہلی سے بذریعہ ٹرین لاہور پہنچے۔ قائدا عظم نے اسی دن 22 مارچ 194 0 کو ڈھائی گھنٹے فی البدیہہ تقریر کی۔اس تقریر میں انھوں نے فرمایا کہ ''مسلمان کسی بھی تعریف کی رو سے ایک قوم ہیں، ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی فلسفوں، سماجی عادات، علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو آپس میں شادی کر سکتے ہیں نہ یہ لوگ اکٹھے کھانا کھا سکتے ہیں اور یقیناً یہ لوگ مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جو بنیادی طور پر اختلافی خیالات اور تصورات پر محیط ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ذرائع سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ ان دونوں کے ہیروز اور قصے کہانیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اکثر ایک کا ہیرو دوسرے کا ولن ہے۔

23 مارچ 1940 وہ تاریخی لمحہ ہے جب آل انڈیا مسلم لیگ نے لاہور کے تاریخی اجتماع میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ اور آزاد ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا ۔ یہ قرارداد لاہور جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قرارداد کو قائداعظم اوران کے ساتھ سکندر حیات نے تیار کیا۔ لیاقت علی خان نے 22 مارچ کو اسے کمیٹی میں پیش کیا۔ اس قرارداد کو اے کے فضل الحق نے 23 مارچ کو کھلے اجلاس میں پیش کیا۔سب سے پہلے چوہدری خلیق الزماں نے قرارداد کی تائید کی۔ان کے ساتھ اہم مسلم لیگی رہنماؤں نے قرارداد کی حمایت کی جن میں پنجاب سے مولانا ظفر علی خان ، سرحد سے سردار اورنگ زیب

خان، سندھ سے حاجی سر عبداللہ ہارون، بلوچستان سے قاضی عیسیٰ سمیت بہت سے لوگ شامل تھے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے بیگم مولانا محمد علی جوہر نے سب سے پہلے قرارداد پاکستان کا لفظ استعمال کیا۔ ہندوستان کی تقسیم سے قبل ہی آل انڈیا مسلم لیگ نے 1941 سے 23 مارچ کے دن ہندوستان بھر میں یوم پاکستان منانا شروع کر دیا تھا۔ قرارداد لاہور بعد ازاں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قرارداد میں پاکستان کا لفظ شامل نہیں ہوا تھا۔ لفظ پاکستان کے خالق چوہدری رحمت علی تھے۔ 1943 میں قائداعظم نے اپنی ایک تقریر میں قرارداد لاہور کے لیے پاکستان کا لفظ قبول کرتے ہوئے اسے قرارداد پاکستان قرار دیا۔ یہ قرارداد میں نہ صرف مسلم لیگ کے آئین کا حصہ بنی بلکہ اسی کی بنیاد پر سات سال بعد 1941 اگست 1947 کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ 14

قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں ہندو اور مسلم ۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں اسلام کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ ان حالات نے مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس سے پہلے مسلمان کانگرس

پارٹی کے ساتھ چل رہے تھے مگر پھر انہوں نے ایک الگ پارٹی بنائی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے تن من کی بازی لگادی۔ الگ وطن حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کسی بھی چیز کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ماوؤں نے اپنے بیٹوں کی جانوں کا نظرانہ پیش کیا۔ بہنوں نے بھائی کی قربانیاں دیں اور بیویوں نے اپنے سہاگ تک لٹا دیے۔ سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا ''بن کے رہے گا پاکستان ، لیکر رہیں گے پاکستان''

آج ہم جس ملک میں آزادی سے جی رہے ہیں اس کو حاصل کرنے کی اہمیت ہم سے بہتر وہ ہی بتا سکتے ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کیا۔ ہم تو آج پلیٹ میں حلوہ رکھ کر کھارہے ہیں بلکہ حلوے کے ساتھ اب تو پلیٹ کو بھی کھایا جارہا ہے۔ اگر سوچا جائے تو کیا پاکستان اس لیے حاصل کیا تھا کہ آج اُس پاکستان کے لوگ ''نیاپاکستان'' اور ''لبرل پاکستان'' کا نعرہ لگائیں؟ کیا پاکستان دو ٹکڑے کرنے کے لیے بنایا گیا تھا؟ خدارا اس پاکستان کو ان دیمک سے بچائیں جو اس کی جڑیں چاٹ چاٹ کر کھوکھلا کرنے کے درپر ہیں۔ ابھی بھی وقت کہ ہم اپنے آستینوں میں چھپے سانپوں کو ڈھونڈ لیں ورنہ بعد میں پچھتانا پڑے گا۔

رب العزت سے دعا ہے کہ ''اے اللہ اس ملک کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ فرما اور ہمارے اس ملک کی حفاظت فرما اور ہمیں ہدایت دے کہ ہم انصاف

سچائی اور ایمانداری کے راستے پر چلیں اور دوسروں کی حق تلفی، رشوت خوری اور لڑائی جھگڑوں سے دور رہیں۔ آمین

ورلڈکپ "نااہل بورڈ اور کھلاڑی T20"

کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جس سے ہر ایک کو محبت ہے۔ اس کھیل سے محبت میں نہ عمر کی حد ہے اور نہ ہی جنس کی۔ یہ کھیل تقریباً دنیا کے ہر کونے میں کھیلا جارہا ہے بنائی گئی۔ اس میں (ICC) ۔ کرکٹ کے اس کھیل کو کنٹرول کرنے کے لیے آئی سی سی کوئی شک نہیں کہ آئی سی سی تمام ملکوں کے لیے قابل قبول ادارہ ہے مگر اس سے بھی آپ لوگ اتفاق کریں گے کہ یہ ادارہ اپنے فرائض منصبی احسن طریقے سے چلانے میں کامیاب نہیں۔ اس میں بھی اجارہ داری چل رہی ہے۔ پچھلے دنوں بننے والی بگ تھری کا حال آپ سب کے سامنے ہے۔ کرکٹ ایک کھیل ہے اور کھیل کو ہمیشہ کھیل ہی رہنا چاہیے نا کہ اس میں گروپ بندی کرکے اس پر قبضہ کرلینا چاہیے۔

پاکستان میں کرکٹ کے کھیل کو لوگ جنون کی حدتک چاہتے ہیں۔ اس کھیل سے محبت کا اظہار کا اندازہ اسطرح سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے کمزور دل حضرات پاکستان کی ہار بالخصوص بھارت سے) پر اپنی جان کی بازی بھی ہار جاتے ہیں۔ پاکستان میں کرکٹ) کے فروغ کے لیے پاکستان کرکٹ بورڈ بنا ہوا ہے۔ اس بورڈ کی تعریف کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ نہیں۔ میں نے کرکٹ بورڈ کو کرکٹ کے فروغ کے لیے کم اور پیسہ بنانے میں زیادہ مصروف پایا

ہے۔ ضلعی لیول سے لیکر پاکستان تک اس بورڈ سے منسلک لوگوں کو فنڈ کھانے کا علم ہے مگر کرکٹ کی الف ب بھی معلوم نہیں۔

ٹی ٹونٹی ورلڈکپ 2016 کی تیاری ایک سال سے بڑے زور و شور سے جاری تھی۔ ہر سیریز کے اختتام پر ہمیں یہ ہی فقرے سننے کو ملتے کہ ہم ٹی ٹونٹی ورلڈکپ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ٹی ٹونٹی ورلڈکپ ابھی جاری ہے مگر ہماری عمدہ تیاری کی وجہ سے ہماری ٹیم نے اپنے سفر کا اختتام کرکے گھر کا ٹکٹ کٹوا لیا ہے۔ اس ورلڈکپ میں پاکستان کی کارکردگی پر اگر میں انفرادی شخصیت پر لکھوں تو شاید میرا کالم اتنا طویل ہو جائے گا کہ ایڈیٹوریل انچارج پبلش بھی نہ کریں۔ پاکستان اپنے چار میچوں میں سے صرف ایک میچ جیت سکی۔ بھارت کے میچ کا چرچا ایسا ہو رہا تھا جیسے پاک بھارت جنگ ہونے جا رہی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں بھی پاک بھارت میچ جنگ ہی لگ رہا تھا کیونکہ بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے اور اس سے شکست ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ اگر ہم ورلڈکپ کے پچھلے ریکارڈ پر نظر ڈالیں تو پاکستان آج تک کسی بھی فارمیٹ کے ورلڈکپ میں بھارت سے نہیں جیت سکا۔

پاکستان کی ٹی ٹونٹی ورلڈکپ میں شکست کی بنیاد اسی دن رکھی گئی جس دن پاکستان نے بھارت سے شکست کھائی کیونکہ اسی دن پاکستان کی ٹیم میں گروپ

بندی ہو گئی۔ گروپ بندی کی ایک وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ٹیم کے کپتان شاہد آفریدی نے پریس کانفرنس میں اعلان کیا تھا کہ وہ ابھی ریٹائرمنٹ نہیں لے رہے۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ جو آفریدی کے جانے کے بعد اپنی حکومت دیکھ رہے تھے ان کے دل کے ارمان آنسو میں بہہ گئے اور انہوں نے ٹیم میں انتشار شروع کرادیا۔اس کے بعد رہی سہی کسر عمراکمل اور عمران خان کی اس گفتگو نہ کردی جس کا چرچا سوشل میڈیا پر ہے کہ عمراکمل نے خانصاحب سے کہا کہ وہ سفارش کریں کے مجھے اوپر کے نمبر پر کھیلایا جائے۔ ہم ہی نہیں دنیا مانتی ہے کہ عمران خان ایک لیجنڈ کھلاڑی ہیں مگر اس طرح سفارش کرکے کسی پلئیر کو اوپر لانا نہ تو خانصاحب کو زیب دیتا تھا اور نہ ہی ٹیم مینجمنٹ کو۔ رہی سہی کسر ہمارے چئیرمین نے یہ بیان دیکر پوری کردی کہ پاکستانی ٹیم سے زیادہ توقع نہ رکھی جائیں۔ کوئی شہریار صاحب سے پوچھے تو پھر اتنا عرصہ جو ورلڈکپ کے لیے تیاری کی کیا وہ جھک مار رہے تھے۔ تیاری کے نام عوام پر عوام کا لاکھوں روپیہ کیوں ضائع کیا؟افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ٹیم کے کوچ وقار یونس جو کرکٹ کے میدان میں اپنا مقام آپ رکھتے ہیں وہ اس طرح کانفرنس کررہے تھے جیسے اپنے گھر میں لڑ رہے ہوں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا عمراکمل اوپر کے نمبر کھیلنے کے لیے اپنی مرضی سے بلا اٹھا کر آگیا تھا ؟ پھر کرکٹ کوچوں کی ٹیم اور کپتان کا ٹیم میں کیا کردار ہے؟

کھیل کو کھیل سمجھ کر کھیلنا چاہیے نا کہ اس کو دشمن کے گھر میں بیٹھ کر تماشا بنانا چاہیے۔ میری سمجھ سے باہر کے کرکٹ بورڈ کے چیئرمین اور ٹیم مینجمنٹ صرف اپنی تنخواہیں پکی کرنے کے چکر میں رہتے ہیں۔اگر کھلاڑی ان کے کنٹرول میں نہیں تو پھر انہیں سلیکٹ کس نے کرایا؟ہر شکست کے بعد کپتان کو الزام دینا اچھی روایت نہیں۔ نیوزی لینڈ کے خلاف میچ میں تو صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ میچور کرکٹ نہیں بلکہ محلے کے بچوں کی کرکٹ ہو رہی ہے۔ جس کا جو دل چاہا وہ کردار ادا کرکے اپنے گھر کو بھاگ لیا۔ ہماری ناقص اطلاع کے مطابق معلوم ہوا کہ جس وقت شرجیل خان نے جیت کی بنیاد رکھی اور ان کے آؤٹ ہونے کے بعد بیٹنگ کے لیے شعیب ملک کو بھیجا جا رہا تھا اور ایک سنئیر کھلاڑی ہونے کے ناطے اور میچ کی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے یہ ایک اچھا فیصلہ تھا مگر شعیب ملک نے اس پوزیشن پر کھیلنے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان جو ابھی سیمی فائنل کی دوڑ میں تھا اس کو گھسیٹ کر باہر نکلوا دیا۔

مجھے حیرت ہے ایسے تبصرے نگاروں پر جو صرف الٹا سیدھا بول کر اپنی ''دھاڑی'' پکی کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ ہمارے انتہائی محترم سابق فاسٹ باولر سکندر بخت صاحب ایک نجی چینل پر بڑے زور و شور سے تبصرے کر رہے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں جو ان کے دل میں آیا بول دیا۔ موصوف بتا سکتے ہیں کہ

کیا پاکستان کی تاریخ میں کوئی بھی کپتان تمام فیصلے کرنے کا مجاز تھا؟ سکو بھائی کے بقول ٹیم سلیکشن میں بھی سفارش اور پسند ناپسند چلتی ہے۔ سکو بھائی خود بھی سلیکشن کمیٹی میں رہ چکے ہیں کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے میرٹ کے سامنے سر جھکایا یا سفارش کے؟ چینل پر بیٹھ کر باتیں کرنا بہت آسان ہے کیوں کہ وہ دو تین افراد سے زیادہ نہیں مگر عملی میدان میں کام کرنا دل گردے کا کام ہے۔

آج جب آخری میچ میں پاکستان کو آسٹریلیا سے شکست ہوئی تو آفریدی کی نم آنکھیں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔لوگوں نے اسی وقت سوشل میڈیا پر لکھنا شروع کر دیا کہ آفریدی کو ڈراموں میں کام کرنا چاہیے مگر ایسے کم ظرف لوگوں کو کون سمجھائے کہ آفریدی جیسا ہیرا صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔پاکستان میں روایت ہے کہ وہ اپنے ہیروں کے ساتھ ناروا سلوک کرکے نکالتی ہے۔ میانداد، انضمام الحق سمیت کئی ہیرو ایسے ہیں جو کرکٹ کے میدان سے بڑی بے رخی سے نکالے گئے۔ لگتا ایسا ہی ہے کہ اب آفریدی کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا جانے والا ہے۔ میری اور پاکستانی عوام کی وزیراعظم پاکستان سے درخواست ہے کہ اگر پاکستان میں کرکٹ کا مستقبل روشن کرنا ہے تو پھر سیٹھی، شہریار، ہارون رشید، شفیق پاپا اور ایسے دوسرے لوگوں سے ان چھوڑائیں اور وسیم اکرم ، عبدالقادر، میانداد اور عمران خان جیسے ہیروں سے مستفید ہوں ورنہ ہر ورلڈکپ کے بعد اسی

طرح کے ڈرامے دیکھنے کو ملیں گے۔

گلشن اقبال کے لہو میں رنگے پھول

زندگی خوشی اور غمی کا نام ہے۔ کبھی خوشی قدم چومتی ہے تو کبھی غم ہمارے دامن آ گرتے ہیں۔ خوشی کے موقع پر تو انسان ایک دوسرے کو بھول سکتا ہے مگر غم میں اپنے تو اپنے غیر بھی ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ آج کا انسان اپنی مصروف زندگی کی وجہ سے ان دونوں (خوشی و غمی) کو بہت جلد بھول جاتا ہے۔ آج پھر ایک ایسے سانحے نے ہمیں آرمی سکول، مدرسے میں ہونے والے واقعات یاد کرا دیے جن کو شائد ہم بھول چکے تھے۔

اتوار کا دن اکثر میں گھر پر گزارنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ ہفتے میں ایک چھٹی ہوتی ہے اس کو گھر پر ہی انجوائے کیا جائے۔ اس اتوار کو میرے بھانجے کے بیٹے (پوتے) کی پہلی سالگرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گھر پر کافی مہمانوں کی آمد تھی۔ کافی رش لگا ہوا تھا ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے سالگرہ کو انجوائے کر رہے تھے۔ پارٹی سے تقریباً ساڑھے سات بجے فارغ ہو کر گھر واپسی کا پروگرام بنایا تو اسی وقت ایک ایس ایم ایس کے ذریعے نیوز آئی کہ لاہور میں دھماکا۔ میں نے نیوز کو پڑھا اور دل میں سوچا کہ کوئی چھوٹا موٹا دھماکا ہو گیا ہوگا ایک دو بندے زخمی یا شہید ہو گئے ہونگے بس۔ ایک بات واضح کر دوں کہ

میں نے بس اس لیے لکھا ہے کہ اب آئے روز پاکستان میں کہیں نا کہیں ایک دو موت واقع ہونا روز کا معمول بن گیا۔ ایسی خبر سن کر اب ہمارا کسی کا دل نہیں دہلتا۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ پہلے دور میں جب کسی انسان کو ناجائز قتل کیا جاتا تھا تو آسمان سرخ ہو جاتا تھا تو کوئی کہتا لال آندھی آتی تھی۔اس بات سے تو میں خود بھی اتفاق کرتا ہوں کہ ایک بار ہمارے گاؤں میں ایک شخص کو ذاتی دشمنی کی بنا پر گولی ماردی گئی۔اس کے بعد میں نے خود دیکھا کہ ہمارے گاؤں کے سڑکیں سنسان ہو گئیں۔ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔لوگ اپنے گھروں میں قید ہو کر رہے گئے تھے۔پورے گاؤں کی فضا غمگین ہو گئی تھی اوراب یہ حال ہے کہ ساتھ والے گھر میں میت پڑی اور دوسرے گھر میں میوزک چل رہا ہوتا ہے۔ گلیوں میں وہی چہل پہل ہے۔ ہوٹلوں پر ٹی وی چل رہے ہیں۔ کسی کو اپنوں کے سوا دوسروں کی پرواہ نہیں۔

آن کی تو سب سے پہلے (LED) سالگرہ سے فارغ ہو کر میں جب گھر پہنچا تو ایل ای ڈی نیوز چینل ہی آن ہوا جبکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ انڈیا آسٹریلیا میچ دیکھنے کو چاہ رہا تھا مگر میرے ہاتھ اگلا چینل تبدیل کرنے کے لیے اٹھے ہی نہیں۔ مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اس وقت خبر چل رہی تھی کہ گلشن اقبال پارک میں دھماکا۔ دھماکے میں پندرہ سے زائد افراد کی ہلاکت کی نیوز بریک ہو رہی تھی۔ نیوز دیکھتے ہی میرے ذہن میں گلشن اقبال پارک کا منظر

گھومنے لگا کیونکہ میں تقریباً ہر سال اپنے سکول کو ٹرپ پر گلشن اقبال پارک ضرور لیکر جاتا تھا۔ اس کے فوراً بعد میں نے فیس بک ، ٹیوٹر (سوشل میڈیا) کو آن کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے شہید لوگوں کی تعداد 65 سے زائد ہو گئی۔ ہر چینل اپنے اپنے انداز میں رپورٹنگ کر رہا تھا۔ کہیں کچھ تعداد بتائی جارہی تھی اور کہیں کچھ۔

مجھے اس دھماکے کے رقت آمیز سین دیکھے نہیں جارہے تھے۔ کوئی فون پر اپنے گھر اطلاع دے رہا تھا تو کوئی پکنک پر آئے ہوئے اپنوں کو تلاش کر رہا تھا۔ میں مسلسل ایل ای ڈی کے سامنے بیٹھا تازہ ترین صورتحال دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے یہ سانحہ کسی قیامت صغراں سے کم نہیں۔ ہلاکتوں کی تعداد کے ساتھ زخمیوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ ہسپتالوں میں ایمرجنسی قائم ہو گئی تھی ۔ خون کی اپیلیں کی جارہی تھیں۔ میں نے اپنے لاہوری دوستوں کو بالخصوص جو مون مارکیٹ، گلشن اقبال کے نزدیک رہائش پذیر تھے ان سے بھی رابطے میں تھا۔ بقول میرے دوست کے کہ بھائی یہاں پر ننھے منھے بچوں کی لاشیں دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ آج جہاں چھٹی کا دن ہے اور سونے پہ سہاگہ آج ایسٹر بھی منایا جارہا ہے اس لیے آج معمول سے زیادہ رش تھا اور دشمن اسلام ، دشمن پاکستان اور دشمن انسانیت نے آج اس موقع کا فائدہ اٹھا کر ہمیں لہو لہان کر دیا۔

میں ایسے منظر ٹی وی پر دیکھ رہا تھا اس دوران میں نے چینل تبدیل کیا اور لاہور کا نجی چینل 42 لگالیا۔ ادھر جو دیکھا اس پر مجھے بہت افسوس ہوا کہ کیا ہم لوگ کبھی اپنے وطن اپنی عوام اور اپنے آپ سے سیریس ہونگے یا ہر موقع پر سیاست ہی کرتے رہینگے۔ نجی، چینل پر ایک سیاسی پارٹی کے رہنما جائے وقوعہ پر پہنچنے کا منظر لائیو دکھا رہا تھا۔ وہاں پر ایک نوجوان کو دیکھا جو دھاڑیں مار کر رو رہا تھا اور وہ سیاسی رہنما سے پوچھ رہا تھا کہ اس سانحہ میں ہمارا کیا قصور تھا؟ ہمارے بچے سیر و تفریح کے لیے آئے تھے یا موت کو گلے لگانے؟ اس پارک میں سیکورٹی کیوں نہیں تھی؟ اس سانحے کے ذمہ دار کون ہے؟

لیکن افسوس اس نوجوان کو جواب دینے کی بجائے وہ سیاسی رہنما جان چھڑا کر نکل گیا اور ان کے کار خاص نے ''گو نواز گو'' کے نعرے لگوانے شروع کر دیے۔

ایک سوال یہ اٹھتا ہے آرمی سکول میں ہونے والے سانحے کے بعد پورے پاکستان کے سکولوں کو سیکورٹی کے نام پر ناکو چنے چبوائے گئے۔ سکول مالکان کو پٹواری سے لیکر اے سی تک، ڈی پی او سے لیکر ڈی سی او تک سب نے گھما کر رکھا مگر اب ان پارکوں میں سیکورٹی کا ذمہ دار کون ہے؟ یہاں کسی کو سیکورٹی کے نام پر نچایا جائے گا؟ ان پارکوں میں سیکورٹی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کوئی

گارڈ کسی کو چیک نہیں کرتا۔ یہ پارک فری ہونے کے ساتھ ساتھ کیا سیکورٹی فری بھی کردیے گئے تھے؟

آج وزیراعظم پاکستان نے ایک بیان دیا کہ ''یہ بچے جو شہید ہوئے ہیں وہ میرے بچے ہیں'' ایسا بیان وزیراعظم صاحب نے پہلے بھی دیا تھا۔ کوئی میاں صاحب سے پوچھے کہ کون ظالم باپ ہے جو اپنے بچوں کو چند ماہ بعد شہید کرواتا ہے۔ خالی بیان دینے سے کسی کے بچے اپنے نہیں بن جاتے یا چند ٹکوں کے ذریعے کسی کی اولاد کو اپنی اولاد نہیں بنایا جاسکتا۔ حکومت کا ہر فرد اپنے گھر میں خوش و خرم رہ رہا ہے صف ماتم تو ان کے گھر میں ہے جن کے چراغ گُل ہوئے ہیں۔ جن کے گھر اُجڑ گئے ہیں۔ ممتا کی گود خالی ہوگئیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ کیا ہم زبانی کلامی خرچ کرتے رہیں گے یا حقیقت میں بھی کوئی اقدام اٹھائیں گے؟

سیاستدانوں کی لندن یاترا کیوں؟

پاکستانی سیاستدانوں کی سیاست کی کیا بات ہے۔ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ سیاست دن اپنی کرسی کے لیے کچھ کر گزرتے ہیں۔ اگر قیام پاکستان سے لیکر آج تک کی تاریخ کو پڑھا جائے تو قائداعظم کے بعد ابھی تک کوئی ایسا سیاستدان نہیں گزرا جس کا دامن پاک صاف ہو۔ اب تو سیاست میں داخل ہو کر ہر کوئی حکمرانی کا خواب دیکھتا ہے خواہ اس کا خواب پورا ہو یا نا ہو۔ اگر یہ کہوں کے جس کے پاس چار پیسے ہوں تو وہ سیاست کی طرف بھگتا ہے۔ اگر وہ سیاست میں نہ بھی آئے مگر سیاستدانوں سے اس کے تعلق کافی قریبی بن جاتے ہیں۔ آج ریٹائرڈ آرمی چیف ، چیف جسٹس بھی اپنی پارٹی بنا کر ملک کو دلدل سے نکلانا چاہتے ہیں مگر افسوس کہ وہ خود اس دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ سیاست کے میدان میں نہ تو کوئی غریب کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ شریف انسان۔

ویسے تو پاکستان میں آئے روز کوئی نا کوئی ایشو سیاستدانوں کو سیاست کرنے کے لیے ملتا رہتا ہے مگر اس بار پاناما لیکس نے کافی ہلچل مچائی ہوئی ہے۔ پانامہ لیکس کی ہلچل نے پاکستان کے علاوہ بہت سے ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ کئی ممالک کے سیاستدانوں کو اقتدار سے ہاتھ بھی دھونا

پڑ گیا۔ بہت سے ممالک میں پاناما لیکس کی آگ بھڑک رہی ہے اور اس آگ میں پھنسے لوگ اس کو بجھانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔

بقول تبصرہ نگاروں کے کہ پاناما لیکس کے بعد پاکستانی سیاست نازک موڑ میں داخل ہو گئی ہے۔ شریف خاندان میں بھی ہلچل مچ گئی ہے۔ کوئی تو یہاں تک کہا گیا کہ شریف برادران کی کشتی ہچکولے کھا رہی ہے۔ اپوزیشن (پیپلز پارٹی کے علاوہ) جماعتیں ایک دوسرے سے ملاقات کرکے اس ایشو کے ذریعے اپنی سیاست کے داؤ پیچ چلا رہے ہیں۔ کوئی رائیونڈ دھرنے کی دھمکی دے رہا ہے تو کوئی پنجاب اسمبلی کے سامنے بیٹھنے کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا نواز شریف فیملی کے علاوہ پاناما لیکس میں کسی اور کا نام شامل نہیں؟ میری معلومات کے مطابق اس میں پاکستان بھر سے بہت سے لوگوں کے نام شامل ہیں مگر توپوں کا رخ صرف شریف فیملی طرف کیوں؟ ممکن ہے کہ شریف فیملی اس جرم میں ملوث ہو مگر ابھی ثابت تو نہیں ہوا۔ اگر پاناما لیکس کا جرم ان لوگوں پر ثابت ہو جائے تو پھر اس پاناما لیکس میں شامل تمام افراد کو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ مگر حقیقت اسکے برعکس ہے کچھ سیاسی لوگ ان کو اقتدار سے ہٹا کر خود اقتدار میں آنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان سیاستدانوں میں کون گارنٹی دے گا کہ پانامہ لیکس میں ملوث لوگوں کو کیفر کردار تک

پہنچائیں گے۔ ابھی تک ان سیاستدانوں نے باقی لوگوں کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شریف فیملی کے ساتھ ساتھ پانامہ لیکس کے رپورٹ میں شامل تمام لوگوں کو بھی ان کے انجام تک پہنچانے کی حکمت عملی واضح کی جاتی مگر ''ادھر تو صرف کرسی کے چکر میں ایک ہی آواز گونج رہی ہے۔''گو نواز گو
شادی کی محفل میں ایک دوست نے سوال کیا کہ پانامہ لیکس کا کیا بنے گا؟ تو جواب ملا کہ وہی بنے گا جو اس سے پہلے ہونے والی لیکس کا بنا تھا۔ آج تک کسی بھی سیاستدان کو کرپشن میں سزا ہوئی؟ حال ہی میں ایک اداکارہ کو رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود جو کچھ ہوا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اگر غریب بندہ ایک روٹی کا لقمہ بھی چرالے تو اس کے لیے قانون سزا رکھتا ہے مگر امیر آدمی تو گھر بیٹھے سب کچھ کرالیتا ہے۔ کیا کوئی بتائے سکتا ہے کہ پیسہ پاکستان سے باہر کیسے گیا یا پاکستانیوں نے باہر جاکر پیسہ کیسے بنایا؟ اس کا جواب کوئی نہیں دے گا کیونکہ باہر پیسہ کمانے اور پیسہ لے جانے والے اندر سے سب ایک ہیں۔
اب لوگوں کے ذہن میں ایک سوال اٹھ رہا ہے کہ پاناما لیکس رپورٹ کے بعد پاکستانی سیاستدان لندن کا طواف کرنے کیوں جارہے ہیں؟ کیا ہمارے

سیاستدانوں کا کعبہ لندن ہے جہاں جا کر سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میڈیا کے ذرائع کے مطابق میاں نواز شریف، عمران خان اور چوہدری نثار لندن پہنچ گئے ہیں۔آصف زرداری اور الطاف حسین پہلے ہی لندن میں موجود ہیں۔ ہر پارٹی اپنے اپنے لیڈران کے لندن میں جمع ہونے کی وجوہات بیان کر رہی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ملک میں پاناما لیکس نے جو طوفان اٹھا رکھا ہے اس کے تھمنے کا انتظار کیے بغیر لندن میں جمع ہونے کا کیا مقصد ہے؟ وزیراعظم ہاؤس کے ترجمان کے مطابق نواز شریف طبّی معائنہ کے لیے گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان میں کوئی ڈاکٹر اس قابل نہیں جو چیک اپ کر سکے۔ ذرائع کے مطابق عمران خان اپنی اولاد سے ملنے لندن پہنچ گئے کوئی ان سے پوچھے کہ ایک طرف تم رائیونڈ پر چڑھائی کر رہے ہو اور دوسری طرف لندن یاترا کر گئے۔ خان صاحب پہلے ان کرپٹ لوگوں کو تو کیفر کردار تک پہنچا جاتے۔ پیپلز پارٹی والے بول رہے ہیں کہ نواز شریف زرداری سے مدد لینے گئے ہیں۔ تو پھر اب عوام جو سوچ رہی ہے وہ سچ ہے نا کہ یہ سب ایک ہیں۔ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ جب کوئی کسی کی مدد کرتا ہے تو پھر لوگ اسی کو پکارتے ہیں اور یہ سب ایک دوسرے کا مداوا کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان کی پرواہ سیاستدان

پہلا قدم

جنرل راحیل شریف نے جب چیف آف آرمی سٹاف کو عہدہ سنبھالا تو اس وقت میں نے ان پر ایک کالم لکھا تھا جس میں ان کی ابتدائی زندگی سے لیکر ملک کو درپیش چیلنجز تک کا ذکر کیا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ " جنرل راحیل شریف نے الحمداللہ نئے چیف کی کمان تو سنبھال لی مگر انہیں اس وقت بہت سے مسائل درپیش ہیں۔ جن میں سرفہرست ڈرون اٹیک اور دہشت گردی ہے اس کے بعد ملک میں کرپشن اور بے حیائی کا نمبر آتا ہے۔ اب ان کی قائدانہ اور مدبرانہ صلاحیتوں کا امتحان شروع ہوگیا ہے کہ وہ ان مسائل سے کس طرح چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ انکی صلاحیتوں سے انکار نہیں مگر وطن عزیز کی خاطر ان کے فیصلے بہت اہم ہیں۔ ان کا تعلق اس خاندان سے ہے جس نے اپنے وطن کی خاطر اپنی جانوں کے نظرانے پیش کیے۔ ان کی جانوں کے نظرانے ان سیاستدانوں کی طرح نہیں جو موت پر بھی سیاست کرتے ہیں بلکہ یہ وہ خاندان ہے جس نے حقیقت میں ملک کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کیں"۔

شریف"کی اعلیٰ صلاحیتوں کی بدولت ڈرون حملوں اور دہشت گردی پر تو کافی حد تک" قابو پالیا ہے۔ ضرب عضب کی مثال پوری دنیا کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اس کے بعد حال ہی میں چھوٹو گینگ کے خلاف "ضرب آہن" آرمی کی کامیابی

کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پاک آرمی پر اگر لکھنے بیٹھوں تو ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر جو کام اس آرمی چیف کر رہے ہیں ان کی بدولت پورا پاکستان ان سے بہت سی آس لگائے بیٹھا ہے۔ پچھلے دنوں جب جنرل راحیل شریف کی چیف آف آرمی سٹاف کی معیاد مدت میں توسیع کی بات چلی تو بہت سے سیاستدانوں نے کہا تھا کہ ان کو ایکس ٹینشن نہیں لینی چاہیے مگر سوشل میڈیا پر عوام نے ان کے حق زبردست مہم چلائی جس کی بدولت سیاستدانوں کو بھی اپنے فیصلے پر سوچنے پر نا صرف مجبور کیا بلکہ کچھ سیاستدانوں نے برملا کہہ بھی دیا کہ انکی معیاد مدت میں توسیع کی جانے چاہیے۔

جنرل راحیل شریف جس طرح ملک کی ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں ان کی کوششوں سے ملکی حالات میں بہت بہتری آئی ہے۔ ابھی 20 اپریل کو اپنی تقریر میں جنرل راحیل شریف نے سنگل رجمنٹل سنٹر کوہاٹ میں کہا تھا کہ پاکستان کی یکجہتی ، سالمیت، ترقی اور خوشحالی کیلئے ہر سطح پر بلا تفریق احتساب انتہائی ضروری ہے۔ کرپشن کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔ بلا امتیاز احتساب سے آنے والی نسلوں کا مستقبل بہتر ہو گا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ پاک فوج احتساب کے لئے ہر بامقصد کوشش کی مکمل حمایت کرے گی۔ اس بیان کے بعد حکومتی مخالفین نے اس بیان کو ایشو بنا کر سیاست کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے کہا کہ اب بس پانامہ لیکس والوں کی باری ہے تو کسی نے کہا کہ آرمی چیف

اب ڈنڈا اٹھانے والے ہیں۔ لیکن یہ کسی نے نہیں سوچا اور کہا کہ آرمی چیف پہلے اپنے گھر میں ہی جھاڑو مارنے والے ہیں۔

آج میں کسی کام کی وجہ سے اپنے شہر سے باہر تھا جب شام کو گھر پہنچا تو ٹی وی آن کیا تو ہر چینل پر ایک ہی نیوز بریک ہو رہی تھی کہ آرمی چیف کے حکم پر کرپشن میں ملوث فوجی افسران اور دو جوانوں کو برطرف کر کے ان کو دی جانے والی مراعات بھی 11 واپس لے لی ہیں۔۔برخاست کے جانے والوں میں ایک لیفٹننٹ جنرل اور ایک میجر جنرل بھی شامل ہیں۔۔برطرف ہونے والے تیرہ افسران میں پانچ بریگیڈئیر، تین کرنل اور ایک میجر بھی شامل ہیں۔۔برطرف کیے جانے والوں میں لیفٹننٹ جنرل عبد اللہ خٹک ، میجر جنرل اعجاز شاہد،،بریگیڈئیر حیدر،،بریگیڈئیر اسد،،بریگیڈئیر عامر اور بریگیڈئیر سیف اللہ سمیت کرنل حیدر اور میجر نجیب شامل ہیں۔نا صرف ان کو برطرف کیا بلکہ فوجی افسران کو کرپشن کی رقم واپس کرنے کے احکامات بھی جاری کر دیئے اور ان کی مراعات بھی ختم کر دی گئیں ہیں۔

آرمی چیف کے اس اقدام کو پورے پاکستان نے سراہا ہے۔آج تجزیہ نگاروں سے لیکر عام آدمی بھی سوشل میڈیا کے سہارے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔آرمی چیف نے جو پہلا قدم اٹھایا ہے شاید پاکستان کی تاریخ میں کسی نے نہ اٹھایا ہو۔اب ہر پاکستانی کی طرح میری بھی یہی دعا ہے کہ آرمی چیف نے جو

قدم اٹھایا ہے وہ اب رکے نا۔ احتساب ہونا چاہیے اور صرف موجودہ حکمرانوں کے ہی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے خلاف ہونا چاہیے جس نے اس ملک میں رہتے ہوئے عوامی پیسہ لوٹا ہے۔ پانامہ لیکس میں شامل افراد ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کے خلاف بھی قدم اٹھنے چاہیئں جنھوں نے دولت کی خاطر اپنے ملک سے غداری کی ہے۔ ان رشوت خوروں کے خلاف جانا ہوگا جنھوں نے جائز کام کو ناجائز کردیا اور ناجائز کو جائز بنادیا۔ پاکستانی عوام نے جنرل راحیل شریف سے بہت سی امیدیں باندھی ہوئی ہیں۔ وہ ان کو اپنا مسیحا ماننے لگے ہیں۔

جنرل صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اگر تمام پارٹیوں کے سربراہان اپنے سمیت اپنی اپنی پارٹی سے گند صاف کردیں تو ملک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا۔ پاکستان کا پیسہ ملک سے باہر نہیں جاسکے گا۔ کوئی لیکس پاکستان کو بدنام نہیں کرسکے گا۔ کوئی گرل بیگ بھر کر کرنسی پاکستان سے باہر نہیں لے جاسکے گا۔ صرف پہلا قدم اٹھانے کی دیر ہے پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے بشرطیکہ قدم رکنا نہیں چاہیے۔

لیبر ڈے "نام کا"

یکم مئی مزدوروں کا عالمی دن کے حوالے سے جانا پہچانا جاتا ہے لیکن ہمارے لیے یہ ایک چھٹی سے زیادہ اہم نہیں۔ ہم لوگ اس دن اپنی فیملی کے ساتھ موج مستی کرتے ہیں۔مزدور پر کیا گزر رہی ہے یا اس کا بسر اوقات کیسے ہو رہا ہے ان سے ہمیں یا ہمارے حکمرانوں کو کوئی فکر نہیں۔ مزدور کی زندگی میں کیسے کیسے نشیب وفراز آتے ہیں یہ وہ جانتا ہے یا اس کا خدا۔یکم مئی کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں محنت کشوں (مزدوروں) کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ ہر سطح پر مزدوروں کے حق میں آواز بلند کی جاتی ہے۔وہ لوگ جو ایک منٹ کی گرمی.برداشت نہیں کر سکتے وہ مزدور کے حق میں ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے وہ خود ساری زندگی مزدوری کرتے رہے ہوں حالانکہ انہیں مزدوری کا الف ،ب کا بھی نہیں پتا۔ایسے لوگوں کو کیا معلوم مزدور کی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔؟

آج کا مزدور ایک چکی میں نہیں بلکہ دو چکی میں پس رہا ہے۔ اس کا پسینہ ایسے جراثیم سے پاک ہوتا ہے جیسے منرل واٹر۔آج کے دور میں جتنی زیادتی مزدور طبقے سے ہو رہی اتنی کسی کے ساتھ نہیں۔مزدور کی زندگی ایک گدھے کے.برابر ہے۔ ایک جانور کی طرح مزدور سے کام لیا جارہا ہے۔ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی کہ

بہت سی فیکٹریوں میں دن میں 16-16 گھنٹے کام لیا جاتا ہے اور تنخواہ وہی آٹھ گھنٹوں کی دی جا رہی ہے۔اوورٹائم کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مزدور کی ملازمت کا فیصلہ مالک کی صوابدیدی پر ہوتا۔ وہ جس کو چاہتا ہے ملازمت پر رکھتا اور جس کو چاہتا ملازمت سے ہٹا دیتا ہے۔ ہفتے میں مسلسل سات دن کام کرنا پڑتا ہے اگر چھٹی کرنی ہے تو تنخواہ میں سے کٹوتی ہوتی ہے۔ چھٹی نام کی کوئی گنجائش نہیں ۔

حکومت نے مزدور کی تنخواہ کم از کم تیرہ ہزار روپے مقرر کی ہوئی ہے مگر آج کل اکثر صنعتی اداروں میں ورکرز کو ٹھیکہ داری نظام کے تحت دس ہزار روپے تنخواہ دی جا رہی ہے۔ اوپر کا تین ہزار ٹھیکہ دار اور فیکٹریوں کے کرتا دھرتا مل کر ہضم کر رہے ہیں۔مزدور کے حالات کو کرسی پر بیٹھنے والے نہیں سمجھ سکتے۔ مزدوری کرنا کوئی جرم نہیں مگر مزدور کا حق مارنا بہت بڑا جرم ہے۔ مزدور میں وہ ہنر مند ہاتھ شامل ہیں جنہوں نے محلوں سے لیکر مسجدیں تک بنائیں۔ جنہوں نے سکول سے لیکر سٹیڈیم تک بنائے۔ مزدور کا دوسرا نام محنت کش ہے۔ محنت میں ہی برکت ہے۔ محنت میں ہی عظمت ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ انسان مزدوری کر کے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پال لے۔

جہاں ایک طرف بیروزگاری نے اپنے جھنڈے گاڑھے ہوئے ہیں ادھر دوسری طرف بجلی کے بحران نے بہت سے صنعتوں کو تالے لگوادیے ہیں۔ جس کی وجہ سے بیروزگاری میں مزیداضافہ ہوگیا۔ یہی نہیں ڈیلی ویجز نے مزدوروں کے چولھے بجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی۔ ٹھیکدار اپنے من پسندافراد کو یاجو کھلا پلا (مرچ مونگرالگا) دے اس کو ڈیوٹی پر رکھ لیااور باقیوں کی چھٹی کرادی جاتی ہے۔

کہاں گئے وہ لوگ جو مزدوروں کے حق کے لیے ہر سال یکم مئی کو اسمبلیوں، جلسے، جلوسوں اور ریلیوں میں بلند وبانگ دعوے کرتے ہیں۔کیاایسے لوگوں کو یہ حقوق ایک دن کے لیے یاد رہتے ہیں۔ وزیراعظم سے لیکر وزراتک، ایم این اے لیکر یونین چئیر مین تک اور مزدور یونین، این جی اوز اس دن کی نوعیت سے پروگرام مرتب کرتے ہیں اور پھر ان کے حقوق کے لیے ایسی تقریر کرتے ہیں کہ مزدور لوگ تالیاں بجا کر اپنے ہاتھ تھکا لیتا ہے۔

پچھلے سال یکم مئی کو میں نے خود مختلف فیکٹریوں، بھٹوں اور ہوٹلوں کی وزٹ کی جہاں پر روزمرہ کی طرح کام جاری تھا۔ کسی مزدور کو کوئی رعایت نہیں تھی۔ نہ کوئی اوورٹائم تھااور نہ کوئی اضافی چارج۔ جب ان مزدوروں سے پوچھا گیا کہ آج تو انٹرنیشنل چھٹی اور تمھارا عالمی دن ہے تو ایک ہی جواب ملا کہ ہم ڈیلی ویجز پر ہیں اگر کام نہیں کریں گے تو گھر کا چولھا کیسے چلے گا؟ادھر

بڑے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ بچوں کو بھی کام کرتے دیکھا جو سراسر چائلڈ لیبر کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔

ایک طرف چائلڈ لیبر کا نعرہ بلند کیا ہوا اور دوسری طرف کسی بھی صنعتی یونٹ میں جا کر دیکھ لو وہاں پر بچوں کی بھرمار نظر آئی گی۔ چائلڈ لیبر کا قانون صرف نام کے لیے ہے پر اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر قانون پر عملد درآمد کیا جائے تو اس کا سارا کا سارا نقصان امراء کا ہے۔ بچے آج بھی اسی طرح فیکٹریوں، بھٹوں، ہوٹلوں اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں کام کر رہے ہیں مگر کسی کو ان کا خیال نہیں کیونکہ بچے کم تنخواہ پر کام کرتے ہیں جس کا فائدہ امیر لوگوں کو ہوتا ہے۔ امیروں کو کوئی فرق نہیں پڑھتا کہ غریب کا بچہ سکول میں پڑھے یا نہ پڑھے مگر ان کے اپنے بچے تو بڑے بڑے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں اور بیرون ممالک میں پڑھ رہے ہیں۔

کب غریبوں کی سنی جائے گی؟ کب امیر اور غریب کا بچہ ایک جیسی تعلیم حاصل کر سکے گا؟ کب محنت کش، مزدور کو اس کا حق ملے گا؟ کب ہمارے حکمران مزدور کی تنخواہ ان کے اخراجات کے مطابق دیں گے۔ ہے کوئی حکمران، بیوروکریٹ اور سیاستدان جو ان سوالوں کا جواب دے۔ بس ہمیں معلوم ہے کہ ہر سال ہم یکم مئی کو مزدور کے نام چھٹی انجوائے کریں گے اور مزدور ہر سال کی طرح بس دو وقت کی

روٹی کے لیے در در ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔ بقول شاعرہ کے

آج بھی ہے اپنا دن، آج بھی ہیں ہم مجبور
افسروں کی چھٹی ہے کام پر ہیں سب مزدور

سرعام اقرار

صحافت کسی بھی معاملے پر تحقیق اور پھر اسے پرنٹ یا الیکٹرونکس میڈیا کی شکل میں قارئین، ناظرین یا سامعین تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے۔ صحافت پیشے سے منسلک لوگوں کو صحافی کہتے ہیں۔ صحافت زندگی کا چوتھا ستون ہے۔ صحافت کو مقدس پیشہ بھی کہا جاتا ہے۔ صحافت ایک آواز ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر تک، ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچائی جاتی ہے۔ صحافت جس رفتار سے ترقی کررہی ہے اتنی ترقی شاید ہی کوئی کررہا ہو۔ صحافت جو ایک مقدس پیشہ ہے مگر اس مقدس گائے کو بھی چند لوگوں نے ذلیل ورسوا کیا ہوا ہے۔

پاکستان میں صحافت کا خطرناک حد تک استعمال کیا جارہا ہے مگر پاکستانی صحافت میں کرپشن اور غیر ذمہ داری کے اعداد وشمار آج تک سامنے نہیں آئے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو بہت جلد عام لوگوں کا اعتماد صحافت سے مکمل طور پر اٹھ جائے گا جو جزوی طور پر پہلے ہی اٹھ چکا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ لوگوں کی راہنمائی کا حق صرف اسی کو حاصل ہے کہ جس کا اپنا دامن مکمل صاف ہو۔ غلطی ہو سکتی ہے مگر غلطی کو بار بار دہرانا غلطی شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں آزادی اظہار پر پابندیاں ضرور رہی ہیں مگر گزشتہ عشرے سے

ملنے والی آزادی کو ہمارے میڈیا نے جس طرح "کیش" کرانے کی کوشش کی ہے اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

آج صحافت میں آنے کے لیے خاص محنت نہیں کرنا پڑتی۔ چند سو روپوں کی خاطر ایک کارڈ نما ہتھیار تھما دیا جاتا ہے جس کو دوسری زبان میں لائسنس بھی کہا جاسکتا ہے۔آج نظر اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو بہت سے دیہاتوں اور شہروں میں ایسے صحافی ملیں گے جو صحافت کی الف ب سے واقف نہیں مگر ان کے پاس کسی نہ کسی روزنامے، ہفت روزہ یا پندرہ روزہ کا کارڈ ہوگا۔ ان خبر لکھنی آئے یا نہ آئے مگر بندے کو بلیک میل کرنے کا فن ضرور آتا ہوگا۔ پاکستان میں چھوٹے چھوٹے اتنے اخبارات مارکیٹ میں آگئے ہیں کہ ان کے نام بھی یاد نہیں۔

ایک بار مجھے ایک ایسے سرراہ ایک ایسے صحافی سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کے اپنے قومی شناختی کارڈ پر دستخط کی بجائے انگوٹھا لگا ہوا تھا۔ جب میں نے پوچھا کہ بھائی آپ دستخط کی جگہ انگوٹھا کیوں لگایا بے شک انگوٹھا لگانا بھی ضروری ہے مگر آپ؟ اس نے جواب دیا بھائی نام نہیں لکھنا آتا اس لیے ادھر بھی انگوٹھا لگا دیا جبکہ اس کے پاس میں نے ایک پریس کارڈ بھی دیکھا تو پھر پوچھا کہ بھائی یہ کارڈ کس کا ہے؟ جواب ملا بھائی میرا ہے اور بڑے فخر سے جواب دیا کہ میں اس (لوکل) نیوز پیپر کا نمائندہ ہوں۔ مجھے یہ دیکھ

کر بہت دکھ ہوا کہ پریس کارڈ بنانے والے ہی دیکھ لیتے کہ اس بندے کا صحافی بننے کا معیار ہے بھی کہ نہیں؟

درحقیقت بہت سے لوگ صحافت میں اس لیے نہیں آتے کہ انہوں نے پاک صاف صحافت کرنی ہے بلکہ وہ اس لیے آتے ہیں کہ اپنے دو نمبر کام کو صحافت کے لبادے میں ڈھانپ سکیں۔ ایسے نام نہاد صحافی حقیقی صحافیوں کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ صحافت میں اس لیے بھی آتے ہیں کہ ان علاقے میں پروٹوکول ملے۔ ہر محکمے میں سلام دعا رہے تاکہ کام کرانے میں آسانی رہے۔ بہت سے صحافیوں نے آزاد صحافت اور مقدس صحافت کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں اور بہت سے آج بھی کرپٹ لوگوں کے درمیان سیسہ پلائی بن کر کھڑے ہیں۔

پاکستان کے ایک نجی ٹی وی چینل اینکر اقرار الحسن کو سندھ اسمبلی میں پستول لانے کے الزام میں حراست میں لے لیا گیا۔ چینل انتظامیہ کا کہنا ہے کہ اقرار نے اسمبلی کی سیکورٹی انتظامات کا پول کھولا ہے، جبکہ سندھ کے وزیر داخلہ سہیل انور سیال نے اسلحہ لیکر اسمبلی میں آنے کے الزام میں اقرار الحسن کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ معاملہ اس وقت میڈیا کی توجہ کا مرکز بنا جبکہ اجلاس کے دوران مہمانوں کی گیلری میں موجود اقرار الحسن نے از خود کھڑے ہو کر اسپیکر آغا سراج درانی کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ان کے قریب جو شخص

بیٹھا ہے اس کے پاس اسلحہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے برابر بیٹھے شخص کی شلوار سے ایک پستول باہر نکالا جسے عملے کی مدد سے اسپیکر کی نشست تک پہنچایا گیا۔ پستول خالی تھا، اس کی تصدیق آغار سراج درانی نے میگزین چیک کرنے کے بعد کی۔

اس کے بعد اس موضوع پر نئی بحث چھڑ گئی۔ ہر کوئی اپنی سوچ کے مطابق تبصرہ کرنے لگا۔ ممکن ہے کہ سیکورٹی ناقص ہو مگر یہ بھی حقیت ہے کہ وی آئی پی کلچر آڑے آنے کی وجہ سے نامور صحافیوں کو چیک ہی نہ کیا جاتا۔ ہمارے وی آئی پی کلچر میں کسی سے چیک کرنا تو دور کی بات اس سے پوچھنا بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ اقرارالحسن نے جو کیا اس کی سوچ اپنی جگہ مثبت تھی مگر اس اقدام سے نام نہاد صحافی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے ۔ کوئی بھی دو نمبر کام کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ٹھیک اور اگر پکڑے گئے تو چیک کرنے" کا نام دیکر بچ نکلیں گے۔ قانون تو سب کے لیے ایک ہوتا ہے مگر" ہمارے یہاں امیروں اور غریبوں میں فرق ڈالا ہوا ہے۔

صحافت معاشرے کا اہم ستون ہے اور ہمارے صحافت سے وابستہ لوگوں کو اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی عوام کے لیے شفاف آئینہ دکھانا چاہیے۔ ہمیں اپنی ذات کو سرفہرست نہیں رکھنا بلکہ ملکی سالمیت اور ملک کی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے

اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا ورنہ ایک دن یہ چوتھا ستون اور مقدس پیشہ ملک لوٹنے،
توڑنے اور برباد کرنے والوں کا غلام بن کر رہ جائے گا۔ ابھی کل ہی آزاد صحافت کا
عالمی دن منایا گیا ہے اور ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ ہم صحافت کے ذریعے دودھ کا دودھ اور
پانی کا پانی الگ کریں گے۔ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہنے سے کبھی گریز نہیں کریں
گے۔

میں حاجی باقی پاجی

پاکستان میں پانامہ لیکس نے کافی ہلچل مچا رکھی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پانامہ لیکس نے پاکستانی سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ اور بہت سے بیوروکریٹ اور بزنس مینوں کے کالے کارنامے شو کرادیے ہیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔ وہ سرمایہ جو پاکستانی عوام کے علم میں نہیں تھا وہ شیشے کی طرح سامنے آگیا ہے مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ یہ امیر لوگ اب بھی بڑی دیدہ دلیری سے اپنے آپ کو پارسا بنانے میں مصروف ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بڑی سیاسی پارٹیوں کے کئی راہنما پانامہ لیکس کی زد میں ہیں مگر یہ پارٹیاں اپنے اپنے ممبران کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ کسی سیاسی پارٹی میں دم خم نہیں کہ وہ اپنے ممبران کے خلاف ایکشن لے سکیں۔ چور مچائے شور کے مترادف تمام سیاستدان بس ایک دوسرے کے خلاف میڈیا تک محدود ہیں۔

پانامہ لیکس کی پہلی قسط میں جہاں شریف فیملی، رحمان ملک، سیف اللہ فیملی اور جنگ گروپ کے میر شکیل الرحمٰن سمیت بہت سے لوگ شامل تھے مگر زیادہ شور شرابا شریف فیملی کے خلاف جاری ہے۔ جہاں اس فیملی کے ممبران کی اپنی پراپرٹی کے متعلق متضاد بیان بھی سامنے آئے۔

پانامہ لیکس نے "آف شور" کمپنیوں کے پیچھے کارفرما بڑے بڑے سیاستدانوں اور شخصیات کا انکشاف اپنی دوسری قسط میں بھی کر دیا ہے۔ جس میں چار سو زائد پاکستانیوں کے نام شامل ہیں جن کے نام دو سو سے زائد آف شور کمپنیاں ہیں۔ یہ آف شور کمپنیاں برٹش ورجن آئی لینڈ، بہاماس اور پاناما میں بنائی گئیں۔ برٹش ورجن آئی لینڈ میں 153 پاکستانیوں کی کمپنیاں ہیں۔ پاناما لیکس کے مطابق پاکستان میں سیف اللہ خاندان سب سے زیادہ آف شور کمپنیوں کا مالک ہے۔ سیف اللہ خاندان کے سات افراد 30 سے زائد کمپنیوں کے مالک ہیں۔ ان میں جاوید سیف اللہ کا پہلا نمبر ہے جن کی 17 آف شور کمپنیاں ہیں۔ جہانگیر ترین، علیم خان کے علاوہ عمران خان کی بہنیں بھی آف شور کمپنیاں رکھے ہوئے ہیں۔

بہت سے لوگوں کو آف شور کمپنی کے متعلق معلومات نہیں۔ وہ اکثر دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ آف شور کمپنیاں کیا ہیں؟ یہ کس قانونی حیثیت کی حامل ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ برطانیہ، ماریشس اور قبرص سمیت لاطینی امریکہ کے کئی ممالک نے اپنے ساحلوں سے دور جزائر میں بیرونی سرمایہ کاری کے حصول کے لئے آف شور کمپنیاں قائم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ ایسی کمپنیوں کے اصل مالکان پس پردہ رہتے ہیں۔ ان ممالک نے یہ کمپنیاں ایسے علاقوں یا جزائر میں قائم کرنے کی قانونی اجازت دے رکھی ہے جہاں ان کے ٹیکس کے قواعد و ضوابط

اور قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔دوسرے لفظوں میں آف شور کمپنیوں میں لگایا گیا سرمایہ ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔

ابھی پاکستان میں ان ٹیکس چوروں اور ملک سے پیسہ باہر بھیجنے والوں کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آیا مگر ہمارے خان لالا جو حکومت کے خلاف محاذ کھولنے یا دھرنا دینے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں انہوں نے عوام کو بیدار کرنے کے لیے ملک کے کئی شہروں میں کرپشن کے خلاف جلسے بھی کرڈالے ۔ نواز شریف کو دھمکی بھی دے ڈالی کہ اس نے استعفیٰ نہ دیا تو جاتی عمرہ طواف کے لیے پہنچ جائیں گے۔

دوسری طرف پیپلزپارٹی کے بلاول زرداری بھی حکومت کو وارننگ پر وارننگ دے رہے ہیں۔افسوس اس بات کا ہے کہ یہ دوسروں کو تو دھمکیاں دے رہے ہیں مگر اپنے ممبران کا ذکر کہیں نہیں کررہے جو اس پانامہ لیکس میں شامل ہیں۔

عمران خان نے بھی آف شور کمپنی بنانے کا اعتراف کرلیا۔عمران خان نے آف شور کمپنی نیازی سروسز لمیٹڈ 1983 میں رجسٹرڈ کروائی گئی اور نیازی سروسز لمیٹڈ کو بارکلز پرائیویٹ لمیٹڈ بینک اینڈ ٹرسٹ کی معاونت حاصل تھی۔ کپتان نے آف شور کمپنی برطانیہ کے آئی لینڈ میں رجسٹرڈ کروائی۔ یہ آئی لینڈ ٹیکس بچانے والی کمپنیوں کی رجسٹریشن کا بڑا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔

بقول خان صاحب میں برطانیہ کا شہری نہیں تھا اس لیے میرے اکاؤنٹ نے مجھے بتایا کہ اگر فلیٹ اپنے نام پر لیا تو پورا ٹیکس دینا پڑے گا اس لیے برطانیہ میں آف شور کمپنی بناؤں جو 1983 میں قائم کی اور اسی کمپنی کے تحت آف شور فلیٹ خریدا جو میرا حق تھا کیونکہ مجھے برطانیہ میں پورا ٹیکس نہیں دینا تھا اگر فلیٹ اپنے نام پر رکھتا تو وہاں ٹیکس دینا پڑتا۔

اب سوال یہ ہے کہ جو شخص خود ٹیکس چوری میں ملوث ہو یا دولت حاصل کرنے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہو تو وہ دوسروں کی کرپشن پر کیسے انگلی اٹھا سکتا ہے؟ کیا ملک میں کرپشن کرپشن ہوتی ہے اور دوسرے ملک میں کرپشن کرے تو وہ کرپشن نہیں۔

خانصاحب کے متوالے بڑی دیدہ دلیری سے بول رہے ہیں کہ عمران خان نے خود اعتراف کیا کہ انہوں نے آف شور کمپنی بنائی جو بہت بڑی بات ہے۔ میرا سوال ان صاحبان سے یہ ہے کیا کوئی آدمی کسی کو قتل کرکے اعتراف کرلے کہ اس نے فلاں قتل کیا ہے تو کیا وہ پاکدامن بن جاتا ہے۔ کیا اس وہ سزا سے بچ سکتا ہے؟

خدارا ایسے کرپٹ لوگوں سے اس ملک کو بچاؤ جو اپنے مفاد کے لیے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کا کبھی ساتھ نہیں دینا چاہیے جو

کرپشن میں ملوث ہیں خواہ وہ کسی بھی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں بلکہ ان پارٹیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دامن میں لگے ایسے بدنما داغوں کو دھودیں تاکہ کوئی ان پر انگلی نہ اٹھاسکے۔

شبِ برات "قسمت کی رات"

شعبان کے مہینے کی پندرہویں رات کو شبِ برات کہا جاتا ہے شب کے معنی ہیں رات اور برات کے معنی قسمت کے۔ چونکہ اس رات مسلمان توبہ و استغفار کرکے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بے شمار مسلمان جہنم سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اس لیے اس رات کو شبِ برات کہتے ہیں۔ اس رات کو عربی میں لیلۃ المبارک یعنی برکتوں والی رات اور رحمت نازل ہونے کی رات بھی کہا جاتا ہے۔ اسے تقسیمِ امور کی رات بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس رات میں زندہ رہنے والے، فوت ہونے والے اور حج کرنے والے سب کے ناموں کی فہرست تیار کی جاتی ہے اور جس کی تعمیل میں ذرا بھی کمی بیشی یا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ اِس شب کی بے شمار خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ زم زم کا پانی بڑھ جاتا ہے، ہر اَمر و نہی کا فیصلہ ہوتا ہے، بندوں کی عمر، رزق، حوادث، مصائب و آلام، خیر و شر، رنج و غم، فتح و شکست، ذلت و عزت، قحط سالی و فراوانی، غرضیکہ کے تمام سال میں ہونے والے افعال اِس شب مبارکہ میں اُس محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو سونپے جاتے ہیں جس پر آئندہ سال عمل کرتے ہیں۔

یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امور تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں پھر اس شب میں ان کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امور بلاشبہ لوح محفوظ میں تحریر ہیں لیکن اس شب میں مذکورہ امور کی فہرست لوح محفوظ سے نقل کرکے ان فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام سونپا جاتا ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتی ہو کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمایئے۔ ارشاد ہوا آئندہ سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ سب اس شب میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور جتنے لوگ آئندہ سال مرنے والے ہوتے ہیں وہ بھی اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا مقررہ رزق اتارا جاتاہے۔

چونکہ اس رات گذشتہ سال کے تمام اعمال بارگاہِ الہی میں پیش ہونے اور آئندہ سال ملنے والی زندگی اور رزق وغیرہ کے حساب کتاب کی رات ہے اس لیے اس رات میں عبادت الہی میں مشغول رہنا رب کریم کی رحمتوں کے مستحق ہونے کا باعث ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

یہ مغفرت کی رات بھی ہے۔ شبِ برات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے شمار لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ زیادتی کریں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جب شعبان کی پندرہویں شب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ اس کے گناہ بخش دوں، ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ اسے عطا کروں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو

مانگا جائے وہ ملتا ہے۔ وہ سب کی دعا قبول فرماتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا پر نازل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی مغفرت کا طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے مصیبت سے نجات دوں، یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

نیک و متقی لوگوں کا یہ حال ہے جو ہر رات شبِ بیداری کرتے ہیں اور تمام دن اطاعتِ الٰہی میں گزارتے ہیں جب کہ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بدنصیب ہیں جو اس مقدس رات میں فکر آخرت اور عبادت و دعا میں مشغول ہونے کی بجائے آتش بازی پٹاخے اور دیگر ناجائز امور میں مبتلا ہو کر اس مبارک رات کا تقدس پامال کرتے ہیں۔

حالانکہ آتش بازی اور پٹاخے نہ صرف ان لوگوں اور ان کے بچوں کی جان کے لیے خطرہ ہیں بلکہ ارد گرد کے لوگوں کی جان کے لیے بھی خطرے کا باعث بنتے ہیں اور یہ شیطانی عمل ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ایسے گناہ کے کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور بچوں کو سمجھائیں کہ ایسے لغو کاموں سے اللہ تعالٰی اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے اور فضول نہ اڑا بے شک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں "۔ (بنی" اسرائیل)

اٹھو! اے مسلمانوں اور دوڑو اپنے ربّ کی طرف کہ آج سرِ شام سے مغفرت کی ندائیں ہورہی ہیں، منالو اپنے ربّ کو کہ یہ موقعہ ہے لُوٹ لواِس رات کی عطائیں اور نوازشیں کہ پھر نہ جانے اگلے سال یہ موقعہ ملے نہ ملے۔اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اِس فضل و کرم سے کتنا اپنا دامن بھرتے ہیں۔آیئے آج اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس رات میں اپنی اطاعت و عبادت اور توبہ و استغفار کی توفیق کے ساتھ اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا موقع عطا فرمائے اور ہم پر اپنی رحمت و عطا کے دروازے کھول دے (آمین)

جب پاکستان ناقابل تسخیر بنا

مسلم لیگ نے قائداعظم کی انتھک کوششوں سے پاکستان بنایا اور مسلم لیگ کے ہی دور میں ایٹمی دھماکے کیے۔یہ قدرت کا کرشمہ ہے یا ایک حقیقت کہ پاکستان بنانے والی اور پاکستان کو ناقابل تسخیر بنانے والی جماعت مسلم لیگ بنی۔پاکستان بننے سے لیکر آج تک پاکستان کے دشمنوں کی نظریں پاکستان کو برباد کرنے پر جمی ہوئی تھیں۔انڈیا نے ایٹمی دھماکے کرکے پاکستان کو زیر کرنے کی ناکام کوشش کی مگر جذبہ حب الوطنی نے اس وقت کے حکمرانوں کو امریکہ یا انڈیا کے سامنے جھکنے نہ دیا اور بھارت کے مقابلے میں اس سے زیادہ دھماکے کرکے دشمن کی میلی آنکھ اٹھنے سے پہلے ہی پھوڑ ڈالی۔

28 مئی یوم تکبیر کے طور پر پاکستان میں انہی دھماکوں کی یاد میں منایا جاتا ہے اور 14 اگست 1947ء کے بعد یہ دوسرا قومی دن ہے کیونکہ 14 اگست کو پاکستان بنا تھا اور 28 مئی کو پاکستان نے اپنی بقا کی جنگ جیتی تھی۔یہ دونوں دن پاکستان کے سب سے تاریخی اور اہمیت کے حامل ہیں۔انڈیا کے ایٹمی دھماکوں کے بعد اس کے ساتھیوں نے پاکستان پر بہت دباؤ ڈالا کے وہ ایٹمی دھماکے نہ کرے تاکہ ساری زندگی بھارت کا غلام رہے مگر اس وقت کے حکمرانوں نے عالمی دباؤ

کو یکسر مسترد کرتے ہوئے ایٹمی دھماکے کر دیے۔ ہمارے حکمرانوں کو بہت لالچ دیے، اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن نے پانچ ٹیلی فون کالیں کی اور پانچ ارب ڈالر پیکیج کا لالچ بھی دیا مگر ہمارے حکمرانوں نے اس کو بھی ٹھکرا دیا۔ یہ لوگ یقیناً اس بات سے ناواقف تھے کہ جذبہ حب الوطنی میں سرشار پاکستانیوں کو نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ لالچ دیا جاسکتا ہے۔

28 مئی 1998 کے روز سہ پہر تین بج کر سولہ منٹ پر چاغی میں ایک بٹن دبا کر پاکستان کو عالم اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بنا دیا گیا۔ میاں محمد نواز شریف نے وطن عزیز کو ناقابل تسخیر بنانے کا یہ دلیرانہ قدم اُٹھا کر مسلم ممالک کو بھی راہ دکھائی کہ وہ بھی ایک تاریخ ساز قدم اُٹھا کر دنیا میں فخر سے سربلند کرلیں۔ یہ پاکستانی قوم کے خوابوں کی تعبیر کا دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو دشمن اسلام اور دشمن پاکستان کے سامنے سپر پاور بنا دیا جس کا کریڈٹ صرف ذوالفقار بھٹو، میاں محمد نواز شریف اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور انکی ٹیم کو جاتا ہے، جنھوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھی اور پایا تکمیل پہنچایا۔ جس کی بدولت آج ہمارا دشمن ہماری طرف آنکھ اٹھانے کی کوشش نہیں کرسکتا۔

میاں محمد نواز شریف کے ساتھ پوری پاکستانی قوم کی طاقت تھی اور بہادر افواج

بھی تھی جس نے جتنے بھی دباؤ آئے ان کا باوقار انداز میں سامنا کیا اور قومی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مقروض اسلامی ملک کو بھی ایٹمی قوت بنادیا مگر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ جس وقت نواز شریف کی حکومت کا دھڑن تختہ کیا تو بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر فوج لگا دی تھی تو اس وقت یہ ہماری ایٹمی قوت ہی تھی جس کی بدولت بھارت کو حملے کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ دنیا یہ جانتی ہے کہ وقت پڑنے پر پاکستان اپنے دفاع کی خاطر یہ طاقت استعمال کر سکتا ہے جو کہ خطے میں تباہی کا باعث بنے گا یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام بڑی قوتیں بھارت کو پاکستان کیخلاف جارحیت کی غلطی سے روک رہی ہیں کیونکہ اس جنگ کا حتمی انجام بھارت کی مکمل تباہی ہوگا۔

ذکر اس ہیرو کا جس کی بدولت آج ہم دنیا میں سر اٹھا کر جی رہے ہیں مگر وہ شخصیت آج بھی مفاد پرست حکمرانوں کی وجہ سے خاموشی سے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔

بھارت نے پہلی بار 1974 میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں ملازمت کر رہے تھے مگر اپنے سینے میں پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور کر دینے کی تڑپ رکھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت کے حاکم ذوالفقار بھٹو کو ایک خط تحریر کیا تو بھٹو نے انہیں وطن واپس بلوالیا۔ 1975 میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہالینڈ میں تیس ہزار ماہانہ کی تنخواہ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ بھٹو نے کہوٹہ لیبارٹری کا سنگ

بنیاد رکھ دیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پہلی تنخواہ چھ مہینے بعد دی گئی جو صرف تین ہزار ماہانہ تھی۔ انہوں نے ملکی مفاد کیلئے قلیل تنخواہ پر کام جاری رکھا اور پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا کر دم لیا۔ بھارت کے ایٹمی سائنسدان بھارت کے صدر کے عہدے پر فائز رہے اور ہمارے سائنسدان گمشدگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟
امریکہ سنٹرل کمانڈ کے سابق کمانڈر جنرل زینی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے پاکستان کو " ایٹمی دھماکوں سے روکنے کیلئے صدر کلنٹن نے اعلیٰ سطحی وفد اسلام آباد بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے اس وفد کو پاکستان کی سرزمین پر اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ سنٹرل کمانڈ کا بوئنگ 707 ٹمپا کے ہوائی اڈے پر تیار کھڑا تھا امریکیوں کے بار بار رابطے کے باوجود پاکستان کی طرف سے انکار جاری رہا۔
پاکستان میں امریکی وفد نے وزیراعظم نواز شریف سے متعدد ملاقاتیں کیں لیکن ایٹمی دھماکے نہ کرنے کی بات منوا نہ سکے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عالمی قوتوں کا اصل ہدف صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خان نہیں ہے بلکہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے۔
اسرائیل کا ایٹمی پروگرام امریکہ اور اسکے حواریوں کو نظر نہیں آتا شمالی کوریا ایٹمی دھماکہ کرے تو بھی تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے باوجود امریکہ اسکے ساتھ مزید ایٹمی تعاون کا معاہدہ کرتا ہے

لیکن پاکستان ان سب کوزیادہ کھٹکتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان ملک ہے۔
آج جب پاکستان میں یوم تکبیر کے دن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے مگر عوام کو یہ دن مناتے ہوئے کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود امریکہ کے آگے جھکنے پر مجبور ہیں۔ امریکہ کھلم کھلا ہمارے قوانین کی دھجیاں اڑا رہا ہے ۔ ڈرون حملے کر رہا ہے، بھارت ہمارے ملک میں دہشتگردی کرا رہا ہے جس کا منہ بولتا ثبوت را کے ایجنٹوں کا پکڑا جانا ہے مگر کبھی کسی غیر مسلم طاقت نے پاکستان کا ساتھ نہیں دیا۔ آیئے اس بار یوم تکبیر کے دن یہ عہد کریں کہ ہم امریکہ، بھارت اور وہ ممالک جو اسلام اور اسلامی ممالک کے خلاف ہیں ان سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور اگر کوئی ہمارے یا ہمارے مسلم ممالک کی طرف میلی آنکھ اٹھائے گا تو اس کو ہم مسلم ممالک ملکر سبق چکھائیں گے۔ انشا اللہ

رمضان"رحمت اور مغفرت کا مہمان "

امت مسلمہ کو مبارک ہو کہ ان کی زندگی میں ایک بار پھر ماہ صیام آرہا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کا شدت سے انتظار کرتے ہیں اور پھر بھرپور اہتمام کیساتھ روزے رکھتے ہیں۔بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کو اپنی زندگی میں پاتے تو ضرور ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ۔ان کے نصیب میں نہ روزے ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس ماہ میں نیکیوں کی سیل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں بلکہ اپنے لیے جہنم کی آگ مزید بڑھاتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لیے خوشی کا مہینہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ "ریان" ہے جس میں سے صرف روزہ دار داخل ہونگے۔انسان ہی نہیں اس ماہ ہر جاندار، فرشتے اور جنات سب اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تاکہ وہ ان نیکیوں کے بہتے ہوئے سمندر میں نہا کر اپنی آخرت کو جہنم کی آگ سے بچالیں اور اپنے رب کو راضی کرکے جنت کے حقدار بن جائیں۔ رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے ۔اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اور اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نیکیوں کا پہاڑ کھڑا کرا دیتے ہیں۔ اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ ان نیکیوں کے پہاڑ سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟

رمضان المبارک ایک برکتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو خود اجر دیتے ہیں اوراس ماہ میں اللہ تعالٰی نیکیوں کی سیل لگا دیتے ہیں۔اب یہ مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ اس سیل سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے؟اگر دنیاوی چیز کی سیل لگ جائے تو ہر شخص اس طرف بھاگتا ہے اور ادھر سے ایک چیز کے بجائے کئی کئی چیزیں لے لیتا ہے۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا مہمان اور اللہ کا محبوب مہینہ جس میں اللہ تعالٰی خود مسلمان کواجر و ثواب دیتے ہیں اس سے کون کون فائدہ اٹھاتا ہے۔

دنیاکے کسی بھی گوشہ میں جہاں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ کسی بھی ملک و مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ہر جگہ اور ہر طرف ان پر سعادت و برکت کی رحمت کا نزول شروع ہوجاتا ہے۔روزے کے ساتھ قیام ، رکوع و سجود، دعاؤ مناجات اورتلاوت قرآن پاک کے عملیات شروع ہوجاتے ہیں۔اس ماہ مبارک کی آمد کا یہی وہ مبارک دن تھاجب تقریبا" پندرہ سو سال قبل مسجد نبوی کے منبر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ خوش خبری سنائی تھی۔

لوگو ! خدا کا مہینہ برکت و رحمت اور مغفرت کے ساتھ تمہاری طرف آ رہا ہے وہ " مہینہ جو خدا کے نزدیک بہترین مہینہ ہے جس کے ایام بہترین ایام جس کی

راتیں بہترین راتیں ہیں اور جس کی گھڑیاں بہترین گھڑیاں ہیں، (اس مہینہ میں) تمہاری سانسیں ذکر خدا میں پڑھی جانے والی تسبیح کا ثواب رکھتی ہیں تمہاری نیندیں عبادت، اعمال مقبول اور دعائیں مستجاب ہیں اپنے پروردگار کے سامنے سچی نیتوں اور پاکیزہ دلوں کے ساتھ روزہ رکھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی توفیق کی دعا کرنی چاہیے وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جو اس عظیم مہینے میں خدا کی ان برکات سے بہرہ مند نہ ہوسکے''۔

اس مہینے کی بھوک اور پیاس کے ذریعے روز قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو بڑے کا احترام کرو اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ، زبان سے نامناسب باتیں کا پرہیز کرو، کان سے ناروا آوازیں سننے اور نگاہ ناجائز چیزیں دیکھنے سے محفوظ رکھو، یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، گناہوں سے توبہ و استغفار کرو کیونکہ آخر سب انسان کو خدا کے پاس پلٹ کر واپس جانا ہے۔

رمضان المبارک میں نیکی کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ مومن انسان کے لئے بھلائی کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی بابرکت مہینہ میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔ اس کا پہلا حصہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے ”
دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔“ اسی ماہ کی پانچ خصوصیات کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے پانچ خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

میری اُمت کو رمضان المبارک میں پانچ ایسی خصوصیات دی گئی ہیں جو پہلی کسی بھی ”
امت کے حصہ میں نہیں آئیں:

☆ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔

☆ روز داروں کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ روزہ افطار کرلیں۔

☆ اللہ تعالیٰ روزانہ جنت کو مزین کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ”میرے نیک بندوں سے عنقریب آزمائش ختم ہوگی اور وہ تیرے اندر داخل ہوں گے۔“

☆ شیاطین کو بند کردیا جاتا ہے، وہ عام دنوں کی طرح لوگوں کو گمراہ نہیں کرسکتے۔

☆ رات کے آخری پہر لوگوں کی بخشش کی جاتی ہے۔

روزہ ایک قدیم ترین عبادت ہے اور خدا نے کسی بھی اپنی امت کو اس نیکیوں بھری عبادت سے محروم نہیں رکھا ہے۔

روزہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کا وسیلہ ہے۔. روزہ حرام کردہ اشیاء کو ترک کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں میں

روزہ بچاؤ کا سبب بنتا ہے۔ روزہ، مساکین پر رحمت، مہربانی اور نرمی کرنے کا باعث ہے۔اس لیے کہ جب روزہ دار کچھ وقت کے لیے بھوکا رہتا ہے تو پھر اسے اُس شخص کی حالت یاد آجاتی ہے جسے ہر وقت ہی کھانا نصیب نہ ہوتا، تو وہ اس پر مہربانی اور رحم اور احسان کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، تو روزے کی بنا پر اس کی یہ گردش والی جگہیں تنگ پڑ جاتی ہیں جس سے وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں شیطان کا نفوذ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اللہ تعالیٰ لاتعداد لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اگرچہ پورے رمضان میں ہی نیک اعمال کی مکمل کوشش کرنا چاہیے مگر آخری دس دنوں میں خصوصی طور پر اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اتنی عبادت کرتے تھے کہ اس طرح کسی اور دنوں میں نہیں کرتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ آخری عشرہ میں راتوں کو جاگتے اور عبادتِ الٰہی کے لئے کمر باندھ لیتے اور اہل خانہ کو بھی جگا لیتے تھے۔

اللہ تعالی نے ہمیں انتہائی مختصر وقت کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ عنقریب ہی ہم خالق حقیقی کے حضور کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینے والے ہیں اس لئے ماہِ رمضان کے لئے مناسب تیاری کریں اور پورا مہینے میں بھرپور کوشش کر کے مالکِ ارض وسما کو خوش کرلیں۔

بجٹ ”میں کیا کھویا کیا پایا“

گذشتہ کئی دن سے بجٹ پر بہت بحث و مباحثہ ہو رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی سوچ اور ذہانت کے مطابق تبصرہ کر رہا تھا۔ بجٹ پر عام آدمی سے لیکر معشیت دان تک کی نظریں لگی ہوئیں تھیں۔ حکومت سے ہر فیلڈ کا آدمی بجٹ میں اپنے لیے اچھا ہونے کی امیدیں لگائے بیٹھا تھا۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بقول پنجابی محاورے کے (مجاں مجاں دی پہنا ہوندیاں نے) یعنی امیر امیر کا بھائی ہے اور وہ امیر کا ہی سوچے گا غریب کا نہیں۔ بحر حال وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار جو اس بجٹ کو بنانے میں دن رات ایک کیے ہوئے تھے کل انہوں نے آخر کار سانپ پٹاری سے باہر نکال دیا۔ اب اس بجٹ میں کس کو فائدہ پہنچا اور کس کو نقصان یہ نئی بحث چھڑ جائے گی۔ اپوزیشن میڈیا پر آ کر اپنا شور شرابا کرے گی اور حکومتی ارکان اس کا دفاع۔ آخر میں اس کا رزلٹ کیا نکلنا ہے وہ آپ سب جانتے ہیں اور یہ بجٹ باآسانی منظور ہو جائے گا۔ عوام دلدل میں جو پھنسی ہوئی ہے وہ مزید نیچے کی طرف دھکیل دی جائے گی۔ میں کسی سیاسی پارٹی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی تجزیہ نگار کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہتا ہوں کیونکہ کسی سوچ پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ میری ذاتی رائے کے مطابق یہ بجٹ بھی لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ اس میں عام آدمی کو کوئی خاص فائدہ نہیں ملا بلکہ جو کچھ بھی ملا ہے وہ

امراء کو ملا ہے۔ غریب کو تو بس آٹے میں نمک کے برابر ملا ہے۔

اب ایک نظر اس بجٹ پر جو اسمبلی میں پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے وفاقی بجٹ پیش کر دیا۔ بجٹ تقریر میں وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے فرمایا کہ معاشی استحکام کے بعد حکومت اب اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دے رہی ہے اور گزشتہ سال کے مقابلے رواں مالی سال بجٹ کے حجم میں 7 فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جاری اخراجات کا حجم 3400 ارب روپے ہے۔ نئے مالی سال 1360 ارب روپے قرض و سود کی نذر ہو جائیں گے۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے وفاق 3621 ارب روپے کی ٹیکس آمدن ہونے کی توقع کر رہا ہے ہے جبکہ سرکار کا ارادہ ہے کہ مالی سال میں بجٹ خسارے کو 1279 ارب روپے تک محدود کیا جائے۔ دفاع پر 2016-17 ارب اور ترقیاتی منصوبوں پر 800 ارب روپے خرچ ہوں گے۔ 860
توانائی منصوبوں کے لیے ڈار صاحب نے فرمایا کہ جب حکومت میں آئے تو بدترین توانائی بحران کا سامنا تھا۔ بہتر اقدامات سے لوڈشیڈنگ کی صورتحال بہتر بنائی۔ مارچ تک 10 ہزار میگاواٹ بجلی نیشنل گرڈ میں شامل کی جائے گی جس سے ملک 2018 میں جاری توانائی بحران ختم ہو جائے گا۔ وزیر خزانہ اسحاق ڈار کا کہنا تھا کہ توانائی کے شعبے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ شعبے کیلئے مجموعی

طور پر 380 ارب روپے کا ریکارڈ بجٹ رکھا گیا۔ وفاقی بجٹ میں خیبر پختونخوا میں تعمیر کئے جانے والے داسو ڈیم کے لئے 42 ارب روپے مختص کئے گئے۔ نیلم جہلم ہائیڈل کے لیے 61 ارب روپے رکھے گئے۔ ایل این جی سے بجلی پیدا کرنے کے 3 منصوبوں کیلئے ارب رکھنے کی تجویز ہے۔ دیامر بھاشا ڈیم کیلئے 32 ارب روپے رکھے گئے۔ تربیلا 60 چوتھے توسیعی منصوبہ کے لیے 16 ارب مختص کئے گئے۔ چشمہ نیوکلیئر تھری اور فور کیلئے ارب رکھنے کی تجویز ہے۔ گومل زام ڈیم کیلئے 2 ارب، کچھی کینال کیلئے 5 ارب 22 مختص کئے گئے۔ اٹامک انرجی کمیشن کیلئے 27 ارب 56 کروڑ رکھنے کی تجویز ہے۔

بلوچستان میں 100 چھوٹے ڈیموں کی تعمیر کے لئے 20 ارب روپے رکھے گئے۔ بجٹ میں ست پارہ ڈیم، نائے گاج ڈیم کی تعمیر کے لئے بھی فنڈ رکھے گئے۔ حکومت توانائی کے شعبے کو 157 ارب روپے فراہم کرے گی۔ پاور سیکٹر 253 ارب روپے کے فنڈز کا خود بندوبست کرے گا۔ واپڈا کے توانائی منصوبوں کیلئے 130 ارب روپے مختص۔ پانی کے منصوبوں کیلئے واپڈا کو 31 ارب روپے ملیں گے۔ پن بجلی کے منصوبوں کے لیے 119 ارب روپے مختص کئے گئے ہیں۔

ترقیاتی منصوبوں کیلئے وفاق نے ترقیاتی بجٹ کا حجم 875 ارب روپے رکھا ہے۔ ڈار صاحب کا کہنا تھا کہ اقتصادی راہداری تاریخی منصوبہ ہے جو خطوں کو ملائے گی جس پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ منصوبے پر 46 ارب ڈالر کی سرمایہ

کاری ہو گی۔ بجٹ میں ٹرانسپورٹ اور مواصلات کے شعبے کیلئے 260 ارب مختص کئے گئے۔ ترقیاتی بجٹ میں سب سے بڑا حصہ 188 ارب روپے این ایچ اے کو ملے گا۔ پاک چین اقتصادی راہداری کیلئے 125 ارب مختص کئے گئے۔ لاہور سے خانیوال موٹروے کیلئے 34 ارب روپے رکھے جائیں گے۔ ملتان سکھر موٹروے کے لیے 22 ارب 87 کروڑ رکھنے کی تجویز ہے۔ برہان سے ڈی آئی خان موٹروے 22 ارب روپے مختص کئے گئے۔ ریلوے کے مجموعی بجٹ کا حجم 114ارب روپے ہو گا۔ 78 ارب حکومت فراہم کرے گی جبکہ ریونیو سے 36 ارب روپے حاصل کرنے کا ہدف ہے۔ ترقیاتی بجٹ میں ریلوے کے لئے 41 ارب روپے مختص کئے گئے۔ پورٹس اینڈ شپنگ کیلئے بھی 12 ارب 80 کروڑ روپے رکھنے کی تجویز ہے۔

سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن میں دس فیصد اضافہ کر دیا گیا۔ مزدور کی کم از کم اجرت تیرہ ہزار سے بڑھا کر چودہ ہزار روپے کر دی گئی۔ سرحد پر تعینات اہلکاروں کیلئے بھی خصوصی الاونس کا اعلان کیا ہے۔۔ 85 سال سے زائد عمر کے افراد کیلئے پنشن میں پچیس فیصد اضافہ کیا ہے۔ گریڈ ایک سے پندرہ کے ملازمین کے کا واشنگ ، ڈریس الاؤنس 100 سے 150 روپے ماہانہ جبکہ کنوئنس الاؤنس میں بھی پچاس فیصد اضافہ کا اعلان کیا گیا۔ ملازمین کے کوالیفکیشن پے میں 50 فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ پاک فوج کے الاؤنس میں پانچ سو سے آٹھ سو روپے کر دیا گیا۔ خصوصی افراد کیلئے ایک ہزار روپے خصوصی

الاؤنس کا اعلان بھی کیا ہے۔ حکومت نے اسسٹنٹ کا گریڈ 14 سے بڑھا کر 16 کر دیا۔ اپر ڈویژن کلرک کا گریڈ 9 سے بڑھا کر 11 جبکہ ایل ڈی سی کی پوسٹ گریڈ 7 سے بڑھا کر 9 کر دی گئی۔

ڈار صاحب نے بجٹ میں کاشتکاروں کے لیے بڑے پیکج کا اعلان کر دیا۔ نئے بجٹ میں یوریا کھاد چار سو روپے سستی کر دی۔ بوری اب 1400 روپے کی ملے گی۔ ڈی اے پی کی بوری

روپے کمی کے بعد 2500 روپے میں دستیاب ہو گی۔ زرعی آلات پر ڈیوٹی 5 300 فیصد سے کم کرکے دو فیصد کر دی گئی۔ زرعی ادویات پر سیلز ٹیکس ختم کر دیا گیا۔ ٹیوب ویل کے لیے بجلی کا یونٹ 8 روپے کے بجائے 5 روپے 35 پیسے کا ہو گیا۔ فش فیڈ کیلئے کسٹم ڈیوٹی 5 فیصد سے کم کرکے 2 فیصد کی جا رہی ہے۔ مچھلی اور جھینگے کی خوراک پر ڈیوٹی ختم کر دی گئی اور مچھلی کے بچوں کی درآمد پر بھی کسٹم ڈیوٹی کو بھی ختم کر دیا ہے۔ قومی اسمبلی میں پیش فنانس بل کے تحت 60 ارب روپے کی ٹیکس چھوٹ ختم۔ 14 سو سے زائد اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی میں ایک فیصد اضافہ۔ صدر، وزیراعظم، گورنر، وزراء ور ججز کے لیے تنخواہ پر انکم ٹیکس کی چھوٹ برقرار۔ بینکوں سے ایک دن میں 50 ہزار سے زائد رقم نکلنے پر ٹیکس عائد۔ فنانس بل کے مطابق 508 اشیاء

پر کسٹم ڈیوٹی 15 سے بڑھا کر 16 فیصد جبکہ 9 سو اشیاء پر 10 سے بڑھا کر 11 فیصد کر دی گئی ہے۔ ایف بی آر حکام کا کہنا ہے کہ بجٹ میں 200 ارب روپے سے زائد کے ٹیکس اقدامات کیئے گئے ہیں۔ زندہ مرغی پر کسٹم ڈیوٹی میں 6 فیصد، خشک دودھ کی درآمدی ڈیوٹی پر 25 فیصد تک اضافہ کیا گیا ہے۔ گاڑیوں کے ٹائرز پر عائد 10 فیصد کسٹم ڈیوٹی ختم کی گئی ہے جبکہ ڈیری، لائیو اسٹاک اور پولٹری سیکٹر پر کسٹم ڈیوٹی 5 سے کم کر کے 2 فیصد کر دی گئی ہے۔

اس بجٹ میں عام آدمی کو کیا ملا ؟ اس کا جواب تو آپ سب کو مل گیا ہوگا۔ سال بعد مزدور کی تنخواہ میں ایک ہزار ورپے کا اضافہ۔ وہ بھی اگر دیکھا جائے تو وہ آٹھ فیصد سے بھی کم ہے۔ سرکاری ملازمین کو کیا دیا حکومت نے اپنی تنخواہوں میں تین سو فیصد تک اضافہ کیا اور ملازمین جن کے گھر کا خرچ تنخواہ پر چلتا ہے ان کو لولی پاپ دیکر بہلادیاہے۔ صدر، وزیراعظم، گورنر، وزراء ور ججز کے لیے تنخواہ پر انکم ٹیکس کی چھوٹ برقرار رکھی جارہی ہے اور عوام کے لیے مختلف اشیاء پر ٹیکس بڑھا دیا۔ کیا کھلا تضاد نہیں ؟

رمضان بازار" لوٹ مار کا بازار"

رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی پاکستان بھر میں رمضان بازار کا افتتاح کر دیا جاتا ہے۔ رمضان بازار ویسے تو حکومت کی طرف سے ایک اچھا اقدام ہوتا ہے اور یہ ہر سال لگایا جاتا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے اس رمضان بازار کو بھی سیاست کی نظر کیا جاتا ہے۔ ٹاؤن کمیٹی کے کرتا دھرتاؤں کو عوام کو لوٹنے کا ایک اور موقع دے دیا جاتا ہے۔ ٹاؤن کمیٹیوں میں ویسے بھی زیادہ تر سیاسی بنیادوں پر بھرتی کی گئی ہوتی ہے اس لیے ان کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور اگر کوئی پوچھ لے تو پھر پیچھے ایم این اے یا ایم پی اے کا ہاتھ ہوتا جس کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ اس سال رمضان بازار لگائے ابھی ایک دن نہیں گزارا تھا کہ ہر طرف سے رمضان بازار میں لوٹ مار، دو نمبر اشیاء کی فروخت کا شور برپا ہونے لگا۔ شاباش حکومت پاکستان کے جس نے ان آوازوں پر کان تک نہ دھرے بلکہ یہ ثابت کر دیا کہ حکومت کو عوام سے نے اپنی بلے بلے کرانے سے مطلب ہے۔ خواہ عوام اس بابرکت ماہ میں ان گالیاں دیکر اپنا روزہ خراب کرے مگر ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ذرا خود جا کر دیکھئے رمضان بازاروں میں کیسے اندھیر نگری اور چوپٹ راج قائم ہے۔ کسی بھی اشیاء کی کوالٹی بہتر نہیں۔ مقامی انتظامیہ اور حکومت ارکان صرف

رمضان بازاروں کے چکر لگانے اور پٹرول ذائع کرکے اپناٹی اے ڈی اے بنانے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ ان تمام چیزوں پر بے جا حکومتی اخراجات کا عوام کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا ہے اگر فائدہ ہوتا ہے تو پھر انتظامیہ کو ہوتا ہے جو معیاری چیزیں ان دکانداروں سے اپنے گھر پہلے ہی شفٹ کرادیتے ہیں۔

اگر ہم حکومتی اقدامات کو دیکھیں تو اس میں عوام کا سرمایہ ضائع کرنے اور اپنی جیبیں بھرنے کے علاوہ عوام کو کوئی سہولت میسر نہیں۔ رمضان بازار کے نام پر میڈیا کے ساتھ ساتھ شہر میں لاکھوں کی ایڈورٹائز کرادی جاتی ہے۔ جس کا کوئی حساب کتاب نہیں ۔رمضان بازار کے لیے جو ایک مہینے کیلئے ٹینٹ وغیرہ کرائے پر لئے جاتے ہیں اگر ان کا کرایہ ایک ماہ کا دیکھا جائے تو ایسے ٹینٹ آدھی قیمت میں کتنے نئے آ سکتے ہیں۔ میرا مشورہ تو حکومت کو یہ ہی ہے کہ ٹینٹ کرایہ پر لینے کی بجائے ٹینٹ خرید لیں تاکہ مشکل وقت میں سیلاب، زلزلہ زدگاہ اور قدرتی آفات سے متاثرہ لوگوں کی بھلائی کے لیے استعمال میں آسکیں مگر بات پھر وہی آکر ختم جاتی ہے کہ اگر حکومت عوام کی ترقی کیلئے سوچے گی تو محکمے کہاں سے کھائیں گے؟

رمضان بازار کے بارے میں میڈیا پر سب اچھا کی خبر پیش کردی جاتی ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ کیا ایسی اشیاء پورا ہفتہ ایسی فروخت ہوتی ہیں یا جب اس

بازار کا کوئی بڑا بندہ دورہ کرتا ہے اس دن اچھی فروخت ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن ڈی سی او، ڈی پی او، ایم این اے، ایم پی اے یا وزراء رمضان بازار کا دورہ کرتے ہیں تو اسی دن معیاری اشیاء بازار میں لائی جاتی ہیں ورنہ باقی دنوں میں تو یہ گھٹیا اور دو نمبر اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ ان اشیاء کی فروخت میں مقامی انتظامیہ کا مکمل ہاتھ ہوتا ہے۔ویسے بھی جب بازار کا کوئی سرکاری بندہ دورہ کرتا ہے تو مقامی انتظامیہ کو ایڈوانس میں خبر کی جاتی ہے تاکہ پروٹوکول مل سکے۔یہی وجہ ہے کہ پھر مقامی انتظامیہ سب اچھا دکھا یعنی آنے والے کو ماموں بنانے کا پورا بندوبست کر لیا جاتا ہے۔ وہی پولیس والے جو رمضان بازار میں عوام کو دھکے دے رہے ہوتے ہیں اس دن بڑے ادب سے عوام سے پیش آ رہے ہوتے ہیں۔ وہ دکاندار جو گاہک کو آنکھیں دکھا رہے ہوتے ہیں وہ اس دن بڑے ادب سے گاہک کو سامان پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے بازاروں میں تو مقامی انتظامیہ نے اپنے رشتے داروں کو دکاندار بنا پیش کیا ہوتا ہے تاکہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے رشتے دار بھی عوام کو لوٹ سکیں۔لوٹ مار ادھر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ لوٹ مار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ اکثر رمضان بازاروں میں دیکھا گیا ہے کہ جرنیٹر پورے مہینہ کیلئے کرایہ پر لیا جاتا ہے اور روزانہ کی بنیاد پر اس میں پٹرول ڈالنے کی کاغذی کارروائی کی جاتی ہے۔لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے جرنیٹر رمضان بازاروں میں لایا جاتا

ہے لیکن ایک گھنٹہ بھی نہیں چلایا جاتا اور جرنیٹر کا پٹرول یا تو سرکاری آفسران کی ذاتی گاڑیوں میں استعمال کیا جاتا ہے یا پھر کاغذ کا پیٹ بھر کر قائداعظم کو اپنی جیبوں میں رکھ لیا جاتا ہے۔

اگر کوئی میری ان باتوں سے متفق نہیں تو آئے کسی دن بغیر اطلاع دیے میرے ساتھ رمضان بازار کو دورہ کریں سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

حکومت سے ہم امید ہی رکھ سکتے ہیں کیونکہ امید پر دنیا قائم ہے۔ رمضان بازار کو عوامی بازار بنانے کے لیے سنجیدہ انتظامات کرے تاکہ عوام کو لوٹا جائے۔ ہمارا ملک واحد ملک ہے جہاں رمضان کے ماہ میں ہر طرف لوٹ مار کی جاتی ہے جبکہ غیر مسلم بھی مسلمانوں کو ان دنوں میں ہر طرح کا ریلیف دیتے ہیں۔ سوچئے اور دیکھئے کہ ہماری ایسی حرکتوں سے ہم مسلمان کتنے بدنام ہو رہے ہیں؟

شب قدر" راتوں میں سردار رات"

رمضان المبارک کی راتوں میں ایک رات شب قدر کہلاتی ہے ۔ جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قراردیا ہے۔ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہوجائے۔ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے اس نے گویاتراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزاردیا۔ حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر اللہ تعالیٰ نے میری امت کو عطافرمائی ہے اس سے پہلی امتوں کو نہیں۔

اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا کیا سبب ہے بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت زیادہ ہوتی ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری کرنا چاہیں تو ناممکن ہے اس سے اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو رنج ہوا۔ جس کے بعد یہ رات رحمت ہوئی ۔ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں نصیب ہوجائیں تو گویااس نے آٹھ سو تینتیس برس چارماہ سے زیادہ زمانہ عبات میں گزاردیا۔ (سبحان اللہ) کتنابڑاانعام ہے مسلمانوں کے لیے کیااب بھی ہم اپنے گناہوں کو بخشوانہیں سکتے۔ پوراسال ہم سو کر گزارتے ہیں صرف ایک رات جاگ

کر عبادت نہیں کر سکتے؟

یوں تو ہم اپنے دنیاوی کاموں اور ٹیلی ویژن کے سامنے نہ جانے کتنی راتیں گزارتے ہیں اور اپنے اعمال نامہ میں گناہوں کا اضافہ کرلیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس رات کو اپنے لیے خدا کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلیں اور عبادت میں گزاریں تاکہ ہمارے اعمال میں نیکیوں کا وزن بڑھ جائے اور سچے دل کے ساتھ دل وزبان سے توبہ بھی کریں تاکہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ وکبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہوجائیں۔ اگر آپ کو یاد رہے تو اس سیاہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

ایک روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ " ہمارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا وہ ساری خیر سے محروم رہ گیااور اسکی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے" اس محرومی سے مراد جو اس قدر بڑی رحمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ایک ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات بھر جاگتا ہے اگر اسی (80) برس کی عبادت کی خاطر ایک رات جاگ لے تو کیا مشکل ہے؟ اصل میں انسان کے دل میں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اگر ذرا سا بھی خوف خدا کو دل میں لاکر عبادت کی جائے

اور سامنے انعام کو رکھا جائے تو ایک رات کیا سینکڑوں راتیں بھی جاگی جا سکتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث بالا کے مطابق شب قدر کو اکیسویں (21)، تئیسویں (23) ، پچیسویں (25) ، ستائیسویں (27) اور انتیسویں (29) راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت عبادہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس رات میں جاگے اور عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے حضور محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ "حضرت جبرائیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں اور جس شخص کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہیں اسکے لئے رحمت کی دُعا کرتے ہیں" اس رات کی علامتوں میں یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے۔ صاف شفاف نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ معتدل گویا اس میں انوار کی کثرت کی وجہ سے چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں

مارے جاتے۔ نیز اسکی علامتوں میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے۔ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند۔

مشائخ نے کہا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتیٰ کہ درخت زمین پر گرجاتے ہیں۔ مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور لشفیہ سے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دعا مانگوں ؟ حضور اکرم ﷺ نے دعا بتلائی۔ جس کا ترجمہ ہے

."اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے والے کو۔

" پس معاف فرمادے مجھ سے بھی۔

یہ صرف دعا دنیاوی نہیں بلکہ دنیاوآخرت کو مدنظر رکھ کر ایک نہایت جامع دعا ہے۔ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔اس رات دعاؤں میں مشغول رہنا اور نماز،تلاوت، مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہنا بہترین ہے۔

مگر آج کے مسلمانوں میں اسلام اور عبادت کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے وہ

مسلمان جو پورا سال آرام سے نیند کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں کیا ایک رات خُدا کی مرضی سے اس عظیم ہستی کی عبادت میں گزار نہیں سکتے جس نے انسان کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لیے کیا ہے مگر افسوس کے ہم اپنی پیدائش کا مقصد ہی بھول چکے ہیں۔ ہم نیند کو تو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کتنا بڑا خزانہ ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں۔ اسی رات میں چاہے کتنا ہی گناہ گار شخص ہو اگر سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل وزبان سے توبہ کر لے تو اللہ اسکے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور اس پر رحمتوں کا نزول ہوگا۔ شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف میں سے ایک تحفہ ہے۔ یہ وہی عظیم رات ہے جسکا ذکر سورۃالدخان میں اس طرح ہے:

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ یقیناً ہم (قرآن کے ذریعے) لوگوں کو خبردار کرنے والے ہیں۔ اس رات میں تمام حکیمانہ امور ہمارے حکم سے طے ہوتے ہیں۔ ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں، یہ تمہارے رب کی رحمت کے باعث ہے، یقیناً وہ سب کچھ سننے والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

عید" خوشیوں کا دن"

" عید الفطر" دو لفظوں عید اور الفطر پر مشتمل ہے۔ اس کی تشریح اس طرح ہے کہ عید کا مادہ سہ حرفی ہے اور وہ ہے۔ عود عادً یعود عوداً وعیاداً کا معنی ہے لوٹنا، پلٹنا واپس ہونا، پھر آنا چونکہ یہ دن ہر سال آتا ہے اور اس کے لوٹ آنے سے اس کی فرحت و مسرت اور برکت و سعادت کی گھڑیاں بھی اس کے ساتھ لوٹ آتی ہیں اس لیے اس روز سعید کو عید کہتے ہیں۔ فطر کے معنی کس کام کو از سرنو یا پہلی بار کرنے کے ہیں: رات بھر کی نیند اور سکون و آرام کے بعد انسان صبح کو اٹھ کر جس مختصر خوراک سے اپنے دن کا آغاز کرتا ہے اسے فطور کہتے ہیں۔ اسی طرح ماہ صیام میں سحری سے غروب آفتاب تک بن کھائے پیے رہنے کے بعد روزہ پورا کرکے روزہ دار کی بھوک مٹانے اور پیاس بجھانے کو افطار کہا جاتا ہے۔ مہینے بھر کے روزوں کا فریضہ مسلمان سر انجام دینے کی خوشی میں یکم شوال کو حسب حیثیت عمدہ و لذیذ کھانے اور میٹھے پکوان پکاتے ہیں اور اسلامی برادری کے ان افراد کو بھی صدقۃ الفطر ادا کرکے اچھے کھانے پکانے کے قابل بناتے اور اپنی خوشیوں میں شریک کرتے ہیں جو اپنی ناداری و افلاس کے باعث اچھے کھانے پکانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

جوں جوں رمضان کا مہینہ اپنے اختتام کی طرف بڑھتا ہے ساری دنیا کے مسلمان عید الفطر کی خوشیاں منانے کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تہوار روزوں رکھنے کے انعام کے طور پر منایا جاتا ہے۔ مسلمان ہر سال دو عیدیں مناتے ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الضحیٰ۔ پہلی عید، عید الفطر جو رمضان کے بعد آتی ہیں اور دوسری عید، عید الاضحیٰ کی جو حج کے بعد منائی جاتی ہے اور اس دن کی یاد دلاتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی آزمائش کی اور بعد میں انہیں اپنے بیٹے کی قربانی کرنے سے بچا لیا۔

رمضان المبارک عاجزی وانکساری کا مہینہ ہے جو مسلمانوں کو بھوک پیاس کی اس تکلیف سے روشناس کراتا ہے جو معاشرے کے کم خوش قسمت لوگ اپنی روز مرّہ زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔ رمضان المبارک میں بھی بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں یہی سوچ ہوتی ہے کہ اپنی ذات پر کم خرچ کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ خیرات کی جائے۔ عید الفطر کی رات (چاند رات) کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشش کرتا ہے اور جتنے بندوں کی بخشش پورے رمضان میں ہوتی ہے اس سے زیادہ اس چاند رات کو ہوتی ہے۔ جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (آسمانوں میں) اس کا نام ”لیلۃ الجائزۃ“ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں (راستوں) کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی

آواز سے، جس کو جن وانس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے،پکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ ! اُس ربِ کریم کی (بارگاہ کی) طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے،پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں :کیا بدلہ ہے اُس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک ! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کر دی جائے،تواللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔" فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی"

عید الفطر کا دن مسلمانوں کا ایک ایسا تہوار ہے جو روزے رکھنے کا مہینہ مکمل ہونے پر خوشی کے اظہار اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کے لئے منایا جاتا ہے۔اس دن مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہیں جو انھوں نے صدیوں پہلے قائم کی تھی۔ مسلمان اس تہوار پر اکثر اپنے اور اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے نئے کپڑے خریدتے ہیں تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے عید کی نماز بہترین کپڑوں میں ادا کریں۔

مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے عید کے پہلے روز صبح اٹھتے ہی نماز پڑھنے کے لئے مسجد کا رُخ کرتے ہیں جہاں امام صاحب مختصر اور جامع خطبہ دیتے ہیں جس میں عموماً عید کے دن کی اہمیت اور فضیلیت بتائی جاتی ہے۔ عید کے نماز ادا کرنے کے بعد مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے گلے ملکر عید کی خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ بچے بڑوں کو سلام کرتے ہیں۔ رشتے داروں، دوستوں اور محلے داروں کے گھر جا کر ان سے عید ملی جاتی ہے۔

اس کے بعد سارا دن بالعموم کھانے پینے کی اشیا سے لطف اندوز ہوتے اور گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہیں۔ عید کے دنوں میں سب سے زیادہ مزے بچّوں کے ہوتے ہیں جن پر والدین، عزیز واقارب اور دوست احباب کی طرف سے خوب نوازشات ہوتی ہیں، عیدی ملتی ہے اور مٹھائیاں اور تحفے دیئے جاتے ہیں۔ بچوں کو تفریح کے لئے پارک میں یا چڑیا گھر وغیرہ بھی لے جایا جاتا ہے۔ عید پر خاندانی تعلقات کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور عید کی مبارکباد دینے کے لئے رشتہ داروں بالخصوص بڑوں کی طرف ضرور چکر لگایا جاتا ہے۔

عید کا تہوار جہاں مسلمانوں کے دل میں خوشیاں بھر دیتا ہے وہاں بہت سے مسلمانوں کو افسوس بھی ہوتا ہے کہ نیک اعمال اور نماز روزے کے ذریعے خدا

کا روحانی قرب حاصل کرنے کا موقع فراہم کرنے والا ماہِ رمضان اب اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ معلوم نہیں اگلے سال زندگی ہمیں یہ موقع فراہم کرے یا نہ کرے۔

عیدالفطر مسلمانوں کو دنیاوی خوشی کے ساتھ ساتھ روحانی خوشی بھی دیتی ہے کیونکہ جب انسان سچے دل اور نیک نیّت کے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھتا ہے اور دوسری عبادات کرتا ہے تو اس کو قلبی سکون ملتا ہے اور جب عید کا چاند نظر آتا ہے تو سب سے زیادہ خوشی کا اظہار بھی وہی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی محنت کا پھل دیتا ہے۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب العزت تمام مسلمانوں کے لیے اس عید کو خوشیوں اور محبت کا گہوارہ بنا دے۔ ہمارے پاکستان کو دشمن کی میلی نظر، دہشت گردی، بے روزگاری، بے حیائی و فحاشی اور دیگر دنیاوی برائیوں سے بچائے اور آپس میں محبت، پیار اور خلوص بڑھائے۔ آمین

ایدھی "دنیائے انسانیت کا روشن چراغ"

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آج دنیا سے ایک ایسی ہستی کوچ کر گئی جس کی جتنی تعریف کی جائے اتنی کم ہے۔ وہ ہستی پاکستان کی مسیحا تھی۔ پاکستان کے اچھے برے حالات میں اس ہستی اور کی ٹیم نے ہمیشہ صف اول کا کردار ادا کیا۔اس شخصیت پر مختلف الزامات بھی لگے مگر اس نے خدمت خلق کا دامن نہ چھوڑا۔ پاکستان کے علاوہ دنیا بھر میں اسکے نام کا طوطی بولتا ہے۔ یہ ہر دلعزیز شخصیت مولانا عبدالستا ایدھی ہے۔ جو کسی تعارف کے محتاج نہیں بلکہ وہ پاکستان کے پوری دنیا میں چلتے پھرتے سفیر تھے۔

کل جب میں ٹی وی دیکھ رہا تھا تو اس وقت بریکنگ نیوز چلی کہ ایدھی صاحب کو آئی سی یو (ICU) میں داخل کرادیا گیا ان کو سانس لینے پر مشکلات کا سامنا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں ایدھی صاحب کے بارے میں الٹے سیدھے خیال آنے لگے اور میں نے پھر ایک پوسٹ ان کی صحت یابی کی دعا کے لیے فیس بک پر لگادی۔ پھر رات کو ایک بریکنگ نیوز آئی۔ "مولانا عبدالستار ایدھی انتقال فرماگئے۔ وہ گزشتہ کئی روز سے سندھ انسٹیٹیوٹ آف یورولوجی اینڈ ٹرانسپلانٹ (ایس آئی یو

ٹی) میں زیر علاج تھے جہاں دوران علاج وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ عبدالستار ایدھی کے گردے ناکارہ ہو چکے تھے جنہیں ڈائلسز کے دوران سانس کی تکلیف کے باعث ’’وینٹی لیٹر پر منتقل کیا گیا جہاں 6 گھنٹے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

واضح رہے کہ عبدالستار ایدھی کے گردے ناکارہ ہو چکے تھے اور زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ان کے گردوں کی پیوند کاری بھی نہیں ہو سکتی تھی جس کی وجہ سے ہفتے میں 2 سے 3 مرتبہ ان کا ڈائلیسسز کیا جاتا تھا۔ میں نے خبر سنی تو میرے ذہین میں ان کی شکل گھومنے لگی۔ کراچی کی سڑکوں پر کبھی ٹوپی پھیلائے تو کبھی ہاتھ میں کٹورا لیکر گھومنے پھرنے والا یہ شخص آج منوں مٹی کے نیچے چلا گیا۔ وہ شخص جس کا کروڑوں کا بجٹ ہو مگر وہ اپنی ذات پر ایک روپیہ خرچ کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ سادہ سا کرتا شلوار اور سر پر ٹوپی رکھے ہمیشہ غریبوں کی مدد کیا کرنے والا آج اپنی خالق حقیقی سے جا ملا۔ اگر اس کی زندگی پر نظر ڈالیں تو بہت سادہ اور درویشانہ سی تھی۔

مولانا عبدالستار ایدھی 1928 میں بھارت کے شہر بانٹوا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پیشے کے اعتبار سے کپڑا کے تاجر تھے۔ بچپن جب انکی ماں انکو اسکول جاتے وقت دو پیسے دیتی تھی تو وہ ان میں سے ایدھی صاحب ایک پیسا خرچ کر لیتے تھے

اور ایک پیسا کسی اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے رکھتے تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں انہوں نے اپنی ماں کی دیکھ بھال کا کام سنبھالا جو ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھیں۔ آپ نے چھوٹی عمر میں ہی دوسروں کی مدد کرنا سیکھ لیا تھا۔

1947 میں تقسیم ہند کے بعد آپ کا خاندان ہجرت کرکے پاکستان آیا اور کراچی میں آباد ہوگئے۔ 1951 میں آپ نے اپنی جمع پونجی سے ایک چھوٹی سی دکان خریدی اور اسی دکان میں آپ نے ایک ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹی سی ڈسپنسری کھولی۔ آپ نے شروع ہی سے سادہ طرز زندگی اپنایا اور ڈسپنسری کے سامنے بنچ پر ہی سو لیتے تاکہ ضرورت وقت فوری طور پر مدد کو پہنچ سکیں۔

جب 1957 میں کراچی میں بہت بڑے پیمانے پر فلو کی وبا پھیلی تو ایدھی صاحب نے فوری طور پر رد عمل کیا۔ انہوں نے شہر کے نواح میں خیمے لگوائے اور مفت مدافعتی ادویات فراہم کیں۔ اس دوران مخیّر حضرات نے آپ کی دل کھول کر مدد کی۔ اس امدادی رقم سے انہوں نے وہ پوری عمارت خرید لی جہاں ڈسپنسری تھی اور وہاں ایک زچگی کے لیے سنٹر اور نرسوں کی تربیت کے لیے اسکول کھول لیا اور یہی سے ایدھی فاؤنڈیشن کا آغاز تھا۔

فلو کی وبا کے بعد ایک کاروباری شخصیت نے ایدھی کو کافی بڑی رقم کی امداد دی جس سے انہوں نے ایک ایمبولینس خریدی جس کو وہ خود چلاتے تھے۔ آج ایدھی فاؤنڈیشن کے پاس 600 سے زائد ایمبولینسیں ہیں جو ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئیں ہیں۔ ایدھی فاؤنڈیشن اس وقت پورے ملک میں انسانیت کی دل کھول کر مدد کر رہی ہے۔ ایدھی فاؤنڈیشن نے کلینک، زچگی گھر، پاگل خانے، معذوروں کے لیے گھر، بلڈ بنک، یتیم خانے، لاوارث بچوں کو گود لینے کے مراکز، پناہ گاہیں اور اسکول کھولے ہوئے ہیں۔

ایدھی فاونڈیشن نا صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی کام کر رہی ہے۔ اسلامی دنیا میں ایدھی فاؤنڈیشن ہر مصیبت اور مشکل وقت میں اہم مدد فراہم کرتی ہے۔ جہاں امداد اور نگرانی ایدھی بذات خود متاثرہ ممالک میں جا کر کرتے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ فاونڈیشن جن ممالک میں کام کر رہی ہے ان میں افغانستان، عراق، چیچنیا، بوسنیا، سوڈان، ایتھوپیا اور قدرتی آفت سماٹرا اندامان کے زلزلہ (سونامی) سے متاثرہ ممالک کے ہیں۔

خدمت کا یہ باب جو کئی عرصوں سے چلا آ رہا تھا آخرکار 8 جوالائی 2016 کو 88 سال کی عمر میں بند ہوگیا۔ غریبوں کی خدمت سے سرشار یہ ہستی اپنے مرنے کے بعد بھی غریبوں کے لیے اپنی آنکھوں کا تحفہ دیگر گئی۔ انہوں وفات سے قبل دو

وصیتیں کیں کہ ان کے مرنے کے بعد دونوں آنکھیں ضرور مندوں کو عطیہ کر دی جائیں اور مرنے کے بعد انہی جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں انہی میں دفنایا جائے۔

ان کی وفات پر آج ہر آنکھ اشکبار ہے۔ آج پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اس عظیم کا خراج تحسین پیش کیا جارہاہے۔ حکومت پاکستان نے عبدالستار ایدھی کے لیے نشان امتیاز کا اعلان کرتے ہوئے ایک روزہ سوگ اورانہیں سرکاری اعزازات کے ساتھ سپردخاک کرنے کا بھی اعلان کیا جب کہ سندھ، خیبرپختونخوا اور بلوچستان حکومت نے عبدالستار ایدھی کے انتقال پر 3 روزہ سوگ کا اعلان کیا ہے۔

اس عظیم ہستی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے میرے پاس ان الفاظ کا ذخیرہ نہیں جن سے میں ان کا ذکر کرسکوں۔ میں اپنی اور کالمسٹ برادری کی طرف سے ان کے اہلخانہ سے دلی تعزیت کرتا اور دعا گو ہوں کہ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے اہل خانہ کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔ آمین

آبادی میں اضافہ، ترقی کی راہ میں رکاوٹ

دنیا میں آبادی کا عالمی دن 11 جولائی کو منایا جاتا ہے۔ یہ دن ہر سال 11 جولائی کو 1989 سے منایا جارہا ہے۔اس دن دنیا بھر میں مختلف سیاسی، سماجی تنظیمیں، این جی اوز مختلف تقاریب کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس دن کے منانے کا بنیادی مقصد آبادی میں اضافے کے باعث پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں عالمی سطح پر آگاہی کے علاوہ فیملی پلاننگ اور انسانی حقوق کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہے۔دنیا میں جس رفتار سے بڑھ رہی ہے اسی رفتار سے مسائل میں اضافہ ہورہا ہے۔

عالمی ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا کی آبادی جس تیزی سے بڑھ رہی کہ اس تیزی سے وسائل مہیا نہیں ہورہے۔ 1950 میں 2.5 ارب آبادی والی دنیا صرف ساڑھے چھ دہائیوں میں ہی 7ارب کا ہندسہ کراس کر گئی۔ ماہرین کا کہنا کہ اس دن کے منانے کا مقصد آبادی پر کنٹرول نہیں بلکہ لوگوں میں یہ آگہی پیدا کرنا ہے کہ اگر وسائل کی عدم موجودگی میں اسی تیزی کے ساتھ دنیا کی آبادی بڑھتی گئی تو آنے والی نسلوں کا کیا بنے گا؟

اقوام متحدہ کی پورٹ کے مطابق سن دو ہزار تیس تک دنیا کی آبادی آٹھ عشاریہ

پانچ ارب ہونے کی توقع ہے جبکہ سن دو ہزار پچاس تک یہ بڑھ کر تقریباً نو عشاریہ
سات ارب ہو جائے گی۔ بتایا گیا ہے کہ رواں صدی کے اختتام تک دنیا کی آبادی گیارہ
عشاریہ دو ارب ہونے کی توقع ہے۔

پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا سب سے بڑا ملک ہے۔ 18 کروڑ کی کُل آبادی کا
40 فیصد 10 سے 29 برس کے درمیان نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان میں بہبود
آبادی کے لیے کام کرنے والے ایک بین الاقوامی ادارے پاپولیشن کونسل اور اقوام
متحدہ کے اندازوں کے مطابق اگر پاکستان کی آبادی موجود شرح سے بڑھتی رہی تو
2050ء تک اس ملک کی آبادی 342 ملین تک پہنچ سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ دنیا بھر کے بے شمار مسائل آبادی میں اضافے سے جڑے ہوئے
ہیں ان میں سے ایک بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک کی فراہمی ہے۔ علاج، رہائش، تعلیم
اور دیگر بنیادی اشیاء جو انسان کے لیے ضروری ہیں۔ اگرچہ کچھ ممالک نے ذرائع ابلاغ
اور میڈیکل سائنس میں ترقی اور تعلیم کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک میں آبادی کے
مسئلے پر قابو تو پا لیا گیا مگر کچھ ممالک میں آبادی میں کمی آ رہی ہے۔ دوسری طرف دنیا
بھر کی نصف آبادی ایسے لوگوں کی ہے جو 25 سال سے کم عمر ہیں۔ غریب ممالک میں
آبادی پر کنٹرول آسان نہیں۔ جبکہ انہی ممالک میں خواتین کے لئے صحت کی سہولتیں
بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک مسائل کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان ملکوں میں آبادی کو کنٹرول کرنے اور مسائل پر قابو پانے کے لیے ایک واضح حکمت تیار کرکے اس پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔

اقوام متحدہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کچھ ترقی پذیر ممالک میں غیر مستحکم سیاسی نظاموں کی بنا پر آبادی سے متعلق معاملات کو ترجیح نہیں دی جاتی اور کچھ ممالک میں آبادی پر کنٹرول کے لئے پالیسی سازی میں روایتی اور مذہبی نظریات آڑے آتے ہیں۔ ایسے میں تعلیم اور طبی سہولتوں میں سرمایہ کاری ہی بہترین حل ثابت ہو سکتا ہے۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا شکار ملک ہے۔ غیر سرکاری اندازوں کے مطابق پاکستان کی آبادی 20 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ وسائل میں اسی شرح سے اضافہ نہیں ہو سکا۔ ماہرین کا کہنا کہ نہ صرف سیاسی جماعتوں بلکہ سماجی اور مذہبی جماعتوں کو بھی عوام میں یہ شعور پیدا کرنا چاہیے ۔پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اس لیے حکومت کو شرح آبادی کنٹرول کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس سپیڈ سے پاکستان کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس رفتار سے پاکستان کے مسائل حل نہیں ہو رہے۔ پاکستان میں صحت ، تعلیم ، بیروزگاری جیسے مسائل پر قابو نہ پانے کی وجہ بھی آبادی میں

اضافہ ہے۔ حکومت پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ کرنے کے لیے آبادی میں اضافے کی شرح کی طرح مسائل کو بھی اسی طرح حل کرنا ہوگا۔ غربت میں اضافہ بھی آبادی میں اضافے کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر ہم نے ترقی کرنی ہے تو آبادی میں اضافے کی رفتار پر کنٹرول کرنا ہوگا جس کے لیے ہر شخص کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی ہم تعلیمی میدان، صحت کے میدان، بیروزگاری کے میدان اور دیگر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ سکتے ہیں۔

!!!جب عوام بیدار ہوتی ہے

جمعہ اور ہفتے کی درمیانی شب ترکی میں رجب طیب اردوان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی گئی۔یہ وہ رات تھی جب حکومت پرشب خون مارنے والے نیند کی آغوش میں ہوکر ٹینکوں پر چڑھ بیٹھے مگرترک عوام پوری طرح بیدار ہوچکی تھی۔ترک عوام نے ایسی مثال قائم کردی کہ شاید ایسی دنیا میں کسی نے نہ کی ہو۔غیر مسلم طاقتیں ہمیشہ مسلمانوں کوکمزور کرنے پر تُلی ہوئی ہیں۔ترکی میں بھی حکومت پر قبضہ کرانے میں ملوث لوگوں کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ اس میں بھی غیر مسلم لوگ شامل ہیں۔

حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش میں اب تک 290 افراد ہلاک اور 1400 سے زائد زخمی ہوچکے ہیں۔بغاوت کی اطلاعات ملنے کے بعد صدر رجب طیب اردوان نے اپنے موبائل فون کے ذریعے ایک پیغام میں اس کوشش کی مذمت کرتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ وہ اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔اُن کی اپیل پر ملک میں بڑی تعداد میں لوگ باہر نکل آئے۔ خاص طور پر دارالحکومت انقرہ اور استنبول میں بڑی تعداد میں لوگ رات بھر موجود رہے۔ عوام کی جرات کی مثال آج کے دور اس سے بڑھ کراور کیا ہوگی کہ وہ فوج کے ٹینکوں کے سامنے لیٹ گئے اور بہت سے لوگوں نے تو ٹینکوں پر قبضہ کرلیا۔

فوجی بغاوت کے آثار تو جمعہ کی شام سے نظر آنا شروع ہو گئے جب سڑکوں پر فوجی ٹینک نظر آنا شروع ہو گئے۔اہم پلوں کو بھی فوجیوں نے ٹینک کھڑے کرکے بند کر دیا تھا۔ ترک پارلیمان میں فوجی اہلکار گھس گئے تھے جن کو بعد میں گرفتار کر لیا گیا۔اس دوران ترکی کی پارلیمنٹ اور صدارتی محل کو بھی نقصان بھی پہنچایا گیا۔ اسکے علاوہ فوجی اہلکاروں نے ملک کے سرکاری ٹی وی پر کچھ دیر کے لیے قبضہ کرکے اعلان کیا تھا کہ فوج نے ملک کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ لیکن جلد ہی سرکاری ٹیلی ویژن کی نشریات بحال ہو گئیں۔

باغی فوجیوں کے پاس کچھ جنگی جہاز بھی تھے اور انھوں نے فضا سے گولہ باری بھی کی لیکن انھیں روکنے کے لیے فوری طور پر حکومت کے جنگی جہاز حرکت میں آئے۔انقرہ اور استنبول میں رات بھر ہیجان کی سی کیفیت رہی اور دھماکوں کی آوزیں بھی سنی گئیں۔ اس دوران عینی شاہدین کے مطابق جنگی جہاز نچلی پروازیں بھی کرتے رہے۔

ترکی کی حکومت کے مطابق بغاوت میں حصہ لینے والے فوجیوں میں سے کم از کم 2839 کو گرفتار کر لیا گیا جبکہ لگ بھگ 200 فوجیوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ فوج کے چیف آف اسٹاف جنرل ہلوزی اقر کو بازیاب کروا لیا گیا ہے۔ اطلاعات کے

مطابق باغی فوجیوں نے جنرل بلوزی کو یرغمال بنا رکھا تھا۔

ترکی میں فوجی بغاوت ناکام ہونے کے بعد سے اب تک چھ ہزار سے زائد افراد کو حراست میں لیا گیا ہے، زیر حراست افراد میں فوجی افسران اور ججز بھی شامل ہیں۔ بغاوت کی کوشش میں حصہ لینے والے تقریباً 3000 فوجیوں کی گرفتاری کے ساتھ ساتھ حکام نے پانچ جنرلوں اور 29 کرنلوں کو معطل کیا۔ ایک نیوز ایجنسی کے مطابق فہرست میں فوج کے ساتھ عدالیہ بھی شامل ہے۔ حکومت نے 2700 ججوں کو معطل کر دیا ہے۔ انقرہ کے پبلک پراسیکیوٹر نے تقریباً 200 اعلیٰ عدالتی حکام کو حراست میں لیا ہے۔ اِن میں عدالت عظمیٰ کے 140 ارکان، 'کونسل آف اسٹیٹ' کے 48 ارکان اور ترکی کی تین اعلیٰ عدالتوں میں سے ایک شامل ہے۔

ترک صدر رجب طیب اردوان نے استنبول واپس پہنچنے پر ہوائی اڈے ہی پر ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کیا اور کہا کہ '' مارشل لا لگانے کی کوشش 'بغاوت' ہے اور انھیں ایسی کوشش کرنے والوں کو بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔''

ان کے اس بیان کے بعد کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اِس ناکام بغاوت کو بہانہ بنا کر ترک صدر اپنے صدارتی اختیارات میں اضافہ کریں گے اور نہ صرف فوج کا صفایا کریں گے بلکہ دیگر اداروں کی بھی چھان بین بھی کریں گے جہاں

اُن کے مخالفین براجمان ہیں۔

تجزیہ نگار اپنی سوچ کے مطابق تجزیہ کرتے ہیں ۔میڈیا تصویر کا ایک رخ دکھاتا ہے کیونکہ جس کی لاٹھی اس بھینس ہوتی ہے۔ ترک صدر اب کچھ بھی کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی عوام نے ان کو یہ کریڈٹ دیا ہے۔ اگر تبصرہ نگاروں پر جائیں تو کیا وہ بتا سکتے ہیں عوام کو اتنی جرات پر کسی میڈیا، ایجنسیوں یا سیاستدانوں نے اکسایا ؟ نہیں بلکہ یہ ایک ایس ایم ایس تھا جس نے طیب اردوان جیسے عظیم مسلم حکمران عوام کی مدد سے کامیاب کرایا۔

طیب اردوان وہ ہستی ہے جس کو عوام دل و جان سے چاہتی ہے، ترک عوام ہی نہیں بلکہ مسلم دنیا میں بھی ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ یہ مسلم دنیا میں ایک ماڈل کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ لبرل مسلمان نہیں بلکہ وہ ایک پکے اور سچے مسلمان ہیں۔انہیں ترک عوام کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا بھی خیال ہے۔

پاکستان کے کچھ خیر خواہ ملکی حالات کو ترکی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ کوئی فوج کو ویلکم کر رہا ہے تو کوئی حکومت کی حمایت میں ترک عوام کی مثالیں دے رہا ہے۔ حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ کام کرنا چاہیے کیونکہ اگر کسی ڈاکٹر کو جج کی کرسی پر اور جج کو ڈاکٹر کی کرسی پر بیٹھا

دیا جائے تو سارا نظام خراب ہو کر رہ جائے گا۔ اس لیے جو لوگ پاکستان کے حالات کو ترکی کے ساتھ ملا کر الٹا سیدھا سوچ رہے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ بدلیں کیونکہ نہ ہمارے لیڈر طیب اردوان کی طرح ہیں اور نہ ہماری عوام ایک آواز بیدار ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں آوازیں دینے والے لیڈر بہت زیادہ ہیں مگر طیب اردوان جیسا لیڈر کوئی نہیں۔

پیف فیملی ڈے

تعلیم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت کا حق ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں۔ تعلیم کے بغیر انسان اس طرح ہے جیسے آنکھوں کے بغیر اندھا ہو۔ تعلیم انسان میں شعور پیدا کرتی ہے. تعلیم کی بدولت ہی انسان اچھے برے کی تمیز کرتا ہے۔ صوبہ پنجاب کی حکومت تعلیمی میدان کافی سرگرم ہے۔ تعلیم کے فروغ کے لیے کوئی نہ کوئی اقدام اٹھاتی رہتی ہے۔ بے وسیلہ طبقات ، سماجی و معاشی پسماندگی کا شکار افراد اور دور دراز علاقوں میں بسنے والے بچوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لئے 1991 میں ایک ادارہ قائم کیا جس کو پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

2004 میں اس ادارے کی تشکیلِ نو کی گئی۔ پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن صوبے بھر میں پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت بے وسیلہ اور معاشی وسائل کی کمی کا شکار گھرانوں کے بچوں کو مفت اور معیاری تعلیم کی فراہمی کے لئے سرگرم ہے۔ پنجاب فاؤنڈیشن کا ایجنڈا غریب والدین کے بچوں کو تعلیمی اخراجات کے بڑھتے بوجھ سے نجات دلا کر مفت اور معیاری تعلیم مہیا کرنا ہے تاکہ ان بچوں کی تمام توجہ حصول علم پر مرکوز رہے اور ان کے والدین تعلیمی اخراجات کی ادائیگی کے

حوالے سے کسی خوف یا پریشانی کا شکار نہ ہوں۔اس شاندار کامیابی کا کریڈٹ چیئر مین انجینئر قمرالاسلام راجہ ، ایم ڈی طارق محمود اور انکی ٹیم بشمول پروگرام ڈائریکٹرز کو جاتا ہے جو دل و جان سے جہالت کے خاتمے کے لیئے کوشاں ہیں۔ان کا مقصد کم سن بچوں کے ہاتھوں میں قلم اور کتاب تھمانا ہے۔

پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن ضرورت مند بچوں کی تعلیم کے ذریعے بحالی کا انتہائی مفید اور باکفایت ادارہ ہے جو پاکستان ہی نہیں بلکہ بہت سے ممالک کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس ادارے نے 20 لاکھ سے زائد مستحق طلباء وطالبات پر سکولوں کے دروازے کھولے ہیں۔اب یہ بچے معاشرے پر بوجھ بننے کی بجائے تعلیم کے ہتھیار سے لیس ہو کر قوم کی تقدیر بدلیں گے۔فروغ تعلیم کے اس مقدس مشن میں پارٹنر سکولوں کا کردار انتہائی اہم ہے۔

پنجاب ایجوکیشن نے 27 جولائی 2016 کو ایک نئی تاریخ رقم کی بلکہ یہ لکھوں کہ پیف فیملی ڈے منانے کی بنیاد رکھی تو غلط نہ ہوگا۔پیف ادارے نے پہلی بار ایف اے ایس (FAS)، ای وی ایس (EVS) اور این ایس پی (NSP) پروگرامز کے گیارہ مختلف اضلاع کے 857 سکول پارٹنرز کو ایک جگہ اکٹھے مل بیٹھنے کا موقع فراہم کیا۔جس کا کریڈیٹ یقیناً پیف چئیرمین راجہ قمرالاسلام ،ایم ڈی طارقم محمود اور ان کی ٹیم کو جاتا ہے۔

اس پروگرام کو ڈسٹرکٹ کوآرڈینیشن میٹنگ کا نام دیا گیا۔ پروگرام اکا انعقاد پنجاب یونیورسٹی لاہور کے فیصل ایڈیٹوریم میں کیا گیا۔ صبح آٹھ بجے سے پنجاب کے مختلف اضلاع سے لوگ آنا شروع ہو گئے اور تقریباساڑھے نوبجے پروگرام کو شروع کیا گیا۔

کمپیئر نگ کے فرائض ای وی ایس ڈیپارٹمنٹ کے روح وروان افتخار ربانی صاحب نے ادا کیے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول سے کیا گیا۔ بعد ازاں افتتاحی کلمات کرنل عمران یعقوب صاحب نے ادا کیے۔ ان کے بعد ایف اے ایس کے ڈائریکٹر زاہد علی، این ایس پی کے ڈائریکٹر راناشفیق اور ای وی ایس کی ڈائریکٹر ثمینہ نواز نے اپنے اپنے پروگرامز کی مکمل جامع رپورٹ پیش کی۔ ان کے علاوہ پیف سے منسلک دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹرز نے بھی خطاب کیا۔ جس وقت ڈائریکٹر اے ڈی یو (ADU) عائشہ نعمان خطاب کررہی تھیں اس دوران پروگرام کی جان اور ادارے کی شان راجہ قمرالاسلام اور طارق محمود صاحب تشریف لے آئے۔ تمام سکول پارٹنرز نے کھڑے ہو کر اپنے مہمانان خصوصی کاپرجوش استقبال کیا۔ تقریب سے ادارے کی ایک ایسی شخصیت نے خطاب کیا جس نے حاضرین محفل کو گرما کر رکھ دیا۔ جی وہ شخصیت پیف ایم ڈی طارق محمود صاحب تھے۔ جنہوں نے وہ الفاظ کہے کہ تمام سکول مالکان داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ پیف پارٹنر اور پیف ایک فیملی کی مانند ہیں۔ انہوں نے پیف سکول مالکان کی انتھک محنت کو خوب سراہایا۔ ایم ڈی صاحب

نے فرمایا کہ ہم سکول مالکان کو ہر طرح کی سہولیات مہیا کر رہے ہیں مگر ہم کسی بھی سکول میں سیکورٹی یا رزالٹ پر کوئی کمپرومائز نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا ادارہ میرا دل ہے تو سکول مالکان میری جان ہیں۔ جس طرح ہر روز کوئی نہ کوئی دن کسی سے منسوب کرکے منایا جاتا ہے اسی طرح آج میں اس دن کو پیف فیملی ڈے (PEF Family Day) کانام دیتا ہے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے مرنا ہے اور ہم آخرت میں رسول اکرم ﷺ کی شفاعت سے بہرمند ہونا چاہتے ہیں مگر جب اپنے اعمال دیکھتے ہیں تو پھر یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کس منہ سے اپنے آقا دوجہاں کا سامنا کریں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم میرٹ اور حق وسچ کا کام کریں۔ ان کی یہ بات سن کر ہر ایک شخص شاید میری طرح یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوگا کہ بات تو ٹھیک ہے مگر۔۔۔

ان کے بعد چئیرمین فاؤنڈیشن راجہ قمرالاسلام صاحب نے سکول پارٹنرز سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مقصد تعلیم کو گھر گھر پہنچانا ہے۔ وہ لوگ جو غربت کی وجہ سے اچھے سکولوں میں تعلیم نہیں دلوا سکتے آج پیف کی وجہ سے ان کے بچے پرائیویٹ اداروں میں اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میاں شہباز شریف کی خصوصی ہدایت پر تعلیم کا جھنڈا بلند سے بلند تر کیا جارہا ہے۔ آج میدان تعلیم میں غریب کا بچہ بورڈز ٹاپ کر رہا ہے۔ انہوں اپنے سکول پارٹنرز کو خوشخبری بھی دی کہ اب انکو دفتر کے چکر لگانے کے بجائے گھر بیٹھے پے منٹ (payment) آن

لائن ان کے اکاونٹ میں بھیج دی جائے گی۔پروگرام کے اختتام پر سکول مالکان سے ان کے مسائل سنے اور ان سے نئی تجاویز بھی لیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن اس وقت صوبے بھر میں بہت کام کررہاہے۔ لوگ منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی اشتہار آئے اور ہم درخواست دیں۔

اس بات سے بھی انکاری نہیں کہ اس ادارے کی وجہ وہ لوگ جو سکول میں اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلوا سکتے آج تعلیم دلوارہے ہیں لیکن جہاں یہ ادارہ اتنی محنت کررہا ہے ادھر سکول مالکان کو بھی اس ادارے کو سونے کا انڈہ سمجھنے کی بجائے اس کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔جہاں تک ممکن ہو بچوں کو ان کا حق دیں اور تعلیم میں بوگس کام کرنے کی بجائے ایک اچھے شہری کے فرائض انجام دیں۔ ایک بات ادارے کے ملازمین سے بھی کہوں گا کہ وہ بھی سکول مالکان کے ساتھ اپنا رویہ دوستانہ رکھیں نہ کہ ان کو اپنا ملازم یا ماتحت سمجھیں کیونکہ دونوں کے حسن سلوک سے ہی تعلیم کے میدان میں پاکستان ترقی کرسکتا ہے۔

میرا پاکستان کیسا ہو

14 اگست کا دن ہماری زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ دن ہے جب دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک چاند کی مانند روشن ہو کر ابھرا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں انگلستان کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے والے اس ملک کا نام پاکستان ہے۔
قائداعظم کی انتھک کوششوں کی بدولت آج ہم ایک آزاد ملک میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قائداعظم کا پاکستان حاصل کرنے کا مقصد کیا تھا یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔
خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے قائداعظم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ جس مقصد کے لیے پاکستان حاصل کیا وہ مقصد آج تک پورا نہیں ہو سکا۔

ایک فطری عمل ہے کہ جس کا گھر نہیں ہوتا اس کے دل میں آرزو ہی رہتی ہے کہ کاش میرا اپنا ذاتی گھر ہو۔ جب وہ گھر حاصل کرلیتا ہے تو پھر اس کو خوب سے خوب تر بنانے کی جستجو میں لگا رہتا ہے۔ یہی حال ہمارے مسلمان بھائیوں کا تھا جو انگریزوں کی غلامی سے نکل کر اپنے گھر کی کھلی فضا میں سانس لینا چاہتے تھے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کی یہ خواہش قائداعظم محمد علی جناح نے پوری کردی مگر افسوس قائداعظم کی خواہش ہم آج تک پوری نہ کرسکے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے

:فرمایا تھا کہ

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

مگر آج ہم اپنے اللہ ، رسول ،کتاب کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کے فرمان کو فراموش کر چکے ہیں۔آج ہم اسلامی اصولوں کی بجائے یہودی کے بنائے ہوئے اصولوں کے تابع ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والوں نے صرف اللہ کے نام کی خاطر اپنا گھر بار، جائیدادیں چھوڑیں، ہزاروں لوگ شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ میرا پاکستان کیسا ہو؟ ہر بندے کی اپنی سوچ ہے کوئی مثبت اور کوئی منفی سوچ رکھتا ہے۔ کسی کی سوچ پر کوئی پابندی نہیں۔ میں اور میری پاکستانی عوام کیسا پاکستان چاہتے ہیں۔اس کا جواب میں کچھ یوں دونگا کہ میرا پاکستان ایسا ہو کہ ہر کوئی اس کی مثال دے۔ یہ دنیا کے افق پر ایسا ابھرے کہ ہر کوئی چاند کی مانند اس کو دیکھے اور اس کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرے۔ میرا پاکستان اس طرح کا ہو کہ اس کو یک نظر دیکھنے کے لیے دنیا

بھر سے لوگ آئیں۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے اس کو تو دیمک کی طرح چاٹنے والے اس کی جڑ وں میں بیٹھے ہیں۔ اس کو سانپ کی طرح ڈسنے کے لیے آستین میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اس پاکستان کی رکھوالی کے لیے چوروں کو پہرے دار بنا دیا ہے۔ عصمت دری کے پیاسے لوگ اس کے محافظ بن گئے ہیں۔ ایسے حالات میں ہم سوچتے ہیں کہ پاکستان ایک ترقیافتہ ملک بن جائے، خوشحال ملک بن جائے، امن کا گہوارہ بن جائے۔ میری ہی نہیں ہر محب وطن پاکستانی کی خواہش ہے کہ پاکستان ایسا ہو کہ ہر آنکھ دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے۔ اس کے لیے ہمیں خود آگے بڑھنا ہوگا۔

پاکستان میں شرح خواندگی سو فیصد ہو۔ جب شرح خواندگی سو فیصد ہوگی تو پھر پاکستان میں خوشحالی آئے گی۔ اس کے لیے ہم پورے پاکستان میں تعلیمی نظام یکساں کرنا ہوگا۔ امتحانات ایک ساتھ کرانا ہونگے۔ نتائج ایک ساتھ آوٹ کرنا ہونگے تاکہ جس کو جہاں تعلیم حاصل کرنا مقصود ہو وہ کوئی بھی ٹائم ضائع کئے بغیر اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔

انصاف کا بول بالا کرنا ہوگا۔ کسی بھی طرح کسی امیر کو غریب پر ،کالے کو گورے پر کوئی فوقیت نہیں ملنی چاہیے۔ حکمران سے لیکر غریب کے لیے ایک سا قانون ہو جس پر سب کو یکساں سزا ملنی چاہیے۔ ہر ایک کو انصاف اس کے گھر پر

ملنا چاہیے۔ وہ تب ہی ممکن ہے جب ہم خود بھی قانون کا احترام کریں۔ نہ ہم خود کسی کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کریں اور نہ کسی کو کرنے دیں بلکہ اپنے اور دوسرے کے حق کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔

قرآن میں ارشاد ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں تو پھر پاکستان جو اسلام کا قلعہ ہے پھر یہاں رشوت عام کیوں؟بڑے سے بڑا کام اور چھوٹے سے چھوٹا کام ہم رشوت دیکر کرا لیتے ہیں۔ یہاں پر جو بھی رشوت لے یا دے اس کو اسلام کے قانون کے مطابق سزا دینی چاہیے تاکہ میرے قائد کی روح بھی خوش ہو اور ہمارے ملک کا نام بھی روشن ہو۔ مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک کشمیری نوجوان پاکستان آیا تو وہ پاکستان کو دیکھ کر بہت افسردہ ہوا،اس نے کہا کہ ہم کشمیر میں پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ پاکستان میں ہر کام اسلام کے قوانین کے مطابق ہوتا ہوگا، وہاں پر کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا ہوگا، حرام چیز سے دوری ہوگی۔ پاکستان میں خواتین باپردہ ہونگی۔ بے حیائی نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، رشوت لینا اور دینا جرم ہوگا۔ نماز کے اوقات میں ہر چیز بند ہوگی، مساجد لوگوں سے بھری ہونگی مگر افسوس جب آج پاکستان دیکھا تو سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔اس کی بات سن کر دکھ تو کیا آنکھیں نم ہو گئیں کہ ہمارے متعلق ہمارے بھائیوں کا کیا خیال تھا اور آج ان کے سامنے ہمارا کردار کیسا نکلا۔

میرا پاکستان ملاوٹ سے پاک ہو، ملاوٹ چیزوں کی نہیں بلکہ ہمارے کردار کی بھی ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ساتھ ادویات بھی خالصتاً فروخت کرنی چاہیے تاکہ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں مضبوط اور توانا ہوں۔ ہمارا کردار ایک دوسرے کے سامنے ایک سا ہونا چاہیے یہ نہیں کہ سامنے کچھ اور پیچھے کچھ۔

ویسے تو اور بہت سی چیزیں ہیں جن پر ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر ان سب کے ساتھ جو بہت اہم اور ضروری ہے وہ ہے ہمارا مذہب اسلام۔ ہم کو مسلمان ہونے کے ناطے اپنے مذہب کو پوری دنیا میں مثال بن پیش کرنا ہوگا تاکہ دنیا پر یہ ثابت ہو کہ اگر کوئی دین، مذہب ہے تو وہ صرف اسلام۔ ہمیں اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ ساتھ ایک کتاب (قرآن) کا تھامنا ہوگا۔ ہمیں اپنے آپ کو فرقہ واریت سے دور رکھنا ہوگا۔ حق و سچ کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور قرآن مجید وہ کتاب ہے جس میں ہر وہ چیز موجود ہے جو سائنسدانوں جاننے کے لیے برسوں تحقیق کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں میرا پاکستان ایسا ہو کہ اس میں کبھی فرقہ واریت کے نام جھگڑا نہ ہو۔ دہشت گردی کے نام پر میرے مذہب اور میرے وطن پر کبھی داغ نہ لگے۔ ہم ایک دوسرے کا حق نہ ماریں بلکہ دکھ اور تکلیف میں ایک دوسرے کا بھرپور ساتھ دیں۔

کاش یہ جو کچھ میں نے لکھا ہو اور میرا رب اس کو قبول کرتے ہوئے میرا پاکستان ایسے بنا دے کہ ہم سب گردن اٹھا کر پوری دنیا میں جی سکیں۔ لوگ میرے پاکستان کی مثالیں دیں اور ہمارے کردار کو اپنائیں۔ اللہ ہم سب کو ایسا بننے اور پاکستان کا نام روشن کرنے کی توفیق دے آمین۔

پاکستان ایک عشق ایک جنون

14 اگست کے دن کو پاکستان کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ دن ہے جب دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک چاند کی مانند روشن ہو کر ابھرا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں انگلستان کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے والا یہ ملک پاکستان ہی تھا جس کی بدولت ہندوستان کو آزادی ملی۔ اگر مسلمان قائدِ اعظم کی قیادت میں متحد ہو کر آزادی کی جنگ نہ لڑتے تھے ہندو بنیے ساری زندگی انگریزوں کی غلامی میں رہتے۔ اگر ہم آزادیِ پاکستان کی تاریخ اٹھا کر پڑھیں تو ہماری آج کی نسل کی روح تک کانپ کر رہ جائے گی۔ انگریزوں سے نجات بظاہر پاکستان نے حاصل کر لی مگر ظلم و ستم کے جو پہاڑ ہندوؤں نے ڈھائے اس کی مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ ہندوؤں نے ہجرت کر کے پاکستان آنے والوں پر وہ ظلم ڈھائے کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔

ایک دن ہم سب گھر والے اپنی والدہ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ والدہ نے جب پاکستان کی بنیاد کی داستان سنائی تو ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم جب گھر سے نکلے تو ہندوؤں نے ہمارے بے پناہ تشدد کیا۔ ہماری گاڑیوں پر تلواروں سے وار کیے۔ ہمارے اپنے ہماری آنکھوں کے سامنے شہید کر دیے اور ہمیں ہمارے بڑے گودوں میں بھر کر گاڑی میں بیٹھاتے رہے۔ ہر کوئی

اپنا مال وزر چھوڑ کر صرف پاکستان کی محبت میں ہندوستان سے نکل رہا تھا۔آج ہم جس ملک میں بیٹھے ہیں ہم اس کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر بیٹھے ہیں مگر اس کی بنیاد میں کتنا لہو ہے یہ ان کو پتا ہے جن کے عزیز و اقارب ان کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔

آج جموں وکشمیر کو دیکھ لیں اس کی کیا حالت ہے۔اس پر کتنا ظلم و ستم ڈھایا جارہا ہے مگر افسوس ہے کہ ہم مسلمان کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے بیٹھے ہوئے ہیں۔پاکستان کی بنیاد کلمہ طیبہ پر رکھی گئی تھی شائد یہی جذبہ تھا کہ ہر مسلمان اپنی جان ہتھیلی پر رکھ میدان عمل میں نکلا۔ہندوستان سے آنے والوں نے اللہ کے نام پر اپنے گھربار، جائیدادیں، چھوڑیں۔لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، ہزاروں شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں، صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین کے مطاق زندگی گزاری جائے اور جب یہ مہاجرین پاکستان آئے تو یہاں موجود ان کے سندھی، پنجابی، بلوچ،پٹھان و دیگر بھائیوں نے ان کو گلے سے لگایا۔ان کے زخموں پر مرہم رکھا،ان کی دل جوئی کی ، صرف اور صرف اسلام کے نام پر۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک" ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

مگر آج ہم اپنے اللہ ، رسول ، کتاب کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کے فرمان کو فراموش کر چکے ہیں۔آج ہم اسلامی اصولوں کی بجائے یہودی کے بنائے ہوئے اصولوں کے تابع ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والوں نے صرف اللہ کے نام کی خاطر اپنا گھر بار، جائیدادیں چھوڑیں، ہزاروں لوگ شہید ہوئے، ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں صرف اس لئے کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جائے جہاں اپنے دین اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں ۔جب لوگ ہجرت کرکے پاکستان پہنچے تو یہاں پر موجود مسلمان بھائیوں نے ان کو آگے بڑھ کر نہ صرف گلے لگایا بلکہ ان کے زخموں پر مرہم بھی رکھا۔

14 اگست کے دن پاکستان بھر میں مختلف مقامات پر تقریبات ہوتی ہیں۔اس دن کا آغاز توپوں کی سلامی سے کیا جاتا ہے۔ صدر پاکستان اور وزیر اعظم قومی پرچم بلند کرتے ہوئے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اس پرچم کی طرح اس وطن عزیز کو بھی عروج و ترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں گے۔مگر یہ عہد صرف زبانی کلامی ہوتا ہے اس عہد پر عمل نہیں ہوتا۔آج پاکستان کو قائم ہوئے 69برس ہو گئے ہیں

مگر آج کا دور ہر گزرنے والے دور سے بدتر ہو رہا ہے۔ بد قسمتی سے اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں سے ہر آنے والا دن نئی آفات اور پریشانیاں لے کر داخل ہوتا ہے۔ ہر طرف قتل وغارت ہو رہی ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ ہم نے یہ ملک لاالہ الااللہ پر بنایا تھا لیکن ہم محمد رسول اللہ پر اس کی تکمیل کرنا بھول گئے۔

14 اگست کو پاکستان میں سرکاری طور پر تعطیل ہوتی ہے، جبکہ سرکاری ونیم سرکاری عمارات میں چراغاں ہوتا ہے اور سبز ہلالی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام صوبوں میں مرکزی مقامات پر تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ ثقافتی پروگرام کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ پاکستان کی تمام شہروں میں ناظم قومی پرچم بلند کرتے ہیں جبکہ کثیر تعداد میں نجی اداروں کے سربراہان پرچم کشائی کی تقاریب میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں بھی پرچم کشائی کی تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رنگارنگ تقاریب، تقاریر اور مذاکروں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا 14 اگست پر سبز ہلالی پرچم لہرانے سے ہماری آزادی مکمل ہوتی ہے ؟ کیا رنگارنگ تقریب اور کیک کاٹنے سے پاکستان کی آزادی کا پتہ چلتا ہے؟ غلام ہم آج بھی ہیں کیونکہ غلامی ہم بے شک نہیں کر رہے مگر

ہمارے حکمران کفار سے قرضے لیکر ہمیں گروی رکھ رہے ہیں۔ ہماری آنے والی نسلوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رہے ہیں۔ خدارا اب بھی وقت ہے اس ملک کی طرف دیکھو جو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اے مسلمانوں اسلام کا دامن پکڑ لو جس کی بنیاد پر میں معرض وجود میں آیا ہوں۔ چھوڑ دو فرقہ واریت کو، رشوت خوری کو، ظلم و ستم کو اور اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی عزت و نفس کے لیے نکلو، کشمیر اور فلسطین کو کفار کے چنگل سے آزادی دلاؤ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے کہ ہم پوری دنیا کے مسلمانوں کو یکجا کرکے ایک پلیٹ فارم (اللہ اور اس کے رسولؐ) پر اکٹھے ہو جائیں تاکہ دنیا کی کوئی بھی طاقت ہماری طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ آمین

وطن کے غداروں سے نبٹنے کا وقت آگیا

پاکستان ماہ اگست میں معرض وجود میں آیا۔ ہر پاکستانی کے لیے پاکستان اللہ کی طرف سے ایک نعمت مترقبہ ہے مگر پاکستان کے اندر ہی کچھ غدار وطن اس ماہ میں پاکستان کے خلاف اپنا زہر اُگل کر اپنی اصلیت دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے آقاؤں کو خوش کرتے ہیں۔ ویسے تو بھارت نے پاکستان کے حالات خراب کرنے کے لیے بہت سے را کے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں لیکن بہت سے " را" نما "رہنما" بھی ان کا ہی کام کر رہے ہیں لیکن جب اللہ کی نصرت ساتھ ہو تو کوئی دشمن پاکستان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔
بلوچستان میں دشمنان پاکستان نے بہت کوششیں کیں کہ پاکستان کے حالات نہ سدھریں حتیٰ کہ بلوچستان کو پاکستان سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر آج الحمد اللہ پورے بلوچستان میں پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند ہورہے ہیں ۔ پاکستان کے حق میں ریلیاں نکالی جارہی ہیں۔ بھارت کے ایجنٹ پاکستان سے فرار ہورہے ہیں۔ بلوچستان کے غیور کھلم کھلا پاکستان کے حق میں بول رہے ہیں اور پاک دشمنوں کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔
کسی بھی ملک میں سیاسی پارٹیاں اپنے ملک کی خیر خواہ ہوتی ہیں۔ان پارٹیوں

کا نعرہ پہلے ملکی و قومی مفادات ہوتے ہیں مگر ہمارے پاکستان میں سیاسی پارٹیوں کے پہلے اپنے مفاد ہوتے ہیں بعد میں پاکستان۔ اپنے مفادات کی خاطر سیاسی لوگ ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں جاتے ہیں۔ تمام سیاسی پارٹیاں پاکستان زندہ باد کا نعرہ بلند کرتی ہیں مگر کچھ پارٹیاں اس کے خلاف کام کر رہی ہوتی ہیں اور یہی سیاستدان اپنی کرسی کی خاطر ایسی پارٹیوں سے ملکر حکومت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اگر نہ بھی ہوں تو حکمرانوں اور اداروں کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے عناصر کا خاص خیال کیا جائے۔

ایم کیوایم سندھ کی نہیں بلکہ پاکستان کی سیاسی پارٹی ہے۔ اس کو باقاعدہ الیکشن کمیشن نے سیاست میں آنے کا سرٹیفیکیٹ دے رکھا ہے۔ اس کے قائد کے علاوہ تمام عہدے دار پاکستان میں رہ رہے ہیں۔ اس پارٹی کا نعرہ بھی پاکستان زندہ باد ہے مگر اس کے قائد الطاف حسین جو سیاست تو پاکستان میں کر رہے ہیں مگر اس ملک میں آنے سے ڈرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے لہو کو پاکستان کے لیے بہانے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اپنے کارکنوں کی جانیں تو قربان کرا دیتے ہیں پر اپنی جان دینے سے ڈرتے ہیں۔ الطاف حسین نے کوئی ایک بار نہیں کئی بار پاکستان کے خلاف بکواس کی ہے مگر نہ جانے ہر دور کے حکمران اس کے خلاف ایکشن لینے سے کیوں ڈرتے رہے ہیں؟

پچھلے سال اسی ماہ اگست میں الطاف حسین نے امریکا کے شہر ڈیلاس میں ایم کیو ایم کے سالانہ کنونشن سے ٹیلی فون پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بھارت خود بزدل اور ڈرپوک ملک ہے۔ اگر ان میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو پاکستان کی سرزمین پر مہاجروں کا خون نہیں ہونے دیتے۔ یہ بکواس ثابت کرتی ہے کہ وہ مہاجر نہیں بلکہ انڈین ایجنٹ بن کر کام کر رہے ہیں۔ الطاف حسین نے اپنے کارکنوں کو ہدایت کہ امریکی اخباروں کو خط لکھیں اور پاکستان کی اصل صورتحال سے آگاہ کریں۔

اس بار پھر اگست کے ماہ میں اس غدار نے پاکستان کے خلاف محاذ کھول دیا۔ پچھلے چند دنوں سے اس سیاسی جماعت نے بھوک ہڑتالی کیمپ لگا رکھا تھا۔ ذرائع کے مطابق ہڑتالی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے ایم کیو ایم کے قائد نے ایسے جملے استعمال کیے کہ کارکن یک دم آپے سے باہر ہوگئے اور پورے شہر میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ انہوں نے رینجرز، ٹی وی چینلز کے خلاف کارکنوں کو اکسایا۔ متحدہ سربرا کا کہنا تھا:

"کارکنوں سن لو جیو، اے آر وائی اور باقی تمام ٹی وی ہمارے پیسے پر پلتے ہیں اور ہمیں ہی دکھانے میں انہیں شرم آتی ہے۔ 12 گھنٹوں میں بڑا فیصلہ لینا ہے، جو کارکن فیصلہ نہیں لے سکتا وہ ایم کیو ایم چھوڑ دے"

قائد کی گفتگو کے جواب میں کارکنوں نے جواب دیا کہ "نہیں بھائی! ہم 12 گھنٹوں میں سب کچھ کرکے دکھائیں گے۔" انھوں نے پاکستان کے خلاف نعرے بھی لگوائے جس کی سوشل میڈیا پر ویڈیو کلپ بھی آچکی ہے۔

جیسے ہی خطاب ختم ہوا متحدہ کے کارکنوں نے کراچی پریس کلب اور نجی چینلز کے دفاتر پر حملہ کردیا۔ گاڑیوں اور موٹرسائیکلوں کو نذرآتش کردیا۔ کراچی کا امن چند منٹ میں تباہ کرکے رکھ دیا۔

الطاف حسین کی تقریر کی طرح ایک بار کسی اور نے بھی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آنے کا خواب دیکھا تھا مگر اس کی یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ ہم پاکستانی عوام آپس میں جتنا مرضی لڑ مرلیں مگر غدار وطن اور بھارت کے لیے ہم سب ایک بند مٹھی کی طرح ہیں۔ ہمارے سیاستدان آپس میں جتنی مرضی ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ لیں مگر جو سیاستدان ہمارے ازلی دشمن کی جھولی میں بیٹھ کر ہمیں دھمکیاں دے گا وہ پھر پاکستان تو کیا پاکستان کی سرحد پر اپنی میت بھی نہیں لاسکتا۔

پچھلے اگست کی طرح آج بھی ہمارے حکمرانوں سمیت تمام سیاستدان الطاف حسین کی اس تقریر پر تنقید کررہے ہیں۔ کوئی غدار بول رہا ہے تو کوئی کہہ رہا ہے کہ

یہ انڈیا کی زبان بول رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہر بار کی طرح چند سیاستدان میڈیا پر آ کر الطاف پر تنقید کرکے پھر سو جائیں گے۔ ہمارے سیاستدانوں میں ملی یگانگت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمارے معزز ترین ادارے کو برا بھلا کہتا ہے، کبھی انڈیا کو مداخلت کرنے کا پیغام دیتا ہے تو کبھی نیٹو کو بلاتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو ہم پاکستانی شہری کا درجہ دے سکتے ہیں؟ کیا اس کو پاکستان میں سیاست کرنے کا حق دیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ ہمارے ملک میں حکمرانی کر سکتا ہے؟

آج پاکستانی عوام حکومت سے نہیں بلکہ آرمی چیف سے مطالبہ کر رہی ہے کہ ایم کیو ایم کے قائد کو پاکستان کے معاملات سے الگ کریں اور اس کے خلاف انٹرنیشنل سطح پر کاروائی کرائی جائے۔ کل کے حالات جن لوگوں نے خراب کیے یا خراب کرائے ان پر دہشت گردی کا مقدمہ چلایا جائے۔ اگر یہ پارٹی ملک دشمن میں عناصر میں شامل ہے تو فی الفور اس کی الیکشن کمیشن سے رجسٹریشن ختم کی جائے۔

سیاستدانوں کے خالی بیان بازی سے کام نہیں چلے اب سوچنا ہوگا کہ ایسی پارٹی جس کا قائد ملک کے خلاف باتیں کرتا ہو اس کو قومی دھارے میں شامل کرنا چاہیے کہ نہیں؟

ہمارے سیاستدان پچھلے دو سالوں سے کرسی کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ کبھی

عمران خان تو کبھی طاہر القادری سڑکوں پر نکل رہے ہیں مگر ملک دشمن عناصر کے خلاف کوئی سیاستدان میدان میں نہیں آ رہا۔ سانحہ کوئٹہ کے بعد جتنی حب الوطنی بلوچستان میں دیکھنے کو ملی اتنی کہیں بھی نہیں۔ آخر ہم کب تک اپنے مفاد پر اس ملک کو قربان کرتے رہیں گے؟ کیا ہمارے حکمران بھی ترکی کے رجب طیب اردگان کو سامنے رکھ کر اپنے ملک کے لیے اچھا سوچیں گے؟

ہمیں معلوم ہے کہ اب پھر ہر بار کی طرح الطاف حسین نے معافی مانگ لینی ہے مگر اس بار معافی نہیں بلکہ انصاف کرنا ہوگا حکمرانوں کو بھی اور آرمی چیف کو بھی۔

لَبیکَ اَللّٰھُمَّ لبّیک

حج اسلام کے 5 ارکان کا آخری رکن ہے۔ تمام عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتب حج بیت اللہ فرض ہے جس میں مسلمان سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں قائم اللہ کے گھر کی زیارت کرتے ہیں۔ حج اسلامی سال کے آخری مہینے ذوالحج میں ہوتا ہے۔حج کی فضیلت حاصل کرنا ہر مسلمان کے نصیب میں نہیں مگر خواہش ہر مسلمان کی ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کے گھر کی زیارت کرتے ہیں اور قیامت سے پہلے وہ جگہ دیکھ لیتے ہیں جہاں مرنے کے بعد تمام لوگوں نے اکٹھا ہونا ہے۔

8 ذی الحجہ سے حج کے ارکان شروع ہوجاتے ہیں۔8 ذی الحجہ کا سورج طلوع ہونے کے بعد احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ سے منٰی کیلئے روانہ ہونا ہے۔حج کے لیے احرام خانہ کعبہ کی حدود میں کسی بھی جگہ سے باندھا جاسکتا ہے۔لَبیکَ اَللّٰھُمَّ لبّیک لبّیک لا شَرِیکَ لکَ لبّیک، اِنّ الحَمدَ وَالنّعمۃ لکَ وَالملکَ، لاشَرِیکَ لکَ نیت کرکے اور تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ پر احرام کی وہ ساری پابندیاں عائد ہوگئیں جو عمرہ ادا کرتے وقت احرام باندھنے پر تھیں۔ اب تمام حجاج کو منٰی جانا ہے۔منٰی کے لیے

انتظامیہ آپ کو رات سے ہی لے جانا شروع کردے گی۔ منٰی میں قیام کے دوران آپ نے کوئی خاص عمل نہیں کرنا ہے۔ بس ظہر، عصر، مغرب، عشاء او9 ذی الحجہ کی فجر کی نماز منٰی میں ادا کرنا ہے۔ 9 ذی الحجہ کی صبح سورج نکلنے کے بعد منٰی سے میدان عرفات جانا ہے۔ میدان عرفات وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا تخت سجائیں گے اور جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آج مغفرت کا دن ہے۔ آج یوم عرفہ ہے۔ میدان عرفات میں 9 ذی الحجہ کی دوپہر سے غروب آفتاب تک میدان عرفات میں قیام کرنا ہے۔ کچھ دیر کا قیام حج کا رکن اعظم ہے جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ 9 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع ہو جاتی ہیں، منٰی اور عرفات دونوں جگہ فرض نمازوں کے بعد ایک بار بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھیں۔ اَللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر، لااِلٰہَ اَلّا اللّٰہُ وَاَللّٰہُ اکبر، اَللّٰہُ اکبر وَلِلّٰہِ الحَمد۔ 9 ذی الحجہ کی فجر سے 10 ذی الحجہ تک فرض نماز کے بعد پہلے تکبیر تشریق اور پھر تلبیہ پڑھیں چونکہ تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کیساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے باقی ایام میں صرف تکبیر تشریق پڑھیں۔ وقوفِ عرفات کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر وقوف میں مصروف ہو جائیں۔ سایہ کے بجائے دھوپ میں وقوف کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر کسی بیماری کا خدشہ ہو تو آپ سایہ میں اور خیمہ میں بھی وقوف کر سکتے ہیں۔ اگر پورا وقت کھڑے رہنا مشکل ہو تو جتنی دیر کھڑے رہنے کی سکت ہو کھڑے رہیے۔

ضرورت ہو تو وقوف کے وقت بیٹھنا بلکہ لیٹنا بھی جائز ہے۔ غروب آفتاب کے بعد آج کے دن کے لیے حکم ہے مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ مزدلفہ میں ادا کی جائے۔ اب تمام حجاج کرام عرفات سے مزدلفہ کیلئے روانہ ہونگے۔ لاکھوں انسانوں کی یہ بستی مزدلفہ کے پہاڑوں پر کھلے آسمان کے تلے سجے گی۔ مزدلفہ میں رات ٹھہرنیوالے حجاج کے لیے یہ رات شب قدر سے بھی افضل ہے اس لئے اس رات کی عظمت اور قدر و قیمت کو یاد رکھیئے۔ یہ رات جاگ کر اور رب خداوندی کی عبادت میں گزاری جائے اور اگر کوئی آرام کرنا چاہیے تو وہ منع نہیں ہے۔

مزدلفہ کے وقوف کا وقت صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے تک رہتا ہے۔ مزدلفہ سے منٰی روانگی سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ منٰی جا کر شیطان کو کنکریاں مارنا ہے اس کا انتظام یہاں مزدلفہ سے کرنا ہے۔ تمام حجاج کرام ستر کنکریاں ایک تھیلی میں رکھ لیں۔ جب 10 ذی الحجہ کی صبح کا اجالا آسمان پر پھیلنے لگتا ہے تو انسانوں کا یہ سمندر ایک بار پھر منیٰ کی طرف کوچ کرتا ہے۔ ہر طرف آدم ہی آدم نظر آتا ہے۔

دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہے۔ رمی کیساتھ تکبیر کہنا مسنون ہے۔ رمی کے بعد پہلے قربانی کیجئے پھر حلق کروا کر احرام کھول دیجیئے۔ اب حجاج اکرام سِلے ہوئے کپڑے پہن سکتے ہیں، خوشبو لگا سکتے ہیں اور احرام کی

حالت میں ممنوع جملہ امور انجام دے سکتے ہیں۔اسکے بعد کعبہ کا طواف کریں۔یہ طواف حج کا رکن اور فرض ہے۔یہ طواف عام طور پر قربانی اور حجامت کے بعد سِلے ہوئے کپڑوں میں کیا جاتا ہے۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی ہوگا۔الحمد للہ دسویں ذی الحجہ کے سارے کام انجام پا گئے۔اب حجاج صاحبان مکمل طور پر احرام کی پابندیوں سے فارغ ہو گئے ہیں۔ فارغ ہو کر آپ پھر منٰی چلے جائیں۔ طواف زیارت کے بعد دو رات اور دو دن منٰی میں قیام کرنا ہے۔گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ہے اور آج رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے۔اپنے خیمے یا مسجد میں ظہر کی نماز ادا کریں اور پھر رمی کے لئے نکل جائیں۔ راستہ میں سب سے پہلے جمرہ اولی ''چھوٹا شیطان'' آئیگا۔اس پر سات کنکریاں ماریں ۔اس کے بعد آگے چلیں جمرہ وسطی '' درمیانی شیطان'' پر آئیں اور اسی طرح سات کنکریاں اسکو بھی ماریں جس طرح ''جمرہ اولی'' پر ماری تھیں۔ اس کے بعد جمرہ عقبہ ''بڑے شیطان'' پر آئیں۔ اسی طرح سات کنکریاں اس کو بھی ماریں، جس طرح پہلے دو شیاطین کو ماری تھیں۔ اس طرح حج کے تمام ارکان ادا ہو گئے ہیں اور حج کی سعادت نصیب ہو گئی ہے۔اب صرف طوافِ وداع کرنا باقی رہ گیاہے۔جب مکہ معظّمہ سے وطن واپس ہونیکا ارادہ ہو تو طواف وداع ادا کیا جاتا ہے۔ یہ طواف مکہ سے باہر رہنے والے پر واجب ہے۔ بیت اللہ سے جدائی پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیجئے۔

14 اکتوبر 2010 میری زندگی کا سب سے خوبصورت اور یادگار دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے در پر حاضری کا موقع نصیب کیا تھا۔ پی آئی اے کی فلائٹ کے ذریعے میں حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے یہ بھی فخر ہے کہ میرے رب نے مجھ سے یہ فریضہ جوانی کے دور میں ادا کروادیا۔ چالیس دن کا یہ پریڈ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ حضرت محمد ﷺ کے در پر چالیس نمازوں کا دورانیہ تو ایسے گزرا جیسے کوئی خواب دیکھا ہو۔ حج کے دوران حجاج کرام کو مختلف مراحل سے طے کرنا ہوتے ہیں۔ جن سے گزر کر انسان ایسا بن جاتا ہے جیسے ابھی جنم لیا ہے اور تمام گناہوں سے پاک ہے۔ یہ وہ سفر ہے جس کی ہر مسلم کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ میری زندگی کا سب سے حسین اور نہ بھولنے والا سفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسا سفر کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قربانی سے قبل غور طلب باتیں

حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بچے ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو بنجر اور ویران علاقے میں چھوڑ آئے جو اب مکہ معظّمہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا کہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل ذبح کرنے لیے لٹایا تو خدا کی طرف سے آواز آئی۔ اے ابراہیم ! تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں اور ہم نے اس کے لیے ذبح عظیم کا فدیہ دیا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک مینڈھا آگیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قربانی کی یاد میں ہر سال مسلمان عید الاضحیٰ مناتے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مدد سے مکے میں خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی اور اس طرح دنیا میں اللہ کا پہلا گھر تیار ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا "عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے پس اے (خدا کے بندوں! دل کی پوری خوشی کے ساتھ قربانی کرو (ابن ماجہ ۲۳۲

عید الاضحیٰ کے مسنون و مستحب اعمال

عید الضحیٰ کے دن چند چیزیں مسنون و مستحب ہیں۔

۱۔ جس پر قربانی واجب ہے اس کے لیے ذوالحج کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک ناخن، سرے کے بال، مونچھیں، بغل اور زیر ناف بال نہ کاٹنا مستحب ہے۔ (صحیح مسلم ۲:۱۲۰)

۲۔ صبح سویرے اٹھنا ۳۔ مسواک کرنا ۴۔ غسل کرنا ۵۔ پاک صاف عمدہ کپڑے پہننا ۶۔ خوشبو لگانا ۷۔ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ۸۔ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات بلند آواز سے کہنا

۹۔ ایک راستے سے عیدگاہ آنا اور دوسرے راستے سے واپس جانا

۱۰۔ عید گاہ پیدل جانا مستحب ہے تاہم عید گاہ دور ہو تو سواری پر جانے میں مضائقہ نہیں البتہ واپسی پر پیدل آنا مستحب نہیں سوار ہونے کی بھی گنجائش ہے۔

تکبیرات تشریق

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

ذوالحج کی فجر سے 13 ذوالحج کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد متوسط بلند آواز سے یہ 9 تکبیر پڑھنا ضروری ہے۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور اکیلے نماز پڑھنے والے ہر شخص پر یہ واجب ہے۔ نماز پڑھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت البتہ عورت بلند آواز سے تکبیر نہ کہے بلکہ آہستہ کہے۔

قربانی کا حکم

سورۃ الکوثر میں فصل لربک وانحر اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ یعنی جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی قربانی بھی اسی کے نام کی ہونی چاہیے کسی غیر کے نام کی نہیں ہو سکتی۔ قربانی مکہ معظّمہ یا کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قربانی کے وجوب کی شرائط پائے جانے کے بعد ہر شخص پر ہر شہر میں واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد دس سال تک

مسلسل مدینہ طیبہ میں قربانی فرماتے رہے۔

قربانی کس پر واجب ہے

قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ اور مقیم پر واجب ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد موجود ہو۔ معلوم ہوا کہ کسی کافر، پاگل، نابالغ، بچہ، مسافر اور فقیر پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی کے ایام

قربانی کی عبادت میں صرف تین دن 10,11,12 ذوالحج کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان تاریخوں میں جب چاہیے قربانی کر سکتا ہے خواہ دن ہو یا رات البتہ دن کو قربانی کرنا بہتر ہے۔ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ بارہویں تاریخ کی مغرب کے بعد قربانی کرنا جائز نہیں۔

قربانی کا طریقہ

اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے اگر خود نہیں جانتا تو دوسرے سے بھی کرواسکتا ہے۔ مگر ذبح کے وقت حاضر رہنا افضل ہے۔ قربانی کی نیت دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی

کہ لے تو ٹھیک ہے البتہ ذبح کے وقت بِسمِ اللہِ اَللہُ اَکبرُ زبان سے کہنا ضروری ہے۔
قربانی کے جانور اور ان کی شرائط
بکرا، دنبہ، بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، مال حلال کا ہو ان میں سے کسی کی نیت گوشت کھانے کی نہ ہو۔
بکرا اور بکری کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو بھی جائز ہے اگرچہ عمر میں سال سے کم ہو۔ گائے، بیل بھینس کی عمر دو سال اور اونٹ کی عمر پانچ سال ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم، عمر کا جانور قربانی کے لیے ناکافی ہے۔ اگر جانور فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور جانور کی ظاہری حالت اسکی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔
خصی جانور کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ جس جانور کی سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو یا ہو مگر درمیان سے ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ البتہ سینگ جڑ سے اُکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانوروں کی قربانی جائز نہیں

اندھا، کانا، لنگڑا اور ایسا بیمار اور کمزور جانور کو جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں پر چل کر نہ جاسکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اسی طرح جس جانور کے دانت بالکل نہ ہو یا اکثر نہ ہوں ان کی قربانی جائز نہیں۔ اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں تو اگر خریدنے والا غنی صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر غنی صاحبِ نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے صحیح جانور کی قربانی کرے۔

ڈنڈا بردار سیاست

سیاست بھی کیا چیز ہے؟ہر کام میں سیاست کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے والے بھی آج تک نا سمجھ سکے اور نا سمجھ تو پہلے ہی اس سے ناواقف ہیں۔ وقت کس تیزی سے گزر رہا ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔بڑے سے بڑے سیاستدان کو ایک معمولی سا ورکر سیاست کی مات دے جاتا ہے۔ سیاستدان اسمبلیوں میں پہنچنے سے پہلے امیر غریب، چھوٹے بڑے ہر طبقے کے گھر ووٹ مانگنے پہنچ جاتے ہیں۔اس وقت کوئی ذات برادری اور امیر غریب کا فرق نہیں ہوتا مگر جیسے ہی جیت کا اعلان ہوتا ہے ان کی آنکھیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ پھر امیر غریب، چوہدری اور کمی کمین کا فرق آنا شروع ہو جاتا ہے۔ان کو اپنے حلقے کی عوام سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ وقت آنے پر اس کا جواب حلقے کی عوام اگلے الیکشن میں اس کو شکست دلا کر اپنا بدلہ چکاتے ہیں۔ سیاست کے نام پر عوام کو گمراہ کرنا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ سیاست اگر عوام کی خدمت سمجھ کر کی جائے تو اس سے بڑھ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہونے کے ناطے اگر ہم نے سیاست کا سبق پڑھنا ہے تو انبیاء اکرام کے دور کو دیکھو۔

دنیا کے ہر ملک ، ہر خطہ میں سیاست ہوتی ہے مگر واہ ری پاکستانی سیاست تیری کیا بات ہے۔ جتنی اچھی سیاست پاکستان میں ہوتی ہے شاید اتنی کسی اور ملک

میں نہیں ہوتی۔ پاکستان اسلامی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ایک اسلامی ریاست ہے اور الحمداللہ ہمارے صدر، وزیر اعظم اور زیادہ تر مرکزی و صوبائی حکومتی نمائندگان مسلمان ہیں اور جھوٹ بولنا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر مذہب میں گناہ ہے۔ ہمارے سیاستدانوں جتنا جھوٹ کوئی نہیں بول سکتا کیونکہ اپنے ذاتی مفادات سے آگے انہیں ایک انچ بھی نظر نہیں آتا۔

آج کل ہمارے ملک میں پانامہ کو ایشو بنا کر بڑے زور وشور سے سیاست کا میدان گرم کیا ہوا ہے۔ کہا جارہا ہے کہ وزیر اعظم اور ان کے اہل خانہ کرپشن میں ملوث ہیں۔ ملک کو دیمک کی طرح یہ لوگ چاٹ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا سرمایہ بیرون ملک میں بھیجا ہوا ہے۔ ان کی انڈیا اور سعودی عرب میں فیکٹریاں چل رہی ہیں۔ اگر ہم اپوزیشن کی یہ سب باتیں درست مان لیں تو پھر ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ اگر عوام کی خاطر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے تو پھر ان سے پہلے جو لوگ حکومت کر گئے وہ کون سے دودھ کے نہلائے ہوئے تھے؟ ابھی زیادہ دور نہ جاؤ چند دن پہلے عدلیہ نے سابق صدر پرویز مشرف کی جائیداد کیوں قرق کرنے کا حکم صادر فرمایا؟ زرداری صاحب کے سوئس بنک کا مسئلہ حل ہوگیا کیا؟ الطاف حسین کو پاکستان سے بھیجی جانے والے کرنسی منی لارڈنگ تھی یا نہیں؟ خان صاحب کے چہیتے علیم خان اور جہانگیر ترین کو پانامہ لیکس سے گرین چٹ مل گئی کیا؟ ان کے علاوہ ہمارے ملک کے بہت سیاستدان مختلف اداروں کے نادھندہ ہیں

کیاوہ سب اپنے آپ کو کلئیر کرا گئے؟ذی شعور انسان بتائے کہ کیا جو خود نماز نہ پڑھتا ہو، روزے نہ رکھتا کیا وہ دوسروں کو نماز کی تلقین کرنے کا حق رکھتا ہے؟

اگر ہماری اپوزیشن کرپشن کے خلاف ہیں تو پہلے اپنے آپ کو پھر اپنی پارٹی کو تو صاف کرلیں اس کے بعد ہم اگلے کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے قابل ہونگے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے عیب نہیں دیکھتے بلکہ دوسروں کو عیب دکھانے کے عادی ہیں۔ جب ہمارے کالم نگار حکومت کی حمایت میں کالم لکھ دیں تو فوراًآواز اٹھتی ہے کہ لفافہ مل گیا ہوگا یا کوئی مفاد حاصل کرلیا ہوگااور اگر اپوزیشن کی حمایت میں آواز اٹھائیں تو حکومت کے حامی لوگ ہمیں وہ القاب سے نوازتے ہیں کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔

حقیت یہ ہے کہ سارے قلم کار نہ تو کسی سیاسی جماعت خریدار ہیں اور نہ ہی مفاد پرست ہیں بلکہ وہ تو اپنی قلم اپنے ضمیر کی آواز اٹھاتے ہیں۔ میں آج اپنا کالم حکومت یا اپوزیشن کے حق یا مخالفت میں نہیں لکھ رہا بلکہ میں تو اپنی عوام کے سامنے ایک چھوٹا سا تجزیہ پیش کررہا ہوں۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کوئی بھی اپوزیشن جماعتوں یا حکومتی نمائندہ بتائے

کہ ملک کرپشن ابھی دو ماہ سے شروع ہوئی ہے یا پہلے بھی تھی؟ کیا پاکستان میں سب بڑا مسئلہ کرپشن کا ہی ہے؟ کیا بجلی پوری ہو گئی ہے پاکستان میں؟ بیروزگاری کا خاتمہ ہو گیا ہے؟ تعلیم جو ہمارا بنیادی حق ہے وہ گھر گھر پہنچ چکی ہے؟ کیا انصاف کے تقاضے پورے ہو گئے ہیں؟ عوام جانتی ہے کہ یہ سب عوام کے لیے نہیں بلکہ اپنی حکمرانی قائم کرنے کے لیے سارا واویلہ کیا جا رہا ہے۔

اب چند دنوں سے ملک میں ایک نیا ڈرامہ شروع ہو گیا ہے۔ خان صاحب نے رائیونڈ جانے کا اعلان کیا کیا اب ڈنڈا گروپ سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ن لیگ اور پی ٹی آئی کے متوالے اپنے اپنے شہروں میں ڈنڈا گروپ بنا کر سرعام ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہیں۔ کیا اب سیاست اس طرح کی ہو گی؟ کیا اب سیاستدان ایک دوسرے کے گھروں پر دھرنا دیں گے؟ الیکشن کی بجائے دھرنوں سے اقتدار حاصل کیا جائے گا؟ اگر خان صاحب رائیونڈ شہر میں جلسہ کرنے جا رہے ہیں تو پھر ن لیگیوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ ڈنڈا دکھائیں کیونکہ کسی بھی شہر میں جلسہ کرنے کا حق ہر سیاسی جماعت کو حاصل ہے اور اگر وہ جلسہ نواز شریف کے گھر کے سامنے کر رہے ہیں تو پھر یہ ریت چل نکلی تو ملک کا امن و امان تباہی طرف چل نکلے گا۔

سیاسی جماعتوں کو اپنے مفاد سے زیادہ عوام کے مفاد کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ عوام نے جس کو دل چاہ اس کو ووٹ دیے مگر اس پر شب خون مارنے کا حق کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ اب کل ہی چیچہ وطنی میں پی ٹی آئی کی سیٹ ن لیگ نے جیتی ہے۔کیا یہ عوام کا فیصلہ کافی نہیں ان لوگوں کے لیے جو ن لیگ پر تنقید برائے تنقید کر رہے ہیں۔

خدارا اب تو ہوش کے ناخن لو! کب تک اپنی انا کی جنگ میں عوام کو مرواتے رہو گے؟ عوام کو بھی اب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ کون ملک کے خیر خواہ ہیں اور کون اپنے مفاد کے۔ اللہ تعالی ہمارے ملک پر رحم کرے اور ہمارے سیاستدانوں کو عوام کی سچے دل سے خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین

رائیونڈ مارچ

رائے ونڈ صوبہ پنجاب کے شہر لاہور کا ایک قصبہ ہے۔ یہ لاہور سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور اسکی تحصیل بھی ہے۔ یہاں پر ریلوے کی ایک بڑی ورکشاپ بھی ہے۔ رائیونڈ کو اہمیت 1990 میں ملی جب میاں نواز شریف نے اپنے دور حکومت میں ایک صنعتی زون شہر کے مغرب میں قائم کیا۔ اس کے بعد میاں برادران نے اس شہر کے قریب جاتی عمرہ میں اپنی رہائش گاہ بنا لی۔ ق لیگ کے دور میں اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب پرویز الہی نے یہاں پر سندر انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس شہر کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ پنجابی اور میواتی یہاں کی اہم زبانیں ہیں۔ اس شہر کی ایک خاص بات یہاں کے ایم پی اے عبدالرشید بھٹی نے پنجاب اسمبلی میں پہلی بار پنجابی میں تقریر کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہوا ہے۔ یہاں تعلیم کے لیے بہت سے سرکاری اور پرائیویٹ ادارے موجود ہیں۔ اس شہر میں بہت سی صنعتیں قائم ہیں۔

ویسے تو رائے ونڈ پوری دنیا کا جانا پہچانا شہر ہے۔ اسکی پہلی اور سب سے بڑی وجہ یہاں پر حج کے بعد مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہر سال منعقد ہوتا ہے جس میں دنیا بھر سے مسلمان لوگ شریک ہوتے ہیں۔ دنیا بھر کے علما اکرام ، سیاستدان اور بہت سے نامور ہستیوں کو اس اجتماع میں آنے شرف حاصل ہے۔ یہاں تبلیغ کا کام دن رات ہوتا ہے۔ دوسری اس شہر کی وجہ شہرت نواز شریف کی رہائش

ہے۔ ویسے تو یہ رہائش رائیونڈ سے فاصلے پر ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ ان کی رہائش رائیونڈ میں ہے۔جب سے پانامہ لیکس لیک ہوا ہے اس دن سے اپوزیشن جماعتیں میاں صاحب کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے بالخصوص عمران خان۔عمران خان نے اس سلسلے میں کئی جلسے اور ریلیاں نکال بھی لی ہیں۔

آج کل پاکستانی عوام میں رائے ونڈ کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ جس طرف چلے جائیں ہوٹلوں اور چوراہوں پر آپ کو رائیونڈ کا ذکر ہوتا ہوا ملے گا۔رائیونڈ جانا کوئی بری بات نہیں میں پہلے بھی ذکر کرچکا ہوں کہ ادھر دنیا بھر سے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں کیونکہ یہاں تبلیغ کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے ایک دن میں ہزاروں لوگ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے نکلتے ہوئے دنیا کے کونے کونے میں پہنچتے ہیں۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے 30 ستمبر کو رائیونڈ مارچ کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''30 ستمبر کو پورے پاکستان کا رخ رائیونڈ کی جانب ہوگا۔ ملک بھر کے کارکن اور عوام اس تاریخ کو رائیونڈ پہنچیں۔رائیونڈ کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے''۔ خانصاحب کے اس فیصلے کے بعد رائیونڈ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔رائیونڈ کی اہمیت تو بڑھ گئی مگر سیاستدان میں ایک نئی بحث چھڑ گئی۔ خانصاحب نے رائیونڈ آنے کی ہر ایک کو باضابطہ دعوت دی مگر سب نے ان کو انکاری میں صاف جواب دیا ماسوائے شیخ رشید کے۔ خانصاحب کے بڑے بھائی

نے بھی اپنے بھائی کی کال پر لبیک نہیں کہا بلکہ صاف جواب دیا کہ گھروں پر جانا ہماری سیاست نہیں۔ ذرائع کے مطابق جماعت اسلامی، ق لیگ اور پیپلز پارٹی نے بھی اسی قسم کا جواب دیکر عمران خان کو ایک بار تنہا کردیا۔

عمران خان نے اس کے باوجود اپنا فیصلہ تبدیل نہ کیااور انہوں نے تن تنہا ہی رائیونڈ کا رخ کرلیا۔ ذرائع کے مطابق رائیونڈ میں ٹھیکر پہنچ گئے ہیں۔ تحریک انصاف کے لوگ ڈور ٹو ڈور جاکر رائیونڈ جانے کی دعوت دے رہے ہیں جیسے اجتماع کے دوران مولوی حضرات لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری سکول انتظامیہ نے 30 ستمبر کو سکول بند رکھنے کا اعلان بھی کردیا۔ پاکستان بھر سے رائیونڈ جلسے میں آنے کی توقع کی جارہی ہے۔ اگر عمران خان اس بار بھی دھرنے کی طرح ناکام ہوئے تو عمران خان اپنی سیاسی موت خود مرجائیں گے اور دوسری جماعتوں کو بھی بولنے کا موقع مل جائیگا کہ ہمارے بنا عمران خان صفر ہے اور اگر عمران خان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو پھر وہ یہ ثابت کردے گے کہ ان میں تنہا پرواز کرنے کی کتنی طاقت ہے۔

مختلف تجزیہ نگار اپنے اپنے تجزیے پچھلے کئی دنوں سے پیش کررہے ہیں۔ قلمکار اپنے کالموں کے ذریعے اپنا اپنا نظریہ پیش کررہے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر عمران خان صرف روزمرہ کی طرح جلسہ کرکے پرامن واپس آجاتے ہیں تو

پھر اس کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس کو محض ایک جلسہ ہی سمجھا جائے۔ اگر اس کو انا کا مسئلہ کسی بھی سیاسی جماعت نے بنایا تو پھر اس سے ملک کے اندرونی حالات خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ ایک طرف ہمارا دشمن ہماری سرحدوں پر جنگ کے لیے تیار کھڑا ہوا اور دوسری طرف ہم آپس کے اختلاف بھلانے کی بجائے ان کو ہوا دے رہے ہیں۔ میری قلمکاروں، ٹی وی تجزیہ نگاروں سے درخواست ہے کہ اس رائیونڈ مارچ کو صرف ایک جلسے کا نام دیں اس کو انا کا نام نہ دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے ملک کو ہمیشہ بری نظر سے بچائے۔ آمین

بھارت کا جنگی جنون اور پاکستان کا منہ توڑ جواب

آج کل بظاہر بھارت پر جنگی جنون سوار ہے مگر وہ ہماری طاقت سے بھی غافل نہیں اس کو پتا ہے کہ اگر پاکستان سے اب پنگاہ لیا تو کشمیر تو لیکر جائیں گے مگر بھارت کے اور بہت سے ٹکڑے ہوئے جائیں گے۔ مودی سرکار نے پاکستان کے خلاف جہاں بھی زہر اگلا وہ زہر اس کے گلے پڑ گیا۔ ن لیگ کی جب بھی حکومت آتی ہے بھارت جارحیت پر اتر آتا ہے۔ پہلے نواز شریف کی حکومت آئی تھی جب بھی کارگل کا واقعہ ہوا تھا اور بھارت کو منہ کی کھانا پڑی تھی۔اب پھر ن لیگ کی حکومت ہے اس دن سے آج تک بھارت کی فوج ہر روز کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہماری آرمی سے منہ کی کھا رہی ہے۔ بھارتی حکمران سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح کی حرکت کرکے پاکستان کو ڈرایا جاسکتا ہے مگر یہ ان کی بھول ہے۔ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا تھا۔ ہم مسلمان ہونے کے ناطے عالمی برادری کو یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی کو ناجائز تنگ نہیں کرتا اور اگر کوئی ہمیں کمزور سمجھتا ہے تو اس کی غلط فہمی سود کے ساتھ دور کرتے ہیں۔

کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے جبکہ بھارت اس کو اپنا انگ کہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پوری دنیا میں کوئی اپنے انگ کو نقصان پہنچاتا ہے ؟ کبھی بھارت نے

اپنی فوج دلی، ممبئ یا کسی اور شہر میں اس طرح بھیج کر تباہی کی ہے جس طرح کشمیر میں بھیجی ہوئی ہے؟ کشمیر میں جو ظلم کیے جا رہے ہیں اس کی مثال دنیا کے کسی بھی ملک میں نہیں ملتی۔ کشمیریوں کو مسلمان ہونے کی سزا دی جا رہی ہے۔ کشمیری بھارت کے ساتھ نہیں بلکہ پاکستان کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت سے کشمیر پاکستان کا حصہ تھا، حصہ ہے اور حصہ رہے گا۔ اقوام متحدہ جو اپنے آپ کو پوری دنیا کا منصف کہلاتا ہے وہ بتائے کہ اس کی قراردادوں پر آج تک عمل کیوں نہیں ہوا؟ اقوام متحدہ کے سیکرٹری بان کی مون بتائیں کہ کیا کبھی انہوں نے کشمیر میں جا کر صورتحال کا جائزہ لیا؟ کبھی کشمیریوں کے بہتے خون کو حساب لیا؟ اس بات سے ہر کوئی واقف ہے کہ کشمیر کے ایشو پر اقوام متحدہ بھی میٹھی نیند کی آغوش میں ہے۔ انسانیت کا درس دینے والے خود کشمیر میں انسانیت پر ظلم کرا رہے ہیں۔ دوسرے کے عیب دکھانے والے اپنے عیب پر پردہ ڈال رہے ہیں۔

اب جب کشمیر کی صورتحال اتنی خراب ہو گئی کہ پاکستان تو پاکستان دنیا کے دوسرے ممالک بھی اس پر چیخ اٹھے تو بھارت ٹوپی ڈراموں پر اتر آیا۔ اقوام متحدہ میں جب وزیر اعظم پاکستان نے کشمیر کے حالات بیان کئے تو اس کے جواب میں بھارت کے مرچیں لگ گئیں۔ پاکستان کے خلاف مختلف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ بھارت پاکستان کے خلاف ایک کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکا جبکہ پاکستان نے

بلوچستان میں بھارت کی دراندازی کے واضح ثبوت پیش کرکے سب کی آنکھیں کھول دیں۔

بھارت نے آج جنگ کا نام لیا تو پاک آرمی نے ایسا کام کیا کہ بھارت کی بولتی بند ہوگئی۔ پاک فضائیہ نے بھارت کو دکھا دیا کہ اس کے طیارے جوابی حملے کے لیے موٹروے پر تیار کھڑے ہیں۔ ہمارے ایٹمی میزائل بھارت کے شہروں کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ بھارت نے اگر پاکستان پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تو اس کو کچھ باتیں ہزار بار سوچنا پڑیں گی۔ بھارت سمجھتا ہے کہ پاکستان کے مخصوص مقامات پر سرجیکل سٹرائیک کرکے وہ اپنا دباؤ اور غصہ کم کرلے گا تو یہ اسکی بہت بڑی بھول ہوگی کیونکہ اب دونوں ملکوں کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہیں اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر کسی مبالغہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

بھارت نے 71 کی جنگ میں بنگلہ دیش میں جو اقدامات کئے تھے پاکستان اس کا قرض بھی اتار سکتا ہے۔ بھارت نے اپنی فضائیہ سے پوچھ لیا ہوگا کہ کیا وہ پاکستان کا مقابلہ کرسکتے ہیں تو یقیناً آج بھی مودی سرکار کو من موہن سنگھ کے دورحکومت والا ایک ہی جواب ملا ہوگا کہ ہماری فضائیہ پاکستان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ مودی سرکار کو ایٹمی تجربات میں ہونے والی ناکامیوں کا

بھی بخوبی اندازہ ہے۔ پاکستان کے دشمن تو بھارت کو جنگ پر اکسا سکتے ہیں مگر بھارت کے دوست اور پاکستان کی طاقت سے واقف لوگ بھارت کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر رہے ہیں۔

پاکستان کے آرمی چیف کے دبنگ اعلان کے بعد بھارت بغلیں جھانکنے لگا اس کو بخوبی اندازہ ہے کہ آج دنیا بھر میں پاکستان کے آرمی چیف کا طوطی بول رہا ہے۔ روس کی فوج پہلی بار ہماری فوج کے ساتھ مشترکہ مشقیں کرنے آئی ہوئی ہے۔ چین نے تو پہلے دن اپنی دوستی کا ثبوت دے دیا تھا جب اس نے کہا کہ میں پاکستان کے ساتھ کھڑا ہوں۔ رہی سہی کسر ترکی نے پوری کر دی جس نے کہا کہ پاکستان پر حملہ مسلمانوں پر حملہ تصور کیا جائے گا۔

ابھی تازہ مثال ہے کہ بھارت نے پاکستان کا پانی بند کرنے کے لیے اجلاس بلایا اس میں بھی مودی سرکار کو منہ کی کھانا پڑی۔ انڈین ماہرین نے خود ہی اعتراف کر لیا کہ اگر پاکستان کا پانی بند کیا تو چین ہمارا پانی بند کر دے گا۔اب بھارت کے اپنے لوگوں نے جب مودی سرکار کو آئینہ دکھایا تو کھسیانی بلی کھمبہ نوچے کے مترادف ان منہ کی کھانی پڑی۔

آج پاکستان کا بچہ بچہ ایک ہی بات کہہ رہا ہے اگر بھارت نے پاکستان سے جنگ

میں پہل کی تو یہ بھارت سے آخری جنگ ہوگی۔انشاءاللہ مودی اور اس کے حواری کشمیر کو خود ڈش میں رکھ کر پاکستان کو دیں گے۔ سکھ خالصتان بنا کر رہیں گے اور دوسرے آزادی کے متوالے لوگ آزادی لیکر رہیں گے اور روس کیطرح بھارت بھی کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔

ڈاک کا نظام اور ان کے مسائل

ڈاک کا نظام ایک تاریخی اور عالمی نظام ہے اس نظام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تاریخی حوالہ فرعون مصر کے ابتدائی دور سے ملتا ہے۔ بابلی دور میں تازہ دم اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سرکاری اور نجی ڈاک ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچانے کا کام انجام دیا جاتا تھا۔ اس نظام میں خطوط اور دوسرے اجرام لکھی دستاویزات، عموماً لفافے میں بند، کارڈ، پارسل اور منی آرڈر کو ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچایا جاتا ہے۔ ڈاک نظام کے ذریعہ بھیجی چیزوں کو ڈاک کہا جاتا ہے۔ایک وقت تھا کہ شہر شہر، گاؤں گاؤں میں ڈاک خانے کے ذریعے ڈاک بھیجی جاتی تھی۔

پاکستان میں بڑے شہروں میں بڑے.بڑے ڈاکخانے بنائے گئے تھے جبکہ گاؤں اور دیہاتوں میں .برانچ آفس قائم کی گئیں۔ جہاں مین شہروں میں کئی کئی افراد .ملازمت کیا کرتے تھے وہاں گاؤں میں ایک پوسٹ ماسٹر اور پوسٹ مین سے کام لیا جاتا ہے۔ پچھلے ادوار میں جب حکومت کے پاس مالی وسائل کم تھے تو وہ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں اپنی مدد آپ کے تحت کسی ماسٹر یا کم تعلیم یافتہ کو اس کی ذمہ داری بھی سونپ دیا کرتی تھی۔

ایک وقت تھا ڈاک کی ترسیل بڑے شہروں میں ٹرین کے ذریعے کی جاتی تھی اور پھر ان سے ملحقہ شہراور دیہاتوں میں پوسٹ مین میلوں سفر طے کرکے خود جاکر ڈاک لاتے تھے اور پھر گھر گھر تقسیم کیا کرتے تھے۔ پھر وقت تبدیل ہوا اور ڈاک کو بذریعہ ہوائی جہاز بڑے شہروں میں پہچانے لگے۔

جہاں پوسٹ کارڈ اور لفافے کے ذریعے خط وکتابت کی جاتی تھی وہاں بیرنگ (یعنی پیسوں والا خط) بھی استعمال ہوتا تھا۔ اگر کسی کے پاس کارڈ یا لفافہ خریدنے کی سکت نہ ہوتی تو ہو بیرنگ بھیج دیا کرتا تھا۔ جو وصول کرنے والا اس کی قیمت ادا کرکے لیتا تھا۔ لوگ خوشیوں میں ایک دوسرے کو شریک کرنے کے لیے کارڈ بھیجا کرتے تھے۔ عید پر لاکھوں روپے کے عید کارڈ بذریعہ ڈاک بھیجا کرتے تھے۔ وقت تبدیل ہوتا گیا ڈاک خانوں میں جدت آتی گئی۔ ارجنٹ میل سروس (UMS) رات کو بھی شروع کی گئی۔ ڈاکخانے کام کرنے لگے۔

پاکستان سمیت دنیا بھر میں ڈاک کا عالمی دن 9 اکتوبر کو منایا جاتا ہے۔ 1974 میں 22 ملکوں میں ڈاک کا نظام متعارف کرایا گیا۔ ڈاک کا پہلا عالمی دن 1980 میں منایا گیا۔ اس دن کے منانے کا مقصد عوام میں ڈاک کی افادیت کے متعلق آگاہی فراہم کرنا ہے۔ بے شک اس وقت دنیا بھر میں ڈاک خانوں کی وہ حیثیت نہیں رہی جو پہلے تھی کیونکہ انٹرنیٹ کی دریافت نے ہزاروں میلوں کو

چند سیکنڈوں میں قید کرلیا ہے۔ انٹرنیٹ، ای میلز اسمارٹ فونز اور ایس ایم ایس نے گھنٹوں کے فاصلے لمحوں میں کر دیئے ہیں اور خط بھیجنے کے نظام کی چھٹی کرادی ہے تاہم ڈاک کی اہمیت اب بھی برقرار ہے۔ رقم منی آرڈر کرنا ہو یا سامان کی ترسیل کے لئے ڈاک کا نظام ایک مضبوط ذریعہ تصور کیا جاتا ہے مگر جدید ٹیکنالوجی کے دور میں ڈاک کے ذریعے رابطے کا رجحان تقریبا ختم ہوگیا ہے۔ اب ٹیکنالوجی اتنی جدید ہو گئی ہے کہ بنک کے نظام سے لیکر انڈسٹری تک، گاڑیوں سے لیکر ڈرون تک سب ایک بٹن کے اشارے کے منتظر ہوتے ہیں۔

ڈاکخانے کا نظام بے شک بہت پیچھے چلا گیا مگر آج بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں۔ وہ گاؤں اور دیہات جہاں ابھی تک بجلی نہیں پہنچی وہ آج بھی ان ڈاکخانوں کے ذریعے اپنوں سے رابطے کا انحصار کرتے ہیں۔ آج بھی ڈاک خانے کا ملازم ڈاکیا پیدل یا سائیکل پر گھر گھر ڈاک پہنچاتا ہوا ملتا ہے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم آئے دن کسی نہ کسی کے نام سے منسوب کرکے دن مناتے رہتے ہیں مگر ان دنوں کے پیچھے کبھی جھانک کر دیکھا ہے کسی نے؟ ڈاک خانے کا عالمی دن تو ہم منا رہے ہیں مگر کبھی ڈاکخانے میں کام کرنے والے ملازموں کے مسائل پر توجہ دی کسی نے؟ آج بھی ایک پوسٹ مین سارا دن گھر گھر دھکے کھانے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ کیا کبھی حکومت

نے ان کے لیے کوئی اقدام اٹھایا؟ کیا سہولت دی ہیں ان لوگوں کو؟ جتنا پرانا یہ نظام ہے اتنا ہی برا سلوک اس محکمے سے کیا ہوا ہے؟ آج بھی چھوٹے ڈاکخانے میں منتھلی اسٹیٹ منٹ ہاتھ سے تیار کی جارہی ہے۔ رجسٹری تقسیم کرکے ان کی رسیدیں آج بھی سلپ پر گوند سے چسپاں کی جارہی ہیں۔

کیا ان کے لیے کوئی لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، پرنٹر نہیں جو وہ بھی گھنٹوں کا کام منٹوں میں کرسکیں۔ کیا دیہات میں رہنے والوں کا جرم اتنا بڑا ہے کہ ان دیہاتوں میں پڑھے لکھے لوگوں کو بھی چکی میں پیسا جائے۔ دیہاتوں میں ڈاکخانہ ہو یا ہسپتال یہاں پر ملازمین کو تنخواہ کے علاوہ کوئی سہولت نہیں دی جاتیں۔

آج ڈاک کا عالمی دن جہاں دنیا بھر میں منایا جارہا ہے وہاں پاکستان بھی کسی سے پیچھے نہیں مگر آج حکومت کو چاہیے کہ وہ ڈاکخانے کے ملازمین کے لیے بھی پولیس کی طرح کوئی اچھا سے پیکج دے۔ ملازمین کو جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ کرتے ہوئے ہر ڈاکخانے میں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر فراہم کرے۔ پوسٹ مین کے لیے موٹرسائیکل اور پٹرول مہیا کرے تاکہ برق رفتاری سے شہریوں کی ڈاک ان کے گھر پہنچ سکے۔

کہاں ہے میرا قاتل؟

لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ آپ ہندوستان کے علاقے کرنال میں 2 اکتوبر 1896 کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام نواب رستم علی خان تھا آپ کی والدہ کا نام محمودہ بیگم تھا۔ آپ نے دینی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ 1918 میں گریجویشن کرنے کے بعد آپ کی شادی جہانگیر بیگم سے کردی گئی۔ شادی کے بعد آپ برطانیہ چلے گئے جہاں سے آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ میں انگلینڈ بار میں شمولیت اختیار کی۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے 1922 مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ 1936 میں آپ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بنے۔ آپ قائداعظم محمد علی جناح کے دست راست تھے۔یاد رہے 1932 میں آپ نے دوسری شادی کی۔ آپ کی دوسری بیگم کا نام رعنا لیاقت علی خان تھا۔ بیگم رعنا لیاقت آپ کی سیاسی زندگی کی ایک بہتر معاون ثابت ہوئیں۔

آپ نے قائداعظم کے شانہ بشانہ مسلمانوں کے لیے انتھک محنت کی۔1926 میں آپ اترپردیش سے قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1940 میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہونے تک آپ یوپی اسمبلی کے رکن رہے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستانی سیاست میں سیاستدانوں نے اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا۔ جس دن سے سیاستدانوں نے قیام پاکستان کے مقصد اور اسلام سے ہٹ کر سیاست کی اس دن سے پاکستان کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہوگئیں۔ سیاستدانوں کی اپنی انا کی لڑائی کی وجہ سے پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے۔ وہ پاکستان جس کی بنیاد اسلام کے نام پر ہے اس کی بنیاد کو انگریزوں کی غلامی میں گروی رکھا جارہا ہے۔

ذکر ہورہا ہے کہ لیاقت علی خان کا جو پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے ان کو بھی اس سیاست کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ 16 اکتوبر 1951 وہ منحوس دن تھا جب ملک کے پہلے وزیراعظم کو جلسہ عام میں گولی مار کر شہید کیا گیا۔ لیاقت علی خان نے کمپنی باغ راولپنڈی میں مسلم لیگ کے جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا۔ نوابزادہ لیاقت علی خان پونے چار بجے جلسہ گاہ میں پہنچے تو ان کے ستقبال کے لیے مسلم لیگ کا کوئی مرکزی یا صوبائی راہنما موجود نہیں تھا البتہ مسلم لیگ کے ضلعی رہنماؤں نے ان کا استقبال کیا۔ مسلم لیگ کے ضلعی رہنما کے خطبہ استقبالیہ کے بعد وزیراعظم مائیک پر آئے۔ وزیر اعظم نے ابھی 'برادران ملت' کے الفاظ ہی ادا کیے تھے کہ پستول کے دو فائر سنائی دیے۔ لیاقت علی خان پر یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلائیں۔ پہلی گولی ان کے سینے اور دوسری پیٹ میں لگی۔ جس کے بعد وہ زمین پر گر پڑے۔ پھر پشتو میں جملہ سنائی دیا۔ یہ آواز ایس

پی نجف خان کی تھی جس نے پشتو میں حکم دیا تھا کہ 'گولی کس نے چلائی؟ مار واسے !' پھر کیا تھا چند سیکنڈ بعد فائرز کی آواز شروع ہو گئی۔ اس وقت تک قاتل کے ارد گرد موجود لوگوں نے اسے قابو کر لیا تھا۔ اسکا پستول چھین لیا گیا تھا مگر ایس پی نجف خان کے حکم پر انسپکٹر محمد شاہ نے قاتل پر سرکاری پستول سے یکے بعد دیگرے پانچ گولیاں چلا کر اسے ختم کر دیا۔

لیاقت علی خان کو زخمی حالت میں جلسہ گاہ سے باہر لایا گیااس وقت وزیر برائے امور کشمیر نواب مشتاق گورمانی اپنی گاڑی میں جلسہ گاہ میں داخل ہو رہے تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ان کی گاڑی میں ملٹری ہسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال کر گئے۔ لیاقت علی خان کا قتل آج معمہ بنا ہوا ہے۔ حکومتیں آتی رہیں اور جاتی رہیں یہ مگر یہ معمہ آج تک حل نہ ہو سکا۔ یاقت علی خان کے قتل کے بعد جو نئی کابینہ بنی تھی اس میں نواب مشتاق احمد گورمانی کو جو اس سے پہلے وزیر برائے امورِ کشمیر تھے وزیرِ داخلہ کا عہدہ مل گیا تھا۔ قتل کے متعلق تفتیش بے نتیجہ رہی تو لامحالہ گورمانی صاحب کو اعتراضات کا نشانہ بننا پڑا۔ ان اعتراضات سے بچنے کے لیے انہوں نے بہت دیر بعد ایک مرحلے پر انگلستان کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کی مدد حاصل کی اور وہاں سے ایک ماہر سراغ رساں کو بلا کر تفتیش پر مامور کیا۔ لیکن یہ اقدام بھی بس خانہ پوری ثابت ہوا۔ اس سے لیاقت علی خان کے قتل کے

اسباب پر کوئی روشنی نہ پڑ سکی۔

کمپنی باغ کے نام کو لیاقت علی خان کے قتل کے بعد لیاقت باغ کا نام دے دیا گیا۔ اسی لیاقت باغ میں ٹھیک 56 سال بعد ایک اور وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو کو قتل کر دیا گیا۔ جس طرح لیاقت علی خان کے قاتل پکڑے جانے کے باوجود مروا دیا گیا اسی طرح بے نظیر کی شہادت فوری بعد اس جگہ کو صاف کروا دیا گیا تاکہ کوئی پروف نہ مل سکے۔ قاتلوں اور قتلوں کی یہ کہانی کب تک جاری رہے گی؟ کب تک ہمارے آستین کے سانپ ہمیں ڈستے رہیں گے۔ کب تک کرائے کے لوگ ہمیں آپس میں لڑواتے رہیں گے؟ کب ہم اپنے پرائے کی پہچان کریں گے؟ کب تک ہم محبت کے کھیت میں دشمنی کے بیج بوتے رہیں گے۔ وہ سورج کب طلوع ہوگا جس سے ہمارے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلیں گے؟ لیاقت علی خان کی روح آج ہمارے حکمرانوں سے پوچھ رہی ہے کہ کب میرے قاتل پکڑے جائیں گے؟

شاہد آفریدی سے ناروا سلوک کیوں؟

پاکستان کھیل کے میدان میں اپنا مقام آپ رکھتا ہے۔پاکستان نے بہت سی گیمز میں اپنا لوہا منوایا ہوا ہے ۔ایک وقت تھا کہ پاکستان ہاکی اور سکوائش کا بے تاج بادشاہ تھا۔ پاکستان کے سامنے بڑی سے۔بڑی ٹیم کھیلتے ہوئے گھبراتی تھی۔ سکوائش میں جہانگیر خان اور جان شیر خان نے کئی سال تک حکمرانی کی جو ایک ورلڈ ریکارڈ ہے۔ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل بھی ہے۔ایک وقت تھا کہ اس کھیل میں تمام اعزازات پاکستان کے نام تھے۔پاکستان میں سمیع اللہ ، حسن سردار ، کلیم اللہ، شہباز احمد،شاہد علی خان اور سہیل عباس جیسے نامور کھلاڑیوں نے جنم لیا اور اپنے ملک کا نام روشن کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے باوجود ان کھلاڑیوں میں سے کوئی بھی کھلاڑی وہ مقام حاصل نہ کر سکا جتنا مقام پاکستان کے کرکٹرز کو ملا۔پاکستان نے کرکٹ کی دنیا میں صرف ایک بار ورلڈ کپ اور ایک بار ٹی 20 ورلڈ کپ جیتا ہے۔ جبکہ ہاکی میں کئی بار ورلڈ کپ ،ایشیا کپ اور اذلان شاہ کپ جیت چکا ہے مگر ہاکی کے کھلاڑیوں کا اتنا مقام نہیں جتنا کرکٹرز کا ہے۔ ویسے بھی کرکٹ پوری دنیا میں مقبول ترین کھیل بنتا جارہا ہے اور اگر میں یہ

کہوں کے فٹ بال کے بعد دنیا کا سب سے زیادہ دیکھا جانے والا کھیل کرکٹ ہو گیا ہے تو شاید یہ غلط بھی نہ ہو۔ پاکستان نے کرکٹ کی دنیا میں نامور کھلاڑیوں کو جنم دیا اور جنھوں نے اپنے اپنے ادوار میں ملک کا نام روشن کیا۔ حنیف محمد، سرفراز نواز، وسیم باری، جاوید میانداد، عمران خان، جلال الدین، وسیم اکرم، عبدالقادر، سعید انور، وقار یونس، محمد یوسف، شعیب اختر، شاہد آفریدی اور یونس خان جیسے نام آج بھی کرکٹ کے میدان میں سنہری لفظوں سے لکھے جاتے ہیں۔

پاکستان میں کرکٹرز کا بحران نہیں۔ الحمدللہ ہر دور میں پاکستان کا نام روشن کرنے والے بیٹسمین اور باؤلر پیدا ہوئے مگر ان کو ضائع کرنے کا سہرا پی سی بی کے سر ہے۔ دوسرے ملکوں میں ان کے کرکٹ بورڈ کھلاڑی کو نکھارتے ہیں اور ہمارا بورڈ اپنی انا اور من پسند کے لیے کھلاڑیوں کا ٹیلنٹ ضائع کر دیتے ہیں۔ جن کی مثال عمران نذیر، عبدالرزاق کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ مجھے معلوم ہیں ان کے مخالف لوگ میری اس بات پر کہہ سکتے ہیں کہ ان کو کتنا چانس دیا گیا مگر یہ کامیاب نہیں ہوئے۔ ان کو جواب میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جتنا چانس بورڈ نے اپنے من پسند کرکٹرز کو دیا اتنا ان کو نہیں ملا۔ اگر چانس ملا بھی تو ان کو کھیلایا نہیں گیا۔ عمران فرحت، منصور رانا وہ کھلاڑی ہیں جن کو چانس نہیں چانسز دیے مگر یہ ہمیشہ ناکام رہے۔

پاکستان کی کرکٹ کو تباہ کرنے میں پی سی بی کے علاوہ کسی کا کردار نہیں۔ پاکستان میں کئی کھلاڑی بال ٹمپرنگ، سٹے بازی میں ملوث پائے گئے مگر افسوس ہمارے بورڈ نے ان کے خلاف سختی کرنے کے بجائے ان کو دوبارہ ٹیم میں کھلا کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس باؤلر نے پہلی بار بال ٹمپرنگ کی اور جو کھلاڑی پہلی بار سٹے میں ملوث پایا گیا اس پر آئی سی سی سے پہلے خود ایکشن لیکر تاحیات کرکٹ کے دروازے بند کر دیے جاتے تو دوبارہ کسی کی ہمت نہ ہوتی مگر یہاں تو ''کتی چوراں نال رلی اے'' ۔ جہاں میں نے نامور کھلاڑیوں کا نام لیا ادھر ہی ملک کی بدنامی کرانے والے بھی کم نہیں، سلمان بٹ، محمد عامر، محمد آصف، سلیم ملک جیسے لوگ بھی بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ بے شک ان میں سے کوئی بعد میں کلئیر بھی ہوا مگر سزا یافتہ کا لیبل تو ضرور لگ گیا۔

جاوید میانداد اور شاہد آفریدی میں جنگ چھڑی اس جنگ کے خاتمے کے لیے بہت لوگوں نے کوشش کی مگر وسیم اکرم کامیاب ہوئے کیونکہ بقول ان کے کہ ایک میرا استاد ہے اور دوسرا میرا شاگرد۔ بے شک میں ان دونوں میں صلح ہو گئی مگر ان کی اس بیان بازی سے نہ صرف لوگوں کو بولنے کا موقع ملا بلکہ بیرون ممالک میں بدنامی کا باعث بھی بنے ہیں۔

پچھلے دنوں آفریدی نے کہا کہ وہ اپنا آخری میچ کھیل کر ریٹائرمنٹ لینا چاہتا ہوں تو اس پر بھی بہت سے لوگوں کے تبصرے سنے۔ شہریار صاحب نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پاکستانی کرکٹ کے ناخداؤں نے کہا کہ ایسا کسی ملک میں نہیں ہوتا کہ وہ ایسے کرکٹ کے میدان سے رخصت ہوں تو میں یہاں پر ان لوگوں کو جواب دوں کہ کسی ملک میں ہو یا نہ ہو ہمارے پاکستان میں ایسا ہوا ہے۔ کرکٹ کے تباہ کاروں کو یاد کرادوں کہ انضمام الحق جو آج چیف سلیکٹر ہیں اپنے ماضی میں جائیں اور یاد کریں کہ وہ کیسے آخری میچ میں کیسے آنسو بہاتے ہوئے الوداع ہوئے تھے۔ جاوید میانداد کو بھی وہ دن نہیں بھولا ہوگا جب ان آخری میچ کھلا کر الوداع کیا گیا تھا۔

بات الوداع کرنے کی نہیں حقیقت کچھ اور ہے پاکستان میں چند ایک سوا باقی کرکٹ کے ہیروز کو دھکے دیکر نکالا گیا ہے۔ آفریدی سے خدشہ ہے کہ کہیں وہ اچھی اننگز نہ کھیل جائے اور عوام اس کو جانے نہ دے۔ اسی خوف کی وجہ سے وہ اس کو باعزت الوداع نہیں کرنا چاہتے۔ پی سی بی میں کونسا عہدے دار عزت سے جاتا ہے ایک کو نکالا دوسرے کو بیٹھایا پھر دوسرے کو بھگایا اور پچھلے کو بیٹھا دیا۔ یہ تو پی سی بی کی حالت زار ہے۔

خدارا میاں نواز شریف صاحب آپ کرکٹ کے پیٹرن انچیف ہیں کچھ تو خیال کرو۔ کیوں ہمارے ہیروز کی تذلیل کروا رہے ہو؟ کھیل کو کھیل ہی رہنے دو اس کو رسہ گیر نہ بنانے دو۔ اب بھی وقت ہے پی سی بی کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں دو جو اس کے قابل ہیں ورنہ وقت دور نہیں جب پاکستان میں کرکٹ ایک تماشہ بن کر رہ جائے گا۔ سینئر جونیئر کا احترام ختم ہو جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ میرے پاکستان کی کرکٹ کو تباہ ہونے سے بچائے۔ آمین

وزیراعظم پاکستان کی پھولنگر آمد اور عوامی توقعات

ضلع قصور صوبہ پنجاب کا ایک ضلع ہے۔پہلے یہ لاہور کی ایک تحصیل تھا۔یکم جولائی 1976کو ضلع لاہور سے تحصیل قصور کو علیحدہ کرکے ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔اس کا کل رقبہ 3995 مربع کلومیٹر ہے۔اس ضلع میں 95.4 فیصد مسلمان اور 4.4 فیصد غیر مسلم آباد ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی مادری زبان پنجابی ہے۔ عام طور پر شلوار قمیص پہننے کا عام رواج ہے۔ دیہی علاقوں میں مرد شلوار کی بجائے چادر (دھوتی) باندھتے ہیں۔ سرکاری تعلیمی اداروں میں حکومت کافی تعلیمی سہولیات فراہم کر رہی ہے جبکہ نجی تعلیمی اداروں کی بھرمار ہے جو تعلیم کے میدان میں اپنا جھنڈا گاڑھ رہے ہیں۔ قصور کے لوگوں کا تحریک پاکستان میں بھی نمایاں کردار رہاہے،آزادی سے پہلے اور بعد کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں اس دھرتی کے سپوتوں نے دفاع وطن اور بقائے ملت کیلئے قربانی نہ دی ہو۔

اس ضلع کو انتظامی طور پر چار تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، تحصیل قصور، تحصیل پتوکی، تحصیل چونیاں اور تحصیل کوٹ رادھا کشن۔ ضلع قصور کی تحصیل چونیاں میں ہاتھ سے لگایا دنیا کا سب سے بڑا جنگل چھانگا مانگا میں واقع ہے۔ چھانگا مانگا کی لکڑی پورے ملک میں مشہور ہے۔ یہاں سے سالانہ ٹنوں کے حساب

سے شہد اکٹھا ہوتا ہے۔ جنگل میں ایک خوبصورت تفریحی پارک اور جھیل سیاحوں کے لئے کشش کا باعث ہے۔

قصور سے بہت سے نامور شخصیات کا تعلق رہا۔ جن سرفہرست بابا بلھے شاہ ہیں جو اس ضلع کی سب سے بڑی پہچان ہیں۔ ملکہ ترنم نورجہاں، بڑے غلام علی اور چھوٹے غلام علی بھی اس شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔اس ضلع نے کئی نامور سیاستدانوں کو اپنے سینے پر جگہ دی۔ جن میں سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری، سردار آصف احمد علی، سابق وزیراعلیٰ سردار عارف نکئی، ملک رشیداورچوہدری منظورکانام شامل ہے مگر ایک نام ایسا ہے جس نے پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا میں اپنا نام روشن کیا۔ ضلع قصور کی سیاست میں لوٹا کریسی کی سیاست چلتی رہی اور یہ سب سیاستدان وقت کے دھارے کے مطابق اپنی اپنی پارٹیاں بدلتے رہے مگر اس خاندان نے ابھی تک نواز شریف کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ نام رانا پھول (مرحوم) کا نام ہے۔

رانا پھول وہ نام ہے جس کو ساری دنیا میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج میاں نواز شریف جس مقام پر ہیں ان کو اس مقام پر پہچانے میں رانا پھول کا بہت اہم کردار ہے تو وہ شاید غلط نہ ہو۔ رانا پھول کا خاندان جب بھی میاں نواز کی حکومت اقتدار میں حصہ دار رہا۔ رانا پھول کا چشم وچراغ رانا اقبال خان پچھلے آٹھ سال سے سپیکر پنجاب اسمبلی ہیں۔ رانا پھول کے بھتیجے رانا حیات خان جو ضلع کی سیاست میں اپنا مقام آپ رکھتے ہیں ۔ یہ وہی رانا

حیات ہے جس نے پرویز مشرف کے دور میں ق لیگ کی حکومت کو للکار ضلعی ناظم بنے۔

میاں نواز شریف اپنے اقتدار میں ہر بار پھولنگر کا دورہ ضرور کرتے ہیں۔ رانا خاندان کی دعوت پر 29 اکتوبر وزیر اعظم ایک بار پھر پھولنگر کے دورے پر آ رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق وہ ایک پاور پلانٹ کا افتتاح کریں گے، اپنے ضلعی چیئرمین کے نام کا اعلان اور تحصیل چتوکی کے لیے کچھ خصوصی پیکج بھی دیں گے۔ وزیر اعظم پاکستان کی آمد کے موقع پر بہت سے شہروں اور دیہاتوں نے اپنے اپنے مسائل کے حل کے لیے مقامی ایم این اے اور ایم پی ایز سے رابطہ کر لیا ہے۔ سروے کے مطابق چتوکی والوں کا اہم مطالبہ ہلہ روڈ کی تعمیر کا ہے جبکہ پھولنگر کی عوام کے مسائل میں سر فہرست پھولنگر تا ہیڈ بلوکی روڑ کی تعمیر، گندے پانی کے نکاس کا مسئلہ، ہسپتال میں ڈاکٹرز کی تعداد اور چوبیس گھنٹے سروس کا ہونا شامل ہیں۔

جمبر کی عوام نے سوشل میڈیا پر اپنے مطالبات بھی لانا شروع کر دیے ہیں۔ عوامی رائے کے مطابق وہ وزیر اعظم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ جمبر کے ہسپتال کو اپ گریڈ کیا جائے تاکہ صحت کی بنیادی سہولیات جو اس گاؤں کے لیے نا ہونے کے برابر ہیں وہ ان کو میسر آ سکیں۔ جمبر خورد کلاں یونین کونسلز کو یکجا کر کے

ٹاؤن کمیٹی بنایا جائے۔اس کے علاوہ کھیل کا میدان بھی مہیا کرنے کا مطالبہ سامنے آرہا ہے۔ سرائے مغل کی عوام اپنے علاقے میں طلبہ وطالبات کے لیے ہائیر سیکنڈری سکول کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے دیہی علاقوں نے بنیادی سہولیات مثلاً سوئی گیس، پانی کا نکاس، میٹھے پانی کا پلانٹ کے مطالبات رانا خاندان کے سامنے پیش کر دیے تاکہ وزیراعظم پاکستان کو استقبالیہ پیش کرتے ہوئے وہ تحصیل پتوکی کے اہم مسائل کو ان کے سامنے پیش کر سکیں۔

ایک طرف وزیراعظم مختلف شہروں کے دوروں کے دوران ترقیاتی کام کرنے کے حکم صادر فرمارہے ہیں تو دوسری طرف تحریک انصاف کے سربراہ ان پر عوام کو خریدنے کا الزام لگا رہے ہیں۔ بقول خان صاحب کے کہ کبھی وہ لیپ ٹاپ دیکر تو کبھی مختلف پیکج دیکر عوام کو اپنا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ عوام کو اپنے بنیادی مسائل کا حل چاہتی ہے۔ وہ اپنی دہلیز پر گیس، پانی، بجلی، تعلیم اور صحت جیسی مراعات چاہتی ہے۔رانا خاندان نے بظاہر تو ہر شہر، گاؤں میں جا جا کر ان مسائل کے حل کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اگر وزیراعظم پاکستان عوام کے ان کو مسائل کو حل کر گئے تو اگلی بار ن لیگ کے ایم این اے اور ایم پی ایز کو ہرانا مشکل ہوگا۔

تھپڑ کی گونج

صحافت دنیا کا معتبر اور مقدس پیشہ ہے جس میں صحافی کا کام عوام کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنا ہے۔پیشہ صحافت کو دنیا میں بہت اعلیٰ مقام دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی شعبہ نامکمل ہے۔سیاستدان سے لیکر ایک عام آدمی بھی صحافت کا محتاج ہے۔ سیاسی لوگوں کے پروگرام میں اگر صحافی لوگ نہ ہوں تو وہ پروگرام بیکار ہوتا ہے کیونکہ صحافت کے ذریعے ہی وہ خبر لوگوں تک پہنچتی ہے۔ صحافی کا کام دنیا میں ہونے والے اچھے اور برے کاموں کو مختلف ذرائع (اخبار، ٹی وی، ریڈیو، آن لائن اخبار) سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔ اگر صحافی برادری اپنی دیانت داری سے کام سرانجام دیں تو معاشرے میں کوئی غلط کام کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔

اس بات سے انکار نہیں کہ کچھ غلط لوگوں نے اس مقدس پیشے کو بدنام کردیا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ صحافت کو زرد صحافت بنادیا ہے تو بھی یہ غلط نہیں ہوگا۔ہماری بدقسمتی ہے کہ کچھ دولت مند لوگوں نے اس صحافت کا غلط استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔وہ لوگوں کو بلیک میل کرکے پیسہ بنانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوجاتے ہیں۔

صحافت ایسا پیشہ ہے جس میں انتہائی ایمانداری کے ساتھ کام کرنا چاہیے کیونکہ صحافی کے قلم سے لکھی ہوئی تحریر عوام کو کہاں کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اب تو الیکٹرانک میڈیا نے عوام کو اتنا ایڈوانس کر دیا ہے کہ پلک جھپکتے ہی خبر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے اور اسی میڈیا کے ذریعے صحافی عوام کے ذہن میں اچھی،بری چیز کی نشاندہی کراتے ہیں۔ اگر ہم لوگ درست کام کرنے پر ان کا ساتھ دیں اور غلط کام کرنے پر اس کی نشاندہی کرکے انہیں ایسا کرنے سے روکیں تو پھر ہمارا پاکستان ترقی کیوں نہیں کریگا۔

چند روز پہلے سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو دیکھی جس میں ایک نجی چینل کی اینکر نے نادرا آفس میں سیکورٹی پر معمور اہلکار سے تھپڑ کھایا۔اس ویڈیو کا ہر طرف چرچہ ہوا۔ مختلف لوگوں نے اپنی اپنی ذہانت کے مطابق اس پر تبصرہ کیا۔ کسی نے کہا کہ بہت اچھا ہوا اس کو تھپڑ لگنا چاہیے تھا تو کسی نے کہا کہ یہ طمانچہ اس اینکر کے نہیں بلکہ صحافت کے منہ پر لگا ہے۔ کسی نے اس کو ریٹ بڑھانے کا نام دیا۔ بات تبصروں تک نہیں رہی بلکہ یہ تھانوں اور عدالتوں تک جا پہنچی۔ اس پر تحقیقات شروع ہو چکی ہے۔

اگر اس ویڈیو کو دیکھ کر بات کی جائے تو اس میں دونوں ہی قصوروار ہیں۔ پہلے نمبر پر اس اینکر کو آداب صحافت سیکھنے چاہیئں تھے۔ اگر اس کو ن آداب کے

متعلق علم نہیں تو سید بدر سعید کی کتاب ''صحافت کی مختصر تاریخ قوانین و ضابطہ اخلاق'' کا مطالعہ ضرور کرلینا چاہیے تھا۔ جس انداز میں اینکر نے گفتگو کی اور جس طرح اس سیکورٹی اہلکار کی شرٹ کھینچی یہ کسی طرح بھی ایک صحافی کو زیب نہیں دیتا۔ صحافت کے میدان میں چوروں کو ننگا ضرور کرنا چاہیے مگر دائرہ اخلاق میں رہ کر۔ دوسری جانب سیکورٹی اہلکار نے بھی خواتین کے آداب کو بھلا کر اپنا انا کا بھرم رکھتے ہوئے وہ حرکت کردی جو اس کو نہیں کرنا چاہیے تھی۔ بحرحال جو بھی ہوا وہ دونوں طرف سے بہت برا ہوا۔ جہاں صحافت پر لوگوں کو بولنے کا موقع ملا ادھر سیکورٹی اہلکار اور حکومت کے خلاف بھی برا بھلا کہا گیا۔ اب دوسرے واقعوں کی طرح یہ واقعہ بھی ماضی ہوا۔

آج کے دور میں اس حقیقت سے انکار نہیں میڈیا کافی طاقتور ہوگیا ہے اور اس صحافت کی آڑ میں کچھ نام نہاد (ان پڑھ) صحافی بلیک میلنگ کی مد میں منتھلی ہزاروں روپے کما رہے ہیں۔ بہت سے لوگ میڈیا کی آڑ میں اپنے دو نمبر کاروبار کو وسیع کر رہے ہیں۔ NTS ٹیسٹ کی ضرورت نہیں۔ بس چند صحافت کے میدان میں آنے کے لیے کسی روپوں میں آپ صحافت کا لائسنس حاصل کر سکتے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں میں نے ایسے ایسے رپورٹر دیکھے ہیں جن کو بولنے کا ڈھنگ نہیں مگر ان کے پاس مختلف چینل کا کارڈ موجود ہے۔ انہوں نے کبھی اپنے چینلز کو اپنے علاقے کی رپورٹنگ نہیں کی مگر بضرورت پریشانی اسکا حل جیب میں رکھا ہوا

ہے۔اپنے علاقے میں مختلف محکموں میں جا کر دھونس دھمکی کا کام ضرور اس کارڈ سے لیا جاتا ہے۔

صحافت کے بھی اصول ہوتے ہیں۔ کسی بھی رپورٹر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی شخصیت یا ادارے کے خلاف ذاتیت پر آئے بلکہ پروف کے ساتھ ان کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کرے۔یہ نہیں کہ خود جج بن کر اس پر حکم صادر فرمادے۔ جس طرح سیاست کے میدان ہر کوئی ایک دوسرے کو کرپٹ بول رہے ہیں مگر جب پروف دینے کا وقت آتا ہے تو عدالتوں میں کوئی ثابت نہیں کرتا۔شہروں کو بند کرنا معمول بنالیا ہے مگر عدالتوں سے رجوع کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

خدارا مملکت پاکستان کی سوچو، آنے والی نسلوں کی سوچو، اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسروں کو خیال کرو۔ ہمارا مذہب ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ جو اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ کرو۔ جیسا اپنے لیا چاہتے ہو ایسا ہی دوسروں کے لیے چاہو۔ صحافت ہو یا سیاست دونوں کا تعلق عوام کی ترجمانی سے ہے۔ اس لیے حق اور سچ کے ساتھ ہمیں اپنا اپنا کام کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کا عالمی تبلیغی اجتماع

ہمارا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کو دنیا بھر کے تمام مذہب پر برتری حاصل ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چار کتابیں نازل کیں۔ ان چار کتابوں میں قرآن مجید آخری کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس کتاب کو پڑھ کر اور سمجھ کر چلنے میں دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی ہے۔ اس کامیابی کے لیے ابتداء اسلام سے تبلیغ کی جارہی ہے۔ تبلیغ کا مطلب دعوت دینا ہے۔ جہاں ایک مسلمان غیر مسلم کے ساتھ ساتھ اپنے بھٹکے ہوئے مسلمان بھائی کو دعوت دیتا ہے کہ وہ دین اسلام کی طرف راغب ہوں۔ تبلیغ کا یہ کام انبیاء اکرام، صحابہ اکرام سے لیکر اب تک بڑی کامیابی سے جاری ہے۔ آج بھی مسلمان ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک تبلیغ دینے لیے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع مکہ مکرمہ میں حج کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کے بعد دوسرا بڑا اجتماع رائیونڈ (لاہور) میں ہوتا ہے۔ جہاں پر دنیا بھر سے مسلمان شرکت کرنے آتے ہیں۔ یہاں سے ایک دن میں ہزاروں لوگ تبلیغ کی غرض سے مختلف شہروں کو روانہ ہوتے ہیں۔ رائیونڈ اجتماع تین روزہ ہوتا ہے۔ جو نومبر کے ماہ میں ہوتا ہے۔ پہلے پورے پاکستان میں ایک ہی بار یہ اجتماع

ہوتا تھا مگر عوام کی ہر سال بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر انتظامیہ نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ نومبر کے ایک ہفتے میں دو صوبے اور دوسرے ہفتے میں دوسرے دو صوبوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

یہ اجتماع کا سلسلہ کافی پرانا چلا آ رہا ہے۔ اس کی بنیاد مولانا محمد الیاس نے 1926 میں رکھی ۔ بنیادی طور پر اس کا دیوبندی مکتب فکر سے تعلق ہے۔ اس اجتماع میں لوگوں کو دین کے بارے میں مختلف علما اکرام درس دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح دین اسلام ہماری زندگی میں آئے گا۔ وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ جس طرح ہمارے پیغمبروں نے یہ دین ہم تک پہنچایا اس طرح اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس دین کو لوگوں تک پہنچائیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بعد اب کوئی پیغمبر دنیا نہیں آئے گا۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دین اسلام کو دنیا بھر میں پھیلائیں۔ اس لیے دین کو پھیلانے کے لیے تبلیغی جماعتیں بھیجی جاتی ہیں۔

تبلیغی جماعت میں کئی دہائیوں سے نظام امارت موجود ہے۔ امیر کو میوات کے افراد حضرت جی کہتے ہیں۔ پھر یہی لقب امیر تبلیغی جماعت کے لیے چل پڑا۔ اس میں تین امراء (حضرت جی) ہوئے ہیں:

مولانا محمد الیاس صاحب

مولانا محمد یوسف صاحب

مولانا انعام الحسن صاحب

مولانا انعام الحسن کی وفات (1995) کے بعد بھارت کے نامور علماء کرام نے متفقہ طور پر مولانا زبیر الحسن کو امیر منتخب کر لیا لیکن میوات والے مولانا محمد سعد کاندھلوی کی امارت پر اصرار کرتے رہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر علماء نے نظام امارت کو تحلیل کر کے شورائی نظام بنایا جس میں بھارت سے مولانا محمد سعد اور مولانا زبیر الحسن اور پاکستان سے عبد الوہاب صاحب کو منتخب کیا گیا۔ اس طرح تبلیغی جماعت میں شورائی نظام کی ابتداء ہوئی۔

جماعت کیا ہے ؟ جماعت کا مطلب ہے کہ چند افراد ایک مخصوص مدّت کے لیے دین سیکھنے اور سکھانے کی خاطر کسی قافلے کی شکل میں ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں۔ ان کے دورے کی مدّت تین دن، چالیس دن، چار ماہ اور ایک سال تک ہو سکتی ہے۔ یہ تبلیغی جماعت کے افراد اس دوران علاقے کی مسجد میں قیام کرتے ہیں جبکہ عورتوں کا علیحدہ کسی کے گھر میں انتظام کیا جاتا ہے۔ تبلیغی جماعت مردوں کی نہیں بلکہ عورتوں کی بھی جاتی ہے۔ تبلیغی جماعت کے چھ اصول ہوتے ہیں۔ جو ایمان، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت، دعوت و تبلیغ ہیں۔

یہ جماعتیں مسجد میں بیٹھ کر اسلام نہیں پھیلاتے بلکہ اس کے لیے گشت بھی

کرتے ہیں۔ گشت کا مطلب ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر لوگوں کو ان کے گھروں، دکانوں، سکولوں اور دیگر جگہوں پر جا کر دین سیکھنے کی دعوت دیتے ہوئے مسجد میں مدعو کرتے ہیں۔ اس عمل کو جماعت کی اصطلاح میں 'گشت' کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ عموماً چاشت کے وقت اور ظہر کی نماز کے بعد مسجد میں تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد ایک کونے میں بیٹھ جاتے ہیں اور پھر کوئی ایک شخص فضائل اعمال کا مناسب آواز میں مطالعہ کرتا ہے تاہم اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ نماز و تلاوت میں مشغول افراد کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔

دین اسلام کے خاطر یہ لوگ اپنے گھربار، بیوی بچوں اور ماں باپ کو چھوڑ کر شہر شہر، گاؤں گاؤں اور ملک ملک پھرتے ہیں۔ جہاں یہ لوگ اپنی آخرت سنوارنے کے لیے محنت کرتے ہیں ادھر یہ لوگ دوسروں کو بھی اسلام سمجھاتے اور سکھاتے ہوئے آخرت کا کامیاب راستہ دکھاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو دین اسلام گھر گھر پہنچانے کے لیے انتھک محنت کر رہے ہیں۔

آنگن کے پھول

اولاد اللہ تعالٰی کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر ان سے پوچھئے جن کے آنگن میں یہ پھول نہیں کھلتے۔ ان کے بغیر گھر ویران سا لگتا ہے کیونکہ اس گھر میں بچے کی صورت میں کھلنے والا پھول نہیں ہے۔ اولاد کی صحیح تربیت والدین کا حق ہے۔ اولاد کی نیک تربیت کے بے شمار فوائد ہیں۔ تربیت یافتہ اولاد والدین کی نیک نامی کے ساتھ ساتھ ان کے بڑھاپے کا سہارا بھی بنتے ہیں اور اگر اولاد کی تربیت صحیح نہ ہو تو وہ وبال جان بن جاتی ہے۔ والدین کو بچپن ہی سے بچے کی تربیت پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے کیونکہ بچپن کا زمانہ زمین کی مانند ہوتا ہے جس میں انسان جو کچھ بیجے گا وہی کاٹے گا۔ بچے پھول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے معصوم چہرے سورج کی پہلی کرن سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جو معاشرے کی ایک انتہائی معصوم اور حساس پرت ہوتے ہیں۔ معاشرے کا ہر فرد بچوں سے پیار کرتا ہے۔ بچوں کی موجودگی سے گھروں میں رونق ہوتی ہے۔ انہی پھولوں نے پڑھ لکھ کر ملک کے مستقبل کا معمار بننا ہوتا ہے۔ یہی معصوم پھول ڈالی سے ٹوٹ کر گلیوں کی دھول بن جاتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1989 میں بچوں کے منظور شدہ حقوق کا اعلان کیا تھا جس کے بعد 20 نومبر 1990 کو دنیا کے 186 ممالک نے بچوں کا عالمی دن منانے کی منظوری دی تھی۔ پوری دنیا میں اس دن کی مناسبت سے تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس کے تحت بچوں کا عالمی دن منانے کا مقصد ان کی تعلیم، صحت، سیر و تفریح اور ذہنی اور جسمانی تربیت کے حوالے سے شعور اجاگر کرنا ہے تاکہ بچے مستقبل میں معاشرے کے بہترین شہری بن سکیں۔

بچے کسی بھی ملک کا مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی پرورش میں سب اہم کردار ماں باپ کا ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر استاد کا مقام ہے۔ معاشرے میں اچھا شہری بننے کے لیے جہاں ان دونوں کی ذمہ داری ہے ادھر حکومت کو بھی پیچھے نہیں چھوڑ سکتے۔ حکومت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا وہ بچوں کے حقوق کے لیے مناسب اقدام کر رہی ہے؟ اگر ہم حکومتی اقدامات پر نظر دوڑائیں تو سب کچھ سامنے نظر آ جائے گا۔

صحت کے میدان میں بچوں کے لیے چلڈرن ہسپتال نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جن شہروں میں چلڈرن ہسپتال قائم کئے گئے وہاں پر مریض بچے زیادہ اور انتظامات کم ہیں۔ بہت سے بچے ہسپتال کے در پر اپنی جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں ان بچوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ امراء کی تعلیم اور غریب

کی تعلیم میں بھی فرق ہے۔ پرائیویٹ اور گورنمنٹ سیکٹر میں بھی تعلیم کے میدان الگ الگ ہیں۔

اس کے علاوہ سب سے اہم چائلڈ لیبر ہے۔ چائلڈ لیبر سے مراد نوعمر اور کم سن بچوں سے محنت مشقت اور ملازمت کرانا ہے۔ یعنی بچے کو اس کے حق تعلیم و تفریح سے محروم کرکے اس کو کم عمر میں ہی کام پر لگا دیا جائے۔ چائلڈ لیبر بچوں کے مسائل میں اہم ترین مسئلہ ہے۔ عالمی سطح پر چائلڈ لیبر کے اعداد و شمار بہت تشویشناک ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق چوبیس کروڑ ساٹھ لاکھ بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔ پھر ان بچوں میں سے تقریبا تین چوتھائی (سترہ کروڑ دس لاکھ) سخت مشقت والے کام کرتے ہیں جیسے کہ کانوں میں کام کرنا، کیمیکلز کے ساتھ کام کرنا اور کھیتی باڑی نیز خطرناک قسم کی مشینری کے ساتھ کام کرنا۔

چائلڈ لیبر کے بہت سے اسباب ہیں جن کے وجہ سے والدین اپنی کم سن اولاد کو کام کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں عام طور وہ والدین جو بچوں کی تعلیم کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے یا کسی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں رہتے یا ان کی کمائی کم ہوتی ہے مگر زیادہ افراد کی کفالت ذمہ ہوتی ہے تو ایسے میں یہ والدین اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی کام پر لگا دیتے ہیں۔ بعض اوقات والدین کی تعلیم اور شعور میں کمی بھی اس مسئلے کا سبب بنتی ہے۔

بعض لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد رزق کمانا ہوتا ہے۔ پس یہ والدین بچوں کو بچپن سے ہی کسی فیکٹری، کسی موٹر مکینک یا کسی اور ہنر مند کے پاس بطور شاگرد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ بچہ جلد روزگار کمانے کے قابل ہو سکے۔

آج کل سبزی فروٹ منڈیاں، چھپّر ہوٹل، ورکشاپس سے لیکر مختلف انڈسٹریز تک چائلڈ لیبر کا گڑھ ہیں۔ سڑکوں پر گشت کرتے بچے جو حالات گردش کی بنیاد پر مارے مارے پھرنے پر مجبور ہیں۔وہ معصوم بچے جن کے ہاتھوں میں کتابوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی ہے ان کے ہاتھوں میں یہ معاشرہ ورکشاپس کی صورت میں اوزار تھما دیتا ہے۔

ملک بھر میں قانونی پابندی کے باوجود چائلڈ لیبر کا خاتمہ نہیں ہوا۔ چودہ سال سے کم عمر بچوں سے نہ صرف غیر قانونی مشقت لی جاتی ہے بلکہ ان سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ معصوم پھول تو صرف شفقت کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو بچے زمانے کی کڑی دھوپ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ معاشرے کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں۔